بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت نشان تفسیر سراپا تنویر گنجینہ حقائق و معارف و
خزینہ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ مسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا
الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد چہارم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

ناشر
مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... معارف القرآن (جلد چہارم)

تصنیف .... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مطبع .... خضر جاوید پرنٹرز

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین جلد چہارم تفسیر "معارف القرآن"

پارہ ⑫، ⑬، ⑭، ⑮

سورۂ ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، بنی اسرائیل، کہف

پارہ ⑫ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

بیان صفت تزریق وصفت تخلیق ۱۱
ابطال قدامت مادہ ۱۳
بحث دربارۂ بعث ۱۵
بیان حال طبیعت انسانیہ وراحت وکلفت ۱۶
بیان نوع دیگر از طعنہائے کفار ناہنجار وتسلی نبی اکرم ﷺ. ۱۷
دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر ۱۸
ابطال غرۂ اہل دُنیا بر اعمال خود ۲۰
شان نزول ۲۱
اہل دُنیا اور اہل آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے
نتائج اُخروی کا بیان ۲۳
ظالموں کے حال اور مآل کا بیان ۲۵
ذکر حال ومآل اہل ایمان ۲۶
مثال فریقین ۲۶
ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر آیت ۲۶
قصۂ نوح علیہ السلام با قوم او ۲۹
قوم کا جواب ۲۹
حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب ۳۰
لطائف ومعارف ۳۳
تتمہ قصۂ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان ۳۵
قصۂ فروشدن طوفان ۳۹
دعاء نوح ﷺ برائے نجات پسر خود وجواب باری تعالیٰ .. ۴۱
خاتمہ قصہ مشتمل بر بیان حکمت وذکر استدلال بروحی نبوت ۴۳
قصۂ ہود علیہ السلام با قوم عاد ۴۵
قصۂ صالح علیہ السلام با قوم ثمود ۴۹
قصۂ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحٰق . ۵۲
لطائف ومعارف ۵۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم ۵۴
قصۂ لوط علیہ السلام وقوم او کہ تتمۂ قصۂ سابقہ است ۵۶
قصہ حضرت شعیب علیہ السلام ۶۱
قوم مردود کا جواب ۶۲
شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب ۶۳
ترہیب قوم از مخالفت ومعاندت ۶۳
قوم کا جواب ۶۴
شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب ۶۴
قصۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون ۶۶
تذکیر عواقب دنیویہ اُمم ظالمہ برائے عبرت ۶۷
تذکیر عواقب اخرویہ کفر وتکذیب برائے موعظت ونصیحت ۶۹
موعظت حسنہ ۷۵
تحذیر از اختلاف وافتراق وحکم استقامت بر احکام شریعت ۷۶

اُمم سابقہ کی ہلاکت کے سبب قریب اور سبب بعید کا بیان . ۷۹
تنبیہ بر بعض حکمت ہائے حکایت قصص مذکورہ ۸۱
خاتمہ سورت بر تہدید عدم قبول ذکریٰ وموعظت ۸۲
تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام ۸۴

تفسیر سورۂ یوسف (علیہ السلام)

شان نزول ۸۵
حقانیت قرآن حکیم وتمہید قصہ ۸۶
آغاز قصہ برؤیائے صالحہ وصادقہ ۸۸
خواب کی حقیقت ۸۸
تعبیر خواب ۸۹
معاملۂ برادران یوسف علیہ السلام ۹۲
ذکر الطاف وعنایات خداوندی با یوسف صدیق علیہ السلام و
قصۂ او با زن عزیز مصر ۹۹
دعوائے یوسف علیہ السلام ۱۰۶
اعتراف زلیخا ۱۰۶
عزیز مصر کا اعتراف ۱۰۶
شہادت شاہد ۱۰۶
شہادت زنان مصر ۱۰۶
شہادت ربّ العالمین ۱۰۷
شہادت ابلیس لعین ۱۰۷
ذکر الطاف وعنایات خداوندی ۱۰۷
ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ ۱۰۷
قصۂ دعوت زلیخا زنان مصر را مشتمل بر اعتراف عصمت وعفت
یوسف علیہ السلام ۱۰۹
قصۂ یوسف علیہ السلام با ساقی وخباز در جیل خانہ بر تبلیغ ودعوت
اظہار نبوت ۱۱۳
دعوت توحید ۱۱۴
تعبیر خواب ۱۱۵
شاہ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اُس کی
تعبیر بتانا ۱۱۷
شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کے لیے طلب کرنا ۱۲۰

پارہ ⑬ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِي

مشتمل بر تحدیث نعمت وبیان حقیقت عصمت ۱۲۳
ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر ایں آیت ۱۲۴
یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور بالمشافہ گفتگو اور
تفویض اختیارات سلطنت ۱۲۶
ظہور قحط عظیم در اطراف مصر وشام ۱۲۹
باردوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام ۱۳۵
فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلۂ جلیلہ ۱۳۷
بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوم ۱۴۰
بارسوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام
برائے تفحص یوسف وبنیامین ۱۴۴
بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم وبشارت بُردن .. ۱۴۶
بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین
واہل خود ۱۴۸
خاتمۂ قصہ بر دعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر ۱۵۰
خاتمۂ سورت بر اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وتہدید منکرین
وبیان حقانیت کتاب مبین ۱۵۳

تفسیر سورۂ رعد

حقانیت قرآن کریم ۱۶۱
ذکر دلائل توحید واثبات مبدأ ومعاد ۱۶۲
استدلال باحال عالم علوی ۱۶۳
استدلال بہ تسخیر شمس وقمر ۱۶۴
آسمانوں کے بارہ میں فلسفۂ جدیدہ کا نظریہ ۱۶۴

استدلال باحوال عالم سفلی ۱۶۵
استدلال دیگر ۱۶۶
منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات ۱۶۸
پہلے شبہ کا جواب ۱۶۹
دوسرے شبہ کا جواب ۱۷۰
تیسرے شبہ کا جواب ۱۷۰
رجوع برائے مضمون توحید ۱۷۳
مثال حق و باطل ۱۷۹
پہلی مثال ۱۷۹
دوسری مثال ۱۷۹
ذکر حال و مآل محققین و مبطلین ۱۸۱
صفات اہل عقل ۱۸۲
جواب از شبہ عدم مبغوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیاوی. ۱۸۴
رجوع بہ صحبت نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل شقاوت ۱۸۶
تقبیح و تشنیع اہل باطل و سزائے معاندین و جزائے مطیعین . ۱۸۹
خطاب بہ اہل کتاب دربارۂ نبوت ۱۹۱
مسئلۂ بدا کی مختصر تشریح ۱۹۵
بدا کی اقسام ۱۹۶
قسم اوّل۔ بدا فی العلم ۱۹۶
قسم دوم۔ بدا فی الارادہ ۱۹۶
قسم سوم۔ بدا فی الامر ۱۹۶
نسخ اور بدا فی الحکم میں فرق ۱۹۶
کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال ۱۹۷
خاتمہ ۱۹۹

تفسیر سورۃ ابراھیم (علیہ السلام)

آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت ۲۰۱
کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب ۲۰۲
ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۰۴
تذکیر بایام اللہ ۲۰۷
پہلا شبہ ۲۰۷
دوسرا شبہ ۲۰۸
تیسرا شبہ ۲۰۸
رسولوں کا جواب ۲۰۸
پہلے شبہ کا جواب ۲۰۸
دوسرے شبہ کا جواب ۲۰۸
تیسرے شبہ کا جواب ۲۰۸
خداوند عالم کی طرف سے جواب ۲۰۹
مثال اَعمال کفار ۲۱۱
قیامت کے دن کفار کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت
اور ندامت کا ذکر ۲۱۲
جہنم میں شیطان کی تقریر ۲۱۴
اہل سعادت کے حال اور مآل کا ذکر ۲۱۵
مثال کلمۂ ایمان و کلمۂ کفر، و ذکر سوالِ قبر ۲۱۶
خلاصۂ تفسیر آیت مذکورہ ۲۲۲
مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین ۲۲۴
دُعاء ابراہیمی کا ذکر ۲۲۷
تذکیر آخرت و تحذیر از غفلت ۲۳۰

تفسیر سورۂ حجر

حقانیت قرآن کریم ۲۳۴

پارہ ⑭ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا

بیانِ حسرت اہل غفلت در روزِ قیامت ۲۳۵
ذکر اقوال کفار ناہنجار دربارۂ بارگاہِ رسالت ۲۳۶
لطائف و معارف ۲۳۹
حفاظت کا طریقہ ۲۴۳

شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا؟ ۲۴۴
تاویلاتِ شیعہ ۲۴۴
اجماعِ اُمّت بر محفوظیّت قرآن از زیادت ونقصان ۲۴۶
بیانِ توحید ۲۴۸
اثباتِ معاد ۲۵۰
ذکر پیدائش انس وجن وقصۂ پیدائش آدم علیہ السلام ۲۵۲
ذکر نعمائے اہل جنت ۲۵۶
قصۂ ابراہیم ولوط علیہما السلام ۲۵۹
قصۂ ابراہیم علیہ السلام ۲۵۹
قصہ اصحابِ ایکہ واصحابِ حجر ۲۶۱
قصہ اصحاب ایکہ ۲۶۲
قصہ اصحاب حجر ۲۶۲
تلقین صبر برایذائے اہلِ استہزاء وتمسخر ۲۶۴
ترجیح راجح ۲۶۸

تفسیر سورۂ نحل

آغاز سورت بوعید وتہدید بر منکرین توحید ۲۷۲
ذکرِ دلائل توحید ۲۷۶
تفصیل دلائل توحید ۲۷۸
جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ ۲۷۹
احوال نباتات سے استدلال ۲۸۰
تہدید براعراض از دلائل وَاضحہ ۲۸۲
منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات اوران کے جوابات . ۲۸۳
پہلا شبہ ۲۸۳
تہدید معاندین و وعید مستکبرین ۲۸۶
دوسرا شُبہ ۲۸۹
تیسرا شُبہ ۲۹۰
چوتھا شُبہ ۲۹۵
پانچواں شُبہ ۲۹۷
تہدید اہل مکر بانواع واقسام قہر ۳۰۰
تذکیر آثار قدرت وتنبیہ برغفلت ۳۰۱
اثبات توحید وابطالِ مجوسیّت ۳۰۳
کفار کے چند ناشائستہ اقوال وافعال کا ذکر ۳۰۵
بیانِ حلمِ خداوندی ۳۰۷
تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۸
رجوع بسوئے دلائل توحید بتذکیر انعاماتِ خداوند حمید .. ۳۱۳
تفصیل دلائل قدرت ودلائل نعمت برائے اثبات الوہیت
ووحدانیت ۳۱۴
امتنان براتمامِ احسان ۳۲۳
ذکرِ قیامت ۳۲۵
تلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال وآداب ۳۲۹
ایفائے عہد کی تاکید اور غدر اور بدعہدی سے ممانعت
اور تہدید ۳۳۲
تعلیم طریقۂ حفاظت از شر شیطانی ۳۳۵
منکرین نبوت کے چند شبہات اوران کے جوابات ۳۳۷
کافروں کا دوسرا اعتراض اوراس کا جواب ۳۳۸
حُکم مُرتد ۳۳۹
ذکر جزائے آخرت ۳۴۱
تہدید بآفات دنیویہ بر معصیت وکفران نعمت ۳۴۳
بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ ۳۴۶
ایک اشکال اوراس کے تین جواب ۳۴۹
آداب دعوت وتبلیغ ۳۵۴

پارہ ⑮ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ

تفسیر سورۃ الاسراء یعنی سورۂ بنی اسرائیل

ذکر کرامت اسراء معراج بہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۵۷

ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۳۶۴
معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی ۳۶۶
قصۂ اسراء و معراج ۳۶۸
ذکر کرامت حضرت موسیٰ علیہ السلام بعطائے تورات و شرف تکلیم و مناجات ۳۷۰
ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب عبرت ۳۷۲
ذکر فضیلت قرآن کریم ۳۷۴
انسان کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی ۳۷۵
ذِکر نعمائے دُنیویہ ۳۷۶
بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و طالبین دُنیا و طالبین آخرت ۳۷۹
ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت ۳۸۱
لطائف و معارف ۳۸۴
اصحاب فترۃ ۳۸۵
اہل عمل کی تین قسمیں ۳۸۶
تفصیل اعمالِ آخرت و احکام ہدایت ۳۸۹
حکم اوّل، توحید ۳۸۹
حکم دوم، اکرام و احترام والدین ۳۹۰
ایک فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب ۳۹۱
حکم سوم، اداء حقوق دیگر اہل حقوق ۳۹۳
حکم چہارم، ممانعت از اسراف ۳۹۵
حکم پنجم، تلطف در جواب سائل ۳۹۵
حکم ششم، اقتصاد و اعتدال در انفاق مال ۳۹۵
حکم ہفتم، ممانعت از قتل اولاد ۳۹۶
حکم ہشتم، ممانعت از زنا ۳۹۶
حکم نہم، ممانعت از قتل ناحق ۳۹۶
حکم دہم، ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم ۳۹۷
حکم یازدہم، ایفائے عہد ۳۹۷
حکم دوازدہم، ایفائے کیل ۳۹۷
حکم سیزدہم، ایفائے وزن ۳۹۷
حکم چہاردہم، عدم جواز عمل برامر نامعلوم ۳۹۷
حکم پانزدہم، ممانعت از رفتارِ تکبّر و تبختر ۳۹۷
خاتمۂ کلام برتاکید احکام و توحید خداوندانام ۳۹۹
تاکید توحید و بیان حال مُنکرین نبوت ۴۰۱
اثباتِ معاد ۴۰۵
تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات از شبہات مشرکین ۴۰۸
رجوع بسوئے ابطال شرک ۴۱۰
ترہیب کفار از قہر خداوند قہار ۴۱۱
فرمائشی معجزات کے اظہار سے انکار ۴۱۲
ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان ۴۱۷
رجوع بسُوئے توحید ۴۱۹
لطائف و معارف ۴۲۱
۱۔ کرامت روحانی ۴۲۱
کرامت روحانیہ کا خاصہ ۴۲۲
۲۔ کرامت اور فضیلت میں فرق ۴۲۲
بیان فرق مراتب درروز قیامت ۴۲۵
ذکر عداوت کفار با سیّد الابرار در اُمور دِینیہ و دنیویہ و وَعدۂ عصمت و حفاظت ۴۲۶
حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین دعاء ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت و سلطنت . ۴۲۸
تلقین دعاء ہجرت و بشارت قیام حکومت ۴۳۰
ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب ۴۳۳
اقوال حکماء و علماء در بارۂ روح ۴۳۶

لطائف ومعارف ۴۳۸
پہلی معرفت ۴۳۸
دوسری معرفت ۴۴۰
تیسری معرفت ۴۴۰
چوتھی معرفت ۴۴۰
پانچویں معرفت لفظ ''خلق'' اور لفظ ''امر'' کی تشریح اور
ان کا باہمی فرق ۴۴۱
چھٹی معرفت ۴۴۲
ساتویں معرفت ۴۴۲
آٹھویں معرفت۔روح نظر کیوں نہیں آتی ۴۴۳
نویں معرفت۔روح اور نفس میں فرق ۴۴۳
دسویں معرفت ۴۴۵
اعجاز قرآن و اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۴۶
معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات ۴۴۹
جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر ۴۵۰
جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر ۴۵۰
ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵۳
خاتمۂ سورت بر توحید و تحمید ۴۵۷

تفسیر سورۂ کہف

ربط اور مناسبت ۴۶۰
آغاز سورت بتحمید بر انزال کتاب ہدایت برائے اثباتِ
توحید و رسالت و ذکر فناء و زوال دُنیا برائے تذکیر آخرت ۴۶۳
ذکر اجمالی قصۂ اصحابِ کہف ۴۶۵
اصحاب کہف و رقیم ۴۶۵
اصحابِ کہف کا قصہ ۴۶۷
تفصیل قصۂ اصحاب کہف ۴۷۵
بقیہ قصۂ مذکورہ ۴۷۹
ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ ۴۸۱
ذکر اختلاف اہل کتاب در بارۂ شمار اصحاب کہف ۴۸۳
شانِ نزول ۴۸۴
مقام اصحاب کہف ۴۸۴
حکم تلاوت قرآن و مدارات درویشان و خرقہ پوشان ۴۸۷
بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال ۴۹۳
دُنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال ۴۹۷
غرور اور تکبر کا حال اور مآل ۵۰۱
قصہ حضرت موسیٰ با خضر علیہما السلام ۵۰۶

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا

اور کوئی نہیں ہے چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے

وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور جہاں سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھلی کتاب میں اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ

اور زمین چھ دن میں اور تھا تخت اس کا پانی پر کہ تم کو آزمائے کون تم میں

أَحْسَنُ عَمَلًا

اچھا کرتا ہے کام

بیان صفت ترزیق وصفت تخلیق

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا ... الىٰ ... لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ اب ان آیات میں صفت ترزیق اور صفت تخلیق کو بیان کرتے ہیں کہ وہی سب کا رازق ہے اور وہی سب کا خالق ہے اور مخلوق رزق کی محتاج ہے اس لیے اس نے اپنے فضل سے مخلوق کا رزق اپنے ذمہ کرلیا ہے جب تک خالق کو کسی جاندار کا زندہ رکھنا مقصود ہے اس وقت تک اس کو رزق پہنچتا رہے گا۔ اور جو حیوان بھوک سے مرجائے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی آگئی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے زندہ رکھنے کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس حیوان کا جتنا رزق مقرر کردیا ہے وہ اس سے غافل نہیں اور زمین کے تمام جانداروں کا رزق اس کے ذمہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اگر اس کو تمام اشیاء کا علم نہ ہوتا تو اس قدر بے شمار مخلوقات کو رزق کیسے دیتا۔

نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ (الملک: ۱۴) پس اس کا خالق اور رزاق ہونا اس کے کمال علم اور کمال قدرت کی دلیل ہے چنانچہ ارشاد ہے اور نہیں ہے کوئی جاندار جو زمین پر چلتا ہو اور رزق کھانے والا ہو مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کا رزق جو اس نے اس کے لیے مقرر کردیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس جاندار کا جو اور جتنا رزق مقرر کردیا اس کا پہنچانا خدا کے ذمے ہے ﴿رِزْقُهَا﴾ کی اضافت عہد اور تعین پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی قضاء وقدر میں جو رزق اس کا مقدر اور معین ہو چکا ہے وہ اس کو پہنچتا رہے گا۔ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں پس اگر کوئی بھوک اور فاقہ سے مرجائے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ خدا کے خزانے میں رزق نہیں رہا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو اب اس کا زندہ رکھنا ہی مقصود نہیں۔ وہ کسی کو فاقہ سے مارتا ہے اور کسی کو بیماری سے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے

بندوں کے رزق کا کفیل ہے اس کے سوا کوئی رازق نہیں۔ بندوں کو چاہیے کہ اس پر بھروسہ کریں اور چونکہ رزق رسانی کے لیے علم کامل کی ضرورت ہے اس لیے وہ خداوند رزاق ہر حیوان کی جائے قرار کو جانتا ہے۔ مستقر سے وہ جائے قرار مراد ہے، جہاں حیوان اپنی زندگی میں اپنے اختیار سے ٹھہرے جیسے اپنے مکان اور رہنے کی جگہ اور ﴿مُسْتَوْدَعٍ﴾ یعنی جائے ودیعت سے وہ جگہ مراد ہے جہاں ٹھہرنا اختیار سے نہ ہو۔ جیسے پشت پدر اور رحم مادر اور جائے قبر۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مترجم گوید مستودع جائیست کہ بغیر اختیار او آنجا نگاہ داشتہ بودند مانند صلب ورحم ومستقر جائیست کہ با اختیار خود می ماند مثل خانہ۔ (فتح الرحمٰن)

اور یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸ ج ۹)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق زمین میں پیدا کی ہے وہ سب کی روزی پہنچاتا ہے اور وہ ہر مخلوق کی قرار اور رہائش کی جگہ کو جانتا ہے کہ کس جگہ اس کی بود و باش ہے اور کس جگہ اس کی موت ہوگی اور یہ سب باتیں اگرچہ اس کے علم ازلی میں ہیں مگر ساتھ ساتھ لوح محفوظ میں بھی لکھی ہوئی ہیں اور تم اس کی کفالت رزق کا کیسے انکار کر سکتے ہو کیونکہ خداوند رازق وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے روزی نکلتی ہے اور آفتاب کی گرمی سے وہ کھیتیاں پکتی ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی پر تھا جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ غرض یہ کہ آسمان اور زمین اور عرش اور پانی کے پیدا کرنے کے بعد تم کو پیدا کیا۔ تاکہ تم کو آزمائے کہ کون تم میں اچھے عمل کرتا ہے یہ کون و مکان اور یہ زمین و آسمان اور رزق کا یہ سامان اس لیے پیدا کیا کہ دیکھیں کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر کون اپنے منعم اور محسن تک پہنچتا ہے۔ اور کون ان نعمتوں میں مست ہو کر منعم اور رزاق کا منکر ہوتا ہے عاقل اور دانا نے اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ دار فانی امتحان گاہ ہے اور آئندہ چل کر ایک وقت آنے والا ہے جس میں اس امتحان کے نتیجہ کا اعلان ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس نے اپنی قدرت سے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا۔ اور پھر عرش کو پیدا کیا پھر قلم کو پھر لوح محفوظ کو اور پھر پچاس ہزار سال بعد آسمان اور زمین پیدا کئے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ((کان اللہ و لم یکن شیء غیرہ)) یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تاکہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خدا کے آثار قدرت کو دیکھ کر اس کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔

فلاسفہ اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام مادہ قدیمہ کی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایجاد محض یا اعدام محض نہیں کر سکتے۔

جواب یہ ہے کہ آپ کی اس دلیل سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ واقع میں ایسا ہونا ناممکن اور محال ہے بے شک ایک چیز آپ نے نہیں دیکھی اور آپ کی قدرت سے باہر ہے مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔

بلکہ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آئندہ چل کر مجھے اس پر قدرت نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ امر آج آپ کی قدرت سے خارج ہو اور آئندہ چل کر آپ اس پر قادر ہو جائیں۔ جیسے گراموفون اور ٹیلی فون اور تار برقی کی ایجادات دو سو سال پیشتر قدرت انسانی سے خارج تھیں اور اب ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کو عدم تجربہ اور نہ دیکھنے پر محال کہنا سراسر غلط ہے سورج کو مشرق یا مغرب سے نکالنا آپ کی قدرت میں نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔ بے شک یہ امر آپ کی قدرت سے خارج ہے مگر جس قادر مطلق نے اس کو وجود عطا کیا ہے اس کو قدرت ہے کہ چاہے مشرق سے نکالے یا مغرب سے نکالے اس کی قدرت کے اعتبار سے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی فقیر یا مزدور سے جو دن بھر میں کمال مشقت و محنت سے ایک ایک روپیہ کماتا ہو، یہ کہے کہ تجھ کو دس ارب روپیہ مل جائے گا تو وہ اس کو ناممکن اور محال سمجھے گا۔ اور عجب نہیں کہ اس کے محال ہونے پر کوئی طویل و عریض لیکچر بھی دے دے۔

لیکن عاقل اور دانا یہ سمجھتا ہے کہ یہ امر عقلاً محال اور ناممکن نہیں بلکہ مستبعد اور اچنبھا ہے یعنی عجیب معلوم ہوتا ہے دائرۂ امکان سے باہر نہیں محال وہ ہے کہ جس کا باطل ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہو جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور مستبعد وہ ہے کہ جو ظاہر کے لحاظ سے عجیب و غریب نظر آئے۔

آج کل کے سائنسدان محال اور مستبعد میں فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ بہر حال عدم محض سے کسی چیز کا وجود میں آنا اور نیست سے ہونا قطعاً محال نہیں البتہ مستبعد اور اچنبھے کی بات ہے آپ کے پاس اس کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اور ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا آپ ذرا ہوش میں آیئے اور بتلایئے کہ آپ کے نہ دیکھنے سے یا نہ کر سکنے سے کسی چیز کا محال ہونا کیسے ثابت ہوا۔ اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا ناممکن اور محال ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ ان باتوں سے آپ کا گھمنڈ ثابت ہو جاتا ہے۔

ابطال قدامت مادہ:

اے علمبرداران فلسفہ و سائنس آپ اگرچہ مادہ کو قدیم اور اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت کو قدیم مانتے ہیں لیکن تبدیل صورت کے تو قائل ہیں کہ صورتیں بدلتی رہتی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صورتوں کے حادثات ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور صورت کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت تو معدوم اور زائل ہوگئی اور جدید صورت موجود ہو کر مادہ کو لاحق ہوگئی تو اب سوال یہ ہے کہ جب اجسام مادیہ میں صورت و شکل کی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آپ یہ بتلائیں کہ اسی ادل بدل کے وقت اور دوسری صورت کے آنے کے وقت پہلی صورت اور شکل بھی اس جسم میں باقی رہی یا بالکل زائل اور معدوم اور فنا ہوگئی یا کسی دوسرے جسم کی طرف منتقل ہوگئی۔ پہلی شق بداہۃً باطل ہے اس لیے کہ ایک محل میں ایک ہی وقت میں دو متضاد شکلوں کا جمع ہونا عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ موم کے گولہ کو ایک شمع بنا لیا جائے تو اس میں باوجود مستطیل ہونے کے شکل متدیری ہی باقی رہے اور علیٰ ہذا تیسری شق بھی بداہۃً باطل ہے، ہم بداہۃً

جانتے ہیں کہ اس جسم کی پہلی صورت زائل ہوکر کسی دوسرے جسم کو جا کر نہیں لگ گئی۔ اب دوسری صورت متعین ہوگئی کہ تبدیلی کے وقت پہلی صورت وشکل بالکل زائل اور معدوم ہوگئی۔ اور عدم میں چلی گئی۔ لہٰذا اب دوسری شکل وصورت کے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عدم محض سے وجود میں آئی یعنی پہلے نیست تھی اب ہست ہوگئی۔ پس ہر لحہ صورتوں کی تبدیلی سے نیست سے ہست ہونے کا آپ نے مشاہدہ کرلیا۔ یہ تو آپ کی قدرت کا حال ہوا کہ آپ صورتوں اور شکلوں میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہیں تو سمجھ لو کہ خداوند قدیر آسمان و زمین اور شمس وقمر جیسے اجسام کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے [1] اور خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے اعتبار سے ہر جوہر وعرض کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ صورت حادث ہے اور نیست سے ہست ہوتی ہے تو اس سے مادہ کا حادث ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ صورت مادہ کے لیے لازم ہے مادہ بغیر صورت کے موجود نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ مادہ تو موجود ہو اور اس کی صورت اور شکل نہ ہو کیونکہ عقل اس تصور سے قاصر ہے کہ یہ تصور کرے کہ مادہ پر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود تھا۔ اور اس کو کوئی صورت اور شکل حاصل نہ تھی اور جب مادہ بلا صورت کے موجود نہیں ہوسکتا تو مادہ کا قدیم ہونا باطل ہوگیا کیونکہ جس چیز کا وجود کسی حادث پر موقوف ہوگا وہ قدیم نہیں ہوسکتی بلکہ بلاشبہ حادث ہوگی بلکہ وہ تو حادث در حادث ہوگی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود ہوسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وجود بالقوہ ہوگا۔ اور وجود بالفعل نہ ہوگا اور وجود بالقوہ من وجہٍ عدم ہے اور من وجہٍ وجود ہے یعنی ناقص و ناتمام وجود ہے اور جس چیز کا وجود ناقص اور ناتمام ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہوسکتی۔ اور بالفاظ دیگر وجود بالقوہ ایک استعداد اور قابلیت اور صلاحیت کا نام ہے جو ایک قسم کا فرضی وجود ہے حقیقی وجود نہیں۔ لہٰذا ایسی فرضی اور موہوم حقیقت کا قدیم ہونا عقلاً محال ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے لگیں
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ
یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح اور اگر ہم دیر لگاویں ان سے عذاب کو
اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ
ایک مدت گنی تک تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اس کو؟ سنتا ہے! جس دن آوے گا ان پر نہ
مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع
پھیرا جاوے گا ان سے اور الٹ پڑے گا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔

ع ۱/۸

[1] آپ کی ناقص اور ناتمام قدرت اپنے دائرہ عمل میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔

بحث در بارۂ بعث

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :﴿ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ . . . الی . . . وَحَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۸ ﴾

ربط : گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اس کی غرض وغایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے۔ اب اس آیت میں بعث بعد الموت اور عمل کی جزا وسزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلّفین کے ابتلاء وامتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر ونشر ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ عذاب کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئے گا مگر اپنے وقت پر آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور ان کے مسخرہ پن کی سزا ان کو مل جائے گی اور اے نبی ﷺ اگر آپ ان منکرین حساب وکتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر نشر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر ونشر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکہ اور فریب ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مؤاخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ از راہِ تمسخر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپ کے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمد (ﷺ) جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سُن لو جس دن وہ عذاب موعود ان پر آ جائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کے رہے گا اور وہی عذاب ان کو آ کر گھیرے گا جس کا یہ ٹھٹھا اڑاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہوگا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

وَ لَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً ثُمَّ نَزَعۡنٰہَا مِنۡہُ ۚ اِنَّہٗ لَیَـُٔوۡسٌ
اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر، پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ نا اُمید
کَفُوۡرٌ ۹ وَ لَئِنۡ اَذَقۡنٰہُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡہُ لَیَقُوۡلَنَّ ذَہَبَ
نا شکر ہو اور اگر ہم چکھا دیں اس کو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی اس کو تو کہنے لگے گئیں
السَّیِّاٰتُ عَنِّیۡ ؕ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۱۰ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَمِلُوا
برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں کرے بڑائیاں کرتا مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

نیکیاں ان کو بخشش ہے اور ثواب بڑا۔

بیان حال طبیعت انسانیہ در راحت و کلفت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً . . . الی . . . لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب عذاب الٰہی سے ڈراتے تو کفار نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیتے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا اب اس آیت میں طبیعت انسانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر ایک حال پر نہیں رہتی اگر عیش و آرام کے بعد ذرا تکلیف میں مبتلا ہوا تو نا اُمید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد راحت پہنچتی ہے تو اترانے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت اور نعمت کا مزا چکھائیں اور پھر اس سے وہ اپنی نعمت چھین لیں تو وہ بے صبری کی وجہ سے آئندہ ہمارے لطف و کرم سے نا اُمید ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمت کو بھی بھول جاتا ہے اور جو نعمتیں فی الحال اس کو حاصل ہیں ان کے شکر سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی نعمت کا مزہ چکھائیں جیسے تندرستی اور مالداری بعد اس سختی کے جو اسے پہنچی ہو جیسے بیماری اور محتاجی تو یہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو مجھ سے برائیاں گئیں یعنی مصیبتیں اور سختیاں مجھ سے دُور ہوئیں۔ اب آئندہ کی مجھے پرواہ نہیں تحقیق یہ نادان انسان بڑا اترانے والا ہے نعمت کو دیکھ کر پھول جاتا ہے اور بڑا شیخی خورہ ہے نعمت دیکھ کر فخر کرنے لگتا ہے۔ اور شکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اکثر انسانوں کی یہی حالت ہے کہ مصیبت میں بے صبرے اور نعمت میں ناشکرے اور ناقدرے مگر جو لوگ صابر اور نیک عمل ہیں ان کا یہ حال نہیں وہ مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر سے کام لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ سرّاء اور ضرّاء کسی حال میں خُدا سے غافل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے جو صبر و شکر سے موصوف ہوں گناہوں کی بخشش ہے اور بڑا اجر ہے صبر اور شکر کی برکت سے گناہوں کی بخشش بھی ہوگی اور وہم و گمان سے بڑھ کر اجر اور ثواب بھی ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفہ ہوگا اس سے تیرا جی اس پر کہ

يَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ

وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر خزانہ یا آتا اس کے ساتھ فرشتہ تُو تو

نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ

ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا کیا کہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو تو کہہ تم

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو

دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ

أَنَّمَآ أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہیں سوا اس کے پھر اب تم حکم مانتے ہو؟۔

بیان نوع دیگر از طعنہائے کفار ناہنجار و تسلی نبی اکرم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى إِلَيْكَ ... الٰی ... فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾

ربط: اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے ذکر سے فرمایا جس کے ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کا موضوع دعوت توحید ہے اور آنحضرت ﷺ خدائے تعالیٰ کی جانب سے بشیر ونذیر ہیں۔ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ تم ناشائستہ اعمال سے توبہ کرو مگر وہ لوگ قرآن کو سحر اور آپ ﷺ کو ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان کی دوسری ناشائستہ اور طعن آمیز باتوں کو ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اور احکام الٰہی کو سُن کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ ﷺ سے بیہودہ سوالات کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ کہ وہ آپ کی نبوت ورسالت کی شہادت دیں کبھی کہتے ہیں کہ جبل احد کو سونا بناؤ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن سے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دو اس قسم کی بیہودہ باتوں سے آپ ﷺ تنگ دل اور رنجیدہ ہوتے اور خیال آتا کہ ایسے مسخروں کو کلام الٰہی سنانا اور وعظ ونصیحت کرنا بے سود ہے حق جل شانہٗ نے اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپؐ ان کی بیہودہ باتوں پر دل میں میل نہ لائیں اور ان کے تعنت وعناد اور طعن وتشنیع سے تنگ دل ہو کر کسی حکم الٰہی کے بیان کو ترک نہ کریں بے شک انسان کا یہ امر طبعی ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے بلکہ اس کا مذاق اڑائے تو اس کے سامنے کیا کہے حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان کی طرف نظر نہ کریں ہماری طرف نظر کریں اور نہایت کشادہ دلی سے کلام خداوندی کی آیتیں ان کو سناتے رہیں اور اگر انکا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن آپؐ کا افتراء کیا ہوا ہے تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں افتراء کر لاؤ جب نہ بنا کر لا سکیں تو سمجھ لیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں۔

بالفاظ دیگر: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی ایک عظیم دلیل کا بیان ہے یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب تمام فصحاء اور بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ کلام خداوندی اور وحی ربانی ہے اور جس پر اللہ کی وحی نازل ہو وہ اللہ کا نبی ﷺ

اور رسول ہے اور یہ کلام معجز نظام اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے اور اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا آپ ﷺ ان کی ہرزہ سرائیوں کی طرف التفات نہ کریں صبر اور استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ انجام دیئے رہیے۔

مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے لیے یہ شبہ نکالا کہ یہ قرآن سحر اور جادو ہے مگر وہ لوگ چونکہ اہل فصاحت و بلاغت تھے اور اہل زبان تھے۔ اس لیے یہ شبہ ان پر کارگر نہ ہوا تو اب یہ بہانہ نکالا کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ محمد ﷺ کا بنایا ہوا کلام ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ قرآن پاک آپ ﷺ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی تو اہل زبان ہو اور ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہو بنا لاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس شاید آپ ﷺ ان کافروں کے تعنت اور عناد اور تمسخر کو دیکھ کر بعض ان چیزوں کا جو بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان مشرکین کو ناگوار ہیں جیسے بت پرستی کی مذمت۔ تو کیا آپ ﷺ ان کی ناگواری کی بناء پر ایسی باتوں کو بیان کرنا چھوڑ دیں گے کہ یہ نادان ان باتوں کا مذاق اڑائیں گے۔ ان کے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بے سود ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ﴾ کا استفہام، استفہام انکاری ہے جس سے مقصود نفی اور ممانعت ہے یعنی ان کے عناد کی وجہ سے ان باتوں کے بیان کو ترک نہ کریں اس تکذیب اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا دل گھٹتا ہے اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ غیب سے ان کو خزانہ ملتا۔ اور وہ لوگوں پر تقسیم کرتے اور لوگ ان کا اتباع کرتے یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا جو اُن کی نبوت کی گواہی دیتا تو اے ہمارے نبیؐ! آپ ﷺ ان کی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہو کر دعوت وتبلیغ میں کوئی کمی نہ کیجیے۔ جز ایں نیست آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کے ذمہ تو صرف ڈرانا اور احکام خداوندی کا پہنچانا ہے ان کی بدزبانی کی طرف التفات نہ کیجیے۔

درشب مہتاب مہ را بر سماک　　　از سگان ودع دعِ ایشاں چہ باک

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ بغیر خزانہ اور بغیر فرشتہ ہی کے آپ ﷺ کے دین کو بلند کرے گا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کارساز ہے وہی ہر کام بنانے والا ہے۔ آپ ﷺ اپنا کام اس کے سپرد کر دیجیے جو شخص اپنا کام اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اس کا کام بناتا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے اس کی حفاظت کرتا ہے کیا یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آپ ﷺ نے خود بنا لیا ہے آپ ﷺ اس کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی لے آؤ اور سوائے خدا کے جس کو چاہے اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن آپ ﷺ کا بنایا ہوا کلام ہے۔ پس اگر وہ اس کے مثل بنا کر نہ لاسکیں تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے جو علوم معاش اور معاد پر مشتمل ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو بتلاؤ اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟

فائدہ: کسی جگہ دس سورتوں کی تحدی کا ذکر ہے اور کسی جگہ ایک سورت کی تحدی کا ذکر ہے تا کہ طرح طرح سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائے۔

دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر

اعجازِ قرآن پر دلائل تو بے شمار ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند حرف ہدیہ ناظرین ہیں۔

① قرآن کریم۔ اُصول دین یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل اور زبور میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔

② پھر یہ کہ قرآنِ کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ پر مشتمل ہے کہ جس کے جواب سے روئے زمین کے فلاسفہ عاجز اور درماندہ ہیں اور بڑے بڑے دہری اور مادہ پرست ان دلائل کے سامنے لاجواب ہیں۔

③ حرام وحلال کی تفصیل کرتا ہے۔

④ قرآنِ کریم، انبیاء سابقین علیہم السلام کی نصیحتوں اور ان کے کلمات حکمت وموعظت کا جامع ہے۔

⑤ عقلِ معاش اور عقلِ معاد دین اور دُنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

⑥ گزشتہ اُمتوں کے عبرت آمیز واقعات بیان کرتا ہے اور آئندہ کے لیے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطاء فرمائے گا۔

⑦ اور قیامت تک آنے والے حوادث کلیہ کی تم کو خبر دیتا ہے کہ زمانہ کس رفتار سے جائے گا اور کس حال میں اس کی بساط پلٹی جائے گی اور کس طرح قیامت قائم ہوگی۔ یہ تو قرآنِ کریم کے معنوی اعجاز کے چند وجوہ ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت کی کوئی حد نہیں۔

آج دُنیا میں مقامات حریری اور مقامات بدیعی اور مقامات زمخشری۔ بشری فصاحت و بلاغت کا شاہکار دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر قرآن کریم کے ساتھ ان کتابوں کی کوئی نسبت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مقامات بدیعی اور مقامات حریری میں عجیب طریقہ سے لغات فریدہ کو سجع اور قافیہ کے رنگ میں جمع کیا ہے مگر قرآن کریم بلکہ کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو وہ نسبت نہیں کہ جو ذرہ بے مقدار کو آفتاب سے ہے۔ باتفاق اہل لسان مقاماتِ حریری اور بدیعی معجزہ نہیں۔

مگر قادیان کے ایک دہقان کی دیدہ دلیری کو دیکھو کہ وہ اپنے ہذیان اور تک بندیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ میری وحی بھی قرآن کی طرح معجزہ ہے آیات قرآنیہ کا سرقہ کرتا ہے اور اس میں ایک دو لفظ کا ردّ و بدل کر کے بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ﴾ اے مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ جب اہل لسان کے نزدیک مقامات حریری اور مقامات بدیعی معجزہ نہیں تو قادیان کے ایک دہقان کا ہذیان کہاں سے معجزہ ہو جائے گا۔

*

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل

فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

اسی میں اور ان کو اس میں نقصان نہیں۔ وہی ہیں جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں

اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯

سوا آگ اور مٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ اور خراب ہوا جو کماتے تھے۔

ابطال غرۂ اہلِ دُنیا بر اعمال خود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا... الٰى... بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯﴾

ربط: جب گزشتہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید اور منکرین رسالت کے وعید اور عذاب کا بیان ہوا تو اب اس آیت میں اہل دنیا کے وہم فاسد اور زعم کاسد کا ابطال فرماتے ہیں: اہل دُنیا کو جب عذاب آخرت کی وعید سنائی جاتی تو یہ کہتے کہ اگر بالفرض والتقدیر قیامت حق ہے تو ہم بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ غریب پروری اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ تو ہم کو قیامت کے دن ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۵۰)

اس لیے اس آیت میں اس غرہ اور زعم کا ابطال کرتے ہیں کہ تم اس گمان میں نہ رہنا کہ تم ان اعمال پر اجر اور ثواب کے مستحق ہو ان اعمال کی صورت اگرچہ نیکی کی ہے مگر ایمان اور اخلاص کی روح سے خالی ہیں اور ظاہری اعمالِ حسنہ سے تمہارا مقصود صرف دُنیا تھی۔ اس لیے اس کا صلہ تم کو دُنیا ہی میں مل گیا اب تمہارے لیے آخرت میں سوائے آتش دوزخ کچھ نہیں۔

ربط دیگر کہ پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا۔ اب اس آیت میں بتلاتے ہیں کہ کفار جو اس قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی لذات وشہوات پر مفتون ہیں اور اسلام اور قرآن ان کو آخرت کی دعوت دیتا ہے جس کو اپنی لذات وشہوات میں حارج اور مزاحم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جو پست ہمت اپنے اعمال خیر کا صلہ محض دُنیاوی زندگی اور آرائش چاہے یعنی نیک کام کر کے فقط دنیا کا فائدہ چاہے۔ اور آخرت پر نظر نہ کرے محض دنیا کی شہرت اور نیک نامی اس کا مقصود ہو ثواب آخرت اس کا مقصود نہ ہو تو ہم ان لوگوں کے اعمال کی جزاء دنیا ہی میں پوری پوری دیتے ہیں یعنی دنیا میں ان کو مال و دولت اور عزت ووجاہت اور صحت واولاد کی کثرت عنایت کر دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے عوض میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں سوائے دوزخ کے کچھ نہیں اور انہوں نے جو دنیا میں عمل کیا تھا وہ آخرت میں جا کر سب تباہ اور برباد ہوا اور سارا کیا کرایا اکارت گیا اور آخرت میں کچھ کام نہ آیا اور دُنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ فی نفسہٖ اور فی حد ذاتہٖ بھی نیست اور نابود ہیں کیونکہ جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ فی حد ذاتہٖ ہیچ ہے۔ ؏ الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل

کافروں نے دُنیا میں جو ایسے عمل کیے کہ جو ظاہر صورت کے اعتبار سے صالح تھے مثلاً کسی کو نفع یا فائدہ پہنچانا۔ ایسے اعمال کے متعلق ﴿حَبِطَ مَا صَنَعُوْا﴾ فرمایا۔ جن اعمال کی صورت نیکی کی تھی وہ قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی اجر اور ثواب مرتب نہ ہوگا۔ باقی حقیقت کے اعتبار سے ان کے تمام اعمال باطل اور نابود تھے فی نفسہٖ ان کے تمام اعمال باطل کسی شمار میں نہ تھے کیونکہ ایمان و اخلاص سے عاری تھے اور عجب نہیں ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ سے ان کے اعمال کفریہ اور شرکیہ مراد ہوں تو ایسے اعمال کا صورت اور حقیقت کے اعتبار سے باطل اور لغو ہونا ظاہر و باہر ہے ایسے اعمال کے متعلق فرمایا: ﴿وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور گزشتہ آیت یعنی ﴿وَحَبِطَ

مَا صَنَعُوْا﴾ میں وہ اعمال مراد ہیں جو بظاہر خیر اور بھلائی کے ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی۔ کافروں کے ایسے اعمال قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے، یعنی ان پر کوئی اُخری ثواب نہ ملے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان اعمال حسنہ کی بناء پر کافروں کے عذاب دوزخ میں تخفیف کر دی جائے جیسے ابو طالب کے حق میں آیا ہے کہ جہنم میں سب سے خفیف عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ ثواب ملنا اور چیز ہے اور عذاب میں تخفیف ہو جانا اور چیز ہے۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں کہ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں ہے یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں یا منافقوں کے بارے میں ہے یا اہل ریاء کے بارے میں ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر ہو یا منافق یا ریاء کار جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔ اور آخرت میں سوائے نار کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ اپنی اس دنیاوی نیکی کے بھروسہ پر نہ رہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آخرت میں بھی ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ آخرت میں سوائے اخلاص کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہنچتی ہے اس کو گواہی اس سے اور پہلے

كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ

اس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی وہی لوگ مانتے ہیں اس کو اور جو کوئی منکر ہو

بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ

اس سے سب فرقوں میں سو آگ ہے وعدہ اس کا سو تو مت رہ شبہ میں اس سے یہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ

تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر بہت لوگ یقین نہیں رکھتے اور کون ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ

اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ رو برو آویں گے اپنے رب کے اور کہیں گے

الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

گواہی والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر سُن لو پھٹکار ہے اللہ کی

الظّٰلِمِيْنَ ⑱ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ط

بے انصاف لوگوں پر جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی

وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي

اور وہی ہیں آخرت سے منکر وہ لوگ نہیں تھکانے والے

الْاَرْضِ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ م يُضٰعَفُ لَهُمُ

زمین میں بھاگ کر اور نہیں ان کو اللہ کے سوا حمایتی دونا ہے ان کو

الْعَذَابُ ط مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⑳

عذاب نہ سکتے تھے سننا اور نہ تھے دیکھتے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉑

وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھتے تھے

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ㉒ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

آپ ہوا (بلاشبہ) کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب البتہ جو یقین لائے

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ

اور کیں نیکیاں اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ ہیں جنت کے لوگ وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ㉓ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ

اس میں رہا کریں مثال دونوں فرقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا

وَ السَّمِيْعِ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ㉔ ع ۲ ۱۲/۲

اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اہل دُنیا اور اہل آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے نتائج اُخروی کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ . . . الٰی . . . هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں اہل دُنیا کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اہل دُنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور مقابلہ ہے اور فریقین کے نتائج اُخروی کا بیان اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مثال بیان کی کہ کافر تو مثل اندھے اور گونگے کے ہیں اور ایماندار مثل بینا اور شنوا کے ہیں دونوں کے اعمال اور افعال میں اور دونوں کے حال اور مآل میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح سمجھو کہ اہل دنیا اور اہل آخرت برابر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہو جو اس کو راہِ حق دکھلاوے بینہ سے صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے جس پر چل کر آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جائے اس کا مصداق دین اسلام ہے جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی عہد الست یعنی توحید اور اقرار ربوبیت پر قائم رہتا ہے اور ہوشیار ہونے کے بعد ماں باپ کے ساتھ مل جاتا ہے اور علاوہ ازیں اس روشن دلیل کے پیچھے پیچھے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی آئے یعنی قرآن آئے جو اس دلیل عقلی و فطری کی صحت پر گواہی دے بینہ سے مراد دین حق ہے جو دلیل عقلی و فطری اور براہینِ قاطعہ سے ثابت ہے اور شاہد ربانی (گواہ) سے قرآن مجید مراد ہے یعنی قرآن کریم کا اعجاز اور اس کے بے مثال علوم و معارف۔ دین اسلام کی حقانیت کے گواہ ہیں پس کیا ایسا شخص جو دلیل عقلی اور دلیل نقلی پر قائم ہو یعنی ایسے صاف اور روشن راہ پر گامزن ہو جس کا صاف اور روشن ہونا دلیل وجدانی سے ثابت ہوا اور پھر اس کے بعد دلیل ربانی یعنی وحی آسمانی بھی اس کی صحت کی شاہد اور گواہ ہو تو کیا ایسا شخص [1] اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے کہ جس کی ہمت فقط حیات دنیا اور اس کی زینت پر مقصود ہو۔ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اور اس روشن دلیل کا ایک شاہد قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے یعنی توریت ہے درآنحالیکہ وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں اہل دین کی مقتداء اور پیشوا تھی تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل اس کا اتباع کرتے تھے اس کے موافق حکم دیتے تھے اور درآنحالیکہ وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کے لیے سامان رحمت تھی کہ اس کے اتباع کی برکت سے رحمت نازل ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ توریت اپنے زمانہ میں امام اور رحمت تھی اور توریت کے بعد اب یہ کتاب یعنی یہ قرآن امام اور رحمت ہے اس کے اتباع اور اقتداء سے اللہ کی رحمت ملے گی۔ مقصود یہ ہے کہ دین اسلام ایک طریق مستقیم ہے جس کا مستحکم ہونا دلیل عقلی اور فطری سے ثابت ہے پھر اس کی صحت پر قرآن کریم شاہد ہے اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان کتاب توریت بھی اس کی شاہد ہے۔ پس منجانب اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کے صراط مستقیم ہونے کا ایک شاہد تو قرآن کریم ہے اور دوسرا شاہد موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے۔ جس نے نزول قرآن کی خبر دی اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر دی اور آپ ﷺ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی نزول قرآن اور نبی اُمی ﷺ کے ظہور کی بشارت اس میں موجود ہے اور پھر توریت کے بعد زبور اور انجیل نے بھی آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر دی جس کو علماء بنی اسرائیل توریت

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿ اَفَمَنْ كَانَ ﴾ کی خبر محذوف ہے جو یہ ہے۔

اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر قرطبی [1] ص ۱۷ ج ۹)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں شاہد سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کی صورت اور آپ ﷺ کی سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ یہ دین حق ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شاہد سے آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور مراد ہے۔

در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است

روے و آواز پیمبر معجز است

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور معجزات اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور سب اس بات کے شاہد اور گواہ ہیں کہ جو دین آپ ﷺ لے کر آئے ہیں وہ بالکل سچا ہے اس لیے کہ یہ چہرہ انور سچے کا چہرہ ہے جھوٹے کا چہرہ نہیں شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گواہی پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس دین کا نور اور مزہ پاتا ہے اور قرآن کی حلاوت۔ آھ

خلاصہ کلام یہ کہ بینہ سے روشن دلیل اور صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے یا بالفاظ دیگر اس سے دین صحیح یعنی دین اسلام مراد ہے جس کی صحت دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہے اور اس کی صحت وصداقت پر دو شاہد عدل موجود ہیں ایک قرآن کریم دوسرے توریت وانجیل پس ایسے دین کے حسن و جمال میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور ﴿مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ﴾ سے وہ مؤمنین مخلصین مراد ہیں جو اس دین حق پر قائم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ دین اسلام ایک نور عقل اور نور فطرت اور نور بصیرت ہے عجیب قسم کا ایک نور ہے اور دو نور غیبی اس کے شاہد اور مؤید ہیں ایک نور قرآن اور ایک نور تورات اس طرح یہ دین نور علیٰ نور کا مصداق بن گیا۔ دین اسلام کیا ہے ایک مجموعۂ انوار ہے تو کیا جو شخص ایسے منور اور روشن دین پر قائم ہو وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ (النور: ۴۰) میں گھرا ہوا ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو یعنی جو شخص دُنیاوی لذات اور شہوات کا غلام بنا ہوا ہو اور سعادت اُخرویہ سے محروم ہو وہ اہل نور اور اہل بصیرت کے مماثل اور مشابہ کہاں ہو سکتا ہے۔ دونوں میں بُعد المشرقین ہے ایسے ہی لوگ یعنی جو لوگ اصحاب بینہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ عقل اور نقل اور نور برہانی اور نور یزدانی کے جامع ہیں اور توریت اور انجیل کے عالم اور فاضل ہیں اس قرآن پر یا اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور دو اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿أُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ (القصص: ۵۴) یہ لوگ اصحاب بینہ ہیں اور عقل اور فطرت کے پیرو ہیں اور اہل بصیرت ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا یا اس نبی کے مرسل من اللہ ہونے کا انکار کرے تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے جو طرح طرح کے عذابوں سے بھر پور ہے مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ خواہ یہود و نصاریٰ یا بُت پرست اور مجوس ہوں وغیرہ وغیرہ جب تک اس قرآن اور اس نبی کو نہ مانیں گے۔ نجات نہیں پا سکتے سوائے مخاطب! تو اس قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ بلاشبہ یہ کتاب حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کسی کی بنائی ہوئی نہیں لیکن باوجود ان دلائل کے اکثر لوگ عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جس چیز کی صداقت دلائل قطعیہ سے واضح ہو چکی ہو اس کو نہ ماننا حماقت ہے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنا ہے۔

---

[1] قال ابو اسحاق الزجاج والمعنی ویتلوہ من قبلہ کتاب موسی لان النبی ﷺ موصوف فی کتاب موسی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل آھ

ظالموں کے حال اور مآل کا بیان

اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ ظالموں اور افتراء پردازوں کا حال اور مآل بیان فرماتے ہیں اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دس حالتوں اور ذلتوں کو بیان فرمایا ہے:

① افتراء علی اللہ۔ ② مقام ذلت میں ان کو کھڑا کیا جائے گا۔ ﴿أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ③ خدائی گواہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا۔ ④ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں۔ ⑤ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں۔ ⑥ دین میں شبہ نکالتے ہیں۔ ⑦ آخرت کے منکر ہیں۔ ⑧ خدا سے بھاگ نہیں سکتے۔ ⑨ ان کا کوئی مددگار نہیں۔ ⑩ ان کا عذاب دو چند ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۹ جلد ۵)

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اس کی وحی کا یا اس کی وحدانیت کا انکار کرے یا اس کے لیے کوئی شریک ثابت کرے۔ یہی افتراء کرنے والے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حیثیت سے پیش کیے جائیں گے اور گواہ یعنی کراماً کاتبین اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام یا ان کے اعضاء اور جوارح علی الاعلان یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ازراہ عناد اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا اور خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے کفر اور ظلم کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور راہ خدا یعنی دین اسلام میں کجی یعنی شکوک اور شبہات ڈھونڈتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے ڈگمگا دیں جیسے آج کل ملحدین طرح طرح کے رسالے نکال رہے ہیں جن میں اسلام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں ان کا مقصود فقط دنیا ہے دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں۔ دین اسلام میں کوئی عیب نہیں مگر یہ کہ وہ شہوت پرستی کا مخالف ہے اس لیے یہ کافر اور منافق اور نام کے مسلمان اس میں عیب تلاش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے شبہ ڈال دیں۔ یہاں تک تو فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا اب آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ لوگ زمین میں کہیں چھپ کر یا بھاگ کر خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ کوئی اس کے پنجۂ گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا اور گرفتاری کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لے۔ ایسوں کو تو دوہری مار دی جائے گی۔ ایک اپنی گمراہی کی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کی اور یہ لوگ حق سے اس درجہ نفور اور بیزار تھے کہ حق کے سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کو دیکھ سکتے تھے یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے آخرت کے معاملے میں اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اور جو افتراء وہ دنیا میں کرتے تھے آخرت میں سب جاتا رہا۔ ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اور بت اور مسیح علیہ السلام اور دیوی اور دیوتا ہماری شفاعت کریں گے سب غلط نکلا۔ پس لازمی نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ جماعت آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والی رہی اس لیے کہ ان لوگوں نے آخرت کو فروخت کر کے جہنم کو خرید لیا تھا۔

مایۂ دیں را بدنیا دادن از دوں ہمتی است	زانکہ دنیا جملگی رنج است و دیں آسائش است
نعمت فانی ستانی دولت باقی دہی	اندریں سودا خرد داند کہ غبن فاحش است

ذکر حال ومآل اہل ایمان

اب اہل ایمان اور اہل طاعت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور خشوع اور خضوع اور تواضع کے ساتھ بالکلیہ اپنے پروردگار کی طرف مائل اور متوجہ ہوں گے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب آگے دونوں فریق کی مثال بیان کرتے ہیں۔

مثال فریقین

ان ہر دو فریق یعنی مومن اور کافر کی مثال اندھے اور بہرے اور بینا اور شنوا کی ہے۔ کافر اندھا اور بہرا ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور مومن بینا اور شنوا ہے حق کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے کیا یہ دونوں فریق یعنی اندھا اور بہرا۔ اور سننے والا اور دیکھنے والا۔ حال اور مثال میں برابر ہو سکتے ہیں یعنی ہرگز نہیں اسی طرح مومن، کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یعنی دل کے بینا بن جاؤ تاکہ آخرت کی تجارت کر سکو اور اگر خود بینا نہیں تو کسی بینا کی سنو اور اس پر چلو اصل بینا وہ ہے جو حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور حق کی پیروی کرے اور باطل سے بچے اور جو حق کو نہ دیکھتا ہو اور نہ سنتا ہو وہ نابینا اور بہرا ہے۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر آیت:

﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ... الآية﴾ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس آیت (یعنی) ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ کی تفسیر میں غور وفکر کے بعد میرے نزدیک جو تحقیق ہے وہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد نے بعثت نبوی سے قبل قلب سلیم کی شہادت اور ذکاوت سے کچھ اُصول شریعت کو پہچان لیا تھا کہ وہ بت پرستی اور شراب خوری اور زنا کاری کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خواب اور رؤیائے صادقہ اور منامات صالحہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر تھے۔ اس اجمالی علم کو جو ان کے قلوب میں مرکوز تھا اس کو حق تعالیٰ نے بینہ اور دلیل سے تعبیر فرمایا ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ لی اور اپنے اس علم اجمالی کی شہادت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو ان کا علم اجمالی، علم تفصیلی سے اور ظن وگمان، یقین اور مشاہد سے تبدیل ہو گیا۔ اسی علم تفصیلی اور مشاہدہ کو حق تعالیٰ نے شاہد سے تعبیر فرمایا ﴿شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ اور نزول قرآن سے پہلے توریت۔ اہل دین وملت کے پیشوا اور رہنما تھے اور اب ان کا امام اور پیشوا قرآن ہو گیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کی ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے موصوف تھی جن کے سر دفتر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور باطنی مناسبت اور قلبی ذکاوت اور سلامت کی وجہ سے آپ کو قبول اسلام میں کوئی تامل نہیں ہوا بلا تامل اور بدون طلب معجزہ ایمان لے آئے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ نہ

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ

پوجو سوا اللہ کے میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دکھ والے دن کے پھر بولے

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا

سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے ہم دیکھتے نہیں تجھ کو مگر آدمی جیسے ہم اور

نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى

دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں اوپر کی عقل سے اور دیکھتے نہیں

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ

تم کو اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو بولا اے قوم! دیکھو تو!

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

اگر میں ہوا نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اس نے دی مجھ کو مہر اپنے پاس سے پھر وہ تمہاری آنکھ

عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ

سے چھپا رکھی۔ کیا ہم لگاویں وہ تم کو اور تم اس سے بیزار ہو اور اے قوم نہیں مانگتا میں تم سے

عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ

ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو اور اے قوم!

مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ

کون چھڑاوے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو۔ اور میں نہیں

اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ

کہتا تم کو میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

فرشتہ ہوں اور نہ کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ

خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا

بھلائی اللہ بہتر جانے جو ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں بولے،

يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

اے نوح! تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ

تو سچا ہے کہا لاوے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور نہ

اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِىْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ

تم تھکاؤ گے بھاگ کر اور نہ کام کرے گی تم کو میری نصیحت جو میں چاہوں تم کو نصیحت

لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ

کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بے راہ چلاوے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِىْ

پھر جاؤ گے کیا کہتے ہیں؟ بنا لایا قرآن کو۔ تو کہہ اگر بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ

وَاَنَا بَرِىْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵ ع

اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو۔

قصہ نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ... الٰی ... وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ بینا اور نابینا اور شنوا اور بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کرلو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہوسکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اوّل قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صدہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورۂ یونس میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی ساڑھے نو سو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اس کے بعد طوفان آیا۔ طوفان کے ساٹھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تنبیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کفار کی تکذیب سے دلگیر نہ ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

نکتہ: سورۂ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذاء رسانی اور ان کے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے ان کے ایذاء اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۸ ج ۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے۔ رسول بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرانے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور وجوہ خلاص کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

قوم کا جواب:

پس ان کی قوم کے جو لوگ کافر تھے ان کے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام! اوّل تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بناء پر ہم آپ کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ویسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر تو وحی آئے اور ہم پر نہ آئے۔ اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں کے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سرسری نظر سے کرلی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپ کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپؑ کے سحر کو معجزہ اور آپؑ کے شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ آپ میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپؑ کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار اور ننگ ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جو اہل ایمان کو عموماً اور علماء کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور ان کو بیوقوف سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ طبقہ دُنیاوی مال و جاہ میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دارومدار مال و دولت پر ہے جس کے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں

ان سے کہیں بلند ہواور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت ووجاہت میں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپ ﷺ کے تابع اور پیرو بنیں ۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنالی ہے اور چند بے وقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملادی ہے ایسے حقیر اور فقیر اور بے عقل اور جاہلوں کا اتباع آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین ومتکبرین کی جہالت آمیز تقریر تھی جو ختم ہوئی۔ اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب باصواب آتا ہے اب اس کو سنیے اور خوب کان لگا کر سنیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب:

نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ میں اور تم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صوت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بیشک انسان ہونے میں میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت ورسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطاء کی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہوسکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل اور کمالات اور آیات بینات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو اور دی ہو اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت وہدایت کاملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصر سمجھ جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ سے تم پر پوشیدہ اور مخفی کردی گئی تکبر اور غرور نے تمکو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتلاؤ ایسی صورت میں میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم زبردستی تمہارے سر لگا دیں درآنحالیکہ تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تم کو گوارا نہیں۔ مشعل ہدایت تمہارے سامنے کردی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یاب کردینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے جو تم کو رحمت دی تم نے اس کی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب ان کے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ دوسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ آپ ﷺ کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلت کا دارومدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع حق پر ہے جس غریب وفقیر نے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ موڑا وہ ذلیل وخوار ہوا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اَرَاذِل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قادح نہیں پھر یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر حجت ہے یہ غرباء اور فقراء اگر

مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تمکو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آرہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا: اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کو دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جز ایں نیست کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اسنے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجت مند سب برابر ہیں۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی کو دیکھ کر انہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بناء پر ضعفاء مومنین اور فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشان اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن ان کے ایمان اور اعمال صالحہ سے ان کی کرامت ظاہر ہوگی اور مومن کو دنیا و مافیہا سے دس گنا زیادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کافر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ولیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موٹر بنگلہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں دل سے ان کو حقیر و ذلیل اور زبان سے ان کو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔ ﴿وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنافقون: ۸)

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض والتقدیر تمہاری رعایت سے ان غرباء اور فقراء کو اپنی مجلس سے علیحدہ کردوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالب حق کو دولت مند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جا سکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کرسکتا اگر خدانخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے۔ محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطاء کیا اور ان فقراء مومنین کو ولایت باکرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ السلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی بیشک میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کے ہونے کو تم عزت جانتے ہو یعنی مال و دولت کے خزانے اور جس کے نہ ہونے کو خساست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک ہو میرے نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔

میرے نزدیک عزت کا دارومدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر کاذب اور مال دار صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاء علیہم السلام سے کم ہی ہے۔ البتہ میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا۔ اب آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مومن بنیں تو ان کو بہتر جزا ملے گی جو تمام روئے زمین کی سلطنت اور اس کے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں ان کو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بناء پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لاجواب ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام تُو نے ہمارے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب بحث تو چھوڑو۔ پس اگر آپ علیہ السلام سچوں میں سے ہیں تو آپ علیہ السلام وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ علیہ السلام ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اب آپ بحث کو چھوڑیئے اور عذاب لایئے تو نوح علیہ السلام نے ان کو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔ باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تم کو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سودمند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔ وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے تم کو چاہیے تھا کہ اس کے حکموں پر چلتے مگر ازراہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنالیا ہے یعنی از خود گھڑلیا ہے۔ اے نوح! آپ علیہ السلام جواب میں کہہ دیجیے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑلیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو۔ مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ یہ قرآن آپ علیہ السلام خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوح علیہ السلام کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی اس لیے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصۂ نوح علیہ السلام ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے

اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف و معارف

عارفِ رومی قدس سرّہ السامی فرماتے ہیں۔

اشقیاء را دیدۂ بینا نبود　　نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند　　اولیاء راہمچو خود پنداشتند

انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمسری کے مدعی تھے اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک مابشر ایشاں بشر　　ماؤ ایشاں بستہ خوابیم و خور

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ　　ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

اور کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دوں گوں زنبور خور دند از محل　　لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل

دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنگ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گون آہو گیا خوردند آب　　زیں یکے سرگیں شدو زاں مشکناب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو مینگنیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خوردنداز یک آب خورد　　آن یکے خالی و آں پُراز شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اور رس سے پُر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں　　فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس قسم کی سو ہزار نظیریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زوجدا　　واں خورد گردد ہم نور خدا

خُدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خُدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نورِ خُدا یعنی معرفت اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد　　واں خورد زاید ہمہ نورِ اَحَد

یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آب تلخ وآب شیریں و اصفا است

سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آبِ تلخ اور آبِ شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔ جس کا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے ہمسر اور برابر جاننا یہی ان کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتہ راہ کو لق ودق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اس کی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلا شبہ وہ ہادی طریق صورت وشکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

اور حکم ہوا طرف نوح علیہ السلام کے اب ایمان نہیں لاوے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا

فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۟ۚۖ (۳۶) وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ

سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر جو کر رہے ہیں اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور

وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (۳۷)

ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالموں کے واسطے یہ البتہ غرق ہوں گے

وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ

اور وہ کشتی بناتا تھا اور جب گزرتے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ (۳۸) فَسَوْفَ

بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو اب آگے

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ

جان لو گے کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اُس کو اور اترتا ہے اس پر عذاب

مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ

ہمیشہ کا یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے لادلے اس میں

كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ

ہر قسم سے جوڑا دوہرا اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے پڑ چکی بات اور جو

اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

ایمان لایا ہو اور ایمان نہ لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے اور بولا سوار ہو اس میں اللہ کے نام سے ہے

مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَ هِيَ تَجْرِيْ

اس کا بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان اور وہ لے بہتی ہے

بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ا۟بْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ

ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے

يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى

اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے کہا میں لگ رہوں گا

جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

کسی پہاڑ کو کہ بچا لے گا مجھ کو پانی سے بولا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

مگر جس پر وہ مہر کرے اور بیچ آپڑی دونوں میں موج سو رہ گیا ڈوبنے والوں میں۔

تتمہ قصۂ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ . . . اِلٰى . . . فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾﴾

ربط: جب کفار اپنے شبہات اور اعتراضات کا کافی اور شافی جواب سُن چکے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات قاہرہ کی تاب نہ لا سکے تو دوسرا رنگ اختیار کیا ظلم اور تعدی اور ایذا رسانی اور دشنام طرازی پر اُتر آئے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را   بہ پرخاش بر ہم کشد روئے را

کبھی ان کو دیوانہ اور مجنون کہتے اور کبھی ان کو زمین پر لٹا کر انکا گلہ گھونٹتے یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ ... الی ... رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ ﴾ (نوح) اور دعا مانگی ﴿ رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (القمر: ۱۰) اس پر نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے یہ وحی نازل ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب نوح علیہ السلام کو وعظ و نصیحت کرتے ایک زمانہ دراز گزر گیا اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ اب تیری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی نیا شخص ایمان نہیں لائے گا۔ پس وہ جو کچھ ظلم وستم کر رہے ہیں آپ اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئیے۔ اور ان کی مخالفت اور عداوت کی پرواہ نہ کیجیے جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کا وقت نزدیک آ گیا ہے جو ان شریروں کا اور ان کی شرارتوں کا یک لخت خاتمہ کر دے گا دعوت اور حجت کا وقت اب ختم ہوا اور نزول عقوبت اور سزا کا وقت قریب آ گیا اور اے نوح علیہ السلام! اب کمر ہمت باندھ لیجیے اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ ہم تم کو بتلائیں گے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے کیونکہ اس سے قبل کشتی کا وجود ہی نہ تھا اور ﴿ بِاَعْیُنِنَا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ بے فکر ہو کر کشتی تیار کرو ہماری نظر ہائے عنایت و حفاظت ہر طرف سے تم کو اور تمہاری کشتی کو محیط ہوں گی جس کے ذریعے سے تم اور تمہارے متبعین طوفان سے محفوظ رہیں گے۔ طوفان کے وقت اصل محافظ ہماری نظر عنایت ہوگی۔ لہٰذا جب کشتی تیار ہو جائے تو تم ہمارا نام لے کر اس میں سوار ہو جانا اور ہماری نظر عنایت پر نظر رکھنا کشتی پر اعتماد نہ کرنا۔ ہماری حفاظت اور نظر عنایت کے بغیر کشتی بذات خود کسی کو نہیں بچا سکتی اور یہ سن لو کہ ان ظالموں کے بارے میں بمقتضائے شفقت و مرحمت عذاب دفع ہونے کی مجھ سے کوئی درخواست نہ کرنا بلاشبہ یہ غرق کیے جائیں گے۔ ان کی غرقابی کا حکم قطعی ہے اور آپ علیہ السلام کی بھی یہی دعا اور التجا تھی۔ ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ ﴾ (نوح: ۲۶)۔ لہٰذا نزول عذاب کے وقت بمقتضائے شفقت و رحمت کوئی دُعا اور التجا نہ کریں کہ جو پہلی دُعا اور التجا کے خلاف ہو۔ ہماری بارگاہ سے ان ظالموں کی غرقابی کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نجار نہیں تھے اور کشتی بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے عرض کیا کہ اے خدا میں کس طرح کشتی بناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بنوا دیں گے۔ پس بحکم خداوندی تیشہ لے کر لکڑی تراشنا شروع کی تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی۔ اور اس طرح وہ کشتی بناتے تھے اور ان کی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت جب ان پر گزرتی تو ان کے ساتھ تمسخر کرتی۔ اور یہ کہتی کہ اے نوح علیہ السلام پہلے تو تم پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشک بیابان میں کشتی تیار کر رہے ہو۔ اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے۔ تم مجنون ہو گئے ہو نیز خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا۔ بلا ضرورت کس لیے کشتی بناتے ہو جہاں دور دور پانی کا نام و نشان نہ ہو وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے پہلے لوگوں نے کشتی دیکھی بھی نہ تھی۔ اور نہ اس کے استعمال کے طریقے سے واقف تھے اس لیے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اے نوح علیہ السلام تم اس کو کیا کرو گے؟ نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو وہ ہنستے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جا رہی ہے کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی اور نوح علیہ السلام اس بات پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں موت ان کے سر پر کھڑی ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ کس طرح زمین سے پانی اُبل پڑے گا اور یہی خشکی تری بن جائے گی اور ان کو غرق کر ڈالے گی۔ سو عنقریب جان لو گے کہ وہ کون ہے

کہ جس پر دُنیا میں ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کرے گا۔ یعنی غرق ہوگا جسے دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں اس پر ایک دائمی عذاب نازل ہوگا۔ جو کبھی اس سے دور نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اسی طرح سوال و جواب اور تمسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آپہنچا اور اس کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا۔ یعنی اس میں سے پانی اُبلنے لگا جو مقدمۂ طوفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتادی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی پھوٹنے لگے تو تم اہل ایمان کو لے کر کشتی پر سوار ہو جانا۔ وَ ھذا قول الحسن و قاله مجاهد و عطية رحمة الله عليهم عن ابن عباس رضی الله عنهما۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳)

ابن جریر اور دیگر محققین رحمہم اللہ کا قول یہی ہے کہ تنور سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے جس سے خلاف عادت پانی اُبلنے لگا اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تنور سے صبح مراد ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ تنور سے ظاہری معنی مراد ہیں اس لیے کہ تنور کے یہ معنی حقیقی اور معروف و متبادر ہیں۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور جب لفظ حقیقت اور مجاز کے درمیان دائر ہو تو بالاجماع اس کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ کہ جب تنور سے پانی ابلتے دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا یہ علامت تھی طوفان شروع ہونے کی۔

چنانچہ جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی کہ تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا اور زمین کے چشمے رواں کر دیئے گئے اور آسمان سے بشدت پانی برسنا شروع ہوا۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿فَفَتَحۡنَآ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا﴾ (القمر) تو ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لیے کار آمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے دو عدد جوڑا یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کشتی میں اپنے ساتھ لادلو اور اپنے اہل و عیال کو جو ایمان والے ہیں ان کو بھی کشتی میں سوار کرلو مگر ان لوگوں کو مت سوار کرنا جن کی غرقابی اور ہلاکت کے متعلق قضاء قدر جاری ہو چکی ہے اور اہل و عیال کے علاوہ ان لوگوں کو بھی سوار کر لیجیے جو ایمان لائے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے ان کے ساتھ مگر تھوڑے اشخاص جن کی تعداد اَسّی تھی۔ پس حضرت نوح علیہ السلام نے حسب الحکم ان کو کشتی میں سوار کیا اور فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اور غرق کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب اس کی رحمت اور اس کے نام کی برکت سے ہے نجات کا دارومدار اس کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی اس کا ظاہری سبب ہے۔ لہٰذا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھو نہ کہ کشتی پر اور بعض علماء تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَ مُرۡسٰٮهَا﴾ مستقل جملہ نہیں بلکہ ماقبل سے حال واقع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کشتی میں بسم اللہ پڑھتے ہوئے سوار ہو۔ چنانچہ وہ لوگ مع ضروری جانوروں کے اس کشتی میں سوار ہو گئے اور اس اثناء میں پانی بہت بڑھ گیا۔ اب وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چل رہی تھی یعنی پانی اس قدر کثیر تھا کہ اس کی موجیں اور لہریں پہاڑ کی مانند بلند تھیں مقصود یہ ہے کہ طوفان نہایت شدید تھا مگر یہ کشتی انہی موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نظر رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون، اطمینان کے ساتھ لے کر چل رہی تھی جس میں کسی قسم کا اضطراب نہ تھا پانی اور ہوا کے تھپیڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا اور اسی اثناء میں کشتی چلنے سے پہلے نوح علیہ السلام نے اپنے سگے یا سوتیلے بیٹے کو آواز دی جس کا نام کنعان تھا اور وہ کشتی سے علیحدہ تھا۔

اور اس وقت کشتی رواں تھی اور پانی چڑھا آتا تو بمقتضائے شفقت پدری آواز دی اور یہ کہا: اے میرے چھوٹے بیٹے! خدارا

ایمان لے آ اور کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ یعنی ان بدبخت کافروں کی معیت کو چھوڑ اور ہمارے ساتھ سوار ہو جا تا کہ اس مصیبت عظمیٰ سے تو نجات پا سکے۔ شفقت پدری کی بناء پر نصیحت فرمائی کہ یہ آخری وقت ہے اگر اس وقت بھی ایمان لے آیا تو غرق سے بچ جائے گا۔ بیٹا بولا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں عنقریب کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانہ لوں گا۔ جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچا لے گا یہ وقت ابتداء طوفان کا تھا پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا اس لیے اس نے یہ کہا۔ نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہر عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آجائے دنیا کی پریشانی اور میرا سکون اور اطمینان اس کی نظروں کے سامنے ہے۔ فرق کو دیکھ لے اور سمجھ لے مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا بیٹا ہوش میں نہ آیا اور خیال کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچا لے گی۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دے یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسباب عادیہ اور تدابیر مادیہ کارگر نہ ہوں گی۔ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے وہ بغیر حکم خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے اللہ کی تقدیر محکم جاری ہو چکی ہے کہ اس عذاب سے بچے گا کوئی نہیں۔

غرض یہ کہ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کا زور اس کی طرف بھی بڑھ گیا اور ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی اور اس طرح ان کی گفتگو ختم ہوئی۔ پس ہو گیا وہ بیٹا غرق ہونے والوں میں سے اور کافروں کے ساتھ بیٹا بھی غرق ہوا۔

جمہور علماء اسلام اور اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ طوفان عام تھا تمام جہان پر آیا اور اس کے بعد دنیا میں صرف نوح علیہ السلام کی نسل جاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① ﴿وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ (الصافات: ۷۷) یعنی طوفان نوح کے بعد ہم نے صرف نوح علیہ السلام کی اولاد کو باقی رکھا۔ اور باقی سب کو غرق کر دیا اور جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے صرف انہوں نے نجات پائی اور آئندہ کو جو نسل چلی وہ نوح علیہ السلام کی اولاد سے چلی اس وجہ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں۔

② اور حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (نوح: ۲۶) یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ طوفان تمام اہل زمین کے لیے تھا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طوفان صرف نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا۔ کیونکہ ان کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے یہ طوفان اس خطہ تک محدود تھا جہاں ان کی قوم آباد تھی۔ عام نہ تھا۔ بعض شہر اس طوفان سے بچ گئے تھے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا جس سے از سر نو دنیا کی آبادی کی ضرورت ہوئی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل اقوال کا اعتبار نہیں اور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر اس وقت ان کی قوم اور ان کی امت ہی کل اہل زمین اور اہل جہان کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہان اور ساری دنیا تھی موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی ان کی امت تھی۔ اس طرح تمام اہل زمین حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا غرض کہ تمام زمین کی چیزیں غرق ہوگئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سر نو آباد ہوئی۔ آج کل کے مدعیان تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اسّی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا

ہے ان نادانوں کو یہ خبر نہیں کہ یہ ساری دنیا صرف حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے آباد ہوئی ہے کبھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے عظیم انقلاب کا دنیا کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ میں جن واقعات کا ذکر ہے وہ نہایت قلیل ہیں اور جو واقعات پیش آئے ہیں وہ لاکھوں اور کروڑوں ہیں جن کے ذکر سے تاریخ خالی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اور تمام اہل زمین کے لیے تھی تو جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت تمام اہل زمین کے لیے ہر زمانہ میں ہے اور قیامت تک رہے گی اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام سب اہل زمین کے لیے صرف ان کے زمانہ تک محدود تھی بعد میں باقی نہ رہی اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور بعثت اور دعوت تمام اہل زمین کے لیے ہے ہر زمان میں ہر مکان میں اور اسی طرح تا قیامت باقی رہے گی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۷ ۴ ج ۴)

الغرض جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ طوفان عام اور عالمگیر تھا۔ سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفس اس جانکاہ عذاب سے جانبر نہیں ہوا۔ اور قرآن مجید کی آیات اور اشارات سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ وہ طوفان عام تھا اور تمام جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا کا کشتی میں سوار کرنا یہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ اگر طوفان عام نہ ہوتا تو جانوروں کے سوار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے مقامات پر تو جانور موجود ہی تھے جو لوگ طوفان کے عام ہونے کے منکر ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ واقعۂ طوفان قانون فطرت کے خلاف ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قانون طبیعت کے خلاف ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ سب متکبرانہ دعوے ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں اور اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ
اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان! تھم جا اور سکھا دیا پانی، اور ہو چکا
ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾
کام! اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔

قصۂ فرو شدن طوفان

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ ... الی ... بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾﴾

ربط: یہاں تک اس طوفان کی آمد کا بیان تھا۔ اب اس کے خاتمہ کا بیان ہے کہ کفار نا ہنجار غرق ہوئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا﴾ (نوح:۲۶) وہ سب غرق ہوگئے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی باقی نہ رہا۔ تو خداوند قدوس کی طرف سے زمین کو حکم دیا گیا کہ اے زمین تو اپنا پانی نگل جا اور آسمان کو یہ حکم دیا گیا کہ اے آسمان تو پانی برسانے سے رک جا پھر کیا مجال تھی کہ آسمان اور زمین اس کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ زمین نے اپنے اوپر کا تمام پانی چوس لیا اور آسمان نے پانی برسانا بند کر دیا اور پانی کم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ خشک کر دیا گیا۔ اور قوم نوح کا قصہ تمام ہوا۔ اور جو کافر اور منکر تھے ان میں سے کوئی ایک دیار بھی باقی نہ رہا۔

اور اہل ایمان نے نجات پائی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ جو موصل کے قریب واقع ہے اور یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ نوح علیہ السلام نے اللہ کا شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور کفار ناہنجار کو از اوّل تا آخر غرق کیا اور منادی کر دی گئی کہ لعنت اور پھٹکار ہو ظالم قوم کے لیے جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ بے انصافی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست و نابود کیا اور اپنی رحمت سے دُور کیا۔

علماء تفسیر رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت عجیب اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے چونکہ اہل علم اور اہل فن ہی ان اسرار و لطائف کو سمجھ سکتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے بیان سے پہلوتہی کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوینده بود چوں حافظ و چوں اصمعی
در کلام ایزد بے چوں کہ وحی منزل است
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی!

وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَكَ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب! میرا بیٹا ہے میرے گھروالوں میں اور تیرا وعدہ

الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ

سچ ہے اور تیرا حکم سب سے بہتر۔ فرمایا اے نوح! وہ نہیں

اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ

تیرے گھر والوں میں اس کے کام ہیں ناکارہ۔ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو

عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ

معلوم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ ہوجاوے تو جاہلوں میں، بولا اے رب! میں

اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ

پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو۔ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور

تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں۔

دعاء نوح علیہ السلام برائے نجات پسر خود و جواب باری تعالیٰ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ ... الی ... اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾ ﴾

اور نوح علیہ السلام نے بیٹے کو غرق ہونے سے پہلے حسرت و لجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارا کہ شاید اس کی شان ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ پس عرض کیا کہ اے میرے رب تحقیق یہ میرا بیٹا جو ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل و عیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ حق اور صدق ہے۔ پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لیجیے اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں۔ آپ کے حکم کو کون توڑ سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا اے نوح علیہ السلام بیشک ہمارا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے نہیں ہے جن کے بچانے کا ہم نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناشائستہ اور سرتاپا ناکارہ ہے یعنی کافر ہے اور ﴿ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ ﴾ میں داخل ہے اور ہمارے یہاں اہلیت کا دار و مدار قرابت دین پر ہے نہ کہ قرابت نسبی پر، اور ہم نے شروع ہی میں تم سے یہ کہا تھا کہ ﴿ وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴾ وہ اشارہ اسی کی طرف تھا۔ حکم چونکہ مجمل اور عام تھا لیکن بمقتضائے شفقت پدری تم کو اس کے عموم سے ذہول اور نسیان ہوا اس لیے تم بھولے سے یہ سوال کر بیٹھے پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو۔ تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا ایسی دعا مانگنی نادانی کی بات ہے اللہ کی مرضی اور منشاء کو دیکھ کر سوال کرنا چاہیے نوح علیہ السلام نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بناء پر یہ خیال کیا کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے اس لیے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے مطلع کر دیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں نبی کے اصل اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لا کر اس کی پیروی کی۔ اس بارگاہ میں جسمانی نسب کا اعتبار نہیں بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کافر ہونے کی خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی تو وہ یہ سوال نہ کرتے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ پسر نوح علیہ السلام کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں:

(قول اوّل) وہ منافق تھا مگر نوح علیہ السلام کو اس کے نفاق کا علم نہ تھا۔ ظاہر کے اعتبار سے اس کو مؤمن سمجھ کر آواز دی کہ کافروں کا ساتھ چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ ﴿ یٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ جب تو کافر نہیں تو پھر ان کے ساتھ کیوں ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

اور اسی کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر [1] قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

(قول دوم) نوح علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ کنعان کافر تھا مگر غرق ہونے سے پہلے اس کو اس لیے آواز دی کہ شاید ہولناک نشانات کو دیکھ

---

[1] قال الامام القرطبی قولہ ولا تکن مع الکافرین ای لاتکن ممن لست منھم لانہ کان عندہ مؤمنا فی ظنہ ولم یك نوح یقول رب ان ابنی من اھلی الا وذالك عندہ کذالك اذ محال ان یسال ھلاك الکفار ثم یسال فی انجاء بعضھم و کان ابنہ یسر الکفر ویظھر الایمان فاخبر اللہ تعالی نوحا بما ھو منفرد بہ من علم الغیوب ای علمت من حال ابنك مالم تعلم انت وقال الحسن رحمۃ اللہ علیہ کان منافقا ولذا استحل نوح ان ینادیہ. (تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

کہ ہوش میں آجائے اور ایمان لے آئے اور حق جل شانہٗ سے اس عرض ومعروض ﴿رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ ... الخ﴾ کا منشا بھی یہی ہو کہ اے پروردگار! یہ میرا بیٹا اگرچہ بوجہ عدم ایمان کے مستحق نجات نہیں لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ اس کو مؤمن کر سکتے ہیں تا کہ یہ بھی اس وعدۂ حقہ کا مورد اور مستحق بن سکے اور نجات پا جائے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

(قول سوم) شفقت پدری نے اس سوال اور استدعاء پر آمادہ کیا ہو اور یہ گمان کیا کہ اللہ نے میرے گھر والوں کے بچانے کا وعدہ فرمایا ہے جن میں بظاہر بیٹا داخل ہے اور ﴿اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ﴾ کا استثناء مجمل اور مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹا اس میں داخل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

بہرحال نوح علیہ السلام کا یہ سوال شفقت پدری کی بناء پر تھا اور دعا کرتے وقت بیٹے کے کفر کا صحیح حال معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ ﴿فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ وہ ﴿اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ﴾ میں داخل ہے اور نصیحت فرما دی کہ مقربین کے شایانِ شان نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جیسے بے ادب جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جاناں روانا دیگر اند

نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تحقیق میں تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔ نوح علیہ السلام کو یہ ڈر ہوا کہ لاعلمی میں ایسی بات کا سوال نہ کر بیٹھوں کہ جو تقدیر ازلی اور علم الٰہی اور منشاء خداوندی کے خلاف ہو اس لیے توبہ استغفار کی۔ اور اے میرے پروردگار! اگر تو نے مجھے یہ ترک ادب نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ٹوٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا یہ شان نبوت تھی کہ لاعلمی میں جو درخواست کر گزرے تھے۔ اس پر عتاب آیا تو کانپ اٹھے اور گڑگڑانے لگے اور توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ مقرباں را بیش بود حیرانی

قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیۡكَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ

حکم ہوا، اے نوح! اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور کتنے فرقوں پر

مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ یَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۸﴾

تیرے ساتھ والوں میں اور کتنے فرقوں کو فائدہ دیں گے پھر پہنچے گی ان کو ہماری طرف سے دکھ کی مار۔

تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهَاۤ اِلَیۡكَ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَ

یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف۔ ان کو جانتا نہ تھا تو، اور

لَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا ۛؕ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾ ع ۴ ۱۴

نہ تیری قوم اس سے پہلے۔ سو تو ٹھہرا رہ البتہ آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔

خاتمۂ قصہ مشتمل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بروحی نبوت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ... الٰی ... اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۴۹﴾

ربط: جب کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی اور پانی بھی اُتر گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اے نوح (علیہ السلام)! اب کشتی سے اترو ہماری طرف سے اسلام اور سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر مبذول ہوں گی اور ان لوگوں پر مبذول ہوں گی جو تیرے ہمراہیوں سے پیدا ہوں گے یعنی تیرے ہمراہیوں کی مسلمان اولاد پر بھی ہماری سلامتی اور برکتیں مبذول ہوں گی۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے ہمراہیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت میں سے حصہ ملے گا۔ اور آئندہ نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں چندروزہ بہرہ مند کریں گے۔ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں ان کو رسائیں بسائیں گے۔ پھر آخرت میں ان کو ہماری طرف سے دوزخ کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ ﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ﴾ سے کافر امتیں مراد ہیں کہ ان کو دنیا میں عیش و آرام دیں گے اور پھر آخرت میں کفر اور شرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑ لے جائیں گے اور آخرت میں صرف ایمان اور عمل صالح نفع دے گا نسب کام نہ دے گا جیسا کہ کنعان کو بغیر ایمان اور عمل صالح کے نسب سے کوئی نفع نہ ہوا قریش مکہ کان کھول کر سن لیں۔

یہاں تک نوح علیہ السلام کا قصہ تمام ہوا۔ اب اس قصہ کو ختم کر کے اس کے دو فائدے بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک اُمّی کی زبان سے امم سابقہ کے ایسے مفصل اور مُستند واقعات کا بیان اس کی نبوت کی دلیل ہے۔ دوم یہ کہ اس کی تسلی مقصود ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے رفقاء کا انجام بہتر ہوگا۔

یہ قصۂ نوح علیہ السلام منجملہ غیب کی خبروں کے ایک خبر ہے جس کو ہم بذریعہ وحی کے تجھ پر القاء کرتے ہیں اس قصہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ اور کسی امر غیبی کی بذریعہ وحی اطلاع دینا یہ دلیل نبوت ہے اور اگر اس واضح دلیل کے بعد بھی آپ ﷺ کو نبی نہ مانیں تو آپ ﷺ ان کی ایذاء اور تکلیف دہ باتوں پر صبر کیجیے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نیک انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو صبر کی برکت سے نیک انجام نصیب ہوا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے رفقاء کا انجام بھی بہتر ہوگا۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا ان کا بھائی ہود، بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۵۰ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

حاکم نہیں سوا اس کے۔ تم سب جھوٹ کہتے ہو۔ اے قوم! میں تم سے نہیں مانگتا اس پر

اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے۔ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر کیا تم نہیں بوجھتے۔
وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ
اور اے قوم! گناہ بخشواؤ اپنے رب سے، پھر رجوع لاؤ اس کی طرف چھوڑ دے تم پر آسمان کی
مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا
دھاریں۔ اور زیادہ دے تم کو زور پر زور، اور نہ پھرے جاؤ گنہگار ہو کر۔ بولے،
یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ
اے ہود! تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہنے سے اور
مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا
ہم نہیں تجھ کو ماننے والے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے
بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾
بری طرح۔ بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو شریک کرتے ہو۔
مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى
اس کے سوا، سو بدی کرو میرے حق میں سب مل کر پھر مجھ کو فرصت نہ دو۔ میں نے بھروسہ کیا
اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّیْ
اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنے والا، مگر اس کے ہاتھ میں ہے چوٹی اس کی۔ بیشک میرا رب
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ
ہے سیدھی راہ پر۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو میں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو
اِلَیْكُمْ ۭ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ۭ اِنَّ
اور قائم مقام تمہارے کرے گا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ تحقیق

رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ

میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچادیا ہم نے ہود کو اور جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ

یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور بچا دیا ان کو ایک گاڑھی مار سے۔ اور یہ تھے

عَادٌ ۙ قف جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

عاد منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانے اس کے رسول اور مانا حکم اُن کا جو سرکش تھے

عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

مخالف اور پیچھے پائی اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن سن رکھو!

عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

عاد منکر ہوئے اپنے رب سے، سن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی۔

ع ۵ ۵

قصۂ ہود علیہ السلام با قوم عاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ ... الٰی ... اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾﴾

ربط: نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد یہ دوسرا قصہ ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا ہے جس میں قوم عاد کی ضلالت اور عذاب کا حال بیان فرمایا ہے یہ لوگ شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے اور دولت وثروت کی وجہ سے مغرور تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو دو خصوصیتیں عطاء فرمائی تھیں ایک قوت وتوانائی کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۱۵)۔ دوم یہ کہ ان کے بلاد نہایت سرسبز اور شاداب تھے یمن ان کا مسکن تھا۔ صاحب زراعت اور صاحب عمارت تھے۔

اس قصہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ قوم عاد، ہود علیہ السلام کی قریبی رشتہ دار تھی اور ہود علیہ السلام اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر آخرت کے معاملہ میں قرابت نسبی کچھ کام نہ آئی۔ صرف ایمان کام آیا جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نسب کام نہ آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادری کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جو باعتبار نسب اور قرابت کے ان کے بھائی تھے۔ اور قوم نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد بھی بت پرستی میں مبتلا تھی۔ اور قوم نوح علیہ السلام کا انجام سن چکے تھے۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں مگر تم نے محض

اپنے گمان سے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا اور ان کو معبود بنا لیا ہے۔ نہیں ہو تم اس شرک اور بت پرستی کے خیال میں مگر نرا جھوٹ بولنے والے یعنی یہ شریک اور بت پرستی تمہاری بنائی ہوئی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ و دعوت اور مخلصانہ نصیحت پر کوئی اُجرت اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ کسی پیغمبر نے اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں مانگی تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ نصیحت دنیوی غرض سے پاک ہے۔ میری مزدوری تو اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھ کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی آخرت میں ثواب دے گا جو اس کے جود و کرم کے لائق ہے کیا تمہیں عقل نہیں کہ صادق اور کاذب اور حق اور باطل کے فرق کو سمجھ سکو۔ تم اس قدر غبی ہو کہ ایک بے غرض شخص کو جو تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی میں تم کو فلاح دارین کی طرف بلاتا ہے اس کو تم اپنا دشمن سمجھ کر اس سے دست و گریبان بنے ہوئے ہو اے میری قوم میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے کفر اور معصیت کی ظلمت دُور کرنے کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ۔ اور کفر اور شرک سے معافی مانگو پھر اللہ کی اطاعت اور عبادت کی طرف رجوع کرو اور اس استغفار اور توبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم پر برسنے والا بادل بھیجے گا یعنی بارش برسائے گا جس سے تمہارا قحط دور ہوگا۔ قوم عاد کا ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ کھیتی اور باغوں اور مویشی کی کثرت تھی قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی دعوت کو ردّ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کیا اور تین سال ان سے بارش کو روک لیا۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو تو خدا تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا اور تمہاری شادابی کو پھر لوٹا دے گا اور تم کو قوت پر قوت دے گا یعنی تمہاری موجودہ قوت میں اور اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے اس لیے اور زیادہ قوت کا وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھا دے گا۔ اور مال اور اولاد میں برکت دے گا اور مجرم اور ہٹ دھرم بن کر پیغام الٰہی سے انحراف نہ کرو بالفرض اگر مجرم پر کوئی عذاب بھی نہ آئے تو فوائد اور منافع سے محرومی تو یقینی ہے۔ وہ بدبخت بولے اے ہود علیہ السلام تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل نہیں لائے جو تمہارے دعوے کی صحت پر دلالت کرے ان کا یہ کہنا صریح جھوٹ اور عناد تھا۔ ہود علیہ السلام براہین قاطعہ اور آیات بینات لے کر آئے مگر عناد کی بناء پر ان معجزات کو شمار میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تو کسی طرح تیری بات ماننے والے نہیں۔ ہم تیرے بارے میں کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے بعض خداؤں نے تجھ کو کسی برائی اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے یعنی ہمارے کسی خدا نے تجھ کو مجنون اور دیوانہ بنا دیا ہے جس سے تو خلاف عقل باتیں کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی پھٹکار تجھ پر پڑ گئی ہے۔ اس وجہ سے تو یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تیرا اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرنا ہمارے بتوں کی شان میں گستاخی کی سزا ہے ہود علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تحقیق میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بَری اور بیزار ہوں سوائے خدا کے ان سے جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ یعنی خدا کے سوا سب سے بیزار ہوں۔ پس اگر تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تو سب مل کر میرے ہلاک کرنے کی تدبیر کر لو۔ پھر مجھ کو مہلت بھی نہ دو معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے خداؤں میں کتنی قوت اور طاقت ہے اور جب تم سب مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ پتھر کے بت میرا کیا بگاڑ سکیں گے لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ تم پر ان بتوں نے کچھ کر دیا۔ یہ خود تمہارے دیوانہ پن کی دلیل ہے۔ ہود علیہ السلام کا یہ کہنا بھی ایک معجزہ تھا کسی شان و شوکت والی قوم کے سامنے ایسا کلمہ منہ سے نکالنا بغیر تائید خداوندی ناممکن ہے چونکہ ہود علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔ اس لیے فرمایا تحقیق میں نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اس لیے میں نے اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا تم سب اسی کے تصرف میں ہو۔ روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی

پیشانی اس کے ہاتھ میں نہ ہو پیشانی کے بال پکڑنا یہ کمال قدرت وتصرف کی تمثیل ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے بغیر اس کی مشیت کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ تحقیق میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ پس اگر اس بیان واضح کے بعد بھی تم صراط مستقیم سے اعراض کرو تو تمہارے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ تحقیق میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ہے جو دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں بَری الذمہ ہوگیا اور تم پر حجت پوری ہوگئی اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ تم کو ہلاک کردے گا اور تمہارا قصہ ختم کردے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا جو تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے۔ اور تم کو اس کفر اور اعراض سے خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے، اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ہر چیز اس کے حفظ اور علم میں ہے جو جس کے لائق ہو وہی اس کو پہنچتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حفاظت اللہ کا کام ہے اور یہ بت تو اپنی بھی حفاظت نہیں کرسکتے۔ اس ارشاد سراپا رشاد سے اشارہ اس طرف تھا کہ اب عذاب کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے بادِصرصر کے عذاب سے بچالیا اور یہ نجات دینا محض ہماری رحمت اور مہربانی کے سبب سے تھا اور وہ ایمان جو اس نجات کا ظاہری سبب بنا وہ بھی ہماری توفیق اور عنایت سے تھا۔ لہٰذا کسی کو اپنے نیک عمل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے اور ہم نے ان کو سخت عذاب سخت آندھی سے بچالیا۔ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات متواتر آندھی چلی جس نے ان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ہود علیہ السلام کے ساتھی جو اخیر میں چار ہزار تک پہنچے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ عذاب دنیوی ہو یا اُخروی بغیر ایمان کے اس سے نجات نہیں ملتی اور ایمان کیا ہے۔ پیغمبر خدا کی پیروی اور اس کی کفش برداری۔

یہاں تک قوم عاد کا قصہ بیان ہوا۔ اب آگے اہل عرب کو خطاب کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور یہ قوم جس پر عذاب نازل ہوا قوم عاد تھی۔ اور ان کے اُجڑے ہوئے مکان ان کی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور عناد کرنے والے کے حکم کی پیروی کی خدا کے رسولوں کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھا اور ظالموں اور سرکشوں کی پیروی کو اپنے لیے عزت جانا۔ ان لوگوں نے اگرچہ صرف ہود علیہ السلام کا انکار کیا مگر وہ درحقیقت تمام رسولوں کا انکار تھا۔ کیونکہ تمام رسول رسالت میں باہم یکساں ہیں۔ اور توحید وغیرہ اور اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اس لیے ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔ اور ان کے ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے پیچھے ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں لعنت کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ پس اے اہل عرب! تم ان کے حال سے عبرت پکڑو۔ خبردار ہوجاؤ کہ قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ پھٹکار ہے قوم عاد کو جو ہود کی قوم تھی۔ عاد دو قوموں کا نام ہے۔ (اوّل) وہ کہ جن کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور نہایت قوی اور مہیب ڈیل ڈول کے مغرور آدمی تھے۔ اس قوم کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔ (دوم) وہ عاد جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور شدّاد، مردود و مطرود۔ اور لقمان مقرب ومقبول وغیرہ اسی قوم میں کے تھے اس قوم کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ قصہ عادِ اولیٰ کا تھا۔ اب آئندہ رکوع میں عادِ ثانیہ کا بیان کرتے ہیں۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح۔ بولا اے قوم! بندگی کرو! اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا

اس کے سوا۔ اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا

سو بخشواؤ اس سے اور اس کی طرف آؤ تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا۔ بولے

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا

اے صالح! تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے، تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں جن کو

يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ

پوجتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اس میں جس طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا۔ بولا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ

اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل گئی اپنے رب سے اور اس نے مجھ کو دی اپنی طرف سے

رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ قف فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ

مہر پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے اگر اس کی بے حکمی کروں۔ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے

تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ

نقصان۔ اور اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی۔ سو چھوڑ دو اس کو، کھاتی پھرے

فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اللہ کی زمین میں اور نہ چھیڑو اس کو بری طرح تو پکڑ لے گا تم کو عذاب نزدیک کا۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ

پھر اس کے پاؤں کاٹے، تب کہا، برت لو اپنے گھروں میں تین دن۔ یہ وعدہ ہے،

مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
جھوٹا نہ ہوگا۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا، بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو یقین لائے اس کے ساتھ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾
اپنی مہر کر کر۔ اور اس دن کی رسوائی سے۔ تحقیق تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست۔
وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾
اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑنے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔
كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا
جیسے کبھی رہے نہ تھے ان میں۔ سن لو! ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے۔ سن لو! پھٹکار ہے
لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع
ثمود کو۔

ع ۶/۸

قصۂ صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... اِلٰى ... اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾﴾

ربط: اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ہے اور حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی امت کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ جس کا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے نسبی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح علیہ السلام کو ان کا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت [1] نسبی کے اعتبار سے ان کو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا: اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدم علیہ السلام سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح

---

[1] معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے قومی اور وطنی بھائی تھے اور قومیت متحدہ کے قائل تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اس خاص قوم کی طرف تھی۔ اور وہ اسی قبیلے کے تھے ان کو توحید کی دعوت دینے کے لیے معبوث کیا۔ جو ان پر ایمان لایا اس نے فلاح پائی اور جو ان پر ایمان نہیں لایا وہ عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ ۱۲۔

ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تم کو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو وجود عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقاء کا سامان پیدا کیا۔ پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور ان کی توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا ہے قوم کے لوگ بولے اے صالح! تو اس دعوائے نبوت اور دعوائے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ اُمید لگایا گیا تھا یعنی تیری فراست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا ماویٰ اور ملجا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں: ''یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے۔'' بھلا اے صالح (علیہ السلام)! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے تحقیق ہم اس کے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہم کو تردّد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ سبحان اللہ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک اور بت پرستی میں سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا۔ یہی حال ہے اہلِ دنیا کا کہ باطل اور گمراہی میں تو ان کو اطمینان ہوتا ہے اور حق و ہدایت میں ان کو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا: اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطاء کی ہو تو میں خدا تعالیٰ کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الٰہی سے مجھ کو بچائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی معصیت خسرانِ مبین ہے۔ پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سوائے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے ثبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پہاڑ کے پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پتھر سے اُونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اُونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع کی اور فرمایا: اے میری قوم! یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعتاً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی نر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بے شمار دودھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت و رسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے بحکم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۷۲ ج ۵)

غرض یہ کہ یہ اُونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی اور چونکہ یہ اُونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرقِ عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقۃ اللہ کے کچھ حقوق ہیں۔ پس تم اللہ کی اُونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پیے۔ اللہ کی اُونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اُونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اُونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ لہٰذا اے میری قوم! تم اس اُونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور بُرائی کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ

لگاؤ کیونکہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آ پکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہوگا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سوانہوں نے باوجود اس نصیحت اور موعظت بلیغہ کے اس اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھروں میں آرام اور راحت کے گزار لو یعنی بدھ اور جمعرات اور جمعہ اور گزار لو۔ اس کے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئے گا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا۔ پس حسبِ وعدہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے ان کو عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔ بیشک تیرا پروردگار توانا اور غالب ہے اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے ان کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھٹنوں پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سُن لو کہ کفر کا خمیازہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ

اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا

سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا، ان کے ہاتھ نہیں

تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ

آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں ان سے ڈرا۔ وہ بولے مت ڈر

اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿ؕ۷۰﴾ وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ

ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔ اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى

پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی۔ بولی اے خرابی!

ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

کیا میں جنوں گی؟ اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا۔ یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ

وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی مہر ہے اور برکتیں تم پر، اے

الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ

گھر والو! وہ ہے سراہا بڑائیوں والا۔ پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر

وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

اور آئی اس کو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں۔ البتہ ابراہیم

لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

تحمل والا نرم دل تھا رجوع رہنے والا۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال۔ وہ تو

جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

آ چکا حکم تیرے رب کا۔ اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا۔

قصۂ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحٰق علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ... الٰی ... عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾﴾

ربط: اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولدِ فرزند کی بشارت کا ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام اسحٰق علیہ السلام ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے یا بانوے سال کی تھی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہ علیہا السلام کو تمنا تھی ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبر سنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۲۷ ج ۴)

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ماقبل کی طرح ﴿اَرْسَلْنَآ

﴿اِبْرٰهِیْمَ اِلٰی کَذَا﴾ نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب ہمارے وہ فرشتے جن کو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لے کر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وعلیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ ان کے کھانے کے لیے ایک بُھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے آئے جس سے چربی ٹپکتی تھی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں کہ آپ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ پندرہ روز کے انتظار کے بعد یہ مہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ مہمان اور ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اس کو اوپرا جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر مہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے عذابِ الٰہی کو لے کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے مظہر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہوگئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ﴾ (الحجر: ۵۲) تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں،، ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپ کو بشارت دینے کے لیے اُتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کہیں کھڑی سُن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا ہنسنا تعجب کی بناء پر تھا کہ عجب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو مہمان ملے جن کی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور حشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سُن کر خوش ہوئیں کہ یہ خبیثین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہوگا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو بے حیا اور بدکار بنایا۔ اس لیے ان کا عذاب سُن کر خوش ہوئیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہ علیہا السلام کے بطن سے بیٹا عطاء کرنے والا ہے تو یہ خبر سُن کر حضرت سارہ علیہا السلام ہنس پڑیں۔

پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ علیہا السلام کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحٰق نام کے ساتھ موسوم ہوگا اور اسحٰق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق علیہ السلام ہے۔ پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہوگا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہ علیہا السلام بولی ہائے میری کمبختی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر ننانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطاء ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہوگئیں اور مایوس ہوگئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سُننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے،

خدا کی صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اس کے فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے۔ اے ابراہیم علیہ السلام! کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات وکرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے تمہارے حق میں یہ بشارت قابل تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے بیشک اللہ تعالیٰ قابلِ تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اس کے جود وکرم سے کوئی شئے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے حمد وشکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطائف ومعارف

① بعض علماء نے ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ﴾ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

② یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجۂ رجل بھی اس کے اہل بیت میں سے ہے اس لیے کہ: ﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾ یہ خطاب حضرت سارہ علیہا السلام کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳) کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے اس لیے کہ اُوپر سے تمام سلسلۂ کلام۔ نساء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمقتضائے شفقت دیگر اہل خانہ کو بھی کمبل اُوڑھا کر اس دعا میں شامل فرمالیا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہلِ بیت کے لیے جمع مذکر کا صیغہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم وتکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں یہی خطاب جمع مذکر کے صیغے جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم وتکریم استعمال کیے گئے۔

③ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو اِدھر سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قومِ لوط کے بارے میں بحث شروع کردی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کرسکتے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے ان کی بیوی کے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطا کاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طبعی فرط رحمت اور

زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث بنی۔ خدا ترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔ لیکن آخر کار ملائکہ علیہ السلام نے ان کو حکم قضاء وقدر سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام آپ اس بحث کو چھوڑ دیجیے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آپہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو اُن سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فطری رحم دلی کی بناء پر عذاب کی تاخیر کے بارے میں جو اصرار اور الحاح فرمایا اس کو حق تعالیٰ نے بطور مبالغہ لفظ (یُجَادِلُنَا﴾ سے تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ علیہ السلام اس خیال کو دل سے نکال دیجیے۔ اُن کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو اہلِ ایمان ہیں اوّل ان کو علیحدہ کر دیا جائے گا اس کے بعد عذاب نازل ہوگا تاکہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس، خفا ہوا ان کے آنے سے اور رُک گیا جی میں اور بولا

هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِن قَبْلُ

آج دن بڑا سخت ہے۔ اور آئی اس پاس قوم اس کی دوڑتی بے اختیار۔ اور آگے سے

كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ

کر رہے تھے بُرے کام۔ بولا اے قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾

سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک راہ۔

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

بولے تُو تو جان چکا ہے، ہم کو تیری بیٹیوں سے دعویٰ نہیں۔ اور تجھ کو تو معلوم ہے جو

نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾

ہم چاہتے ہیں کہنے لگا کہیں سے مجھ کو تمہارے سامنے زور ہوتا، یا جا بیٹھتا کسی محکم آسرے میں۔

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ

(مہمان) بولے اے لوط! ہم بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک۔ سو لے نکل اپنے گھر

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

والوں کو کچھ رات سے، اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر تیری عورت۔ یوں ہی ہے کہ

مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ

اس پر پڑنا ہے جو ان پر پڑے گا ان کے وعدے کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں

بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا

نزدیک۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا، کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائیں اس پر

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ

پتھریاں کھنگر کی۔ تہ بتہ صاف بنائیں تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۱۵ ۷

اُن ظالموں سے کچھ دُور۔

قصۂ لوط علیہ السلام وقوم او کہ تتمۂ قصۂ سابقہ است

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ... الٰی... وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۳﴾﴾

ربط: گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ اب اس کو بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی حمص کے قریب تھی اور اس کے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جن کی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ پہلے قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوگر ہیں۔ اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کُڑھے کہ میں ان بدکردار اور خبیث طینت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپا نہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بدکردار اور بداطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوط علیہ السلام ان کو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے اور

ان کی قوم نے جب یہ خبر سُنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوبصورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بداطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بدفعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طینت اور عادت بن چکی تھی اور حیاء اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کرلو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امّت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بُری خصلت سے باز آجاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم ان کی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کیا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیاء کا مادّہ ہو وہ بولے اے لوط! تجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تم کو دور کردیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا اماوئی اور ملجا ہوتا تو اس کی مدد سے تم کو دور کرتا کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤتفکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمنّا کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت وشوکت ہوتے تو مجھ پر ظلم نہ کرسکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سُن کر اوباشوں نے ہجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کردیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہ نے جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور ان کی مدافعت سے عاجز ہیں تب ان کو خبر دی کہ ہم فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبریل علیہ السلام [1] نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبریل علیہ السلام باہر برآمد ہوئے اور ان کے منہ پر اپنا پَر مارا جس سے اُن کی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط علیہ السلام کے مہمان جادوگر ہیں۔ بعد ازاں جبرئیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تُو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اس سے نہیں رہا جائے گا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس قوم کو پہنچنے والا ہے۔ یہ حال سُن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئے گا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق ان کے عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کی گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت

---

[1] دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۱۴۰ ج ۴ و تفسیر قرطبی ص ۷۹ ج ۹

سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ کر اس کی اُوپر کی جانب کو نیچے کر دیا اور نچلی جانب کو اُوپر کر دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جُدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھا لیا اور آسمان کی طرف اونچا لے گئے اور وہاں جا کر انہیں پلٹ دیا اُونچے کو نیچا اور نیچے کو اُونچا کر دیا۔

غرض یہ کہ جبرئیل امین علیہ السلام جن کی صفت قرآن میں شدید القویٰ آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر ان کو اُوپر سے نیچے پٹک دیا پھر اُن پر کھنگر یعنی جھانوے برسائے (جھانوہ اس اینٹ کو کہتے ہیں جو پزاوہ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک متواتر گرتے تھے۔ یعنی پے در پے برس رہے تھے وہ پتھر ایسے تھے کہ خُدا کے یہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہر یا نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر پر من جانب اللہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جُدا اور ممتاز تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۳ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵ ج ۲ و تفسیر زاد المسیر ص ۱۴۶)

اور اہل مکہ کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دُور نہیں ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو چاہیے کہ عبرت پکڑیں۔

تنبیہ : یہ قصہ سورت اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۭ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۭ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ

حاکم اس کے سوا۔ اور نہ گھٹاؤ ماپ اور تول میں دیکھتا ہوں تم کو

بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا

آسودہ اور ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک گھیر لانے والے دن کی۔ اور اے قوم! پورا کرو

الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ

ماپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں

وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۞٨٦ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ

تم یقین رکھتے اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان۔ بولے اے شعیب!

اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ

تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑدیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں کرنا

اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۞٨٧ قَالَ يٰقَوْمِ

اپنے مالوں میں جو چاہیں۔ تو ہے بڑا باوقار نیک چال والا۔ بولا اے قوم!

اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

دیکھو تو ، اگر مجھ کو سوجھ ہوئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی

وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ

اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے آپ کروں ، جو کام تم سے چھڑاؤں میں تو چاہتا ہوں

اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ

یہی سنوارنا ، جہاں تک ہو سکے۔ اور بن آتا ہے اللہ سے۔ اسی پر میں نے

تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ۞٨٨ وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ

بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔ اور اے قوم! نہ کمائیو میری ضد کر کر، یہ کہ

يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر۔ یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر

وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۞٨٩ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

اور قوم لوط تم سے دور نہیں۔ اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اس کی طرف رجوع

اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۞٩٠ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا

آؤ۔ البتہ میرا رب مہربان ہے محبت والا۔ بولے اے شعیب! ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں

مِّمَّا تَقُوۡلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا ۚ وَ لَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ ۫

جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے۔ اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو ہم پتھراؤ کرتے

وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ

اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں۔ بولا اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے

اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

اللہ سے۔ اور اس کو ڈال رکھا ہے تم نے پیٹھ پیچھے فراموش۔ تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے

مُحِيۡطٌ ﴿۹۲﴾ وَ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ

ہو۔ اور اے قوم! کام کیے جاؤ اپنی جگہ، میں بھی کام کرتا ہوں آگے

تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَ مَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارۡتَقِبُوۡۤا

معلوم کرو گے کس پر آتا ہے عذاب کہ اس کو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو،

اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّ الَّذِيۡنَ

میں بھی تمہارے ساتھ ہوں تاکتا۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو

اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ

یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے

فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ ﴿۹۴﴾ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی نہ بسے تھے ان میں۔ سن لو! پھٹکار ہے

لِّمَدۡيَنَ كَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ ﴿۹۵﴾ ع ۸/۱۲ ۸

مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے۔

قصہ حضرت شعیب علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... الى ... اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾﴾

ربط: یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاء علیہ السلام کے لقب سے معروف ہیں اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کیل اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا ﴿اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ کہ خیر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اس کی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اوّل مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اوّل اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کمی کرو تم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو ایک اچھی حالت یعنی نعمت اور تونگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اس کا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ماپ میں پیمانہ کو اوچھا نہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرّہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی

نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دُہرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں ہر حق دار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کرکے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تم کو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔

من آنچہ شرط بلاغت باتومی گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے۔ ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا، جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے۔ (روح البیان ص ۱۷۴ ج ۴)

قوم مردود کا جواب

قوم کے سردار بولے اے شعیب علیہ السلام ہم نے تمہارا وعظ سُن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخر ان سے یہ کہتی یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا انکا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ درانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تقسیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجیے اور دغابازی سے بچنے کا وعظ نہ کہیے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطا کردہ اعضاء اور جوارح سے اور ہمارے عطاء کردہ قدرت اور اختیار سے تم نے یہ دولت کمائی ہے تم ہمارے بندے اور غلام ہو تمہیں ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور اوامر و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرّف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں۔ البتہ اس کی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرّفات مالک حقیقی اور خداوند احکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر

بایں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کرسکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرّف نہیں کرسکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانونِ شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہوسکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب علیہ السلام بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور متکبرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ ﴾ (العنکبوت: ۴۵) "تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے۔"

اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز ان کو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا: اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بناء پر تم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال وطیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت ورسالت اور حجت واضحہ اور علم وحکمت کی دولت عطاء کی جس سے مجھ کو بصیرت اور یقین حاصل ہے اور مال حلال وطیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بے وقوفوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہوسکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اس کے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہوجاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہوجائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دُور ہوجائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں نیت اسی کی کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخالفت ومعاندت

اس موعظت سراپا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی

واقف ہوا گرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ ان کو تباہ ہوئے کچھ زمانہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑ دو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے توبہ کرنے والوں سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

قوم کا جواب

قوم کے لوگ شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دلپذیر کے جواب سے لاجواب ہوئے تو از راہِ جہالت و عداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تو تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں اور ہم اگر تجھ کو کوئی برائی پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع بنے۔

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور بے وقوفوں کا یہی دستور ہے کہ آیات بینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرّہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدۂ خداوندی پر مطمئن تھے، چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں کہا: اے میری قوم! افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت و رسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی۔ بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت و شوکت میرے رجم سے تمہارے لیے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اس کے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تم کو جزا دے گا۔ بعدازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین نہیں تو اچھا

تم جانو عنقریب پتہ چل جائے گا اور بالآخر نا امید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لوگے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا جو اس کو ذلیل وخوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آ گیا کہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آ پہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز نے آ پکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے۔ اور ایک دم سب مر گئے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کافر مر گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صیحہ (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور رہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہوگی۔

فائدہ: یہاں قوم شعیب کا صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہوا اور سورۂ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہوا اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیوں سے اور واضح سند سے۔ فرعون

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ

اور اس کے سرداروں پاس پھر چلے کہے میں فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی۔ آگے ہوگا

قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچا دے گا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور پیچھے سے ملی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے برا انعام ہے جو ملا۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا . . . الٰى . . . بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝﴾

ربط: اب یہ ساتواں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور یہ قصہ اس سورت کا آخری قصہ ہے۔ جس میں یہ بتلایا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں سلطنت اور مال و دولت اور قوت و شوکت کچھ کام نہیں آئی۔ عزت، حق کے اتباع میں ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر بھیجا یعنی معجزات قاہرہ و باہرہ مثل معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء دے کر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس باوجود ان معجزات قاہرہ اور براہین باہرہ اور دلائل ظاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر خدا کا اتباع نہ کیا بلکہ حکم فرعون کے تابع اور پیرو ہو گئے اور فرعون کا کام درست نہ تھا اور جس طرح فرعون دنیا میں ان گمراہوں کا پیشرو بنا اسی طرح وہ قیامت کے دن اپنی قوم کا پیشوا ہوگا۔ اور اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سو ان کو آگ میں لے جا کر اُتارے گا جیسا کہ وہ دنیا میں ان کے آگے تھا اور بحر قلزم میں لے جا کر ان کو غرق کیا۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے آگے آگے ہوگا اور بُرا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے گئے یعنی آتش دوزخ جس پر ان کو لایا گیا وہ بہت بُرا گھاٹ ہے اس لیے کہ آدمی گھاٹ پر اس اُمید پر اترتا ہے کہ وہاں پیاس اور دھوپ کی گرمی دور ہوگی اور آرام و آسائش ملے گی۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہوگا کہ وہاں پانی سے کلیجہ اور جل جائے گا اور پیاس زیادہ ہو جائے گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی اور اس دنیا میں اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ایسے مغرورین اور متکبرین پر ہر شخص دُنیا میں لعنت کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے لگی ہوگی تمام اہل محشر ان پر لعنت کریں گے۔ یہ کتنا بُرا عطیہ ہے جو ان کو عطاء کیا گیا کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ان کے گلے کا ہار بنادی گئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝۱۰۰

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو، کوئی ان میں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا۔

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ

اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے گا ان کو ٹھاکر،

الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا

جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی چیز میں، جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔ اور کچھ نہ

زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝۱۰۱ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ

بڑھایا ان کے حق میں سوا ہلاک کرنا۔ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی، جب پکڑتا ہے بستیوں کو، اور

هِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

وہ ظلم کر رہتے ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ دکھ دیتی ہے۔

تذکیر عواقب دنیویہ اُمم ظالمہ برائے عبرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ... الٰى ... اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾﴾

ربط: یہاں تک اُمم ظالمہ کے عبرتناک قصص کا بیان ہوا جن میں کفار کے شبہات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جوابات کا ذکر تھا۔ اب ان واقعات کے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ دیکھ لو کہ کفر وتکذیب کا انجام باعتبار دُنیا کے بھی بُرا ہے اور باعتبار آخرت کے بھی بُرا ہے جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ دُنیا میں ذلیل وخوار ہوئے اور ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں۔ ان آیات میں کفر وتکذیب کے دنیوی انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور آئندہ آیت یعنی ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ﴾ میں کفر وتکذیب کے عذاب اُخروی کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق اور صداقت کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے عجیب وغریب واقعات کا بلاتعلیم وتعلّم بیان کرنا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس قسم کا علم بدونِ وحی الٰہی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ سات ہولناک اور عبرتناک قصے جو ہم نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔ اُمم سابقہ اور قرون ماضیہ کے بستیوں میں کے چند قصے ہیں جن کو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو سنا دیں اور لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ سو بعض بستیاں تو اب بھی ان میں کی باقی اور آباد ہیں۔ اور بعض اجڑ گئیں اور ان بستیوں کو جو ہم نے جو عذاب نازل کر کے برباد کیا۔ سو ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ولیکن انہوں نے کفر کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ کفر وشرک کر کے مستوجب عذاب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کو بلاقصور ہلاک کر دیا ہو بلکہ اول ان کو نصیحت کی۔ اور نافرمانی کے بعد بھی ان کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ ان کو مہلت دی۔ جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ اور کسی طرح اپنے کفر اور عناد سے باز نہ آئے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا۔ سو جب تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا تو ان کے معبودوں نے جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کو کچھ نفع نہیں پہنچایا۔ یعنی ان کے معبود اُن سے ہمارے عذاب کو نہ ہٹا سکے۔ اور ان کے معبودوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں اضافہ نہ کیا۔ یعنی یہ معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنے۔ اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو ظلم اور معصیت کے جرم میں پکڑتا ہے۔ بے شک تیرے پروردگار کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾﴾

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمٌ

اس بات میں نشانی ہے اس کو، جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے وہ دن یہی،

مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡہُوۡدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُہٗۤ اِلَّا

جس دن میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ دن ہے دیکھنے کا اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو

لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ۚ فَمِنۡہُمۡ

ایک وعدہ کی گنتی تک۔ جس دن وہ آوے گا، نہ بولے گا کوئی جاندار مگر اس کے حکم سے۔ سو ان میں کوئی

شَقِیٌّ وَّ سَعِیۡدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ شَقُوۡا فَفِی النَّارِ لَہُمۡ فِیۡہَا زَفِیۡرٌ وَّ

بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ سو وہ لوگ جو بدبخت ہیں، سو آگ میں ہیں ان کو وہاں چلانا ہے اور

شَہِیۡقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ اِلَّا مَا

دھاڑنا۔ رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین، مگر جو

شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۰۷﴾ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا

چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے۔ اور وہ جو نیک بخت ہیں

فَفِی الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ اِلَّا مَا

سو جنت میں ہیں رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان و زمین مگر جو

شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَکُ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّمَّا یَعۡبُدُ

چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا۔ سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں۔

ہٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُہُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ وَ اِنَّا

یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم

لَمُوَفُّوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ غَیۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع ۹ ۱۴ ۹

دینے والے ہیں اُنکو اُن کا حصہ بن گھٹایا۔

تذکیر عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت ونصیحت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ : ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام اور دنیاوی ذلت اور رسوائی کی یاد دہانی تھی۔ اب اس آیت میں کفر و تکذیب کے اُخروی انجام کا بیان ہے دنیوی ذلت و ہلاکت کے ذکر سے موعظت اور نصیحت مقصود ہے عقل مند کو چاہیے کہ پہلے سے اپنے انجام کو سوچ لے قیامت کا دن اللہ کی عدالت کا دن ہے جس میں سعداء اور اشقیاء کی جزاء اور فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن سعداء فائز المرام ہوں گے اور اشقیاء خائب و خاسر ہوں گے۔

جاننا چاہیے کہ ان آیات میں حق جل شانہٗ نے اہلِ محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ایک سعداء اور ایک اشقیاء اور چونکہ مقام تحذیر ہے۔ اس لیے اشقیاء کے ذکر کو سعداء کے ذکر پر مقدم فرمایا۔ اور یہاں ایک تیسری قسم اور بھی ہے جن کے ذکر سے حق جل شانہٗ نے سکوت فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ حسنات ہوں گی اور نہ سیئات ہوں گی جیسے مجانین اور اطفال وصبیان سو یہ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے زیر مشیت ہے۔ قیامت کے دن اللہ جو چاہے گا وہ ان کے درمیان حکم کرے گا۔ چونکہ اس قسم کا حکم زیر مشیت خداوندی مستور ہے اس لے آیت میں اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ دو قسم کے ذکر کرنے سے تیسری قسم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دو قسموں کا حکم بتلا دیا۔ تیسری قسم کا حکم مخفی رکھا۔ تحقیق اللہ کی اس دردناک گرفت اور پکڑ میں یا ان قصص اور واقعات میں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ عظیم عبرت ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ دار ابتلاء میں حق تعالیٰ کی پکڑ اس قدر الیم اور شدید ہے تو دار جزاء میں اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا دن وہ دن ہوگا جس میں اوّل دنیا سے لے کر آخر دنیا تک تمام لوگوں کو حساب کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر ہوں گے۔ اس دن یہ ممکن نہیں کہ کوئی غائب ہو جائے اور حاضر نہ ہو۔ اس دن سب حاضر ہوں گے اور اس کی ہول کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ آخر وہ دن کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں تاخیر کرتے اس دن میں مگر ایک شمار کی ہوئی مدت کے گزر جانے کے لیے جس کا علم سوائے ہمارے کسی کو نہیں۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کی مدت بظاہر اگرچہ طویل ہے مگر آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قلیل ہے اس لیے کہ دنیا کی مدت محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی مدت غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور محدود اور متناہی غیر محدود اور غیر متناہی کے مقابلہ میں بلاشبہ قلیل ہے جب وہ قیامت کا دن آپہنچے گا تو بغیر اجازت خداوندی کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ کوئی سفارش کر سکے۔ پس ان تمام جمع شدہ نفوس میں سے بعض تو شقی یعنی بدبخت ہوں گے اور بعض سعید یعنی نیک بخت ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ﴾ (الشوریٰ:۷) پس ان میں جو لوگ بدبخت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ میں ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان کے لیے گدھے کی اول آواز اور آخر آواز کی طرح چلانا اور دھاڑنا ہے۔ لغت میں ''زفیر'' گدھے کی شروع آواز کو کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے اور ''شہیق'' گدھے کی پچھلی آواز کو کہتے ہیں جو آہستہ اور کم ہوتی ہے مگر اس میں سانس بہت لمبا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدت کرب وغم اور شدت رنج والم سے اشقیاء کی جہنم

میں یہ حالت ہوگی کہ گدھوں کے مشابہ ہوں گے اور گدھوں کی طرح چیخیں گے اور چنگاڑیں گے ان کی آواز کبھی زفیر ہوگی اور کبھی شہیق ہوگی۔ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے جب تک رہیں آسمان اور زمین یہ کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں۔ ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ یہ ہمیشہ رہے گا جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں اور کہتے ہیں تو زندہ رہے ما اختلف اللیل والنھار جب تک دن رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سماوات والارض سے جنت کے آسمان اور زمین مراد ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراہیم: ۴۸) اور آخرت کے آسمان وزمین کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جنت کی طرح جنت کے آسمان وزمین بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ کافروں کا جہنم میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ان کو وہاں موت اور فنا ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ مگر جو چاہے تیرا پروردگار سو وہ اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ بے شک تیرا پروردگار کر ڈالتا ہے جو چاہتا ہے اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تمام سلف اور خلف کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہ ہوگی۔ بعض نام نہاد مفسر اور مصنّف یہ کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اور کافروں کے حق میں دوزخ کا عذاب باقی نہ رہے گا اور غلط فہمی یا کوتاہ نظری یا کج طبعی کی بناء پر اس آیت میں جو لفظ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ آیا ہے اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ کفار کا عذاب دائمی نہیں۔

یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے اور آیاتِ صریحہ اور احادیث متواترہ اور اجماع سلف اور خلف کے خلاف ہے جیسا کہ پارۂ ہشتم کے شروع میں ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ اس پر مفصل گزر چکا ہے تحقیق مسئلہ کا فرض تو ادا ہو چکا ہے اب بطور نفل اور تطوع کچھ عرض کرتے ہیں۔ اس جگہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ بعینہٖ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ﴾ جن لوگوں کو ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کے استثناء سے شبہ لگا ہے۔ کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

جواب اوّل: یہ ہے کہ ﴿مَا﴾ بمعنی ﴿مَنْ﴾ ہے جیسے ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳) اس جگہ لفظ ﴿مَا﴾ بمعنی ﴿مَنْ﴾ ہے اور یہ استثناء باعتبار عُصاۃ موحدین یعنی گنہگار مسلمانوں کے اعتبار سے ہے یعنی دوزخ میں رہیں گے مگر جن کو خدا چاہے یعنی گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے بعد ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہ جواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۱۶۰ ج ۴)

اور امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ ✱ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ یہ استثناء گنہگار مسلمانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ

✱ اصل عبارت یہ ہے۔ قد اختلف المفسرون فی المراد من ھذا الاستثناء علی اقوال کثیرۃ حکاھا الشیخ ابو الفرج ابن الجوزی فی کتابہ زاد المسیر وغیرہ من علماء التفسیر ونقل کثیرا منھا الامام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ فی کتابہ واختار ھو ما نقلہ عن خالد بن معدان والضحاک وقتادۃ وابن سنان ورواہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس والحسن ایضا ان الا ستثناء عائد علی العصاۃ من اھل التوحید ممن یُخرجھم اللہ من النار بشفاعۃ الشافعین من الملائکۃ والنبیین والمؤمنین حتی یشفعون فی اصحاب الکبائر ثم تاتی رحمۃ =

احادیث متواترہ سے قطعاً یہ ثابت ہے کہ اہل توحید ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اگرچہ عاصی ہوں۔

یا یوں کہو کہ اشقیاء کی دو قسمیں ہیں ایک کافر اور دوسرے گنہگار مسلمان فی الجملہ دونوں قسمیں شقی ہیں اور ابتداءً دونوں ہی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا مگر چند روز کے بعد گنہگار مسلمانوں کو جو من وجہٍ سعید اور من وجہٍ شقی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے یا کسی کی شفاعت سے جہنم سے نکالے جائیں گے اور پہلے قسم کے شقی یعنی کافر وہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ ج ۴)

اور شروع آیت میں ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا﴾ کا لفظ آیا ہے اس سے مطلق اشقیاء مراد ہیں خواہ وہ شقی کامل ہوں جیسے کافر اور مشرک یا من وجہٍ شقی اور من وجہٍ سعید ہوں جیسے گنہگار مسلمان کہ وہ باعتبار ایمان اور اسلام کے سعید ہے مگر معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس میں شقاوت کی آمیزش آگئی ہے۔ غرض یہ کہ شروع آیت میں اشقیاء سے عام معنی مراد ہیں جو دونوں قسموں کو شامل ہیں اور آخر آیت میں یعنی میں ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ میں اشقیاء کی دوسری قسم کا استثناء مراد ہے یعنی عصاۃ موحدین کا استثناء مراد ہے کہ اشقیاء کی یہ قسم ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گی۔ بلکہ چند روز بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی یہ لوگ اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہٍ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے نکال لیے جائیں گے بخلاف قسم اول کے یعنی اشقیاء کاملین کے ان سے کافر اور مشرک مراد ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے وہ کبھی بھی جہنم سے باہر نہ نکلیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہٍ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ① امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۹ ج ۹)

جواب دوم دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور وہ بہت عجیب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے بتلانا ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم کا خلود اور دوام مستقل نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیونکہ دوسری نصوص صریحہ وقطعیہ سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو اہل جنت اور اہل جہنم کے خلود کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اور ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے فقط اپنی قدرت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ خلود لازم نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے ہم جب چاہیں اور جس کو چاہیں جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں اور آیت کا خاتمہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ بھی اسی طرف مشیر ہے۔

حضرت حکیم الامت ② مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں: کہ میرے

= ارحم الراحمین فتخرج من النار من لم یعمل خیرا قط وقال یوماً من ایام الدهر لا اله الا الله کما وردت بذاك الا خبار الصحیحة المستفیضة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمضمون ذالك من حدیث انس وجابر وابی سعید وابی هریرة وغیرهم من الصحابة رضی الله عنهم ولا یبقٰی بعد ذالك فی النار الا من وجب علیه الخلود فیها ولا محید له عنها وهٰذا علیه کثیر من العلماء قدیما وحدیثا فی تفسیر هٰذه الاٰیة الکریمة۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ جلد ۲)

① قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ قد اختلف فی قوله تعالیٰ الا ما شاء ربك علی عشرة اقوال ان الاستثناء انما هو للعصاة من المؤمنین فی اخراجهم بعد مدة من النار وعلی هذا یکون قوله فاما الذین شقوا عاما فی الکفرة والعصاة ویکون الاستثناء من خالدین قاله قتادة والضحاك وابو سنان وغیرهم اھ۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۹ ج ۹)

② ماخوذ از وعظ الملقب به اجر الصیام من غیر النصام حصہ دوم تیسواں وعظ از سلسلہ تبلیغ ص ۱۸۔

نزدیک صحیح اور لطیف جواب وہ ہے کہ جو شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ جو ان کے اُردو ترجمے سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ میں ما مصدریہ ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے ظرف ہے۔ ای الا وقت میشته کما فی قوله اٰتیك خفوق النجم ای وقت خفوقه والمعنی یخلدون فیها الا ان یّشآء ربك عدم خلود هم فینقطع خلود هم اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ مخلد فی النار ہوں گے مگر جس وقت خدا ان کے عدم خلود کو چاہے تو اُن کا خلود اور دوام منقطع ہو جائے گا رہی یہ بات کہ اس قید کی کیا ضرورت تھی۔ سو اس کا جواب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ خلود واجب اور خلود ممکن کا فرق ظاہر کر دیا گیا تا کہ کوئی خلود کی خبر سن کر بقاء دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے مگر یہ فخر تو ہمارے لیے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب الوجود کے خلود اور بقاء کے ساتھ متصف ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ قید لگا کر بتلا دیا کہ واجب الوجود کا خلود کسی کی مشیت کے تابع نہیں۔ خلود واجب تو ذات واجب کا مقتضائے ذاتی ہے اور ہمارا اور تمہارا سب کا خلود اس کی مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اس کو ختم کر سکتے ہیں اور سب کو نکال سکتے ہیں اور جب چاہیں اس کو فنا کر سکتے ہیں اس قید سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا۔ دیکھو اجر الصیام من غیر انصرام حصہ دوم وعظ نمبر ۶۳ ص ۱۸ غرض یہ کہ کلمہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ محض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے خلود عذاب اور دوام عذاب کے انقطاع اور اختتام کی خبر دینے کے لیے نہیں جیسا کہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ سے کمال قدرت و اختیار کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر وہ چاہے تو بلا وجہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھ سکتا ہے۔ اور ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے دوزخ سے نکال سکتا ہے اس کو پورا اختیار ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ہر چیز اس کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے۔ نیز اگلی آیت جو سعداء کے متعلق ہے اس میں بھی یہی ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء ذکر کیا گیا ہے اور وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائے گا اور پھر اس کے متصل غیر مجذوذ کا لفظ اضافہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی عطاء ہے کہ جس کا کبھی انقطاع نہیں پس اگر ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کا لفظ انقطاع اور اختتام کے بیان کرنے کے لیے ہوتا تو دوسری آیت میں ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کے فوراً بعد ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کہنا صریح اس کے مخالف اور مناقض ہوتا اور اللہ کا کلام اختلاف اور تناقض سے پاک اور منزہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود اس کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ لیکن اللہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب تو کبھی موقوف اور منقطع نہ ہوگا اور اہل جنت کا ثواب بھی کبھی موقوف نہ ہوگا۔ البتہ جو گناہ گار مسلمان ہیں وہ چند روز کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

تتمہ: اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کے معنی یہ ہیں مگر یہ کہ تیرا رب ان کو گرم دوزخ سے نکال کر زمہریر یعنی جہنم کے سرد طبقہ میں ڈال دے مطلب یہ ہے کہ عذاب بدل تو جائے گا مگر دوزخ سے رہائی کبھی نہ ہوگی۔ [1]

---

[1] اس مسئلہ پر مفصل کلام پارہ ہشتم کے شروع میں آیت ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی فرمائش پر اس ناچیز نے ایک رسالہ الدین القیم فی الرد علی ابن القیم کے نام سے عربی میں لکھا ہے جس میں ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما کی تمام باتوں کا جواب دیا ہے اور قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے اور علیٰ ہذا اس ناچیز نے التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح جلد ۶ صفحہ ۴۰۹ باب صفۃ النار میں نار کی ابدیت اور اہل نار کے خلود پر مفصل کلام کیا ہے اور علیٰ ہذا =

اور رہ گئے وہ لوگ کہ جو سعید اور نیک بخت ہیں۔ سو وہ جنت میں ہوں گے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم رہیں ہاں مگر جو تیرا پروردگار چاہے سو اس کی مشیت کا علم اسی کو ہے مگر اہل جنت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ جنتیوں کا جنت میں رہنا عطاء خداندی ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگا۔ یہ آیت سُعداء اور اہل جنت کے متعلق ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے اپنی مشیت کو بیان کیا اور اس آیت ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ میں یہ بتلایا کہ جنتیوں کا جنت میں رہنا اللہ کی عطاء ہے جو کبھی بند نہ ہوگی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گی۔ گزشتہ آیت اشقیاء کے متعلق تھی اور یہ آیت سُعداء کے متعلق ہے اور دونوں جگہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء مذکور ہے اور اہل جنت کے بارے میں جو استثناء مذکور ہے وہاں بالا جماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ اس استثناء کے بعد خود اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے بقاء اور دوام کی تصریح فرمادی ہے۔ چنانچہ صراحتاً فرمادیا ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ یعنی اس نعمت کا کبھی انقطاع نہ ہوگا۔ معلوم ہو کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کے استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ سعدا اور اشقیاء کا ثواب اور عقاب ابدی نہیں بلکہ یہ استثناء محض اظہارِ قدرت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے جنت اور جہنم میں کسی کا قیام اور خلود اور دوام بذاتِ خود کوئی امر واجب نہیں بلکہ مشیت الٰہی کے سپرد ہے اشقیاء کے بارے میں استثناء کو ذکر کر کے صرف اپنی مشیت کو بتلادیا کہ معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے مگر صراحۃً اپنی مشیت کو بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا ہے اور ہم کو اپنی مشیت سے آگاہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اور وہ ان کے حق میں کیا چاہتا ہے مگر سُعداء کے حق میں اوّل اظہار قوت کے لیے اللہ نے اپنی مشیت کا ذکر فرمایا یعنی ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ فرمایا بعد ازاں اس کے متصل ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کا لفظ ذکر کر کے اپنی مشیت کو بیان کر دیا کہ اہل جنت کے بارہ میں اللہ کی مشیت کیا ہے وہ یہ کہ جو خلود اور دوام کی ان کو بشارت دی گئی ہے وہ عطاء خداوندی ہے جو اُن سے واپس نہیں لی جائے گی اور گزشتہ آیت میں ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے اوّل تو یہ بتلایا کہ دوزخیوں کا خلود اور دوام اس کی مشیت پر ہے اور پھر اسی کی تاکید کے لیے ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ فرمایا غرض یہ کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ذکر فرمایا مگر پہلی آیت میں استثناء کے بعد ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں استثناء کے بعد ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں۔ البتہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت سے اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور وہ عُصاۃ مؤمنین یعنی گناہ گار مسلمان ہوں گے۔ اور اُن کے علاوہ کفار ومشرکین کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا جیسا کہ بے شمار آیات اور بے شمار اخبار اور آثار سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے۔ اور اسی پر صحابہؓ وتابعین اور تمام سلف اور خلف رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی ہے اور آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ہٹ کر ایک موضوع یا غایت درجہ ضعیف روایت کی آڑ لے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوزخ چند روز کے بعد فنا ہو جائے گی اور کافروں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ اگر کافر اور مشرک کی بھی نجات ہو سکتی ہے تو پھر ایمان اور اسلام ہی کی کیا ضرورت رہی خوب مزہ سے کفر اور شرک کرو یہودی

= اپنے حاشیۂ بخاری مسمّٰی بہ تحفۃ القاری میں کتاب الرقاق میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے اور ہر جگہ نیا رنگ ہے اہل علم سے اُمید ہے کہ دیکھ کر اس ناچیز کو دعا دیں گے۔ ۱۲

بنو یا نصرانی بنو یا دھری بنو اور دل کھول کر جو چاہے فسق و فجور کرو توبہ کی بھی ضرورت نہیں اُمید لگائے رکھو کہ دوزخ پر ایک دن ایسا آئے گا کہ دوزخ۔ خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس کے دروازے کھڑکھڑ کریں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ مضمون عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض موضوع بھی نہ ہو تو اس کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور پارہ ہشتم کے شروع میں ہم ان آیات اور احادیث کو بیان کر چکے ہیں جن سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے تو ایک ضعیف و موضوع روایت کو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا علمی امانت و دیانت کے سراسر خلاف ہے اور علیٰ ہذا ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جن صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے چند نام جو نقل کیے ہیں ان کی روایت بھی صحیح نہیں اور صریح بھی نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس حدیث کو اور ان آثار کو بھی تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب وہ ہے جو علماء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے کہ جس میں گناہ گار مسلمان رکھے جائیں گے اور جب انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے تو جہنم کا یہ طبقہ خالی رہ جائے گا اور جہنم کے جو طبقے کافروں کے لیے ہیں وہ بدستور بھرے رہیں گے اور اُن میں سے کوئی کافر نہیں نکل سکے گا۔ (تفسیر مظہری [1] ص ۵۵ ج ۵)

اور معاذ اللہ، معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوزخ کسی وقت کافروں اور مشرکوں سے خالی ہو جائے گی۔ ذرا غور تو کرو کہ اگر بغیر ایمان اور اسلام کے اور باوجود کفر اور تکذیب کے عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور کفار کی ہلاکت سے کیا فائدہ ہوا؟ بالآخر جب کافر بھی عذاب دوزخ سے نجات پا سکتا ہے تو پھر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی کہ انبیاء علیہم السلام کو کافروں کے مقابلہ میں مبعوث فرمایا اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ان میں سے کسی کو طوفان سے ہلاک کیا اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو بندر اور سؤر بنایا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے کار اور بے فائدہ تھا "نجات کافر" کے عقیدے سے تو تمام شرائع و ملل کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ اے اللہ تو ہم کو ایمان پر رکھ۔ آمین۔ اور اس زمانے کے آزاد اور بے لگام مصنّفین کے پرفریب فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ۔ آمین۔

پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سعدا اور اشقیاء کا فرق واضح ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معبودوں کے باطل ہونے میں شک نہ کیجیے جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں۔ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر درحقیقت مخاطب امت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کی گمراہی میں شک نہ کرو نہیں عبادت کرتے یہ لوگ مگر جیسے ان کے آباؤ اجداد پہلے سے بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بتوں کی پرستش کرتے آئے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی بلا دلیل باطل کے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ بت پرستی اور گمراہی ان کو باپ دادا سے بطور میراث ملی ہے اور بیشک ہم ان کو عذاب سے ان کا پورا حصہ دینے والے ہیں جس میں کمی نہیں کی جائے گی بلا کم و کاست اُن کے جرم کے مطابق ان کو عذاب ملے گا۔

---

[1] قال الامام البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ معنی قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابی ھُرَیْرَۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیاتین علی جھنم لیس فیھا احد عند اھل السّنۃ ان ثبت ان لایبقی فیھا احد من اھل ایمان واما مواضع الکفار فممتلئۃ ابدا وقد ذکرتہ فی التفسیر فی قولہ تعالیٰ لٰبِثِیْنَ فِیْھَآ اَحْقَابًا انھا فی حق اھل الاھواء من اھل القبلۃ وعند اکثر المفسرین المراد بالاحقاب احقاب غیر متناھیۃ . (تفسیر مظہری ص ۵۵ ج ۵) وکذا فی التفسیر البغوی وتفسیر الخازن وفتح الباری ص ۳۶۳ جلد ۱۱۔

موعظتِ حسنہ

امام بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں: اوّل دل کی نرمی۔ دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا۔ چہارم دُنیا سے نفرت۔ پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔

اور علیٰ ہذا شقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں: اوّل دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دُنیا کی رغبت۔ چہارم آرزو کا زیادہ ہونا۔ پنجم بے حیائی۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ
تیرے رب سے تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا۔ اور
اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دے گا تیرا رب ان کو ان کے کیے۔ اس کو سب خبر ہے جو وہ کر رہے
خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ
ہیں۔ سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا۔ اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو
اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ
وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی
النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ
آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مدد گار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے اور
اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
کھڑی کر نماز دونوں سرے دن کے اور کچھ ٹکڑوں رات کے، البتہ نیکیاں دُور کرتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ج وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

برائیوں کو۔ یہ یاد گاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔ اور ٹھہرا رہ البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ثواب نیکی والوں کا۔

تحذیر از اختلاف وافتراق وحکم استقامت بر احکامِ شریعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ ... الیٰ ... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور موردِ عتاب الٰہی بنے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب مبین ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ واور تفریق اور اختلاف سے پرہیز رکھو اور جادۂ شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور ﴿كَمَآ اُمِرْتَ﴾ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ سرمو حکم سے عدولی نہ ہو حکم کے مطابق اطاعت ہو اور ﴿وَ لَا تَطْغَوْا﴾ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ اور ﴿وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان وشوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور وطریق اور معاشرت کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکارم اخلاق اور محاسنِ اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں معین اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہلِ دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی معین اور مددگار ہے اس لیے کہ ﴿لَا تَطْغَوْا﴾ میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور ﴿وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ میں اہلِ دُنیا اور فساق وفجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جوامع العبادات ہے وہ تو مؤمن کی معراج ہے جس کا ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ میں حکم دیا گیا اور طرفین نہار کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکۃ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع دن میں ہوتی ہے اور عصر کی نماز اخیر دن میں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز اخیر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایۂ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے اور ﴿زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ مل کر پانچ اُمور ہوئے۔ ① استقامت ② لَا تَطْغَوْا ③ وَ لَا تَرْكَنُوْٓا ④ مداومت بر نماز فجر وعصر ⑤ نماز تہجد جس کے فضائل وبرکات کی کوئی حد نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکمِ خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور توریت عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا بعینہٖ یہی معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم نہ ہوں اور کافروں کے اختلاف اور تکذیب

سے گھبرائیں نہیں یہ کوئی نئی بات نہیں آپ ﷺ سے اختلاف کرنے والے فرعونیوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی تیرے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے ان کا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی ہے اور تحقیق یہ معاندین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو قلق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پراگندہ دل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿مِنْهُ﴾ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا نیکوکار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پورا باخبر ہے اس پر ان کا کوئی عمل مخفی نہیں۔ پس آپ ﷺ ان نابکاروں کی جزا و سزا کا معاملہ تو اس علیم و قدیر پر چھوڑ دیئے۔

بہمہ کار بندہ دانا اوست بمکافات ہم توانا اوست

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی ذات سے صراط مستقیم اور دین حق پر سیدھے قائم رہیے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپ کی طرح صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں تا کہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک جم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جادۂ اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم عقائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرح تعطیل کا قائل ہو کہ خُدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک درمیان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو حد تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اس کی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت بُرا ہے اور خطرناک ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بناء پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آجاو ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ ان کے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندوانی وضع قطع اختیار کرلے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں اہلِ طغیان اور اہلِ عصیان کی طرف میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہراً و باطناً ٹھیک قائم رہو اور حدود شریعت سے باہر قدم نہ نکالو اور کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی

طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوجا اور دن کے دونوں سروں میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دُور کرتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دُور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دُور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں، ایک جامع نصیحت ہے۔ نصیحت ماننے والوں کے لیے کیونکہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلا دیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اوّل نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور طغیان اور ظالموں کی طرف میلان سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے ان سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ ((الصبر مفتاح الفرج)) صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے بندے! تمام اوامر و نواہی میں عموماً اور استقامت میں اور طغیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس طرح فرماتے ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الصّٰبِرِينَ﴾ مگر بجائے اس کے ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنات میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرہ:۴۵)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ

سو کیوں نہ ہوئے ان سنگتوں میں، تم سے پہلے کوئی لوگ جن میں اثر ہو رہا ہو کہ منع کرتے

الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ

بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے سے جو ہم نے بچا لیے ان میں۔ اور چلے وہ لوگ

ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

جو ظالم تھے اسی راہ جس میں عیش پایا اور تھے گناہ گار۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں۔ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا

النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ

لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں۔ مگر جن پر رحم کیا

رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ

تیرے رب نے اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۱۹

جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

اُمم سابقہ کی ہلاکت کے سبب قریب اور سببِ بعید کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ ... الٰی ... مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۱۹﴾

ربط: پچھلی اُمتوں کا حال سنا کر یہ بتلاتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے دو سبب ہیں: ایک سبب قریب اور ایک سبب بعید اور بالفاظ دیگر ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی۔ سبب ظاہری تو یہ تھا کہ شہوات نفسانی اور حفوظ شہوانی کے پیرو بن گئے۔ اور خدا کی معصیت میں غرق ہو گئے اور علماء اور واعظین قلیل اور مغلوب تھے ان کا وعظ اور ان کی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے جو معدودے چند تھے وہ تو عذاب سے محفوظ رہے اور باقی قوم جو غرق معصیت تھی وہ سب تباہ ہوگئی۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "کہ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے اور سبب باطنی یہ تھا کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت بھی تھی کہ سب لوگ ایک راہ پر نہ چلیں بلکہ مختلف رہیں کچھ ایمان لائیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اور کچھ کفر کریں جن پر اللہ کا قہر نازل ہو۔ امم سابقہ کی معصیت اور ان کا فسق و فجور، ان کی ہلاکت کا سبب ظاہری تھا۔ اور قضاء و قدر اور مشیت خداوندی اس کا سبب باطنی تھا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس کیوں نہ ہوئے پہلی اُمتوں میں سے جن کو ہم نے نافرمانی اور سرکشی کے باعث ہلاک کیا۔ ایسے ذی رائے اور صاحب عقل لوگ جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے یعنی کفر و معصیت کرنے سے منع کرتے تاکہ ان پر عذاب نہ آئے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو لوگوں کو کفر اور شرک اور بداعمالی سے منع کرتے تھے مگر وہ مغلوب تھے قوم کے لوگ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے قوم میں سے ہم نے ان کو عذاب سے بچا لیا کیونکہ یہ قلیل افراد لوگوں کو کفر اور شرک اور معصیت کے فتنہ فساد سے منع کرتے تھے۔ یہ تو عذاب سے بچ گئے اور باقی قوم تباہ ہوگئی اور جو لوگ ظالم تھے وہ اس راہ کو لگ لیے جس میں عیش و عشرت کا سامان تھا یعنی وہ لذات و شہوات کے پیچھے دوڑ پڑے اور عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے اور تھے یہ لوگ بڑے ہی مجرم۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ قرون میں ایسے بقایا اہل خیر کیوں نہ ہوئے کہ جو لوگوں کو شرور اور منکرات سے نہی کرتے۔ ہاں ایسے لوگ قلیل ہوئے ہیں۔ انہی کو اللہ نے اپنے عذاب سے بچا لیا لہٰذا اللہ نے اس امت کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ... الآیۃ﴾ (آل عمران: ۱۰۴) پھر فرمایا کہ ظالم معاصی پر مستمر رہے اور انہوں نے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ ناگہاں ان پر عذاب آ گیا۔" آہ آگے فرماتے ہیں: اور نہیں ہے۔ تیرا پروردگار کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ یعنی بلا وجہ اور بلا جرم ان کو ہلاک کرے اور در آنحالیکہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی پکڑ کر ہلاک نہیں کرتا۔ درآنحالیکہ وہاں کے باشندے اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں نیکی کو رواج دیتے ہوں اور ظلم اور فساد کو روکتے ہوں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں تو خداوند قدوس ایسی حالت میں کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا عذاب قریۂ ظالمہ پر آتا ہے۔ قریۂ مصلحہ پر نہیں آتا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ... الآیۃ﴾

آیت کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۱۷۱ ج ۴)

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں: کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا درآنحالیکہ وہاں کے باشندوں کے باہمی معاملات درست ہوں محض شرک کی وجہ سے بستی پر ایسا عذاب نہیں آتا کہ جس سے بستی بالکل تباہ ہو جائے۔ بلکہ ایسا عذاب اس وقت آتا ہے کہ جب لوگ باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے لگیں۔ پس جن قوموں پر عذاب نازل ہوا وہ محض شرک کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور تمسخر اور قتل ناحق اور ایذا رسانی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی وجہ سے آیا اللہ تعالیٰ اپنے حق میں چشم پوشی کرتا ہے اور حقوق العباد میں سختی کرتا ہے اور کفر اور شرک پر جو عذاب شدید والیم ہوگا وہ آخرت میں ہوگا۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں آیت کا وہی مطلب اختیار کیا ہے جس کو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جلالین میں اور قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر مظہری ص ۶۶ ج ۵ میں اسی تفسیر کو اختیار کیا اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا اور ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ اسی لیے میرے نزدیک بھی راجح قول اوّل ہے اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی جرم اور ظلم نہیں اور ایمان سے بڑھ کر کوئی صلاح اور خیر نہیں۔ عذاب کی اصل علت کفر اور شرک ہے اور نجات کا سبب اصل ایمان اور اتباع شریعت ہے اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن اللہ کی حکمت تکوینی اس کی مقتضی نہیں کہ سب کو ایک ہی راہ پر ڈال دے۔ تکوین عالم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اس کی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ دونوں کا ہی ظہور ہو۔ اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہوا پس جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جود ونوال کا مظہر بنایا اور دوزخ کو اور اہلِ کفر کو صفت جلال اور شان قہر کا مظہر بنایا۔

درکار خانۂ عشق از کفر ناگزیراست
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اور لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ کوئی دینِ حق کو قبول کرے گا اور کوئی نہیں۔ مگر جس پر تیرا پروردگار رحم کرے اس کو اختلاف سے محفوظ رکھے گا اور دین حق اور صراط مستقیم پر لگا دے گا اور اسی اختلاف اور رحمت کے لیے لوگوں کو پیدا کیا یعنی بعض کو دوزخ کے لیے اور بعض کو جنت کے لیے اور اسی اختلاف کے لیے پیدا کرنے کی وجہ سے تیرے پروردگار کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں بلاشبہ جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے بھر دوں گا۔ تاکہ مغضوبین پر اس کی صفت غضب ظاہر ہو۔

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ

اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے ثابت کریں تیرا دل اور

جَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو۔

تنبیہ بر بعض حکمت ہائے حکایت قصص مذکورہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ . . . الٰی . . . وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں واقعاتِ ہلاکت کے وقوع کی علت اور حکمت بیان کی کہ یہ واقعاتِ ہلاکت کیوں پیش آئے۔ اَب اس آیت میں ان قصص اور واقعات کے حکایت اور ذکر کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں اور بالفاظ دیگر گزشتہ آیت میں محکی عنہ کے وقوع کی علت اور حکمت کا بیان تھا اور اس آیت میں نفس حکایت کی علت اور حکمت کا بیان ہے جس کا حاصل [۱] تقویت قلب اور موعظت و نصیحت اور عبرت [۲] ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی ﷺ ہم رسولوں کی خبروں میں سے تم پر ہر قسم کی خبر بیان کرتے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے وہ حالات جوان کو ادائے رسالت اور قوم کی سرکشی اور ایذا رسانی اور بالآخران کی ہلاکت کے گزرے ہیں ہم تجھ کو ان واقعات میں سے کچھ سناتے ہیں دو فائدوں کے لیے (اوّل) یہ کہ تیرے دل کو تقویت پہنچائے کہ ان کو سن کر آپ ﷺ کو سکون اور اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ یہ حالات پیش آئے اور انبیاء علیہم السلام نے ان جاہلوں کی ہلاکت اور اذیت پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین نے نجات پائی اور اُن کے دشمن عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے اور (دوسرا) فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے ضمن میں حق آپ ﷺ کے سامنے آ گیا کہ حق ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً ضعیف اور ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی اور جوان ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو زمین پر پچھاڑتا ہے اور دُنیا کو باطل کی ذلت کا تماشا دکھاتا ہے اور ان واقعات میں اہل ایمان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔ اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سُن کر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور پناہ مانگیں کہ اے اللہ ہم کو ان تباہ کاروں کے راستہ سے دور رکھنا۔

وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۙ

اور کہہ دے ان کو جو یقین نہیں کرتے کام کیے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔

وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ

اور راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور

اِلَیۡهِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ وَ تَوَکَّلۡ عَلَیۡهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ
اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا، سو اس کی بندگی کر اور اس پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ع
بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو۔

خاتمہ سورت بر تہدید عدم قبول ذکریٰ وموعظت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ ؕ... الی... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اس سورت میں حق کی حقیقت خوب واضح ہوگئی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت آگئی۔ اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہوگئی اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اچھا تم اپنی اسی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ عنقریب تم کو اپنے خبط کا پتہ چل جائے گا اور اے نبی! آپ ﷺ ان کے عناد سے دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے پھر سورت کو اللہ کے کمالِ علم اور کمالِ قدرت کے بیان پر ختم کیا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو لوگ باوجود ان براہینِ قاطعہ کے ایمان نہیں لاتے اور گزشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا اس کی پرواہ نہیں کرتے آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ جیسا ہم کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا اور نتیجہ کا انتظار کرو اور تحقیق ہم بھی نتیجہ کے منتظر ہیں۔ عنقریب حق اور باطل سامنے آجائے گا۔ مگر وہ نتیجہ فی الحال پوشیدہ ہے چند روز کے بعد پردۂ غیب سے نمودار ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہیں چھپی باتیں آسمانوں کی اور زمین کی یعنی اللہ کو ذرّہ ذرّہ کا علم ہے آسمان اور زمین کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خفی اور جلی، معدوم اور موجود اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کام کا رجوع ہے یعنی دُنیا اور آخرت کے تمام اُمور کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کے نتیجہ اور فیصلہ کا انتظار ضروری ہے۔

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور تمام اُمور کا مرجع اور منتہیٰ ہے تو آپ ﷺ ہمہ تن اللہ کی عبادت میں لگ جایئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور اسی پر تکیہ اور بھروسہ کرنا یہی وہ استقامت ہے جس کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجیے اور تیرا پروردگار تم سب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں تمہارا اخلاص اور ان کا کفر ونفاق سب اس کے علم میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کفار اور منافقین کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجیے اور نتیجہ کا انتظار کیجیے۔

کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ توریت کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ وہ ہے جو سورۂ ہود کا خاتمہ ہے یعنی ﴿وَ لِلّٰهِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ... الی آخر السورۃ﴾ اخرجہ ابن جریر وغیرہ۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۱۷ ج ۹ وتفسیر ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۲)

والحمد للہ اولاً و آخرا و باطنا و ظاهرا ربّنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنك رحمةً انّك انت الوهّاب و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا مُحمّدٍ وّ على اٰله واصحابه وذرّيا ته اجْمَعين وسلم كثيرًا كثيرًا و علينا معهم يا اَرحم الرّاحمين و يا اكرم الاكرمين و يا اَجْوَد الاجودين. آمين آمين يارب العاليمن۔

الحمد للہ کہ آج بروز شنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ کو بوقت ساڑھے سات بجے دن کے سورۂ ہود کی تفسیر سے فراغت ہوئی اور اے اللہ! تو اپنی رحمت سے باقی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما۔

ربنَا تقبل منا انّك انت السميع العليم وتب علينا انّك انت التواب الرّحيم و يا ربّ ارزقنا لاستقامة على دينك وسُنّة نبيّك مُحمّدٍ صلى الله عليه وسلم . آمين يَارَبّ العَالَمِين۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام

سورۂ یوسف علیہ السلام مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی۔ گزشتہ سورت میں مختلف پیغمبروں کے قصے بیان کیے گئے اور اس سورت میں صرف ایک نبی کے قصہ کا بیان ہے۔ حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں پیغمبروں کے قصے مختلف وجوہ کے ساتھ مکرر سہ کرر بیان کیے ہیں مگر یوسف علیہ السلام کا قصہ مکرر نہیں بیان کیا گیا۔ کیونکہ یہ قصہ لوگوں کی فرمائش کی بناء پر نازل ہوا اس لیے یکجا بیان ہوا اور مکرر نہیں لایا گیا اور اسی طرح اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بھی لوگوں کی فرمائش کی بنا پر نازل ہوا اس لیے یہ دو قصے بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

ربط: گزشتہ سورت یعنی سورۂ ہود میں بھی اثبات نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصے ذکر کیے اسی طرح سورۂ یوسف میں بھی یوسف صدیق علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا کیونکہ یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے یوسف علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی رؤیائے صالحہ سے ہوا۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:

اوّل مابدئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤ یا الصالحۃ فکان لا یری رؤ یا الا جاء ت مثل فلق الصبح.

پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا۔ ﴿اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴾ (یوسف) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا۔

اور پھر جیسا کہ یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں نے حسد کیا اور طرح طرح کی ان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صبر اور استقامت کی برکت سے عزت اور غلبہ نصیب فرمایا اور جب کامیابی دیکھی تو بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ ﴿ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴾ کہہ کر درگزر فرمایا اور کبھی بھی کوئی حرف شکوہ اور شکایت کا زبان پر نہیں آیا اور مزید برآں ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور وعدۂ خداوندی ﴿وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ لَتُنَبِّئَنَّہُمۡ بِاَمۡرِہِمۡ ہٰذَا وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴾ کا ظہور اس طرح ہوا۔

اسی طرح سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ارشادِ خداوندی استقامت اور صبر سے کام لیا بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر کوئی ملامت نہیں کی اور نہ گزشتہ کا کوئی شکوہ کیا بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا: ﴿ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴾ اذھبوا انتم الطلقاء اور یوسف علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلقاء قریش کو غنائم حنین میں سے بطور تالیف قلب سو سو اُونٹ عطا کیے تاکہ اسلام کی کراہت و نفرت مبدل بہ اُلفت و موانست ہو جائے۔ ((الاحسان یستعبد الانسان)) احسان انسان کو غلام بنا دیتا ہے اور یوسف علیہ السلام کی سنت کا اتباع ہو جائے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بھائیوں

کے ساتھ سلوک اور احسان فرمائیں۔

نیز اس قصہ سے یوسف علیہ السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت اور نزاہت کو بیان کرنا ہے کہ باوجود قوت شباب کے کس درجہ عورتوں کے کید سے محفوظ رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت ایسی ہوتی ہے کہ کسی حال میں نفس اور شیطان کا ان پر بس نہیں چلتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب ابلیس لعین بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو یہ کہا:

﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ ﴾ (ص)

یعنی قسم ہے تیری عزت کی کہ میں بنی آدم کے اغواء میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص اور برگزیدہ بندے ہیں ان کو نہیں بہکا سکوں گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس امر کی تصدیق فرما دی۔

﴿ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ﴾ (الحجر: ۴۲)

بے شک میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ معلوم ہوا کہ عباد مخلصین پر نفس اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور نفس اور شیطان کے اثر سے محفوظ اور مامون رہنے کا نام ہی عصمت ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ کل انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ اس لیے کہ کل انبیاء علیہم السلام بنص قرآن عباد مخلصین ہیں جو شیطان کے اغواء سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی خدا تعالیٰ کے عباد مخلصین میں سے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴾

نیز جس طرح حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ۖ ﴾ (ھود: ۴۹)

اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی انباء الغیب سے ہے اللہ کی وحی سے اس کا بیان کرنا بھی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں اس قصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بھائیوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجیے اور جادۂ حق پر قائم اور مستقیم رہیے اور نتیجہ کا انتظار کیجیے۔

شانِ نزول:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم کو کوئی قصہ سنائیں اس پر یہ قصہ نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہود نے مشرکین کے ذریعے امتحاناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ملک مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کی تھی کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے پہنچے؟ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ عجیب وغریب بصائر و عبر پر مشتمل ہے اور اس بات کا جواب ہے کہ بنی اسرائیل شام سے چل کر کس طرح مصر میں آباد ہوئے۔

آیاتھا ۱۱۱ ⑫ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ⑤٣ رکوعاتھا ۱۲

سورۂ یوسف مکی ہے اس کی ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

الٓرٰ یہ آیتیں واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا،

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ

شاید تم بوجھو۔ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہتر بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

تیری طرف یہ قرآن۔ اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں۔

حقانیت قرآن حکیم وتمہید قصہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ... الی ... لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③﴾

ربط: اس سورت کا آغاز سورۂ یونس کے آغاز سے مشابہ ہے قرآن کریم کے ذکر سے اس قصہ کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں:

الٓرٰ ○ یہ متشابہات میں سے ہے۔ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور کے نزدیک راجح اور مختار قول یہی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں۔ سوائے رسول کے کسی کا مرتبہ نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔ مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتی ہے ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے اہل عرب تم اس کے مطالب اور معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکو اور تم پر حجت قائم ہو جائے ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جو ہم نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے بذریعہ وحی تجھ پر نازل کیا ہے اس کے ذریعے تجھ کو بہترین قصہ سناتے ہیں۔ اور تحقیق آپ ﷺ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔ آپ ﷺ کو اس قصہ کی خبر نہ تھی اور اس قصہ کو احسن القصص یعنی بہترین قصہ اس لیے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرتیں اور حکمتیں ہیں اور نکات ہیں اور اس میں بادشاہوں سے غلاموں تک برتاؤ اور عورتوں کے مکر وفریب کا اور دشمنوں کے ایذا پر صبر کا اور قدرت کے وقت عفو اور جود وکرم کا بیان ہے اور حاسد اور محسود کے انجام کا بیان ہے حسد کا انجام نقصان

اور خذلان ہے اور صبر مفتاح الفرج ہے اور عفت و پاکدامنی موجب عزت و رفعت ہے سورۂ ہود کے ختم پر صبر اور استقامت کا ذکر تھا۔ اس قصہ کو ذکر کر کے بتا دیا کہ صبر اور استقامت ایسا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیابت الجب اور امرأۃ العزیز کی تہمت اور جیل خانہ کی مصیبت اور باپ کی مفارقت وغیرہ وغیرہ پر کس طرح صبر کیا۔

نیز یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجمل تھے اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ! میں نے دیکھے گیارہ تارے اور

الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند، دیکھے میرے تئیں سجدہ کرتے۔ کہا اے بیٹے مت بیان کر

رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

خواب اپنا اپنے بھائیوں پاس پھر وہ بنا دیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

صریح دشمن۔ اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھا دے گا کل بٹھانی

الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا

باتوں کی اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے

عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ

تیرے دو باپ پر پہلے سے ابراہیم اور اسحٰق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے

حَكِيْمٌ ۝۶ ع

حکمتوں والا۔

ع ۱
۱۱

آغاز قصہ برؤیائے صالحہ وصادقہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ... الی... اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝﴾

ربط: اب یہاں سے احسن القصص کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا ایک رؤیائے صالحہ سے ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے تحقیق میں نے خواب میں دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں گیارہ ستاروں سے یوسف علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور سورج اور چاند سے ان کے باپ اور خالہ مراد ہیں اور سجدہ سے یہ مراد ہے کہ سب ایک دن ان کے آگے جھکیں گے بالجملہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کے رفعت شان اور علو مرتبہ پر دال ہے۔ یعقوب علیہ السلام سنتے ہی خواب کی تعبیر سمجھ گئے اور ڈرے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی سنیں گے تو درپے حسد ہوں گے۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام نے از راہ شفقت فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! تو اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ کیونکہ وہ سنتے ہی اس کی تعبیر سمجھ جائیں گے کہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کی منزلت عالی کی اور بھائیوں کے خضوع کی نشانی ہے پس یہ خواب سن کر تجھ سے حسد کریں گے اور تیری ایذا رسانی کے لیے کوئی حیلہ اور فریب کریں گے تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ذرا موقع ملے تو رشک اور حسد کا وسوسہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر وفریب پر آمادہ کرتا ہے اور حسد کی آگ دل میں بھڑکاتا ہے اور جس طرح خدا نے تجھے خواب کے ذریعہ عزت اور رفعت اور برگزیدگی کی بشارت دی ہے اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ بنائے گا یعنی عزتیں اور درجات عالیہ تجھ کو عطا کرے گا۔ جن میں تیری سعی اور کوشش کو دخل نہ ہوگا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھلائے گا تاکہ خوابوں کے ذریعے اشارات غیبیہ اور پیش آنے والے واقعات کو سمجھ سکے اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دے کر بھی تم پر اور خاندان یعقوب پر اپنے انعام کو کامل کرے یعنی دنیا و آخرت کی ایسی بھلائیاں تم کو عطا کرے جو تام اور کامل ہوں اور ان میں کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسا کہ اس کے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر انعام کامل کر چکا ہے اس مقام پر یعقوب علیہ السلام نے ابراہیم اور اسحٰق علیہما السلام کا ذکر کیا اور تواضعاً اپنا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے یعنی جو جس لائق ہے وہی اس کو دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آباء واجداد کی طرح تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

فائدہ: پہلی شریعتوں میں بطور تحیت وسلام سجدۂ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہوگیا۔

خواب کی حقیقت

رؤیا کے معنی خواب کے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں:

(اوّل حدیثِ نفس) جس کا لفظی ترجمہ دِل کی باتیں ہیں۔ انسان دن میں جس کام میں مشغول اور منہمک ہو رات کو بھی خواب میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں جیسا کہ عاشق کو خواب میں طرح طرح سے اپنا معشوق ہی دکھلائی دیتا ہے اور بلی کو خواب میں گوشت کے چھیچھڑے نظر آتے ہیں جسے الیکشن کی دُھن ہوتی ہے اسے خواب میں اسمبلی ہال ہی کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

(دوم اضغاثِ احلام) جس کا لفظی ترجمہ خواب پریشان ہے نفس اور شیطان کے القاء سے جو چیزیں خواب میں دکھائی دیں وہ اضغاثِ احلام ہیں اور احتلام بھی اسی قبیل سے ہے خواب کی یہ دو قسمیں فاسد ہیں ان کی کوئی تاویل اور تعبیر نہیں۔

(خواب کی تیسری قسم) رؤیائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو وساوسِ شیطانی اور ہواجسِ نفسانی سے پاک ہو ایسا خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث میں رؤیٔ صالحہ اور جزء نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القاء ربانی ہوتا ہے اور مؤید بنورالٰہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور مفسرین اور اولیاء اور محدثین اور عارفین فرماتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سوجاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہوجاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اس عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صُورِ مثالیہ کے ذریعے ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف برنگ تمثیل وتشبیہ اشارہ اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستارے سجدہ کرتے ہوئے دکھلائے گئے برنگِ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ نفس اور شیطان اور وہم اور خیال کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا خواب وحیِ قطعی اور معصوم عن الخطاء ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ﴾ اور اولیاء چونکہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کا خواب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وحی نبوت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کے مطابق رؤیا کا صلاح اور صدق ہوگا اور عوام المسلمین چونکہ کدورات نفسانیہ اور ظلمات باطنیہ میں مبتلا رہتے ہیں ان کا خواب کبھی صادق ہوتا ہے اور کبھی کاذب۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: ① ایک حدیث نفسانی اور ② دوم حدیثِ شیطانی ③ سوم القائے ربانی اور رؤیائے حقانی اوّل کی دو قسمیں فاسد اور کاسد ہیں تیسری قسمِ وحی رؤیائے حقانی ہے جس کو حدیث میں رؤیائے صالحہ اور رؤیائے صادقہ کہا گیا ہے۔ (دیکھو اشارات المرام عن عبارات الامام ص ۱۵۸)

تعبیر خواب:

اور تعبیر خواب کبھی تو الہام یزدانی اور القاء ربانی سے ہوتی ہے جیسا کہ ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ میں تعبیر سے وہ تعبیر مراد ہے جو تعلیم ربانی اور القاء رحمانی سے ہو ایسی تعبیر قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اور کبھی خواب کی تعبیر عقل سلیم اور خداداد فہم وفراست سے ہوتی ہے اس میں کبھی خطاء اور لغزش بھی ہوجاتی ہے۔

بعض فلاسفر کہتے ہیں کہ رؤیا (خواب) محض ایک خیال باطل ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں اس لیے کہ نوم ادراک کی ضد ہے حالت نوم میں ادراک عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ جس طرح بحالت بیداری دِل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں اسی طرح وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے بحالت خواب سونے والے کے دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں جو اس ظاہری ادراک اور احساس کی علت تامہ نہیں اصل علت حق جل شانہٗ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی تخلیق ہے اور اس کی قدرت ومشیت کے

اعتبار سے حالت نوم اور یقظہ سب برابر ہیں یہ حواس ظاہرہ جو اسی کی مخلوق ہیں ادراک ظاہری کی علامتیں ہیں جو محض علامت کے درجہ میں ہیں علت کے درجہ میں نہیں۔

یُونان کے نادانوں نے ایک ظاہری علامت کو جو اسی کی پیدا کردہ تھی اس کو ادراک کی علت تامہ سمجھ لیا اور خواب کی حالت میں جب ان کو ادراک کی کوئی ظاہری علامت نظر نہ آئی تو خواب کی حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا کہ خواب کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ ایک وہمی اور خیالی چیز ہے خوب سمجھ لو کہ خواب تو بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ ہے مگر اس کا انکار وہم فاسد اور خیال کاسد ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝٧ اِذْ قَالُوْا
البتہ ہیں یوسف کے مذکور میں اور بھائیوں کے، نشانیاں پوچھنے والوں کو جب کہنے لگے
لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا
البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۜ ۝٨ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ
خطا میں ہے صریح مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر
وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَآئِلٌ
توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہو اس کے پیچھے نیک لوگ بولا ایک بولنے والا
مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ
ان میں مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینک دو اس کو گمنام کنوئیں میں کہ اٹھالے جاوے اس کو کوئی
السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝١٠ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا
مسافر اگر تم کو کرنا ہے بولے اے باپ کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا
عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝١١ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ
یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے
وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝١٢ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ
اور ہم اس کے نگہبان ہیں بولا مجھ کو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لے جاؤ اس کو اور ڈرتا ہوں

اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ وَ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ اَکَلَہُ

کہ کھا جاوے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو بولے اگر کھا گیا اس کو

الذِّئۡبُ وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَہَبُوۡا بِہٖ وَ

بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت ور تو تو ہم نے سب کچھ گنوایا پھر جب لے کر چلے اس کو اور

اَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ یَّجۡعَلُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ لَتُنَبِّئَنَّہُمۡ

متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے اشارت کی اس کو کہ تو جتاوے گا اُن کو

بِاَمۡرِہِمۡ ہٰذَا وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوۡۤ اَبَاہُمۡ عِشَآءً یَّبۡکُوۡنَ ﴿۱۶﴾ ط

اُن کا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے اور آئے اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے

قَالُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَہَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَ تَرَکۡنَا یُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا

کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس

فَاَکَلَہُ الذِّئۡبُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَ لَوۡ کُنَّا صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ

پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں اور

جَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِہٖ بِدَمٍ کَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ

لائے اس کے کُرتے پر لہو لگا جھوٹ بولا کوئی نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے

اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَ اللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ

ایک بات اب صبر ہی بن آوے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو بتاتے ہو اور آیا

سَیَّارَۃٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَہُمۡ فَاَدۡلٰی دَلۡوَہٗ ؕ قَالَ یٰبُشۡرٰی ہٰذَا غُلٰمٌ ؕ

ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنہارا اس نے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا

وَ اَسَرُّوۡہُ بِضَاعَۃً ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوۡہُ بِثَمَنٍۭ

اور چھپا لیا اس کو پونجی سمجھ کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور بیچ آئے اس کو ناقص

بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَ كَانُوۡا فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ع

مول کو گنتی کی کئی پاؤلیاں اور ہو رہے تھے اس سے بیزار۔

معاملۂ برادرانِ یوسف علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿لَقَدۡ كَانَ فِيۡ يُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ ... الی ... وَ كَانُوۡا فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾﴾

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو اس قصہ کو دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اس کی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاتی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کا حقیقی بھائی بنیامین علیہ السلام ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پدری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے متصور ہے۔ لہٰذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا ان کو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارہ میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسف علیہ السلام کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہیے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اس کو دُور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نوعمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہٰذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہیے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارہ میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ: یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ محض حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت وصدیقیت اور نور فہم وفراست اور نور عفت بھی اس کے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن وشمائل اور کمالات وفضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل وشمائل میں سب پر فوقیت رکھتے تھے اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ ان کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال بشری حسن وجمال کے جنس سے نہ تھا اس لیے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ﴾ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اہل جنت کے حسن وجمال کی جنس سے تھا اور حور وغلمان کے حسن وجمال کی قسم سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اُخروی حسن وجمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اُخروی تھا۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن وجمال یعنی علم وحکمت اور ان کی بے مثال عصمت وعفت اور نور نبوت اور صدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی ان کی طرح ان محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور

حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا۔ اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجابت کے جو آثار یوسف علیہ السلام اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اور اس اعتبار سے وہ جنس انبیاء و صدیقین سے تھے۔ پس حسب قاعدہ الجنس یمیل إلی الجنس یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے۔ پس نبوت و رسالت کے ساتھ علاقۂ بنوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت در اصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل و شمائل کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطاء پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیبیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ ہے۔ تو بولے ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۝﴾ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارہ میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطاء کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت و شفقت کے خرچ کرنے میں غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پدری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دُور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں ان کو یوسف علیہ السلام کے خواب کی بھی خبر ہو گئی۔ اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارہ میں باہم مشورہ ہوا اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسف علیہ السلام وہاں سے واپس نہ آسکیں اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم توبہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

ع امروز گنہ کنید و فردا توبہ

یا یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بعد تمہارے سب کام درست ہو جائیں گے اس معنی پر صلاح سے اُخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہو گی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہو گی۔ بھائیوں نے صرف یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بظاہر یہ وجہ ہو گی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف علیہ السلام کی محبت کا تتمہ سمجھتے ہوں گے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا

ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادم ہوئے اور خدائے تعالیٰ اور یعقوب علیہ السلام نے ان کی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خاص ان کی طرف ہو جائے۔ ﴿یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ﴾ اور یہ مقصود فی حد ذاتہٖ محمود تھا۔ مگر اس کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا یا یہودا تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کر لو کہ اس کو کسی گہرے اور تاریک اور اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اس کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اس کو اٹھا لے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے ان کو غیابت الجب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ غیابت الجب اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جُدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم ان کے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہٰذا آپ بلا تامل کل کے روز اس کو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجیے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چلائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسف علیہ السلام بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی آپ کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسف علیہ السلام کو کھلا کودا کر خوش و خرم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دے کر ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ہوگا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب علیہ السلام نے جواب میں یہ کہا کہ بتحقیق غم میں ڈالتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء علیہم السلام کا قلب مبارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی اُن کو بات میں سے صدق اور کذب کی بُو آنے لگتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کی یہ پُر فریب درخواست سنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب اور حسد کی بُو محسوس فرمائی جیسا کہ حدیث میں ہے: ((الصدق طمانینة والکذب ریبة)) اور حسد و منافست کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب علیہ السلام کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اس کی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اس کے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

ازاں تر سم کزو غافل نشیند ... زغفلت صورت حالش نہ بیند
دریں دیرینہ دشت محنت انگیز ... کہن گرگے بردندان کند تیز

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ بھیڑیئے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۴۰ ج ۹) اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیئے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ پکڑ لیا اور اسی کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کو ایسی حالت میں بھیڑیا کھا جائے کہ ہم جیسی قوی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً زیاں کار اور نقصان اُٹھانے والے ہوں گے کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیئے کو دفع نہ کر سکے۔ القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سُنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور قضائے الٰہی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید اکید کی، پھر جب ان کو لے کر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کاٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (زاد المسیر ص ۱۹۰ جلد ۴)

اور اس وقت ہم نے ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلو گے اور خدا تعالیٰ تم کو بلند رتبہ عطاء کرے گا اور ایک دن وہ ہو گا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہوں گے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہوں گے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے بلکہ ان کو یہ خیال ہو گا کہ یوسف علیہ السلام تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آکر شفقت پدری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تائید غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے اے ہمارے باپ، ہم دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑیا آکر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا اور اس کی دلیل ہمارے پاس یوسف علیہ السلام کا پیراہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگا لائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کے کرتہ کو اس سے تر کیا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس قمیض کو اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتہ کو دیکھا فرمایا وہ بھیڑیا بڑا ہی حکیم اور دانا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو کھا گیا اور پیراہن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ پھر ازراہ غصہ فرمایا: اے بیٹو! یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر دی ہے۔ نور نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور ان کی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسف فی الحقیقت ابھی زندہ ہے۔ پس اب میرا کام صبر جمیل ہے عمدہ صبر وہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہو نہ فزع ہو اور نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اس کے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن

ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷)

یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسف علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو ہے اور جب فرزند دلبند حسن صورت اور حسن سیرت سے آراستہ ہو اور خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہو تو اس کی جدائی کے رنج والم کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرفہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مرجائے تو صبر آ جاتا ہے کیونکہ موت سے دل مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی اُمید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نہ اُمید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جارہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسف علیہ السلام سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسف علیہ السلام تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہٰذا صبر جمیل سے کام لیجیے کیونکہ قضاء وقدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۵ و ص ۱۱۵ جلد ۵)

خلاصۂ کلام یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلاء ہے ظالم کے ظلم پر اور ماکر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضاء وقدر پر صبر ضروری ہے قضاء وقدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبر جمیل ہی بہتر ہے اور صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آگئی اس لیے یعقوب علیہ السلام رو پیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے اِدھر ایک قافلہ آنکلا یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسف علیہ السلام تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلے والو! بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چوں آں ماہ جہاں آراء برآمد ۔۔۔ زجا نش بانگ یا بُشریٰ برآمد
بشارت کز چنیں تاریک چاہے ۔۔۔ برآمد بس جہاں افروز ماہے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایۂ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویدار نہ نکل آئے مصر جارہے ہیں وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلے والے اس کو بیچ کر نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزائن مصر کا مالک بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلے والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا یہ ہمارا غلام ہے گھر سے

بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے۔ اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خرید نا چاہو تو ہم تم کو سستے داموں میں دے دیں گے۔ اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر یعنی چند گنتی کے درہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ بھائی ان کے بارے میں بے رغبت تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ٹلانا ان کا مقصود تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں دراہم معدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کی جب یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبۂ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کر دو کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں ان کی رفعت اور بلندی مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ز

شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا اور اس طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں

وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ

اور اس واسطے کہ اس کو سکھاویں کچھ کل بٹھانی باتوں کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا کام اور

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب پہنچا قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم

وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ

اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو اور پھسلایا اس کو عورت نے جس کے

بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ

گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کیے دروازے اور بولی شتابی کر کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

خدا کی پناہ وہ (عزیز) مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو البتہ بھلا نہیں پاتے جو لوگ بے انصاف ہیں

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ج وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ

اور البتہ عورت نے فکر کی اس کی اور اس نے فکر کی عورت کی اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھی قدرت اپنے رب کی یوں ہی ہوا

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اس واسطے کہ ہٹاویں اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندوں میں

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا

اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے

الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ

دروازے پاس ، بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید پڑے

اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

یا دکھ کی مار یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنا جی اور گواہی دی ایک گواہ نے

مِّنْ اَهْلِهَا ج اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ

عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے اُس کا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ

جھوٹا اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی اور وہ

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ط

سچا ہے پھر جب دیکھا (عزیز) نے کرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے کہا بے شک یہ ایک فریب ہے عورتوں کا

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتة وَاسْتَغْفِرِيْ

البتہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف! جانے دے یہ مذکور اور عورت! تو بخشوا

لِذَنْۢبِكِ ج اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۹ ۱۳

اپنا گناہ یقین ہے کہ تو ہی گناہ گار تھی۔

ذکر الطاف وعنایات خداوندی با یوسف صدیق علیہ السلام وقصۂ او باز ن عزیز مصر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ . . . الی . . . اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ۲۹﴾

ربط: آغاز سورت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ارادۂ خداوندی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ بندہ بنائے اور علم تعبیر ان کو سکھائے اور اُن کے آباؤ اجداد کی طرح ان پر اپنی نعمتیں پوری کرے بعد ازاں بھائیوں کا ماجرا ذکر کیا کہ بھائی کو لے جا کر کنوئیں میں ڈالا اور غلام بنا کر گنتی کے دراہم میں فروخت کر دیا۔ اب ان آیات میں حق جل شانہٗ اپنے الطاف وعنایات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت سے یوسف علیہ السلام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ زندان چاہ سے نکال کر قصر شاہی میں پہنچایا تا کہ شہزادوں کی طرح ناز ونعم میں پلیں۔ ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ اور وزیر اعظم کے گھر میں رہ کر سلطنت کے رموز اور اشاروں کو سمجھیں۔

① اس دوران میں ایک ابتلاء پیش آیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کے دامن عصمت کو داغدار کرنا چاہا مگر یوسف علیہ السلام اس کی طرف مائل نہ ہوئے اور عفت ونزاہت میں نمونۂ ملائک ثابت ہوئے۔ ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ﴾

② اس کے بعد جیل خانہ کا ابتلاء پیش آیا جس میں پہنچ کر ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۖ﴾ کا جلوہ نمودار ہوا۔

③ پھر جیل خانہ سے رہائی کے بعد عزیز مصر بنے اس وقت انبیاء اور صدیقین علیہم السلام کا ساز ہد ظاہر ہوا کہ مصر کے خزائن یوسف صدیق علیہ السلام کے ہاتھ میں ہیں اور زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔

④ پھر سلطنت پر قحط سالی کا دَور آیا جس کا انتظام پہلے ہی سے رؤیا کے ذریعے بتلا دیا گیا۔

⑤ پھر آخر وہی بھائی جنہوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور غلام بنا کر دراہم معدودہ میں فروخت کیا تھا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں غلّہ لینے کے لیے آئے تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا اور یوسف علیہ السلام نے اس وقت بھائیوں کی گزشتہ بیوفائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ مدارات اور احسان اور تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا یہ بھی ایک عظیم ابتلاء کا وقت تھا۔ ممکن تھا کہ طبیعت بشریہ اگر انتقام پر آمادہ نہ ہوتی تو شکوہ شکایت سے تو گریز نہ کرتی مگر پیغمبرانہ اور صدیقانہ حلم اور کرم نے اس وقت زبان سے ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ۖ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝﴾ نکلوایا۔ اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے۔ اور قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے گئے اور فروخت کرنے کے لیے ان کو بازار میں کھڑا کر دیا۔ اس بے مثال حسن وجمال کو دیکھ کر دُنیا حیران رہ گئی۔ ؎

آراستہ آں یار ببازار بر آمد ۔۔۔ فریاد و فغاں از در و دیوار بر آمد

خریدار قیمت بڑھانے لگے نوبت بایں جا رسید کہ یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر سونا اور چاندی اور مشک ودیبا دینے پر تیار ہوئے عزیز مصر نے بیش بہا قیمت دے کر ان کو خرید لیا یہ عزیز، مصر کے تمام خزانوں کا مالک تھا اور بادشاہ مصر کا بہت مقرب تھا اس کا نام قطفیر تھا اور اس کی بی بی کا نام زلیخا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام راعیل تھا۔ خرید کر یوسف علیہ السلام کو گھر لے گیا اور اہل مصر میں سے جس شخص نے ان کو خریدا یعنی عزیز مصر نے۔ اس لیے ان کو اپنے ساتھ لا کر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا ٹھکانہ اچھا کرنا۔ یعنی عزت و حرمت کے ساتھ رکھنا غلام کی طرح اس کو نہ رکھنا شاید یہ ہم کو نفع پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ جب اولاد

نہیں تو اس کو بیٹا بنالیں گے۔ عزیز مصر لاولد تھا اس لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم یوسف علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیں گے اس لیے کہ فہم و فراست کے آثار یوسف علیہ السلام کے چہرے سے نمایاں تھے۔ نفع پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اُمور سلطنت میں ہمارا معین و مددگار بنے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ صاحب فراست تین شخص گزرے ہیں اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی تاڑ لیا اور ان کی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا اور اپنی بیوی سے کہا: ﴿ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾

دوئم حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کو دیکھ کر اپنے باپ کو یہ مشورہ دیا: ﴿ يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ ﴾ (القصص:۲۶) اے باپ ان کو نوکر رکھ لیجیے۔ بہترین شخص جس کو نوکر رکھا جائے وہ وہ ہے کہ جو صاحب قوت اور صاحب امانت ہو۔ سوئم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا اور اپنے بعد ان کو اپنا جانشین بنایا۔ اور اسی طرح ہم نے رفتہ رفتہ یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں جمایا اور اس ملک میں ان کے قدم جمائے یعنی جس طرح ہم نے ان کو قتل اور کنوئیں سے نجات دی اور عزیز کے دل میں ان کی محبت ڈالی۔ اسی طرح ہم نے ان کو عزت اور کرامت کی جگہ دی اور عزت کے بلند مقام تک ان کو پہنچایا تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر سکھلائیں۔ مطلب یہ ہے کہ نجات دینے سے مقصد یہ تھا کہ ظاہری عزت و رفعت کے ساتھ علم تعبیر کی دولت سے بھی نوازیں کیونکہ رؤیائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہیں جو اُمور غیبیہ اور اسرار الٰہیہ کے انکشاف کا ذریعہ ہیں جس سے آئندہ واقعات کا علم ہوتا ہے پس علم تعبیر کے ذریعہ سے وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کا پیش آنے سے پہلے انتظام سوچ لیں۔ چنانچہ یہی علم تعبیر جیل خانہ سے نکلنے کا ذریعہ بنا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام اور ارادہ میں کوئی اس کے ارادہ کو روک نہیں سکتا و لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور وہ کس طرح پورا ہوگا۔ بھائیوں نے ان کی ذلت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت و رفعت کا ارادہ کیا اور ان کو خوابوں کی تعبیر سکھائی اور اس علم کا ظہور جیل خانہ میں ہوا۔ جبکہ ساقی نے رہائی کے بعد بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کے تعبیر خواب کا حال بیان کیا اور یہی علم تعبیر بادشاہ کے تقرب کا ذریعہ بنا۔

نکتہ: کمالاتِ حقیقیہ دو ہیں: ایک علم اور ایک قدرت اور ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ ﴾ سے صفت قدرت و مکنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صفت علم اور صفت قدرت سے خاص طور پر نوازا اور جب یوسف علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچے یعنی قوائے جسمانیہ و روحانیہ کے اعتبار سے حد کمال کو پہنچے تو ہم نے بلا کسی اُستاد اور معلم کے خاص علم و حکمت عطاء کیا۔ اور حکمت سے مراد یا تو نبوت ہے یا وہ علم صحیح مراد ہے کہ جو انسان کو جہالت اور خطاء سے اور نفس کو شہوت سے محفوظ رکھے۔ (زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۰۰ ج ۴)

اصطلاح شریعت میں حکمت اس علم صحیح کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح بھی مقرون ہو ورنہ وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔ (روح المعانی ص ۱۸۷ جلد ۱۲)

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو مقتضائے علم پر چلتا ہو اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو انعام اور جزاء دیتے ہیں جو صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اس طرح عبادت کرتے ہوں گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو علم اور حکمت اور ظاہری عزت و رفعت سے نوازا۔ اسی طرح ہم دیگر محسنین کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت مقام احسان یعنی مقام ﴿ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ﴾ حاصل تھا اور اللہ کا یہ احسان ان کے اس احسان کی جزاء

تھی۔(بعدازاں ایک ابتلاء پیش آیا)۔

اور اس عزت و کرامت اور عطاء علم و حکمت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ابتلاء پیش آیا جس سے یوسف علیہ السلام کی کمال عفت و عصمت اور کمال تقویٰ اور نزاہت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ایک طرف تو الطاف ربانیہ سے ان کی تربیت ہورہی تھی اور دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے ان کے سامنے ایک نہایت مزلۃ الاقدام موقع امتحان و آزمائش کھڑا کر دیا۔یعنی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہوگئی اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔یعنی زلیخا۔عزیز مصر کی بیوی جو ہر وقت ان کے حسن و جمال کو دیکھتی تھی۔ بالآخران پر فریفتہ ہوگئی اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا کہ وہ مقام عفت و نزاہت سے پھسل کر زلیخا کی طرف مائل ہوجائیں۔ بہرحال زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کی ذات سے ہٹا دے ✿ اور پھسلا دے اور سب دروازے بند کر دیئے کہ یوسف علیہ السلام کہیں نکل کر بھاگ نہ جائیں۔اور اس کے بعد بولی اِدھر آجا میں تجھ ہی کو کہہ رہی ہوں۔یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ بھاگنے کے لیے راستہ ہی نظر نہیں آتا تو گھبرا کر (اوّل) تو یہ کہا کہ خدا کی پناہ۔اللہ مجھے اس کام سے پناہ دے جس کی طرف تُو مجھے بلاتی ہے جس کی قباحت اور شناعت میں کوئی شبہ نہیں۔(دوم) یہ کہ بے شک وہ شخص جس نے مجھے خریدا ہے یعنی تیرا شوہر وہ میرا مربی اور محسن ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا اس کے احسان کے بدلہ میں میں اس سے بُرائی نہیں کرسکتا۔ولی نعمت کے حق نعمت کی رعایت عقلاً و شرعاً فرض اور لازم ہے اس لیے میں اس کے حرم میں خیانت کے ساتھ دست درازی نہیں کرسکتا۔(سوم) یہ کہ ظالم لوگ یعنی جو لوگ حق کو نہ پہچانیں اور نیکی کے بدلہ بدی کریں وہ فلاح نہیں پاتے پس اگر معاذ اللہ میں بھی ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور فلاح نہ پاؤں گا۔لہٰذا تجھ کو بھی چاہیے کہ اس بُرے کام سے بھاگ کر اللہ کی پناہ میں داخل ہوجا اور سمجھ لے کہ زنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور شوہر پر بھی ظلم ہے۔

ناظرین کرام نے اِن آیات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ اگر زلیخا پر فطرت بشری اور نفس امارہ کا غلبہ تھا تو یوسف علیہ السلام پر خداداد علم و حکمت اور پیغمبرانہ عصمت و نزاہت کا غلبہ تھا۔خود بھی اس برائی سے محفوظ ہیں اور اس کو بھی وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ زلیخا نے تو جال ہی بچھا ڈالا ہے تو گھبرا کر معاذ اللہ کہا اور اللہ کی پناہ میں داخل ہوگئے اور جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے۔اور پھر یہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ اور پھر یہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ناظرین غور فرمائیں کہ دلائل یوسفی کی یہ ترتیب بھی یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے دلائل کی یہ ترتیب غایت درجہ مستحسن ہے۔اب آگے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عفت کا بیان ہے اور البتہ تحقیق فکر کی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی۔اور یوسف علیہ السلام نے فکر کی اس کے دفع کرنے کی اور اپنے سے ہٹانے کی اور وہاں سے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کی۔اگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی دلیل اور حجت کو اور اپنے رب کریم کی عظمت اور کبریائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ایسے ✿ وقت میں ثابت قدم

✿ قال اللغویون الحکم عند العرب ما یصرف عن الجهل والخطأ و یمنع منها و یرد النفس عما یشینها و یعود علیها بالضرر و منه حکمت الدابة و اصل الحکمة فی اللغة المنع و سمی الحاکم حاکما لانه یمنع عن الظلم و الزیغ۔(زاد المسیر ص ۲۰۰ جلد ۴)

ہٹا دینا یہ ترجمہ عن نفسہ میں کلمہ عن کا ہے کیونکہ لفظ عن کلام عرب میں مجاوزت کے لیے آتا ہے۔

✿ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے، منہ عفا اللہ عنہ۔

رہنا بہت مشکل تھا کیونکہ اسباب اور دواعی سب موجود تھے اور مانع کوئی موجود نہ تھا مگر جس نے خدا کی حجت اور دلیل کو دیکھ لیا ہو اور زنا اور بدکاری کی قباحت اور شناعت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو اور خدا کی عظمت اور جلال اس کے سامنے ہو وہ نفس اور شیطان کے جال میں کہاں پھنس سکتا ہے جس پر خدا کی دلیل اور برہان سے زنا کی حرمت اور شناعت منکشف ہو جائے وہ بُرے کام سے متنفر اور بیزار ہو کر اسی طرح بھاگتا ہے دیکھ لو اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی برہان دکھلائی اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ یعنی جو بُرائی اور بے حیائی یوسف علیہ السلام کے پاس آنا چاہتی ہے ہم اس کو یوسف علیہ السلام کے قریب بھی نہ آنے دیں تاکہ اس کے دامن عفت وعصمت پر کوئی دھبہ نہ لگ جائے کیونکہ وہ بلاشبہ ہمارے ان معصوم اور مخلص بندوں میں سے ہیں جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے: ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾﴾ (ص) اس آیت میں شیطان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس کے لیے خدائے تعالیٰ کے عباد مخلصین کا اغواء ممکن نہ ہوگا اور یوسف علیہ السلام بھی خدا کے مخلصین میں سے ہیں۔ اصطلاح قرآن میں عباد مخلصین خدا کے ان چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو کہا جاتا ہے کہ جو خالص اللہ اور آخرت کے ہو گئے ہوں اور نفس اور شیطان کا کوئی شائبہ ان میں باقی نہ رہا ہو۔ كما قال الله تعالىٰ:

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾﴾ (ص)

یہ آیت حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے حق میں ہے اور زیر تفسیر آیت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی طرح عباد مخلصین میں شمار فرمایا ہے۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سُوء اور فحشاء کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں فرمایا تھا وہ اللہ کے عباد مخلصین میں سے تھے جن پر نفس اور شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عباد مخلصین میں اور اس سے پہلے ان کو عباد محسنین میں سے فرمایا۔ اس قسم کے تمام اوصافِ مدح یوسف علیہ السلام کی عصمت کے دلائل ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور بَری رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام سے کوئی کلمہ توبہ اور استغفار کا منقول نہیں یہ ناممکن ہے کہ نبی اور صدیق سے کوئی امر خلاف اولیٰ سرزد ہو اور وہ توبہ اور استغفار نہ کرے اور ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ فرمانا ﴿لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ تاکہ ہم یوسف علیہ السلام سے سوء اور فحشاء کو دُور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے اللہ نے سوء کو دُور رکھا اور یوسف علیہ السلام کے پاس نہ آنے دیا۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف مائل نہ تھے ورنہ اس طرح فرماتے ﴿لِنَصْرِفَهٗ عَنِ السُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ﴾ کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء سے دُور رکھا اور یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء کے پاس جانے سے باز رکھا۔ پس یہ تعبیر اس امر کی صریح دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء چل کر یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف نہیں جا رہے تھے جو کسی کی طرف ناجائز قدم اٹھائے اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو آنے سے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ پس خوب سمجھ لو کہ سوء اور فحشاء یوسف صدیق علیہ السلام کی بارگاہ عفت وعصمت کی طرف قدم اٹھانا چاہتا تھا خداوندِ قدوس نے ان کو آنے سے روک دیا معاذ اللہ اگر یوسف علیہ السلام صدیق کے ارادہ میں کوئی حرکت ہوتی تو یوں فرماتے کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء کی طرف جانے سے روک دیا۔ پس یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل

ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قصد نہیں کیا اس لیے کہ بُرے کام کا ہَم اور قصد بھی سوء اور فحشاء ہے اور اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اللہ کریم نے سوء اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دُور رکھا۔ اور علیٰ ہذا شروع آیت میں یہ فرمانا کہ ﴿وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ امراۃ العزیز کے ارادہ سے مختلف تھا کیونکہ مراودت، باب مفاعلت کا صیغۂ ماضی ہے جس کا مصدر مراودت ہے بروزن مقاتلت اور مضاربت اور تمام کتب لغت اور صرف میں یہ تصریح ہے کہ باب مفاعلت مقابلہ اور مشارکت کے لیے آتا ہے مقاتلت کے معنی قتل میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور مضاربت کے معنی ضرب میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا مخادعت ایک دوسرے کو دھوکہ دینا اور اسی طرح مراودت کے معنی سمجھو کہ جو ''رود'' بمعنی طلب سے مشتق ہے کہ طلب اور ارادہ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا یک طرفہ طلب کا نام ارادہ ہے جب طلب اور خواہش میں دو طرفہ مقابلہ ہو تو لُغت میں اس کا نام مراودت ہے تو لفظ ''رَاوَدَتْنِيْ'' خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی طلب مختلف تھی۔ طلب اور خواہش میں دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ یوسف علیہ السلام کی طلب اور تھی اور زلیخا کی طلب اور تھی۔ زلیخا یہ چاہتی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو پھسلا کر اس کی ذات قدسی صفات سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ﴾ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ باپ کی طلب بیٹوں کی طلب سے مختلف تھی۔ اور ﴿وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ امراۃ العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور هَمّ بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جُدا تھا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی۔ امراۃ العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف صدیق علیہ السلام کو اس کے دفعیہ کا فکر تھا حق جل شانہٗ نے امراۃ العزیز کے هَمّ کو علیحدہ ذکر فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ﴿وَلَقَدْ هَمَّا﴾ کہ دونوں نے قصد اور ارادہ کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا قصد اور ارادہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ... وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا ... اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا﴾

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور اپنے مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ کا کید اور مکر کافروں کے کید و مکر سے مختلف اور جدا تھا دونوں مکر اور کید ایک قسم کے نہ تھے اسی طرح یہاں سمجھو کہ ﴿وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے اپنے مطلب کی فکر کی اور یوسف علیہ السلام نے اس کے مقابلہ اور دفع کی فکر کی ہے ہر ایک کا هَمّ دوسرے سے مختلف اور جدا تھا۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ روحانی اور کشفی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قصہ میں یہ فرمایا ہے ﴿وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ اور اس هَمّ کی کوئی تعیین نہیں فرمائی بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا:

نعم صدقت لکن فی اللفظ دون المعنی فانها همت بی فتعمدنی علی ما کانت ارادت منّی وهممت انا بها لا قهر ها بالدفع عن ذالك فالاشتراك فی طلب القهر منهی و منها.

''ہاں تو نے سچ کہا لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اپنے مطلب پر مجبور کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اس کے دفع کرنے میں غالب آجاؤں پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور مطلب الگ الگ اور جُدا جُدا ہے۔''

اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امراۃ العزیز نے اقرار کیا: ﴿اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اور میرے

قصہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهَا عَنْ نَّفْسِهَا﴾ اور یہ فرمایا کہ میں کیسے اس کا ارادہ کرتا اللہ نے مجھے اپنے برہان دکھلائی۔ (دیکھو۔ الیواقیت والجواہر ص ۱۳ جلد ۲)

نیز انبیاء کرام علیہم السلام سے اگر ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسفؑ سے ایک لفظ توبہ استغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر * میں فرماتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں کا ہم اور قصد ایک ہی قسم کا ہو۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ہر ایک کے ھمّ کو اس کے قصد پر محمول کیا جائے جو اس کے مناسب ہو۔ پس عورت کے لائق یہ ہے کہ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں اس کے قصد کو تحصیل لذت پر محمول کیا جائے اور ﴿هَمَّ بِهَا﴾ میں خدا کے برگزیدہ بندہ کے ھمّ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دفع مصیبت کے ھمّ پر محمول کیا جائے۔ لہٰذا ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۲ ج ۵)

اور اسی کے قریب قریب ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر خیال آیا کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخا ان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۲۰۶ ج ۴)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ﴿وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کا جواب مقدم ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے مگر چونکہ انہوں نے خدا کی برہان کو دیکھ لیا تھا اس لیے ارادہ بھی نہیں کیا جیسا کہ ﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا﴾ (القصص:۱۰) میں جواب ﴿لَوْلَآ﴾ مقدم ہے اور ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ (الفرقان:۴۲) میں بھی ﴿لَوْلَآ﴾ کا جواب مقدم ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ھمّ کے معنی قصد اور ارادہ کے نہیں بلکہ محض خیال آجانے کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت دل میں بے اختیار خیال آیا مگر انہوں نے خدا کی برہان دیکھ کر اس پر عمل نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بالکلیہ محفوظ رکھا۔

جیسے روزہ دار کو گرمی میں بے اختیار پانی کا خیال آجاتا ہے مگر وہ پانی پیتا نہیں اسی طرح سمجھو کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں اگر ایسا خیال آیا تو خیال محض غیر اختیاری خطرہ کے درجہ میں تھا عزم کے درجہ میں نہ تھا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس بات سے قطعاً معصوم ہیں کہ وہ معصیت کا عزم کریں اور اسی قول کو عامۂ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (زاد المسیر ص ۲۰۳ ج ۴)

اور بعض مفسرین نے جو اس بارہ میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق و سباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور ان کی کمال عفت و عصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب و تردید کے لیے کافی ہیں۔

---

* قال الامام المراد انه علیه السلام هم بدفعها عن نفسه ومنعها عن ذالك القبيح لان الهم هو القصد فوجب ان يحمل فى كل احد على القصد الذى يليق به فاللائق بالمرأة القصد الى تحصيل اللذة والتنعم والتمتع واللائق بالرسول المبعوث الى الخلق القصد الى زجر المعاصى عن معصيته والامر بالمعروف والنهى عن المنكر۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۲ جلد ۵)

بالآخر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو جان بچا کر بھاگنے کا ارادہ کیا ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الذاریات: ۵۰) زلیخا ان کے پیچھے دوڑی اور اس طرح آگے پیچھے دونوں دروازے کی طرف دوڑے یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو معصیت سے بچانے کو دوڑے اور زلیخا ان کو پکڑنے کے لیے بھاگی اور ان کے کرتے کا پیچھے کا دامن اس کے ہاتھ میں آ گیا اور پیچھے کی جانب سے ان کا کرتہ چیر ڈالا۔ آگے آگے یوسف علیہ السلام تھے اور پیچھے پیچھے زلیخا تھی مگر یوسف علیہ السلام کسی طرح دروازے سے باہر نکل گئے اور جوں توں کر کے مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں دروازہ پر پہنچے اور ادھر اتفاق سے دونوں نے عورت کے آقا یعنی شوہر کو دروازہ میں کھڑے پایا۔ زلیخا شوہر کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی معلوم نہیں کہ بند دروازہ کس طرح کھل گیا بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے کھولنے سے کھل گیا اور بعض کہتے ہیں کہ خود بخود کھل گیا۔ پس عورت نے شوہر کو دروازے میں کھڑا پایا تو حقیقت کو چھپانے کے لیے اور فضیحت سے بچنے کے لیے اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایک مکر بنایا اور اُلٹا الزام یوسف علیہ السلام پر لگا دیا اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیرے اہل خانہ کے ساتھ بدی کا تصوّر کرے اور تیری اہلیہ کو بے آبرو کرے یہ کہہ کر اس کو غصہ دلایا مگر یہی کہ ایک دو روز کے لیے اس کو جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دکھ کی مار دی جائے۔ عذاب الیم سے درد شدید مراد ہے جس سے تکلیف اور درد ہو زلیخا نے قید اور تکلیف کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اس کا دل قتل پر آمادہ نہ تھا اور مستقل قیدی بنانے پر بھی آمادہ نہ تھا بلکہ یہ چاہتی تھی کہ صرف دو تین دن کے لیے اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو کچھ بطور تعریض میری طرف منسوب کر رہی ہے وہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے خود اس عورت نے مجھ سے خواہش کی اور مجھے پھسلایا اور بہلایا اور اسی نے جبراً و قہراً مجھ کو میرے نفس سے ہٹانا چاہا اور میں نے انکار کیا اور اس کے فتنہ سے اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگا اور یہ میرے پیچھے لگی چلی آئی یہاں تک کہ جب میرے اُوپر بس نہ چلا تو پیچھے سے میرا کرتہ کھینچا جو اس کھینچا تانی میں پھٹ گیا۔ یہ خواہش تو اس کی تھی، معاذ اللہ میری خواہش ہرگز ہرگز نہ تھی۔

زلیخا ہرچہ می گوید دروغ است دروغ او چراغ بے فروغ است

یہ جواب سُن کر عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی اور طہارت کا یقین واثق ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں سارا قصور اس کی بیوی کا ہے مگر باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے ایک ظاہری شہادت بھی پیدا فرما دی جو پردۂ غیب سے ظاہر ہوئی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اسی عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا پیراہن آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچ کہتی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ صورت اس بات کی علامت ہے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دفع کرنے کا قصد کیا تو آگے سے ان کا پیراہن پھٹ گیا اور اگر یوسف علیہ السلام کا پیراہن پیچھے کی جانب سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹ کہتی ہے اور یوسف علیہ السلام سچوں میں ہے اس لیے کہ یہ حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اس سے بھاگنا چاہتے تھے اور زلیخا نے پیچھے سے آ کر ان کو اپنی طرف کھینچنا چاہا اس لیے کرتہ پیچھے کی جانب سے پھٹ گیا۔ اور روایات حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ گواہی دینے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے بطور معجزہ اور خرقِ عادت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ میں کلام کیا۔ اللہ کی قدرت سے وہ شیر خوار بچہ بولا۔ جس سے یوسف علیہ السلام کی برأت اور نزاہت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی اور عزیز مصر کو یقین آ گیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور زلیخا جھوٹی ہے۔ اس لیے اب عزیز مصر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آ کر بولا کہ

تحقیق بلاشبہ تم عورتوں کا یہ ایک مکر اور حیلہ ہے اور بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے بلاشبہ عورتوں کی چالاکیاں غضب کی ہوتی ہیں۔

حکایت: کسی عالم کا قول ہے کہ میں شیطان سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ عورتوں کا کید عظیم ہے اور شیطان کا کید ضعیف ہے: ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ (النساء:۷۶)۔ نیز شیطان چوروں کی طرح چھپ کر مکر کرتا ہے اور عورت سامنے آ کر مکر کرتی ہے۔ پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: اے یوسف (علیہ السلام)! جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب آئندہ کے لیے اس بات سے درگزر کر و اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔ عزیز مصر کا منشاء یہ تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ تاکہ میری رسوائی نہ ہو۔ مگر قضاء وقدر نے اس کو ایسا مشہور کیا کہ ہر ایک گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ یا یہ معنی ہیں کہ تو یوسف علیہ السلام سے معافی مانگ کہ تو نے اس کو متہم کر کے ایذاء پہنچائی بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے سارا قصور تیرا ہی ہے اس طرح سے یہ قصہ بظاہر ختم ہوا مگر مخفی نہ رہ سکا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا ھم اور عزم نہیں فرمایا جیسا کہ آیات ذیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کیونکہ جن جن افراد اور اشخاص کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ ① یوسف علیہ السلام ② زلیخا ③ عزیز مصر ④ زنانِ مصر ⑤ شاہد اہل زلیخا ⑥ ابلیس لعین ⑦ خداوند رب العالمین۔ ان میں سے ہر ایک نے یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کی شہادت دی اور اس کا اقرار و اعتراف کیا۔ اب ان شہادتوں کے بعد ان کی براءت و نزاہت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

دعوائے یوسف علیہ السلام:

یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت و نزاہت کا اس طرح دعویٰ کیا:

﴿هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾، ﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾۔

اعتراف زلیخا:

اور زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کا ان لفظوں میں اقرار کیا:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾

﴿الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱﴾

عزیز مصر کا اعتراف:

﴿قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹﴾

شہادت شاہد:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷﴾

شہادت زنانِ مصر:

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾، ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱﴾

شہادت ربّ العالمین:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا﴾ ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۞﴾

شہادت ابلیس لعین:

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۞﴾

الغرض یہ دس آیتیں ہیں جو یوسف علیہ السلام کی براءت کی شاہد ہیں اب ان دس شہادتوں کے بعد ان کی نزاہت و عصمت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۱ جلد ۵)

ذکر الطاف و عنایات خداوندی:

علاوہ ازیں حق جل شانہٗ نے اس قصہ میں یوسف علیہ السلام پر جن خصوصی عنایات والطاف کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی دس سے کم نہیں مثلاً: ① رؤیائے صادقہ ② اور اجتباء ③ اور علم تاویل ④ اور اتمام نعمت ⑤ اور تمکین زمین مصر ⑥ اور ایتائے علم و حکمت اور ان کا ⑦ عباد محسنین ⑧ اور عباد مخلصین ⑨ اور صادقین میں سے ہونا ⑩ اور ﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾۔ یعنی ایک شیر خوار بچہ کا شہادت دینا: ﴿فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾۔ یہ دس امور بھی اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قصد نہیں فرمایا۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾:

اس شاہد (گواہ) کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کوئی مرد دانشمند تھا اور زلیخا کا رشتہ دار تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گہوارہ کا شیر خوار بچہ تھا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارہ میں ایک صریح حدیث بھی آئی ہے جس کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچپن میں چار افراد نے کلام کیا۔ اول فرزند ماشطۂ دختر فرعون۔ دوم یوسف علیہ السلام کی سچائی کا گواہ سوم جریج راہب کی پاکی کی گواہی دینے والا بچہ چہارم عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور حسن بصری اور سعید بن جبیر اور ضحاک اور ہلال بن یساف رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۹۲ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۵ جلد ۲)

خلاصۂ کلام: یہ کہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شاہد ایک شیر خوار بچہ تھا اور عورت کا قریبی رشتہ دار تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کو گویا کر دیا تا کہ یوسف علیہ السلام کی براءت اور پاک دامنی ظاہر ہو جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِى الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ

اور کہنے لگیں کئی عورتیں اس شہر میں، عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کا جی

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَلَمَّا سَمِعَتْ

فریفتہ ہو گیا اس کی محبت میں۔ ہم تو دیکھتے ہیں وہ بہکی ہے صریح۔ پھر جب سنا اس نے

بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَّآتَتْ كُلَّ

ان کا فریب بلاوا بھیجا اُن کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک

وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ

کے ہاتھ میں چھری اور بولی یوسف ! نکل آ ان کے سامنے پھر جب دیکھا اس کو،

أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ

دہشت میں آگئیں اس کے اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشاللہ! نہیں یہ شخص آدمی

هٰذَآ إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَ

یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔ بولی سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجھ کو اس کے واسطے اور

لَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهُ

میں نے چاہا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا اور مقرر اگر نہ کرے گا جو میں اس کو

لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ

کہتی ہوں، البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بے عزت۔ یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے

مِمَّا يَدْعُونَنِيٓ إِلَيْهِ ۚ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَ

اس بات سے جس طرف مجھ کو بلاتیاں ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں. ان کی طرف اور

أَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۖ

ہو جاؤں بے عقل۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے۔ ان کا فریب

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

البتہ وہ ہے سننے والا خبردار۔ پھر یوں سوجھا لوگوں کو وہ نشانیاں دیکھے پر کہ

لَيَسْجُنُنَّهُ حَتّٰى حِينٍ ﴿٣٥﴾ ع ۴ ۶ ۱۴

قید رکھیں اس کو ایک مدت۔

قصۂ دعوت زلیخا زنانِ مصر را مشتمل بر اعتراف عصمت وعفت یوسف علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ... الٰی... لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جب عزیز مصر پر یہ واضح ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں اور یہ سب اس کی بیوی کا خود ساختہ مکر اور فریب ہے تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ ﴿اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ کہ اے یوسف علیہ السلام اس بات سے درگزر کر اور کسی سے اس کا ذکر نہ کر اور بیوی سے کہا کہ ﴿وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ﴾ کہ یوسف علیہ السلام سے اپنے قصور کی معافی مانگ۔

عزیز مصر کا مقصود یہ تھا کہ یہ قصہ پوشیدہ رہے اور اس کا چرچا نہ ہو مگر "نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا" بالآخر یہ خبر فاش ہوگئی اور رؤسائے شہر کی بیگمات میں اس کا تذکرہ ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہوگئی ہے زلیخا کو جب یہ خبر ہوئی کہ زنانِ مصر میرے بارہ میں یہ کہتی ہیں تو اس نے عورتوں کی دعوت کر کے ان کو بلا بھیجا تا کہ یہ بھی ایک مرتبہ یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال کو دیکھ لیں اور مجھ کو معذور جانیں۔

محتسب گرمی خورد معذور دارد مست را

حق جل شانہ نے پہلے واقعہ میں ایک شیر خوار بچہ کی گواہی سے یوسف علیہ السلام کی براءت اور طہارت ظاہر فرمائی اس کے بعد اب دوسرا واقعہ زنانِ مصر کی دعوت کا پیش آیا۔ اس واقعہ میں عزیز مصر کی بیوی نے سب کے سامنے اس کا صاف اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام کی مراودت اور طلب میری طرف سے تھی اور یوسف علیہ السلام اس بارہ میں بالکل معصوم ہے ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾ شیر خوار بچہ کی شہادت کے بعد زنانِ مصر کی دعوت کا واقعہ قضاء وقدر سے ان کی براءت کی مزید شہادت بن گیا کہ خود زلیخا نے اعتراف واقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام اس قصہ میں بالکل بری اور بے قصور ہے اور جس عورت نے خود ابتدا میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا﴾ اب اخیر میں اسی عورت نے سب عورتوں کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا مگر یہ تو فرشتہ کی طرح معصوم نکلا ﴿فَاسْتَعْصَمَ﴾۔ عزیز مصر کی بیوی کا مقصد تو دعوت سے دفع ملامت وندامت تھا مگر قضاء وقدر نے اس کو یوسف صدیق علیہ السلام کی مزید براءت ونزاہت کا ذریعہ بنا دیا اور ایسا ذریعہ بنایا کہ حجت پوری ہوگئی اور زلیخا نے سب کے سامنے صاف لفظوں میں اعتراف حقیقت کر لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور شہر مصر کی رہنے والی چند عورتوں نے یہ بات کہی کہ عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کو اس کے نفس قدسی صفات اور ملکی سمات سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کرے۔ تحقیق اس کی محبت نے اس کے دل میں جگہ کر لی یعنی اس غلام کی محبت اس عورت کے شغافِ قلب (پردۂ دل) کے اندر پہنچ گئی۔ بیشک ہم اس کو کھلی گمراہی کے اندر دیکھتے ہیں یعنی عزیز جیسے شوہر کو چھوڑ کر اپنے زرخرید غلام پر فریفتہ ہونا کھلی نادانی ہے آخر وہ کیسا خوبصورت ہے جس پر وہ اس قدر بچھی پڑی ہے۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کے پرفریب اور مکر آمیز باتوں کو سنا تو اس نے بھی ان کے ساتھ مکر وفریب کیا کہ دعوت کے بہانہ سے ان عورتوں کو بلا بھیجا۔ زنانِ مصر کا زلیخا کو ملامت کرنا یہ مکر تھا کیونکہ ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال کی خبر سنی تو چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھیں اس لیے زلیخا کو یہ طعنہ دیا تا کہ اس حیلہ اور بہانہ سے یوسف علیہ السلام کو دیکھنا نصیب ہو زلیخا نے جن ان کی ملامت سنی تو اس نے چاہا کہ اپنی معذوری ان پر ظاہر کرے اس لے دعوت کے حیلہ سے ان کو مدعو کیا اور ان کے لیے مسندیں تیار

کیں قسم قسم کے فرش اور تکیوں سے مجلس کو آراستہ کیا اور قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات تیار کیے اور گوشت کے پارچوں اور پھلوں کے کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی مصر میں یہ دستور تھا کہ گوشت اور میوؤں کو چھری سے کاٹ کر کھایا کرتے تھے یہ تمام انتظام زلیخا کی طرف سے ان عورتوں کے ساتھ ایک قسم کا مکر تھا اور اس طرح سے جب مجلس آراستہ ہوگئی اور بیگمات نے کھانا شروع کر دیا۔ اس وقت زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ جو اس وقت کسی دوسرے کمرہ میں تھے اے یوسف علیہ السلام ذرا ان عورتوں کے سامنے باہر آجاؤ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ شاید مجھے کسی کام یا ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے اور وہ باہر آ گئے۔

زخلوت خانہ آں گنج نہفتہ برون آمد چو گلزار شگفتہ

پس جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو بزرگ شان والا جانا اور ان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بے خود ہوگئیں اور اسی بے خودی میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے نہ خون بہتے دیکھا اور نہ زخم کا درد والم محسوس ہوا اور جب ذرا ہوش میں آئیں تو کہنے لگیں ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ خدا پاک ہے یہ غلام تو آدمی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے یعنی یہ بے مثال حسن و جمال اور یہ عظمت وجلال انسان میں کہاں یہ فرشتوں کے اوصاف ہیں یعنی در حقیقت یہ کوئی فرشتہ ہے جو صورت انسانی میں نمودار ہوا ہے۔

چوں دید ندش کہ جز والا گہر نیست برآمد بانگ برایشاں کیں بشر نیست
نہ چوں آدم ز آب و گل سرشتہ است زبالا آمدہ قدسی فرشتہ است

اور اس ظاہری حسن و جمال کے علاوہ چہرۂ منور پر تقویٰ اور تقدس اور معصومیت کے آثار نمایاں تھے کہ ان حسین وجمیل عورتوں کے سامنے سے گذرے چلے جا رہے تھے کہ ذرہ برابر کسی مہ جبیں کی طرف التفات بھی نہیں گویا کہ فرشتہ سامنے سے گزر رہا ہے اس معصومانہ رفتار نے ان کو اور زیادہ مرعوب کر دیا کہ آدمی تو اس حال اور چال کا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے جس میں شہوت نفسانی کا کوئی شائبہ دکھلائی نہیں دیتا۔ اس وقت زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ پس یہی وہ شخص ہے جس کی محبت میں تم نے مجھ کو طعنہ دیا ایک ہی نظر میں تم پر یہ حال گزرا تو مجھ پر ملامت کیسی۔ زلیخا نے عورتوں پر یہ واضح کر دیا کہ میں اس کی محبت میں معذور ہوں اس کے بعد زلیخا نے واقعہ کی حقیقت کو بتایا جس سے مقصود زنانِ مصر کے اس قول کی یعنی ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ کی تائید تھی کہ تم جو یہ کہتی ہو کہ یہ شخص بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے بالکل حق اور درست ہے اور بے شک میں نے اس کو اس کے نفس سے ہٹانا اور پھسلانا چاہا لیکن وہ معصوم اور فرشتہ کی طرح بالکل محفوظ رہا اور میرے پھسلانے میں نہ آیا اور اس اعتراف حقیقت کے بعد زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی اور یہ کہا کہ خیر اب تو جو ہوا سو ہوا البتہ اگر آئندہ اس نے میرے حکم کے موافق کام نہ کیا تو ضرور جیل بھیج دیا جائے گا۔ اور البتہ ہوگا ذلت اٹھانے والوں میں سے اوّل تو قید ہی ذلت ہے پھر اس امیری اور وزیری محل سرائے سے نکل جیل خانہ میں جانا اور بھی ذلت ہے یہ بات زلیخا نے عورتوں کے سامنے کہی عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اپنی سیدہ کا حکم مان۔ غلام کے لائق نہیں کہ وہ اپنی سیدہ کی نافرمانی کرے اور جیل میں جائے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ صورت حال یہ ہے اور ہر طرف سے جال بچھا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام نے گھبرا کر یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس جال سے نکال وہ جیل خانہ جس کی مجھ کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں کہ زلیخا کو خوش کروں اگر جیل خانہ چلا گیا تو تیری نافرمانی کا اندیشہ اور خطرہ تو نہ رہے گا۔

مرا زنداں بہ از دیدار ایشاں عجب در ماندہ ام درکار ایشاں

چونکہ ان عورتوں نے زلیخا کی سفارش کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو چاہیے کہ اپنی سیدہ کے حکم کو مانے اس لیے صیغہ جمع مؤنث کا لایا گیا اور ﴿یَدْعُوْنَنِیْٓ﴾ کہا گیا جس کی ضمیر ان عورتوں کی طرف راجع ہے اور اے پروردگار اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکروفریب کو دور نہ کیا تو مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی طرف جھک نہ جاؤں اور نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ عورتوں کی طرف تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی نادانی ہے دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ عورتوں سے دور رہے پس ان کے پروردگار نے ان کی دُعا قبول کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِن عورتوں کا مکروفریب ان سے دفع کیا۔ بے شک خدا ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ دونوں آیتیں صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام ذرہ برابر بھی ان کی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے خدائے تعالیٰ سے جو دُعا مانگی اللہ نے وہ دُعا ان کی قبول کی۔ یوسف علیہ السلام کی اس دُعا کا مطلب یہ تھا کہ اے پروردگار! مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں تیری تائید اور حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اِن کے مکروفریب سے دور رکھ اور جیل خانہ کی درخواست اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے فتنہ سے نجات ملے۔ اور ان کی مراودت سے بالکل محفوظ ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کی۔ چنانچہ پھر اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کی رائے ہوئی کہ اس عبرانی غلام کو ایک مدت کے لیے قید میں رکھیں کہ لوگوں میں یہ چرچا ختم ہو جائے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر زلیخا اس پر عاشق ہوتی تو اسے قید کیوں ہونے دیتی اور عزیز مصر کو بھی یہی مصلحت نظر آئی کہ ایک خاص مدت تک ان کو قید میں رکھ دیا جائے تاکہ زن عزیز مصر بدنامی اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے اور اس ناشائستہ فعل پر پردہ پڑ جائے۔ اس بناء پر عزیز نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ بھیج دیا اور پانچ یا سات برس تک یوسف علیہ السلام قید میں رہے۔ غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ بھیج دیئے گئے ایوان سے زنداں میں پہنچے قدم رکھتے ہی وہ زندان رشک گلستاں بن گیا۔ یوسف علیہ السلام کے داخل ہونے کے بعد وہ جیل خانہ جیل خانہ نہ رہا بلکہ عبادت خانہ اور خلوت خانہ اور خانقاہ اور درسگاہ بن گیا۔

چوں آں دل زندہ در زنداں درآمد بجسم مردہ گوئی جاں درآمد!!
در آں محنت سر افتادہ جو شے برآمد زاں گرفتاراں خروشے

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ

اور داخل ہوئے بندی خانہ میں اُس کے ساتھ دو جوان۔ کہنے لگا ان میں سے ایک، میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں

خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ

شراب۔ اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ کھاتے ہیں

الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۶ قَالَ

جانور اس میں سے۔ بتا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔ بولا

لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ

اور آخرت سے وہ منکر ہیں۔ اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا، ابراہیم اور

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ

اسحٰق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو یہ

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ بھلا نہیں

يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ

مانتے۔ اے رفیقو! بندی خانہ کے، بھلا کئی معبود جُدا جُدا بہتر؟ یا اللہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ

اکیلا زبردست۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوا اس کے، مگر نام ہیں کہ رکھ لیے ہیں

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند۔ حکومت نہیں ہے کسی کی سوا

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ

اللہ کے۔ اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی ہے راہ سیدھی پر اور لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

بہت لوگ نہیں جانتے۔ اے رفیقو! بندی خانے کے! ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلاوے گا اپنے

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ

خاوند کو شراب، اور دوسرا جو ہے سولی چڑھے گا، پھر کھاویں گے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہوا

الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ

کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔ اور کہہ دیا اس کو جس کو اٹکلا کہ بچے گا

مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي

ان دونوں میں میرا ذکر کریو اپنے خاوند پاس۔ سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہ گیا

ع ۵ / ۱۵ السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾

قید میں کئی برس۔

قصۂ یوسف علیہ السلام با ساقی وخباز در جیل خانہ بر تبلیغ ودعوت اظہارِ نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ . . . الی . . . فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾

ربط : گزشتہ آیات میں یوسف علیہ السلام کی دعا ﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ﴾ اور اس کی قبولیت واستجابت کا ذکر ہے دُعا میں یہ درخواست تھی کہ اے پروردگار ایسے زنان خانہ اور محل سرائے سے تو جیل بہتر ہے بارگاہِ خداوندی میں یوسف علیہ السلام کی دعا بلفظہٖ قبول ہوئی کہ زنان خانہ سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے گئے اب وقت آیا کہ ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ﴾ کا ظہور ہو کہ جیل خانہ میں پہنچ کر لوگوں کے خوابوں کی تعبیریں دیں اور ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دیں اور خداداد معجزہ اور کرامت کو ان پر ظاہر کریں تاکہ قبول حق میں معین اور مددگار ہو۔ ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلائلِ نبوت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا: ﴿لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ﴾ تاکہ دلیل نبوت بیان کرنے کے بعد ان کو توحید اور ملت ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دے سکیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور جوان جیل خانہ میں داخل ہوئے ان دو جوانوں میں ایک بادشاہ کا نانبائی تھا اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) یہ دونوں بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی تہمت میں ماخوذ تھے مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لیے دونوں جیل بھیج دیئے گئے چونکہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے حسن خلق اور مروّت اور صدق وامانت اور زہد وذکر اور عبادت مشہور ہو چکی تھی اور سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڑے عابد وزاہد ہیں اور خوابوں کی تعبیریں خوب بتاتے ہیں اس لیے جب یہ دونوں قیدی جیل خانہ میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرویدہ اور دلدادہ ہو گئے ان میں سے ایک نے یعنی

ساقی نے کہا میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے یعنی نانبائی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیں۔ تحقیق ہم آپ کو نیکوکاروں میں دیکھتے ہیں۔ یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ موصوف پاتے ہیں اور چونکہ ایک کے خواب کی تعبیر مضر تھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے سردست تعبیر دینے سے اعراض فرمایا اور یہ سمجھا کہ یہ ایک دن مرنے والا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اوّل ان کو نصیحت کرنا شروع کی اور دعوت ایمان اور توحید سے پہلے اپنا ایک معجزہ ذکر کیا تا کہ اس سے ان کا نبی ہونا معلوم ہو جائے ان دو جوانوں نے آپ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے اوّل ان پر یہ ظاہر فرمایا کہ میرا علم تعبیر خواب میں ہی منحصر نہیں۔ میں اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہوں اور اللہ کی وحی سے غیب کی باتیں صحیح صحیح بتا سکتا ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تم کو دیا جاتا ہے میں تم کو اس کے آنے سے پہلے اس کے حال اور مآل سے آگاہ کردوں گا کہ فلاں چیز تمہارے پاس آئے گی اور اس کی کیفیت اور کمیت یہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ﴿ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ ﴾ (آل عمران: ۴۹) یعنی میں تم کو آگاہ کردوں گا اس کھانے سے جو تم کھاتے ہو اور جو جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہارے گھر سے جو کھانا آئے گا میں اس کے آنے سے پہلے ہی تم کو اس کی صفت اور کیفیت سے آگاہ کردوں گا۔ قیدیوں نے پوچھا کہ تم نہ تو نجومی ہو اور نہ کاہن ہو پھر تمہیں یہ علم کہاں سے حاصل ہوا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ علم منجملہ اس علم کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھایا ہے یعنی یہ کوئی کہانت اور نجوم نہیں بلکہ سب وحی اور الہام ہے اور میرا معجزہ ہے جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ اب اثباتِ نبوت کے بعد اثبات توحید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تحقیق میں شروع ہی سے اس قوم کی ملت کو چھوڑے ہوئے ہوں کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور خاص طور پر آخرت کے تو بالکل ہی منکر ہیں چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے میں اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مؤمن ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں شروع ہی سے ملتِ کفر سے بری اور بیزار ہوں اور میں تو خاندان نبوت سے ہوں اور شروع ہی سے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا پیروکار ہوں ان باپ دادوں کے ذکر سے یوسف علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ یہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندان نبوت سے ہے تا کہ لوگ ان کی نصیحت اور دعوت کو غور اور توجہ سے سنیں اور توحید پر یقین لائیں اور سمجھ جائیں کہ توحید سب پیغمبروں کی یکساں ملت ہے ہم کو کسی طرح یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں غرض یہ کہ توحید تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت کا رکن اعظم ہے یہ توحید اور شرک سے بیزاری ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے کہ موحد بنے اس سے بڑھ کر اور کوئی فضل نہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا سارا دارومدار اللہ کی معرفت اور اس کی اطاعت پر ہے لیکن اکثر آدمی اس نعمت کا شکر نہیں کرتے بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہیں دہری تو خدا ہی کے منکر ہیں اور نیچری تعلیم انبیاء سے متنفر اور بیزار ہیں۔

دعوتِ توحید

اب آگے توحید کی دعوت اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں۔ اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بتلاؤ تو سہی کہ کیا جدا جدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا اللہ جو اکیلا زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور معبود برحق تو وہی ہے جو سب پر غالب ہو اور یہ بت جن کی تم پرستش

کرتے ہو یہ سب عاجز اور مغلوب ہیں۔

نہیں پوجتے تم اللہ کے سوا مگر نرے ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ دیئے ہیں حقیقت میں معبود نہیں گویا کہ تم محض ناموں کی پرستش کرتے ہو تم نے ان بتوں کا نام معبود رکھ لیا۔ محض نام رکھ لینے سے کوئی شئے معبود نہیں ہو جاتی اللہ نے ان کے معبود ہونے کے بارہ میں کوئی حجت نازل نہیں کی بلا دلیل تم نے ان بتوں کو اور کواکب کو اور نجوم کو خدا ٹھہرالیا ہے تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں چلتا اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بس اسی حکم پر عمل کرو یہی توحید سیدھا دین ہے جس میں کسی قسم کجی نہیں لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں اس لیے وہ کج راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

تعبیر خواب

یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثباتِ نبوت اور دعوتِ توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی۔ اب آگے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آقا کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائے گا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائے گا اور دوسرا یعنی نانبائی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سُنی تو کہا کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہوگا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکمِ قضاء وقدر ہے جو کسی حیلہ و بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل خانہ سے بلایا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں ان کو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساقی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بے گناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

بگوہست اندراں زنداں غریبے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ز عدل شاہِ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساقی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساقی کو شاہی تقرب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہٗ کو یوسف علیہ السلام صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلّط کر دیا کہ مدت تک اس کو یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا یاد نہ آیا۔ پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایانِ شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اس کو تو چاہیے تھا کہ ہمہ تن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اس کے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اوّل و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام تفویض و توکل کی تکمیل ہوگئی مخلوق سے دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

نکتہ: اسباب ظاہرہ سے غرضِ محمود کے لیے استعانت اور استمداد بلاشبہ جائز ہے۔ عصمت کے منافی نہیں مگر نبی اور صدیق کے لیے

اولیٰ اور افضل یہ تھا کہ اسباب ظنیہ سے اعراض کرتے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ تدبیر اسباب یقینیہ عادیہ سے نہ تھی اس لیے عتاب آیا اور بغرض تنبیہ و تادیب اور مزید سات سال زنداں میں رہے۔ یوسف علیہ السلام نے کسی منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کیا جو عصمت کے منافی ہوتا البتہ صدیقین اور مقربین کے لیے جس درجہ کا صبر اور توکل مناسب تھا اس میں ذرا کمی آئی اس کی تکمیل کے لیے تنبیہ کر دی گئی کہ صدیقین کے لیے اسباب ظنیہ کا ترک اولیٰ ہے۔ (دیکھو کلید مثنوی ثامن عشر از شرح دفتر ششم ص ۲۳۳)

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ

اور کہا بادشاہ نے میں (خواب) دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی اُن کو کھاتی ہیں سات دُبلی اور

سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ

سات بالیں ہری، اور دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے

رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ

میرے خواب کی۔ اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے۔ بولے یہ اڑتے خواب ہیں

وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ

اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں۔ اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں اور

ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا

یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر، سو تم مجھ کو بھیجو۔ جاکر کہا، یوسف اے

الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ

سچے! حکم دے ہم کو اس خواب میں، سات گائیں موٹی ان کو کھاویں سات دُبلی اور

سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی، کہ میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید ان کو

یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

معلوم ہو۔ کہا تم کھیتی کروگے سات برس لگ کر۔ سو جو کاٹو اس کو

فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ

چھوڑ دو اُس کی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو۔ پھر آویں گے اس پیچھے

ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا

سات برس سختی کے، کھاویں جو رکھا تم نے اُن کے واسطے مگر تھوڑا جو

تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ

روک رکھو گے۔ پھر آوے گا اس پیچھے ایک برس اس میں مینہ پاویں گے لوگ اور

فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

اس میں رس نچوڑیں گے۔

شاہِ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اُس کی تعبیر بتانا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ ... الٰی ... وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾

ربط: حق جل شانہٗ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں جن کی طرف آدمی کا خیال بھی نہیں جاتا۔ چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلانا منظور ہوا تو بادشاہ مصر ریان بن ولید کو ایک خواب دکھایا جوان کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا اور بادشاہ نے ایسا عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر سے تمام معبر عاجز آ گئے اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس وقت اس ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دیجیے۔ وہاں ایک مرد صالح ذی علم محبوس ہیں۔ ان سے خواب کی تعبیر پوچھ آؤں۔ چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی اس طرح بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر ان کی رہائی اور عروج اور بلندی کا سبب بنا کیونکہ خواب کی جو تعبیر دی وہ نہایت عجیب وغریب تھی اور پھر تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی تھی اور پھر تدبیر کے ساتھ ایک تبشیر بھی تھی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد خوب بارش ہوگی اور پھل اور میوے افراط سے پیدا ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا بادشاہ کا نام ریان بن ولید تھا اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا۔ بادشاہ نے اپنے وزراء اور ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں فربہ موٹی تازی ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور دیکھتا ہوں سات سرسبز اور ہری بالیں اور دوسری بالیں خشک جو ان سات سبز بالوں پر لپٹ گئیں اور ان کو خشک کر دیا بادشاہ نے اپنا خواب بیان کر کے کہا۔ اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ اہل دربار

نے کہا اول تو یہ کوئی خواب نہیں محض پریشان خیالات ہیں اور دماغی بخارات ہیں بسا اوقات انسان کو خواب میں ایسی خیالی صورتیں نظر آجاتی ہیں جو لائق التفات نہیں ہوتیں اور دوسرے یہ کہ ہم لوگ اگرچہ امور سلطنت سے واقف ہیں مگر خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں بادشاہ خواب سے مضطرب تھا اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا۔ ع

یارب ایں خواب پریشان مرا تعبیر چیست

اور اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی وہاں مجلس میں حاضر تھا وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اس کو یوسف علیہ السلام کا پیغام یاد آیا تو اہل دربار سے کہا میں تم کو اس کی تعبیر سے آگاہ کروں گا تم مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دے دو۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اس نے جیل خانہ میں جا کر یوسف علیہ السلام سے کہا۔ اے یوسف علیہ السلام اے صدق مجسم آپ علیہ السلام تو مجسم صدق ہیں سر سے پیر تک صدق اور سچائی آپ علیہ السلام کے ہر جز میں سرایت کیے ہوئے ہے آپ کا ظاہر و باطن صدق سے لبریز ہے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی ہے وہ سچ ہوتی ہے اور ہو بہو پوری ہوتی ہے۔ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں ان کو سات دُبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور ان کے علاوہ دوسری سات بالیں خشک ہیں جو ان سات سبز پر لپٹ کر ان کو بھی خشک کر رہی ہیں یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتلایئے تاکہ یہ تعبیر لے کر لوگوں کے پاس جاؤں اور اُمید ہے وہ تعبیر سن کر تیرے مرتبہ اور فضیلت اور بزرگی کو جان لیں گے اور امید ہے کہ وہ تجھے بلائیں گے۔ یوسف صدیق نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی کرو گے یہ سات برس موٹی گائیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور اس کے بعد سات دُبلی گائیں اور سات خشک بالیاں نمودار ہوں گی یہ قحط کے سات سال ہیں جو گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کو کھا جائیں گے۔ بقرات کی تعبیر و تفسیر سنین سے اس لیے فرمائی کہ گایوں سے زمین کی کاشت کی جاتی ہے اور پھر اس سے کھیتی اور بالیں نمودار ہوتی ہیں۔

اور پھر اس تعبیر کے بعد اس آنے والے قحط کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی اور کہا پس جو کھیتی تم کاٹو اس کو بالوں ہی میں چھوڑ دو تاکہ اس کو سرسری نہ لگ جائے یعنی غلہ کو صاف نہ کرو اور دانوں کو نہ نکالو بلکہ غلہ کو دانوں سمیت ذخیرہ کرو تاکہ آفتوں سے محفوظ رہے مگر تھوڑا سا بقدر حاجت دانہ صاف کر لو اور باقی کو بالوں میں رہنے دو پھر تعبیر شروع فرمائی پھر ان سات برس بعد جن میں تم کھیتی کرو گی دوسرے سات برس سخت قحط اور خشک سالی کے آئیں گے جن میں سرسبزی اور شادابی نہ ہوگی۔ یہی سات سال خشک بالیں اور سات دُبلی گائیں ہیں جو موٹیوں اور سبز بالوں کو کھا جائیں گی۔ یہ قحط کے سات سال کھا جاویں گے وہ سب جو تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ مگر تھوڑا سا بچے گا جو تم بیج کی غرض سے محفوظ کر لو گے یعنی جس قدر تم تخم پاشی کے لیے بچا رکھو گے وہ تو بچا رہے گا اور باقی ختم ہو جائے گا اور سات دبلی گایوں اور سات خشک بالوں سے قحط سالی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے پھر اس قحط کے سات سال بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگ غیث یعنی بارش یا غوث فریاد اور دستگیری دیئے جائیں گے غیث کے معنی باران کثیر کے ہیں یعنی خوب بارش ہوگی اور غوث کے معنی فریاد رسی کے ہیں یعنی قحط زدہ لوگوں کی باران رحمت سے دستگیری کی جائے گی اور اس سال میں پھل اور انگور اس کثرت سے ہوں گے کہ لوگ ان کا شیرہ نچوڑیں گے اور شراب بنا کر پئیں گے یوسف علیہ السلام نے اول خواب کی تعبیر بتائی پھر از راہِ شفقت و ہمدردی خلائق اس کی تدبیر بتلائی کہ اول کے سات سال میں جو غلہ پیدا ہو اس کو حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ

آئندہ قحط کے سات سال میں گزارہ کرسکو اس طرح سات سال کی پیداوار سے چودہ سال کا کام چلاؤ۔ پھر اس تعبیر وتدبیر کے بعد یوسف علیہ السلام نے ان کو ایک بشارت سنائی ﴿ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۝ ﴾ یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد نہایت فراخی اور خوشحالی کا سال آئے گا۔ یہ بات آپ علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں خوب بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی یا یہ کہ سنت الٰہیہ یہ ہے ﴿ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴾ اب اس شدت کے بعد فراخی آئے گی۔

نکتہ: جب وہ ساقی یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے آیا تو آپ علیہ السلام نے تعبیر بتلانے میں کوئی شرط نہ لگائی اور نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد تجھ کو میرا خیال آیا اور نہ آئندہ کے لیے اس سے کوئی درخواست کی اس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مروت اور اخلاق کا اندازہ کرلیا جائے اور ساقی کا یوسف علیہ السلام سے اس طرح خطاب کرنا ﴿ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ ﴾ اے صدق مجسم یہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت اور راست بازی اور دانشمندی اور دانائی کا سکہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا آدمی کہا پھر جا اپنے

رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

خاوند پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے۔ میرا رب

بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ

تو ان کا فریب سب جانتا ہے۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو

نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ

اس کے جی سے بولیاں، حاشا للہ! ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی۔ بولی عورت

الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ

عزیز کی، اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اس کو اُس کے جی سے اور وہ

الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ

سچا ہے۔ یوسف نے کہا اتنا اس واسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ میں نے چوری نہیں کی اس عزیز کی چھپ کر، اور اللہ

لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا۔

شاہِ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کے لیے طلب کرنا

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ . . . اِلٰی . . . یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾

ربط: یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے قاصد کو خواب کی تعبیر دے دی تو قاصد نے آ کر بادشاہ سے خواب کی تعبیر بھی بیان کی اور یہ بھی بیان کیا کہ یوسف صدیق علیہ السلام نے آنے والے قحط کی یہ تدبیر بتلائی ہے تو بادشاہ سُن کر حیران رہ گیا اور اس حسن تعبیر اور حسن تدبیر سے یوسف علیہ السلام کی جلالت شان کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تا کہ میں اس کی دید اور لقاء سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اس کا اعزاز و اکرام کروں۔ چنانچہ قاصد پیغام شاہی لے کر یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف علیہ السلام نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک جیل خانہ سے نہ نکلوں گا۔ جب تک لوگوں کے سامنے میری براءت اور نزاہت اور میری بے گناہی نہ ظاہر ہو جائے کہ میں بالکل بے قصور ہوں اور بے قصور مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ اول عورتوں سے اس کی تحقیق کر لی جائے تا کہ آئندہ چل کر کوئی مجھ پر تہمت نہ لگا سکے اور نہ مجھ پر کسی قسم کی بدگمانی کر سکے یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام تو لیا مگر احتراماً زلیخا کا نام نہ لیا حالانکہ اصل وہی تھی۔ حقِ نمک اور حقِ تربیت کا خیال کیا اور شرم کے مارے اس کا نام نہ لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب وہ قاصد تعبیر لے کر بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو تعبیر نہایت پسند آئی۔ اس وقت بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ دیکھوں تو سہی یہ کون شخص ہے۔ خود اس کی زبان سے اپنے خواب کی تعبیر سنوں اور اس کے علم وفضل اور عقل و دانش کے موافق اس کا اکرام کروں۔ پس جب بادشاہ کا ایلچی خواہ وہ ساقی ہو یا کوئی اور ہو یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرما رہے ہیں چونکہ اس طرح بلانا یہ بھی ایک قسم کی رہائی تھی اس لیے یوسف علیہ السلام نے کہا اپنے آقا کی پاس لوٹ جا میں اس وقت تک جیل خانہ سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے؟ ان عورتوں کی جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یعنی میں ابھی جیل سے نکلنا پسند نہیں کرتا جب تک میری اس تہمت سے براءت ظاہر نہ ہو جائے جس کی بناء پر میں قید میں ڈالا گیا ہوں اور ان عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی براءت اور نزاہت کا اقرار کیا تھا اور سب کے سامنے یہ کہا تھا ﴿وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ﴾۔ تحقیق کے بعد جب میں بری ثابت ہو جاؤں گا تب یہاں سے نکلوں گا اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی عورت کا ذکر ادباً اور احتراماً نہیں کیا کیونکہ وہ ان کی سیدہ تھی تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ تجھے اپنی سیدہ کا کہا ماننا چاہیے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا۔ اللہ کو تو سب معلوم ہے تم بھی ذرا تحقیق کر لو تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطاء کس کی ہے اصل مکر و فریب تو زلیخا کا تھا مگر چونکہ سب عورتیں ان کی حامی اور مددگار تھیں۔ اس لیے عام عنوان اختیار فرمایا اور گول مول

فرمایا۔ اور حیا و شرم کی وجہ سے اصل فریب والی کا نام نہ لیا کہ جس کے گھر میں پرورش پائی تھی اس کا کیا نام لوں گول مول فرمایا اور سمجھا کہ اصل حقیقت بالآخر کھل کر رہے گی۔ غرض یہ کہ ایلچی واپس آیا اور یوسف علیہ السلام کا منشاء ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مع عزیز کی عورت کے طلب کیا جب وہ سب عورتیں مع زلیخا کے حاضر ہوگئیں تو بادشاہ نے کہا' اے عورتو! تمہارا اس وقت کیا حال تھا جبکہ تم نے یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ کیا یوسف علیہ السلام نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا؟ بادشاہ کے اس سوال سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ پھسلانے والی اور اپنی طرف لبھانے والی عورتیں تھیں اور یوسف علیہ السلام نے ان کو نہیں پھسلایا تھا بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسف علیہ السلام تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسف علیہ السلام سے کیا چاہتی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا علم یقینی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی خواہش نہ تھی۔ ساری خواہش اور اصرار اور ڈرانا اور دھمکانا عورتوں کی طرف سے تھا اصل پھسلانے والی صرف زلیخا تھی مگر بادشاہ نے بلحاظ پردہ پوشی زلیخا کو مخاطب نہ کیا بلکہ ان عورتوں کو مخاطب کیا جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ اپنی سیّدہ کا حکم مانو۔ تمام عورتیں یک زبان ہو کر بولیں (حاشا للہ) اللہ کی پناہ ہم کہ یوسف علیہ السلام پر کوئی تہمت لگائیں ہم نے اس میں کوئی بُرائی معلوم نہیں کی۔ بُرائی تو کیا ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ عزیز کی عورت یعنی زلیخا جو اس وقت وہاں مجلس میں موجود تھی بولی کہ اب حق بات سب کے سامنے بالکل ظاہر ہوگئی اور چھپانا بیکار ہے بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ میں نے ہی یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ یوسف علیہ السلام تو مجھ سے نفور اور بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جو اپنی براءت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کہ ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي﴾ بالکل حق اور صدق ہے۔

بجرم خویش کرد اقرار مطلق — برآمد زو صدائے حصحص الحق
بگفتا نیست یوسف راگنا ہے — منم در عشق اوگم کردہ راہے
نخست اورا بوصل خویش خواندم — چو کار من نداد از پیش راندم

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا ہے۔ لہٰذا آپ آیئے تاکہ آپ کے سامنے انہیں سزا دوں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ اہتمام اور درخواست اس لیے نہیں کی کہ عورتوں کو سزا دی جائے بلکہ میری غرض اس سے صرف یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی جس شخص نے مجھ کو مثل فرزند کے پرورش کیا اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی اور تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خیانت کرنے والوں کے حیلہ اور بہانہ کو چلنے نہیں دیا۔ بلکہ اس کو ظاہر کر کے خیانت کرنے والوں کو رسوا کرتا ہے۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چل سکا۔ آخرکار حق ظاہر ہو کر رہا اور خیانت کا پردہ فاش ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی خیانت ہوئی ہوتی تو مجھ کو کامیابی نہ ہوتی۔ زلیخا نے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کی تھی اللہ نے اس کی قلعی کھول دی جمہور مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ذٰلِکَ ﴿لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ ...الخ﴾ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے بادشاہ سے جو درخواست کی کہ پہلے عورتوں سے دریافت کرلیا جائے تب جیل خانہ سے باہر آؤں گا اس درخواست سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کے ناموس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کی۔

اور بعض مفسرین نے ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ... الخ﴾ کو زلیخا کا کلام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زلیخا نے کہا کہ میں نے یہ سچی گواہی اس لیے دی کہ یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس پر جھوٹ نہیں بولا اور اس کی خیانت نہیں کی اور میں نے یہ اقرار اس لیے بھی کیا کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ میں نے دیکھ لیا کہ میں نے خیانت کی تھی اور داؤ کھیلا تھا مگر اللہ نے میرا داؤ چلنے نہ دیا اور مجھ کو فضیحت کیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ... الخ﴾ یوسف علیہ السلام کا قول ہے ماقبل میں اگرچہ زلیخا کا کلام تھا مگر زلیخا کے کلام کے بعد اگر یوسف علیہ السلام کا کلام ذکر کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فراء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک انسان کے کلام کو دوسرے انسان کے کلام کے ساتھ ملا دینا جائز ہے اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ ﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ﴾ بلقیس کا کلام ہے اور پھر اس کے بعد ﴿وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۱ جلد ۵)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کیا میرے رب نے بیشک

رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

میرا رب بخشنے والا ہے مہربان۔

مشتمل بر تحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ ... الی ... اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾﴾

ربط: جب یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت اور نزاہت ثابت کرنے کے لیے اتنا زور دیا اور فرمایا کہ ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ... الخ﴾ تو ممکن تھا کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تو ایک قسم کا فخر اور ناز اور غرور و اعجاب اور خود پسندی اور تزکیۂ نفس ہے جو عند اللہ ناپسند ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ اس لیے یوسف علیہ السلام نے اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ... الخ﴾ یعنی اس اظہار براءت سے میرا مقصود اعجاب اور تزکیۂ نفس نہیں بلکہ تحدیث بالنعمت مقصود ہے کہ میری یہ عصمت اور یہ عفت محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت اور اس کی توفیق سے ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ✽ ص ۲۱۰ جلد ۹ و تفسیر روح المعانی ص ۲ جلد ۱۳ و تفسیر کبیر ✽ ص ۱۴۲ جلد ۵ و تفسیر ابی السعود ص ۲۲۳ جلد ۵ برحاشیہ تفسیر کبیر و تفسیر مظہری ✽ ص ۳۸ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ میں بطور فخر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا نفس بالذات معصیت سے پاک اور بری ہے اور میں بالذات اس بات کا مدعی نہیں کہ بالذات مجھ سے معصیت اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ برائی کا قصد نفس کی جبلت اور سرشت میں داخل ہے جو نفس بھی گناہ سے بچتا ہے وہ محض اللہ کی رحمت اور عنایت اور توفیق سے بچتا ہے نہ کہ اپنی حول اور قوت سے حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداءً اپنی عفت اور عصمت کو بتایا تاکہ تہمت سے بالکلیہ بری ہو جائیں پھر اخیر میں غلبۂ حیا اور تواضع اور ادب خداوندی کو ملحوظ رکھتے

✽ قال القرطبی وقال الحسن (البصری) کما قال یوسف ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ﴾ کرہ نبی اللہ ان یکون قد زکی نفسہ فقال ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ﴾ وتزکیۃ النفس مذمومۃ قال اللہ تعالیٰ ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ جلد ۹)

✽ وقال الامام الرازی کما قال علیہ السلام ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾ کان ذالک جاریا مجری مدح النفس وتزکیتها وقال اللہ تعالیٰ ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ فاستدرک ذالک علی نفسہ بقولہ ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ﴾ والمعنی وما ازکی نفسی ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ میالۃ الی القبائح راغبۃ فی المعصیبۃ... الخ (تفسیر کبیر ص ۱۴۲ جلد ۵)

✽ قال القاضی ثناء اللہ قال یوسف علیہ السلام تنبیها علی انہ لم یرد بذالک تزکیۃ النفس والعجب بحالہ بل اظہار ما انعم اللہ علیہ من العصمۃ والتوفیق وترغیب الناس الی الاقتداء بہ والاقتفاء باٰثارہ. (تفسیر مظہری ص ۳۸ جلد ۵)

ہوئے عصمت کی حقیقت کو واضح کر دیا کہ کسی کی عصمت اور نزاہت ذاتی نہیں بلکہ محض فضل خداوندی ہے اور اللہ کی توفیق وعنایت اور اس کی حفاظت ورحمت کے تابع ہے بغیر اس کی رحمت وعنایت کے کوئی فرد گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا خوب سمجھ لو کہ عصمت کی حقیقت صرف اللہ کی حفاظت اور رحمت ہے۔لہٰذا اہل عصمت وعفت کو چاہئے کہ اپنی عفت اور عصمت پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی رحمت اور حفاظت پر نظر کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ فرمائے تو معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن اور محال ہے ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾

چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب یوسف علیہ السلام نے خیانت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ تو فخر اور ناز اور خودستائی اور اپنے نفس کی پاکی اور صفائی ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو اس خیال کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ میں اپنے نفس کی پاکی اور صفائی بیان نہیں کرتا یعنی اس گزشتہ قول سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں کہ میرا نفس پاکیزہ ہے۔ البتہ تحقیق میں خوب جانتا ہوں کہ نفس بالذات بُرائی کا حکم دینے والا ہے نفس کی طبیعت اور جبلّت میں برائی کا میلان رکھا ہوا ہے ایک لمحہ کے لیے بھی نفس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر جس وقت خدا مہربانی کرے تو اس وقت انسان نفس غدّار کے شر اور فتنہ سے بچ سکتا ہے صرف اللہ کی رحمت اور عنایت ہی نفس اور شیطان سے حفاظت کر سکتی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اوّل خیانت اور تہمت سے اپنی براءت کو خوب اچھی طرح ثابت کیا اور بعد میں بطور تواضع اور خاکساری یہ فرمایا: ﴿وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ... الخ﴾ اشارہ اس طرف فرمایا کہ بندہ کی عصمت اور نزاہت سب اللہ کی رحمت اور عنایت پر موقوف ہے نفس کے جبلی اور ذاتی شر سے محفوظ رہنا بغیر اللہ کی رحمت اور بغیر اس کی حفاظت کے ممکن نہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اس سے مقصود اپنی پاکی اور صفائی اور خودستائی نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت اور توفیق سے مجھ کو نفس کے شر سے محفوظ رکھا میرا یہ فعل بطور تحدیث نعمت ہے ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ لذت اور فرحت اور مسرت کے ساتھ اس کی نعمتِ حفاظت کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ آدمی اپنی ذاتی جبلّت سے ہر وقت اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا محتاج ہے جس درجہ کی رحمت اور عنایت شامل حال ہوگی۔ اس درجہ کی عصمت اور حفاظت اس کی دستگیر ہوگی کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی عصمت یا عفّت کو اپنے نفس کا ذاتی اقتضاء جانے نفس کا ذاتی اقتضاء تو بدی کی ہی طرف ہے اور برائی سے بچنا یہ اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہے میں اپنی براءت کے بارہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بطور تحدیثِ نعمت کہہ رہا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو سوء اور فحشاء سے بالکلیہ محفوظ رکھا اور فخر اور اعجاب یہ بھی ایک قسم کا سوء ہے اس سے بھی اللہ نے مجھ کو محفوظ رکھا اس کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں بلکہ اس کی رحمت اور عنایت پر ہے کہ اگر وہ اپنی رحمت سے میری حفاظت نہ فرماتا تو اندیشہ تھا کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاتا۔

ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر ایں آیت:

جمہور مفسرین نے پہلی آیت ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝﴾ اور اس آیت کو یعنی ﴿وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ... الخ﴾ کو یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے کیونکہ یہ جملہ غایت درجہ تواضع اور انکساری اور خدا پرستی پر دلالت کرتا ہے جو یوسف علیہ السلام ہی کی شایانِ شان ہے اور زلیخا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی بت پرست تھی اور ظاہر ہے کہ ایسا کلام معرفت التیام تو خدا پرست ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے اور بت پرست کی زبان سے ایسا کلام کہاں نکل سکتا ہے۔

(دیکھو زاد المسیر لابن جوزی ص ۲۴۲ جلد ۴)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ تمام کلام زلیخا کا ہے جس میں اس نے صراحت کے ساتھ کہہ دیا کہ قصور میرا ہی تھا اور یوسف علیہ السلام بری ہیں اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتی بے شک نفس بری باتوں کا حکم دیتا ہے مگر جس پر خدا رحم کرے سو اس کا نفس اس کو بری بات کا حکم نہیں دیتا انہی میں یوسف علیہ السلام بھی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی گو میں نے گناہ کیا ہے مگر خدا غفور رحیم ہے مجھے اُمید ہے کہ وہ میرا گناہ معاف فرمائے گا اور میں نے اپنے قصور کا اعلانیہ اقرار اس لیے کرلیا کہ یوسف علیہ السلام سمجھ لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس پر کوئی بہتان نہیں باندھا یہ قول بعض مفسرین کا ہے مگر راجح اور مختار قول یہی ہے کہ اس قسم کا کلام یعنی ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ ... الخ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو اور گناہوں سے بچنے والا اور بھاگنے والا ہو اور پھر بطور تواضع اور خاکساری یہ کہتا ہو کہ میں اپنے آپ کو پاک اور بری نہیں بتلاتا جو کچھ ہوا وہ سب اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہوا یہ کلام اس عورت کے مناسب نہیں جس نے اپنی جدوجہد کو اللہ کی معصیت اور شوہر کی خیانت میں خرچ کرڈالا ہو۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۳ جلد ۵)

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خاص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں پھر جب بات چیت کی اس سے کہا

اِنَّكَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَكِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ

سچ تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر

الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ

میں خوب نگہبان ہوں خبردار اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس زمین میں

یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ

جگہ پکڑے اس میں جہاں چاہے پہنچاتے ہیں ہم اپنی مہر جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے

اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا

ہم نیک بھلائی والوں کا اور نیک آخرت کا بہتر ہے ان کو جو یقین لائے اور رہے

یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع

پرہیزگاری میں

یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور بالمشافہ گفتگو اور تفویض اختیارات سلطنت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ... الٰی... وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴾

اور جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کی براءت اور نزاہت کا کامل یقین ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کی اس شرط نے کہ عورتوں سے بھی دریافت کر لیا جائے بادشاہ کو اور بھی اطمینان دلا دیا کہ تحقیقات کی شرط وہی آدمی لگا سکتا ہے جس کو اپنی براءت کا کامل یقین ہو اور خواب کی تعبیر اور پھر اس کے متعلق تدبیر سن کر تو بادشاہ حیران ہی رہ گیا اور کہنے لگا اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ ایسے شخص کو تو میں خالص اپنے لیے مقرر کروں گا اور عزیز مصر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یعنی براہِ راست مجھ سے وابستہ ہوں گے اور عزیز مصر کے ماتحت نہ ہوں گے۔ چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے بالمشافہ باتیں کیں تو ان کی فہم و فراست کو دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دیا کہ تحقیق تو آج سے ہمارے یہاں بڑے مرتبہ والا اور بڑا معتبر ہے بعد ازاں خواب کی تعبیر کا ذکر آیا بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اس کی تدبیر اور انتظام کا طریقہ بتلایا بادشاہ نے کہا کہ اس کارِ عظیم کا کون کفیل اور ذمہ دار بنے گا یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے؟ اے یوسف علیہ السلام! میں دیکھتا ہوں کہ تم مجسم صدق اور امانت ہو تم سے کسی قسم کی خیانت کا اندیشہ نہیں صدق اور امانت اور فہم و فراست تمہارے چہرہ سے عیاں ہے دل تمہاری طرف مائل ہے جیسا اطمینان تم پر کیا جا سکتا ہے ویسا اطمینان دوسرے عمال اور حکام پر نہیں کیا جا سکتا یوسف علیہ السلام نے کہا اچھا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ کا افسر مجھے مقرر کر دیجیے تاکہ یہ خزانے صحیح حق داروں کو پہنچا سکوں اور اس طرح سے بندگانِ خدا کو آسانی کے ساتھ روزی پہنچا سکوں اور عجب نہیں کہ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال کیا ہو کہ یہ عدل و انصاف دعوتِ حق کا ذریعہ اور وسیلہ بنے گا اور فرمایا کہ تحقیق میں خداداد علم اور فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا ہوں بیت المال کو خیانت سے محفوظ رکھوں گا جن سے مال لینا ہے ان سے لیا جائے گا اور جن کو دینا چاہیے ان کو دیا جائے گا اور بڑا خبردار واقف کار ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ میں انتظام کی صلاحیت رکھی ہے اگر آپ نے مجھ کو مقرر کر دیا تو ان شاء اللہ ایسا انتظام کروں گا کہ خدا کے فضل سے کوئی بھوکا نہیں مرے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کو منظور کیا اور یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور ان کو اپنا وزیر با تدبیر بنایا اور سلطنت کا مختار کر دیا اور عزیز مصر کو معزول کر کے سلطنت کے تمام انتظامات ان کے سپرد کر دیے اور مصر کے تمام خزائن پر متصرف ہو گئے اور تمام قلمرو میں انہی کا حکم چلنے لگا چند روز کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کقولہ تعالیٰ فیما بعد ﴿قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ... الخ﴾ اور عزیز مصر کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کر دی جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم اور دوسرا میشا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۳ جلد ۹ و زاد المسیر ص ۲۴۴ جلد ۴ و تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۸۳ جلد ۲)

نکتہ: خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو حفیظ و علیم کا مصداق ہو پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حال پر ایک نظر ڈالو! یوسف صدیق علیہ السلام کا نمونہ نظروں کے سامنے آ جائے گا۔

اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور تمکنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس زمین میں سے جہاں چاہیں رہیں۔ قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فریفتہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت پہنچائیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت و ثروت سب ہیچ ہے یعنی یوسف علیہ السلام کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السلام نیکوکاری اور پرہیزگاری کی بدولت قعرِ چاہ سے نکل کر تختِ جاہ پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر و ثواب ان کے لیے مقدر ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور برتر ہے۔ ع

بدنیا و عقبی کسے قدر یافت

کہ او جانب صبر و تقویٰ شناخت

خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچایا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرمانروا بنایا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ جواب ہوا ان کے سوال کا اولادِ ابراہیم علیہ السلام اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے دُور پھینکا تاکہ ذلیل ہوں۔ اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو''۔ (موضح القرآن)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۞٥٨
اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچانا ان کو اور وہ نہیں پہچانتے
وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ج
اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے
اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۞٥٩ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ
تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پوری دیتا ہوں بھرتی اور خوب طرح اتارتا ہوں پھر اگر اس کو نہ لائے میرے
بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۞٦٠ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
پاس تو بھرتی نہیں تم کو میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۞٦١ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ
باپ سے اور البتہ ہم کو کرنا ہے اور کہہ دیا خدمت گاروں کو اپنے رکھ دو ان کی پونجی

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

ان کے بوجھوں میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر جاویں اپنے گھر شاید وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

پھر آویں پھر جب پھر گئے اپنے باپ پاس بولے اے باپ بند ہوئی ہم سے

الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ

بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ بھائی ہمارا کہ بھرتی لاویں اور ہم اس کے نگہبان ہیں کہا

هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ

میں اعتبار کروں تمہارا اس پر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر پہلے سو اللہ

خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

بہتر ہے نگہبان اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان اور جب کھولی اپنی چیز بست

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ

پائی اپنی پونجی پھری آئی ان کی طرف بولے اے باپ! وہی جو ہم مانگتے ہیں یہ

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ

پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور رسد لاویں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں اپنے بھائی کی اور زیادہ

كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى

لیویں بھرتی ایک اونٹ کی وہ بھرتی آسان ہے کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو ساتھ تمہارے جب تک

تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ

دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس اس کو مگر کہ گھیرے جاؤ تم سارے پھر جب

اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا

دیا اس کو عہد سب نے بولا ذمہ اللہ کا ہے جو باتیں ہم کہتے ہیں اور کہا اے بیٹو! نہ

تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغۡنِیۡ

داخل ہو جیو ایک دروازے سے اور پیٹھو کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا

عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ ۚ

تم کو اللہ کی کسی چیز سے، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے

وَ عَلَیۡهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَهُمۡ

اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا

اَبُوۡهُمۡ ؕ مَا کَانَ یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیۡ

ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی کسی چیز سے مگر ایک

نَفۡسِ یَعۡقُوۡبَ قَضٰهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ وَ لٰکِنَّ

خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو کر چکا اور وہ تو خبردار تھا ہمارے سکھائے سے لیکن

اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ع

بہت لوگ خبر نہیں رکھتے۔

ظہور قحط عظیم در اطراف مصر وشام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَجَآءَ اِخۡوَةُ یُوۡسُفَ فَدَخَلُوۡا عَلَیۡهِ . . . اِلٰی . . . وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾﴾

ربط: غرض یہ کہ اس طرح یوسف علیہ السلام کو خزائن مصر پر اقتدار اور اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ نے سلطنت کا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا اور ارکان دولت اور وزراء اور امراء نے سر تسلیم خم کر دیا اور یوسف علیہ السلام نے زمین کی پیداوار کا انتظام شروع فرمایا اور لوگوں کو کھیتی کرنے کا حکم دیا بے شمار غلہ پیدا ہوا سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا رہا اس میں سے بقدر ضرورت و کفایت لوگوں کو دیتے اور باقی کو جمع رکھتے یہاں تک کہ غلہ کا اس قدر ذخیرہ ہو گیا جو سالہا سال کام آسکے چونکہ حق تعالیٰ نے قبل از وقوع قحط اس سے آگاہ فرما دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام فرما لیا دوسرے ملک والوں کو پہلے سے اس کا کچھ علم نہ تھا اس لیے وہ انتظام نہ کر سکے اس انتظام میں سات سال گزر گئے۔ اب اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور مصر اور شام کے تمام علاقوں میں قحط عام ہو گیا جس سے لوگ پریشان ہو گئے یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو غلہ دینا شروع کیا کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ غلہ نہ دیتے تھے اگرچہ وہ سردار اور حاکم ہو جب یہ خبر مشہور

ہوئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے تو اطراف واکناف سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے اور کنعان میں بھی قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بجز بنیامین کے غلہ لینے کے لیے مصر آئے اور من جانب اللہ وقت آیا کہ یوسف علیہ السلام کے ہاتھ سے ان بھائیوں پر احسان کرائیں جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کی تھی۔ یعقوب علیہ السلام کو جب مصر کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مصر کا بادشاہ بڑا نیک بخت ہے لوگوں کو غلہ دیتا ہے تم بھی اس کے پاس جاؤ اور غلہ لاؤ غرض یعقوب علیہ السلام نے اپنے دسوں بیٹوں کو مصر بھیج دیا اور یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس جب یہ دس بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے آئے تو یوسف علیہ السلام نے ایک ہی نظر میں ان کو پہچان لیا اور وہ ابھی ان سے ناشناس تھے یعنی وہ ابھی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو صغر سنی میں چھوڑا تھا اور اُس وقت سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزر چکے تھے پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اس وقت لباس شاہانہ میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھے ایسی حالت میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جلوہ افروز وہی ہمارا بھائی ہے جس کو ہم نے معمولی قیمت میں ایک قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تا کہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں۔ غرض یہ کہ جب بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات پوچھے کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارا گزرانِ معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں۔ اس لیے ہم تیرے پاس غلہ لینے کے لیے آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم جاسوس ہو اور میرے ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہو انہوں نے کہا کہ بخدا ہم جاسوس نہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں ہمارا باپ بہت بوڑھا اور راست گفتار ہے اس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے وہ اللہ کا نبی ہے یوسف علیہ السلام نے کہا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے کہا ہم کل بارہ بھائی تھے اور ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا اور ہلاک ہو گیا ہمارے باپ کو اس کے ساتھ ہم سب سے زیادہ محبت تھی یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اب تم یہاں کتنے ہو انہوں نے کہا کہ ہم دس ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا گیارہواں کیا ہوا انہوں نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہے باپ نے اس کو اپنے پاس روک لیا کیونکہ وہ ہلاک شدہ بھائی کا سگا بھائی ہے باپ اس سے تسلی پاتا ہے یوسف علیہ السلام نے کہا کیا کوئی اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ تم سچ کہتے ہو انہوں نے کہا ہم پردیس میں ہیں یہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اب کی دفعہ تم اس سوتیلے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا اسی سے تمہارا سچ معلوم ہو جائے گا بعد ازاں یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دینے کا حکم دے دیا اور جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان غلہ کا تیار کر دیا اور ہر ایک کے اُونٹ پر گیہوں لدوا دیئے تو وہ بولے کہ ہمارا ایک بھائی جس کو باپ نے اپنی تسلی کے لیے روک لیا ہے اس کے حصہ کا بھی ایک اونٹ غلہ کا دے دیا جائے فرمایا کہ یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کو اپنا حصہ لینا ہے تو خود آ کر لے جائے اور ان کو رخصت کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اب کی دفعہ آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا جو تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے یعنی اپنے علاتی بھائی کو ساتھ لانا تا کہ اس کا حصہ بھی دیا جا سکے کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کو پورا کرتا ہوں اگرچہ اس کی قیمت پوری نہ ہو اور علاوہ ازیں میں بہترین مہمان نواز ہوں باوجود جاسوسی کے احتمال اور امکان کے میں نے تمہاری مہمان داری میں کوئی کمی نہیں کی اب کی دفعہ آؤ تو بھائی کو بھی ساتھ لاؤ تا کہ اس کے حصہ کا غلہ اس کو مل سکے پس اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ایک تو یہ ہوگا کہ تمہارے لیے میرے پاس غلہ کا کوئی ماپ نہ ہوگا اور دوم یہ کہ تم میرے پاس بھی نہ آنا پھر تمہیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں

اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میری قلمرو میں قدم نہ رکھنا بھائی کو ساتھ نہ لانے سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر بھائی کے نام سے زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے وہ بولے ہم تاحدامکان اس کے متعلق اس کے باپ سے گفتگو کریں گے اور تحقیق ہم اس کام کو کر کے رہیں گے یعنی جتنی کوشش ہو سکے گی اس میں کمی نہ کریں گے باقی اختیار باپ کو ہے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان کی پونجی جو وہ غلہ کی قیمت میں لائے تھے انہی کے شلیتوں یعنی خرجیوں میں رکھ دو شاید یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچیں تو اس کو پہچانیں کہ یہ کس قدر جود و کرم ہے کہ غلہ بھی دیا اور قیمت بھی اس کی واپس کر دی اور واپس بھی اس طرح کی کہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی شاید وہ اس جود و کرم کو دیکھ کر دوبارہ واپس آئیں قیمت کو اس طرح واپس کرنے میں چند حکمتیں تھیں: **(اولاً)** یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قیمت لینا مروت کے خلاف سمجھا۔ **(ثانیاً)** یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے ان کے پاس اور قیمت نہ ہو اور پھر غلہ لینے نہ آئیں اس لیے ان کی قیمت واپس کر دی تاکہ قیمت پا کر پھر غلہ لینے آئیں۔ **(ثالثاً)** یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ ایسی طرح احسان کرنا چاہا کہ ان کو ندامت اور عار نہ ہو کیونکہ اگر ظاہری طور پر قیمت واپس کرتے تو شاید وہ منظور نہ کرتے **(رابعاً)** یوسف علیہ السلام نے خیال کیا کہ جب یہ قیمت واپس پائیں گے تو ان کی امانت و دیانت اور مروت اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ضرور واپس آئیں۔ اور اس پونجی کی واپسی کا سبب دریافت کریں اور کوشش کریں کہ یہ قیمت واپس لی جاوے۔ **(خامساً)** یہ چاہا کہ اپنے باپ کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ یہ اکرام کیا ہے اور مزید اکرام سے دوبارہ مع بھائی کے طلب کیا ہے تو یہ سُن کر باپ کو بھائی کا بھیجنا گراں نہ گزرے اور جب قیمت ان کے پاس ہوگی تو دوبارہ آنے میں سہولت ہوگی۔ غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان میں ایسا ہی مبالغہ کیا جیسا کہ بھائیوں نے برائی میں مبالغہ کیا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۹ جلد ۵)

پس جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے سارا حال بیان کیا کہ بادشاہ بہت نیک سیرت اور عادل ہے اس نے ہمارا اکرام کیا اور ہماری مہمانداری کی یعقوب علیہ السلام سن کر خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعا دی اور کہنے لگے اے ہمارے والد بزرگوار آئندہ کے لیے ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے کہ جب تک اپنے علاتی بھائی کو نہ لاؤ گے اس وقت تک تم کو کیل (یعنی غلہ کا پیمانہ) نہیں دیا جائے گا لہٰذا آپ ہمارے ساتھ بھائی بنیامین کو بھیج دیں تاکہ ہم دوبارہ غلہ لا سکیں کیونکہ پہلی مرتبہ غلہ دیتے وقت ہم سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو غلہ نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے اور ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تحقیق ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے کوئی برائی اور تکلیف اس کو پہنچنے نہیں دیں گے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بس رہنے دو کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں یعنی میں بنیامین کے بارہ میں تمہارا اعتبار کس طرح کروں یہی بات جو تم اب کہتے ہو وہی بات تم نے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارہ میں کہی تھی اور تم نے مجھ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا مگر وہ غلط نکلا تو اب اس کے بارہ میں مجھے تمہارا اعتبار کس طرح آئے سو خیر اگر تم بنیامین کو لے ہی جاؤ گے تو اللہ کے سپرد ہے وہ سب سے بڑھ کر محافظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے تم پر اور تمہاری حفاظت پر کوئی بھروسہ نہیں میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی حفاظت پر چھوڑتا ہوں اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ ارحم الراحمین اب مجھ پر دو بیٹوں کی مصیبت کو جمع نہ کرے گا اور اس گفتگو کے بعد جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا جو مصر سے لائے تھے تو اس میں اپنی پونجی کو پایا کہ وہ ان

کی طرف واپس کردی گئی پونجی سے مراد وہ قیمت ہے جو غلہ کے عوض دے کر آئے تھے اس کو دیکھا کہ وہ ان کی طرف واپس کردی گئی ہے۔ جب دیکھا تو کہنے لگے اے ہمارے شفیق ورحیم باپ لیجیے اور ہم کو کیا چاہئے کہ بادشاہ نے ہمارا اکرام کیا اور ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور پھر ہماری قیمت بھی اس طرح واپس کردی کہ ہم کو خبر بھی نہ کی دیکھ لیجیے یہ ہماری پونجی سامنے ہے جو ہم کو واپس کردی گئی اس سے بڑھ کر بادشاہ سے کس چیز کو چاہیں پس بادشاہ کی اس شفقت وعنایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ ہم کو دوبارہ بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں جیسا کہ بادشاہ کی شرط ہے اور اس طرح ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گی اور آمدورفت میں اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلہ جو اس وقت ہم لائے ہیں وہ قلیل مقدار ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بغیر بھائی کے ساتھ لے جائے دوبارہ غلہ ملنا ممکن نہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمان نہ دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے۔ ہاں اگر تم کہیں گھر جاؤ اور اس کی حفاظت سے مجبور ہو جاؤ تو اس وقت تم معذور ہو گے۔

چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی پھر جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ عہد اور پیمان دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔ غرض یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئے اور جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹو! مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لیے دیا کہ سب بیٹے صاحب حسن وجمال تھے اور صاحب شوکت وہیبت ووقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی یہ تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر بد سے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرر پہنچانا چاہے تو میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتا۔ یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق دروازوں سے تقدیر الٰہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

اطلبوا الارزاق من اسبابها وادخلوا الابيات من ابوابها

یعقوب علیہ السلام نے بمقتضاء شفقتِ پدری اولاً ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تا کہ بیٹے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں ٹل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لامحالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی پر بھروسہ کریں نہ کہ تدبیر پر۔ تدبیر سے گریز کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کرو مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس

طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفعہ نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا اور اس کے موافق اولاد کو نصیحت کر دی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور چوری کا الزام ان پر لگا۔ پس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف لے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر اسباب کو پختہ کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوكَ فَلَا
اور جب داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا میں ہوں تیرا بھائی سو
تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ
تو غمگین نہ رہ ان کاموں سے جو کرتے رہے ہیں پھر جب تیار کر دیا ان کو اسباب ان کا رکھ دیا
السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ
پینے کا باسن بوجھ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والا اے قافلے والو! تم مقرر
لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ
چور ہو کہنے لگے منہ کر کر اُن کی طرف تم کیا نہیں پاتے بولے ہم نہیں
صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾
پاتے بادشاہ کا ماپ اور جو کوئی وہ لاوے اس کو ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن
قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا
کہنے لگے قسم اللہ کی! تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی
سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ
چور تھے بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ

مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

جس کے بوجھ میں پائے وہی جاوے اس کے بدلے میں ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ

پھر شروع کیا یوسف علیہ السلام نے ان کی خرجیاں دیکھنی پہلے اپنے بھائی کی خرجی سے پیچھے وہ باسن نکالا خرجی سے

اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ

اپنے بھائی کی یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف علیہ السلام کو ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو انصاف میں

الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ

اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کو چاہیں اور ہر خبر والے سے اوپر ہے ایک

ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ

خبردار کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی ہے ایک اس کے بھائی نے بھی

قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ

پہلے تب آہستہ کہا یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا بولا کہ تم اور

شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ

بدتر ہو درجے میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بتاتے ہو کہنے لگے اے عزیز!

لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا

احسان کرنے والا بولا اللہ پناہ دے! کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز

عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

تو ، تو ہم بے انصاف ہوئے۔

ع ۹ / ۱۱ / ۳

باردوم آمدن برادرانِ یوسف علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ ... الی ... عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾

ربط: یہاں تک برادرانِ یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب باردوم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاتی بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: بنیامین یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے۔ بنیامین نے کہا راحیل یوسف علیہ السلام نے پوچھا کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا۔ بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوب علیہ السلام اور راحیل نے نہیں جنا اس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبان حال یہ کہنے لگے۔

آنچہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب — خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہو گی بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود [1] رکھ دیا یا کسی راز دار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارپردازانِ مہمان خانہ نے سامان کی خبر گیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو تلاشی شروع کی۔ جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جا کر آواز دی۔

اے قافلہ والو! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو بظاہر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے

---

[1] تفسیر قرطبی ص ۲۲۹ ج ۹

خدام نے اپنے گمان کے مطابق کہا: ﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ (دیکھو تفسیر کبیر ❶ ص ۱۵۴ جلد ۵ و روح البیان ❷ ص ۲۹۹ جلد ۴)

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق توریہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور چھپاتا ہے تا کہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ سے چرالیا اور لے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ میں ہمزۂ استفہام مقدر ہے۔ یعنی ﴿اَئِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۵۴ جلد ۵)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۳) اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔

(دیکھو تفسیر مظہری ص ۹۴ جلد ۵ اور تفسیر قرطبی ص ۲۳۵ جلد ۹)

القصہ جب یہ آواز یعنی ﴿اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں غالباً انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہوگا۔ اہل قافلہ نے کہا: اے لوگو! بخدا تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر توبرے چڑھا دیئے تھے تا کہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا۔ (واللہ اعلم بحال اسنادہ)

القصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تحدید و ملامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنالینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تا کہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے۔

---

❶ قال الامام رحمہ اللہ تعالیٰ الاقرب الی ظاهر الحال انهم فعلوا ذالك من انفسهم لانهم لما طلبوا السقاية وما وجدوها وما كان هناك احد الاهم غلب علیٰ ظنونهم انهم هم الذين اخذوها۔ (تفسیر کبیر ص ۱۵۴ جلد ۵)

❷ ثم ان اصحاب یوسف لما طلبوا السقایته وَمَا وجدُوهَا وَما كان هناك اَحَدٌ غير الذين ارتحلوا غلب على ظنهم انهم هم الذين اخذوها فنادى المنادى من بينهم على حسب ظنه ﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ (روح البیان ص ۲۹۹ جلد ۴)

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی شروع کی اور پھر اخیر میں اپنے بھائی کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنالیا۔ اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنالو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنالیا جائے بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دو چند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہرحال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم وحکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے۔ لہٰذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے ﴿وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ۝﴾ (النجم: ۴۲)

فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلۂ جلیلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ﴾ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے۔ البتہ ابطالِ حق یا احقاق باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام سے توریہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ ﴿بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُھُمْ﴾ (الانبیاء: ۶۳) قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں توریہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو توریہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ توریہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ توریہ حیلۂ قولی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا جیسا کہ ﴿کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ﴾ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم ومعرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفع درجات ہے اور قرآنِ کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ﴿وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ﴾ (ص: ۴۴) یعنی اے ایوب علیہ السلام! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھالو اور اس سے مارلو اور قسم نہ توڑو' یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا ﴿ھٰذِهٖ اُخْتِیْ﴾ یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لیے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہٗ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔

منجملہ افعالِ خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا﴾ (الطارق: ۱۵، ۱۶)

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۵۴) اور کید اور مکر کی حقیقت خفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السماوات والارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہٗ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے حیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور غیبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

القصہ جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آ کر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارہ میں مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک پٹکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس پٹکے کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ پٹکا جو مجھ کو اسحاق علیہ السلام سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہو گیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ پٹکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسف علیہ السلام نے میری چوری کی ہے لہٰذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کرو تاکہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں۔ یعقوب علیہ السلام مجبور ہوئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسف علیہ السلام کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا۔ پس بنیامین کے معاملہ میں برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۳ ج ۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آ کر یوسف علیہ السلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا۔ پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سُن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت و خوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اِس غم میں مر نہ جائے۔ پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجیے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجیے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی اُمید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے

کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجیے اور اِس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجیے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑلیں تو تمہاری دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے یہ حیلہ بتلایا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبی علیہ السلام پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآنِ کریم میں حضرت خِضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قِصّہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خِضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبولِ خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب وسنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا
پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے بیٹھے مصلحت کو بولا ان میں کا بڑا تم نہیں جانتے
اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا
کہ تمہاری باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو
فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ
قصور کرچکے ہو یوسف کے حال میں سو میں نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا
يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا
قضیہ چکادے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا پھر جاؤ اپنے باپ پاس اور کہو
يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو

لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ

غیب کی خبر یاد نہ تھی اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس

اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

میں ہم آئے ہیں اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں بولا کوئی نہیں! بنالی ہے تمہارے جی نے

اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ

ایک بات اب صبر ہی بن آوے شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان سب کو

هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ

وہی ہے خبردار حکمتوں والا اور الٹا پھرا اُن کے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا

اور سفید ہوگئیں آنکھیں اس کی غم سے سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا کہنے لگے قسم اللہ کی! تو نہ چھوڑے گا

تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ

یاد یوسف کی جب تک کہ گل جاوے یا ہو جاوے مردہ بولا

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی پاس اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ

اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور مت ناامید ہو

رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں

بازگشتن برادران یُوسف علیہ السلام از سفر دوئم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ ... الٰی ... اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں برادرانِ یوسف علیہ السلام کی دوسری آمد کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں۔ پس جب برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کی رہائی کے بارہ میں یوسف علیہ السلام سے بالکل نا امید ہوگئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے پس جوان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارہ میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارہ میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمینِ مصر سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو! تم مجھ کو تو یہاں چھوڑو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لیے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو۔ بہر حال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر بستی والوں سے دریافت کرالیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ فرمایا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آکر یہ کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾۔

اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آکر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت ﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ﴾ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسف علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی۔ حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوب علیہ السلام کا یہ کلام ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ سراپا صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اس کی کچھ اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے حفاظت کے عہد و پیمان کر کے بنیامین کو لے گئے تھے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگئی ممکن ہے کہ کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلافِ قانون بادشاہِ مصر کو شریعتِ ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعتِ ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت

کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہیے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو۔ جب چور کو سزا دی جا سکتی ہے۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا میرا چارۂ کار صبر جمیل ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی اللہ کی سنّت یہ ہے کہ عسر کے بعد یُسر عطا فرماتے ہیں۔ نیز ان کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسف علیہ السلام کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسف علیہ السلام کے رؤیائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصہ یعقوب علیہ السلام نے نور نبوت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ اُمید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس تازہ غم سے یوسف علیہ السلام کا پرانا غم تازہ ہو گیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف علیہ السلام پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نورِ بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ وزاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے۔ پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔ شعر

در دیست دریں سینہ کہ گفتن نتوانم
ویں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم

بیٹوں نے جب باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسف علیہ السلام ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے اُمید ہے کہ عنقریب یوسف علیہ السلام مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا۔ نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔ (موضح القرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسف علیہ السلام کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو اس کی رحمت سے اُمید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہوگی۔ بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام علم الٰہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اس لیے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الٰہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز! پڑی ہے ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پونجی ناقص، سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ

يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ

بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو کہا کچھ خبر رکھتے ہو کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور

اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝۸۹ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا

اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف؟ کہا میں

يُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِيْ ٘ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ

اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا بولے قسم ہے اللہ کی! البتہ تجھ کو پسند رکھا اللہ نے

عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِــِٕيْنَ ۝۹۱ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ

ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج

يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا

بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان لے جاؤ یہ کرتہ میرا اور

فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ ع ۱۰/۱۴

ڈالو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آوے آنکھوں سے دیکھتا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا۔

بارسوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام برائے تفحص یوسف و بنیامین

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ : ﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ ... الیٰ ... وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکید کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں۔ چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسف علیہ السلام کی تلاش شروع کریں۔ اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لیے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ علیہ السلام مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجیے اور ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ کیجیے اور ہم مستحق نہیں لیکن آپ علیہ السلام ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجیے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیازمندی اور دردمندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہٗ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ جہالت کا تھا اس وقت تم کو برے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کر گزرے اور اب تم ہوش میں آ رہے ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسف علیہ السلام تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسف علیہ السلام کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف علیہ السلام ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسف علیہ السلام کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسف علیہ السلام ہے؟۔

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسس اور تحسس کے لیے بحکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر دراہم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ بھائی بولے بخدا اللہ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں لِلّٰہ معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا۔ بہرحال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ یہ سن کر اپنا پیراہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ بینا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتہ کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ۔ مطلب یہ ہے کہ بحالتِ موجودہ میں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور سب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الٰہی تھا اور اپنی قمیص دے کر یہ فرمانا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتہ کو چہرہ پر ڈال دینے سے بینائی واپس آ گئی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی آنکھ درست ہو گئی اور بہت سے بیمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے سے اچھے ہو گئے۔ چنانچہ بھائی اس قمیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔

فائدہ: غالباً یوسف علیہ السلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لیے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تا کہ مزید گریہ و بکا سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا
اور جب جُدا ہوا قافلہ کہا اُن کے باپ نے میں پاتا ہوں . بُو یوسف کی اگر نہ
أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّا
کہو کہ بوڑھا بہک گیا لوگ بولے قسم اللہ کی! تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی پھر جب
أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
پہنچا خوشخبری والا ڈالا وہ کرتہ اس کے منہ پر تو اُلٹا پھرا آنکھوں سے دیکھتا بولا میں نے نہ کہا تھا
لَكُمْ ۚ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ
تم کو؟ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے بولے اے باپ! بخشوا

لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ

ہمارے گناہوں کو بے شک ہم تھے چوکنے والے کہا رہو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم وبشارت بُردن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ ... الی ... اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ ﴾

ربط: جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی بینائی کے لیے قمیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل وعیال کو لے کر آ و تو سب بھائی پیراہن یوسفی لے کر شاداں وفرحاں مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف علیہ السلام کی بُو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو مخبوط الحواس ✽ نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کو ابتلاء منظور تھا۔ اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے۔ پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے بحکم خداوندی خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بُو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے اِدھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے نکلا اور اُدھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے بلکہ وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں ادا کیا ہے:

یکے پر سیدازاں گم کردہ فرزند — کہ اے عاقل گہر پیر خرد مند!!
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی! — چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوالِ مابرقِ جہانست — دمے پیداو دیگر دم نہانست
گہے برطارم اعلیٰ نشینم!! — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا یکا یک اثناء خطبہ میں

✽ یہ تمام عبارت تفنید کے اصل معنی کی تشریح ہے جیسا کہ لغت میں مذکور ہے اہل علم کتب لغت کی مراجعت کریں۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سردارِ لشکر ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھ مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز مدینہ کے منبر سے نہاوند پہنچا دی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صدہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی ﴿وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَۃً تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ﴾ (الانبیاء:۸۱) ... ﴿فَسَخَّرۡنَا لَہُ الرِّیۡحَ ... الی آخر الآیات﴾ (ص:۳۶) پس اگر اسی طرح کسی وقت بادِ صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ صفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کرو اور اپنے وسوسوں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام سے ملیں گے۔ اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب مصر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آ کر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر بھیجا ہے تو اس بشیر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اوّل ہی سے یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسف علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تُو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱ ج ۹)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجیے بے شک ہم خطاوار ہیں ہم نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرما دیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دُعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ

پھر جب داخل ہوئے یوسف پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ

اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے

سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا

سجدے میں اور کہا اے باپ! یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو

رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ

میرے رب نے سچ کیا ہے اور مجھ سے اس نے خوبی کی جب مجھ کو نکالا قید سے اور تم کو لے آیا

مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ

گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا اٹھایا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں بیشک

رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہے بے شک وہی ہے خبردار حکمتوں والا۔

بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین واہل خود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ . . . اِلٰى . . . اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾

ربط: بعدازاں یعقوب علیہ السلام اپنے سارے کنبے سمیت مصر کو روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام خبر سن کر مصر سے باہر استقبال کے لیے نکلے پس جب یعقوب علیہ السلام مع خاندان کے یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اس خیمہ میں جگہ دی جس کو ان کے استقبال کے لیے آراستہ کیا تھا اور پھر ملاقات سے فراغت کے بعد سب سے کہا اب ان شاء اللہ امن اور اطمینان کے ساتھ اندرون مصر تشریف لے چلیے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا اور اس پُرشوکت منظر کو دیکھ کر سب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت و جلالت ایسی غالب آئی کہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آ رہا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا۔ اب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام اور ممنوع قرار دیا گیا۔ والدین کا اور بھائیوں کا یہ سجدہ بطور تحیت وسلام اور بطریق تعظیم واکرام تھا نہ کہ بطریق عبادت اس لیے کہ سجدۂ عبادت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور سجدۂ تعظیمی پہلی شریعتوں میں غیر اللہ

کے لیے جائز تھا۔ اب ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اور ''ابوین'' جس کے معنی ماں باپ کے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے حقیقی ماں باپ مراد ہیں یا باپ اور خالہ مراد ہیں اس لیے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اس واقعہ سے پیشتر وفات پا چکی تھیں اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کرنے والی حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں اور خالہ بھی بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور محمد بن اسحاق اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہم وغیرھم یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی حقیقی ماں تھیں اس وقت وہ زندہ تھیں اور وہی ساتھ آئی تھیں اور کسی دلیل صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ ان کی والدہ مر چکی تھیں اور ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ماں باپ دونوں زندہ تھے۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

اور جب سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے والد بزرگوار! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا تحقیق میرے پروردگار نے اس کو پورا کر کے دکھلایا خدا نے جو خواب دکھلایا اب اس کی تعبیر دکھلا دی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں اور یوسف علیہ السلام نے ﴿ یَاَبَتِ ﴾ سے صرف باپ کو خطاب کیا اور ماں کو خطاب نہ کیا کیونکہ ماں علم تعبیر کی عالم نہ تھیں علم تعبیر کے عالم صرف باپ تھے اس لیے کہا ﴿ یَاَبَتِ ﴾ اے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا اور جس کے ظہور کے آپ منتظر تھے اور نور نبوت سے آپ کو معلوم تھا کہ یہ خواب ضرور پورا ہو گا اللہ نے اس کو سچ کر دیا اور یہ اس کا فضل اور احسان ہے اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو دیہات سے شہر میں لایا اور مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے کے احسان کا ذکر فرمایا اور کنوئیں سے نکلنے کے احسان کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں اور ایک قسم کی معذرت بھی کر دی کہ میرے اور بھائیوں کے درمیان جو جھگڑا پیدا ہوا وہ سب شیطان کا ڈالا ہوا تھا شیطان اگر درمیان میں نہ گھستا تو بھائی مجھ سے ہرگز نہ جھگڑتے۔

سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے کہ بے قصور ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں نہ گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اس کی لطف تدبیر سے سب آسان ہو جاتا ہے بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے چاہ کنعان سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزرے اور قسم قسم کے ابتلاء پیش آئے اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ البالی اور کمال عیش و عشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسد مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کو رکھ کر شام لے گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عیص نے انتقال کیا دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس (۱۴۷) برس ہوئی۔ یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچا کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آ گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۲۸ جلد ۹)

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ

اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر باتوں کا

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ

اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی ہے میرا کارساز دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو

مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔

خاتمۂ قصہ بردعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ . . . الى . . . وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

ربط : یوسف علیہ السلام باپ کے دفن کے بعد مصر واپس آ گئے اور باپ کی وفات [1] کے بعد تیئس (۲۳) سال زندہ رہے اور باپ اور چچا کی وفات کے بعد آخرت کا شوق غالب ہوا اور یہ دعا شروع کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو دنیوی، دینی اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے تو نے مجھے ملک مصر کی سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم مجھ کو سکھایا اور نبوت اور صدیقیت عطا کی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں۔ پس جس طرح تُو نے میری دنیا کو درست کیا اسی طرح میری آخرت کو بھی درست فرما اور اسلام کی حالت میں مجھے موت دے یعنی اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مجھے وفات دے اور مجھ کو نیک بختوں کے ساتھ ملا دے یعنی میرے آباؤ اجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ملا دے اور انبیاء علیہم السلام کے زمرے میں مجھے پہنچا دے۔ جاننا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تمنائے موت نہ تھی کہ فی الحال مجھ کو موت آ جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب وقت مقدر پر میری موت آئے تو وہ موت دینِ اسلام ہی پر آئے اور طوق صالحین مجھے میسر ہو۔ بہرحال یہ دعا موت کی دعا نہیں بلکہ حسن خاتمہ کی دعا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب مجھ کو موت آئے تو اسلام پر آئے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مروں یہی دعا ہر مسلمان کو مانگنی چاہیے حسن خاتمہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں۔

﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

(آمین یارب العالمین)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں۔ (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۷۶)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔

---

[1] دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۷۴ جلد ۵۔

یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی۔ لڑکوں کے نام افرائیم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئی۔ جب آپ علیہ السلام نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپ علیہ السلام کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تا کہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگِ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا گیا اور جب حسب وصیت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور شام میں لے جا کر ان کے آباء کرام علیہم السلام کے پہلو میں ان کو دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد سلطنتِ مصر حسب سابق فراعنۂ مصر کے ہاتھ میں منتقل ہوگئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ٹھہرانے لگے

اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

اپنا کام اور فریب کرنے لگے اور نہیں اکثر لوگ یقین لانے والے اگرچہ تو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

للچاوے اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ نیگ یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ ع ۱۱ ۵

سارے عالم کو اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر ہو

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا

نکلتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر

وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ

ساتھ شریک بھی کرتے ہیں کیا نڈر ہوئے ہیں کہ آ ڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی

اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ

یا آ پہنچے قیامت اچانک اور ان کو خبر نہ ہو کہہ یہ

سَبِيلِيٓ اَدۡعُوٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ

میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہے!

اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا

اور میں نہیں شریک بتانے والا اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے یہی مرد تھے

نُّوۡحِيۡٓ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا

کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ

کیسا ہوا آخر ان کا جو ان سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے

لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسۡتَيۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ

پرہیز والوں کو اب کیا تم نہیں بوجھتے یہاں تک کہ جب نااُمید ہونے لگے رسول اور

ظَنُّوۡٓا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا فَنُجِّيَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَلَا

خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی ان کو مدد ہماری پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور

يُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدۡ كَانَ فِيۡ قَصَصِهِمۡ

پھیری نہیں جاتی آفت ہماری قوم گنہگار سے البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے

عِبۡرَةٌ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰكِنۡ تَصۡدِيۡقَ

عقل والوں کو کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام کے

الَّذِيۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَيۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً

جو اس سے پہلے ہے اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ سجھائی اور مہربانی

لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

خاتمۂ سورت بر اثباتِ رسالت محمدیہ ﷺ وتہدید منکرین وبیان حقانیت کتاب مبین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ... الی... وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱﴾

ربط : یہ سورت ان سائلین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ ﷺ سے بغرض امتحان یوسف علیہ السلام کا قصہ دریافت کیا تھا۔ اب خاتمۂ سورت پر یہ بتلاتے ہیں کہ یہ قصہ آپ ﷺ کی نبوت کی کس طرح دلیل بنا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: یہ احسن القصص یعنی یوسف علیہ السلام کا قِصّہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کے علم کا سوائے وحی خداوندی کے کوئی ذریعہ نہیں ہم صرف وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور یہ آپ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل قاطع ہے کیونکہ آپ ﷺ تو اُمی ہیں کتابیں پڑھنا نہیں جانتے اور نہ آپ ﷺ نے یہ قِصّہ کسی سے سنا ہے۔ پس آپ ﷺ کے پاس اس قِصّہ کے معلوم ہونے کا سوائے وحی الٰہی کے کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا اس قِصّہ کو اس حسن ترتیب اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا یہ آپ ﷺ کا کھلا معجزہ ہے۔ اور آپ ﷺ کی نبوت کی شافی اور کافی دلیل ہے اور اے نبیؐ! آپ ﷺ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کے متعلق پختہ ارادہ کر رہے تھے اور وہ اس کی تدبیریں کر رہے تھے۔ پس آپ ﷺ نے جب یہ واقعہ نہ خود دیکھا اور نہ کسی سے سنا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صاحب وحی اور صاحب نبوت ہیں اور باوجود ان شواہد اور دلائل کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگر چہ آپ ﷺ کتنی ہی حرص کریں کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ وہ اللہ کے علم میں ازلی شقی ٹھہر چکے ہیں یہود اور قریش نے امتحاناً آپ ﷺ سے یہ قِصّہ دریافت کیا تھا آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی مدد سے اس کو صحیح صحیح بیان کر دیا اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آپؐ کو رنج ہوا اور اے نبیؐ! آپ ﷺ ان سے اس تبلیغ اور نصیحت پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتے کہ اس کے نہ ملنے سے آپ ﷺ کا نقصان ہوتا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لیے نصیحت ہے جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ قرآن تو دلائل نبوت اور دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے اگر نظر انصاف سے اس قرآن کو دیکھیں تو ان پر مبدأ اور معاد سب منکشف ہو جائے اور آسمانوں اور زمین میں ہماری قدرت اور وحدانیت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں یعنی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں اگر ان کی طرف التفات کرتے تو ایمان لے آتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں ایسا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ توحید کے قائل اور نہ رسالت کے قائل سو کیا یہ توحید و رسالت کے منکر اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر عذابِ خداوندی سے کوئی ایسی آفت آئے جو ان کو اپنے اندر چھپا لے اور لحاف کی طرح ان کو ہر طرف سے چھپا لے یا ناگہاں ان پر قیامت کی گھڑی آ جائے جس کے آنے کی پہلے سے ان کو خبر بھی نہ ہو اے نبیؐ! آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ یہ دین اسلام اور توحید میری راہ ہے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر ہوں میں اور میرے پیرو یعنی میرے پاس ایسے دلائل ہیں کہ جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے

والوں میں سے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اپنا بندہ نہیں بناتا بلکہ خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر کسی کو میری نبوت کے بارہ میں یہ شبہ ہو کہ نبی اور رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے تو یہ شبہ مہمل ہے اس لیے کہ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے کوئی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی اور وہ انبیاء سابقین علیہم السلام بستیوں کے رہنے والے تھے اصحاب علم اور فہم اور حلم تھے کیونکہ جنگل کے لوگ اکثر سخت دل اور تندخو اور جفا پیشہ ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا پھر دیکھ لو کہ ان کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بادیہ میں سے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنات میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۴ جلد ۹)

سو کیا ان مشرکین نے ملک کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان منکرین اور مکذبین کا انجام کیسا خراب ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو سب کے سب عذاب سے ہلاک ہوئے اس زمانہ کے کافروں کو چاہیے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو شرک اور معصیت سے بچتے ہیں۔

سو کیا تم نہیں سمجھتے کہ پہلی قومیں کس طرح ہلاک ہوئیں وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے آخرت کی پرواہ نہ کی اور مال اور دولت کے نشہ میں خدا کے رسولوں کا مقابلہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ حلیم و کریم ہے اس نے ان کو فوراً عذاب میں نہ پکڑا بلکہ ان کو لمبی لمبی مہلتیں دیں اور وہ جتنا کفر میں ترقی کرتے گئے اتنی ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھلتے گئے جس سے یہ منکرین بے فکر اور نڈر ہو گئے بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور سب ہلاک و برباد ہوئے۔ پس کفار عرب فی الحال عذاب کے نازل ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑیں اگلی امتوں کو بھی اس طرح طویل مہلتیں ❶ دی گئیں۔

یہاں تک کہ جب مہلت کی مدت طویل ہوئی اور عذاب موعود کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ ہم سے جو ہماری نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا گیا تھا جواب تک ہمارے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق پورا نہیں ہوا شاید وہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آوے بلکہ ہمارے پیچھے آوے یا ہماری کسی غلطی کی وجہ سے ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا یا ہم سے وعدۂ الٰہی کے بارہ میں کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے نزولِ عذاب کا وقت مقرر کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ مطلق تھا اس میں کسی وقت اور زمانہ کی تعیین نہ تھی حضرات انبیاء نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اور اپنے اندازہ اور تخمینہ سے نزول عذاب کا وقت متعین کر لیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو رہے ہیں خواب مطلق تھا اس میں کوئی وقت معین نہ تھا مگر آپ پر طواف کعبہ کا شوق

---

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ میں لفظ ﴿حَتّٰۤى﴾ فعل مقدر کی غایت ہے یعنی ﴿اُمْهِلُوْا﴾ مقدر کی غایت ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے۔ لایغررھم تمادھم فیماھم فیه من الدعة والرخاء فانّ من قبلھمْ قد اُمھلُوا حتّٰی یئس الرسل من النصر علیھم فی الدنیا أو من ایمانھم لانھما کھم فی الکفر وتمادیھم فی الطغیانِ من غیر وازع... الخ (کذافی روح المعانی ص ۶۲ جلد ۱۳ و روح البیان ص ۳۳۳ جلد ۴ وتفسیر ابی السعود رحمۃ اللہ علیہ) وقال السیوطی حتی غایة لما دل علیه ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ ای فتراخی نصرھم ﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ... الخ﴾

یعنی تاخیر کردیم و مہلت دادیم امم سابقہ را در عذاب تا زمانیکہ نومید شدند پیغمبراں از ایمان ایشاں یا از نصرت برایشاں در دنیا گمان بردند رسولاں... الخ (دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم طبع کانپور دفتر سوم ص ۱۷۵)

غالب ہوا اس لیے آپ ﷺ اسی سال عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور کامیاب نہ ہوئے اور اس خواب کی تعبیر سالِ آئندہ ظاہر ہوئی اس وقت تنبہ ہوا کہ وعدۂ خداوندی تو صدق اور حق تھا مگر ہم سے غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے اس کی مدت متعین کر لی کہ وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے خطاء اجتہادی کا واقع ہونا عصمت کے منافی نہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ﴾ (الحج: ۵۲) میں اس کی تفصیل آئے گی۔ غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاء علیہم السلام یہ گمان کرنے لگے کہ وعدۂ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد کو پہنچ گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکا یک اور ناگہاں ان کو مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو نصر و ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور محبین کے ساتھ سنّتِ قدیمہ ہے کہ جب ابتلاء اور امتحان اس حد کو پہنچ جائے کہ کلیجہ منہ کو آ جائے تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو جو ان کو برملا جھوٹا بتلا رہے تھے زیر و زبر اور تہ و بالا کرتے ہیں۔ اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھلاتے ہیں پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے۔ اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے بلکہ ان کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی پیغمبروں کو اور ان کے پیروؤں کو طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ظاہری اسباب سے نا اُمید ہو کر اپنے پروردگار سے یہ عرض کرنے لگتے ہیں ﴿مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ اے اللہ ہماری مدد اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہوگی؟ تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے ﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ﴾ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝۲۱۴﴾ (البقرہ)

خلاصۂ کلام یہ کہ امتحان اور ابتلاء عظیم کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔

زاں بلاہا کہ انبیاء برداشتند سر بچرخ چار می افراشتند
ہر کہ در راہ محبت پیش تر بر دل او بار محنت بیشتر

فائدہ: اس آیت میں جو لفظ ﴿كُذِبُوْا﴾ واقع ہوا ہے اس میں دو قراءتیں ہیں ایک یہ کہ کذبوا کو تشدید ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو تکذیب سے مشتق ہے اور دوسری قراءت یہ ہے کہ کُذِبوا کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو کذب سے مشتق ہے تشدید ذال کی قراءت میں آیت کے معنی واضح ہیں کہ تاخیر عذاب سے رسولوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور نزول عذاب کے وعدہ میں ان کو جھوٹا بتلائے گی کہ تم جو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ کافروں پر عذاب نازل ہوگا وہ عذاب کہاں ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافروں کو تو انبیاء کرام علیہم السلام کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا اور کفار انبیاء علیہم السلام اور اہلِ ایمان کی ایذاء رسانی پر تلے ہوئے تھے جب اہل ایمان کو کفار سے اذیتیں پہنچیں تو انبیاء علیہم السلام نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب نصرت الٰہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو

انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہوا کہ کافر تو ہم کو پہلے ہی سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور کاذب ہونے کا یقین رکھتے ہیں مبادا ہمارے مؤمنین اور متبعین بھی وعدۂ عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم کو جھوٹا نہ سمجھنے لگیں اور جو لوگ ہم پر ایمان لائے ہیں وہ بھی کہیں پھسل نہ جائیں اور دین سے مرتد نہ ہو جائیں تو ایسے اضطراب کے وقت میں خدا کی مدد آ پہنچی اور یہ سارے خیالات غلط ثابت ہوئے کذبِ وعدہ کا گمان معاذ اللہ رسولوں کو نہ تھا بلکہ منکرین اور اشقیاء کو تھا اور انبیاء علیہم السلام کو اہل ایمان کے ارتداد کا خطرہ تھا رسولوں کو یہ خیال ہوا کہ مبادا اہل ایمان بھی ہماری طرف سے شک میں نہ پڑ جائیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس (ذال) کو تشدید ذال کے ساتھ پڑھتی تھیں اور آیت کا یہ مطلب بیان فرماتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور قراءتِ تخفیف کا انکار فرماتی تھیں اور اس کو عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے منافی سمجھتی تھیں۔

اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم لفظ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھتے تھے اس قراءت پر بظاہر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ جب حسب وعدہ کافروں پر عذاب نازل ہونے سے رسول نا اُمید ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف سے ان سے فتح و ظفر اور غلبہ و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا کہ نصر و ظفر کے بارہ میں جو وحی ہم پر آئی تھی وہ کذب تھی اور ہم مکذوب ہیں۔ اس قراءت کی بناء پر آیت کا یہ مطلب نہایت مشکل نظر آتا ہے اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ اس سے پاک اور منزہ ہیں کہ ایک لحہ کے لیے ان کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ معاذ اللہ خدا نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی کو غلط اور جھوٹا جانے قطعاً ناممکن اور محال ہے اس اشکال کی بناء پر علماء محققین نے قراءتِ تخفیف کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

تفسیر اوّل: بعض علماء اس طرف گئے ہیں ﴿ظَنُّوْٓا﴾ اور ﴿ اَنَّهُمْ ﴾ اور ﴿ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع نہیں بلکہ تینوں ضمیریں بقرینۂ مقام مرسل الیہم یعنی قوم کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے نا امید ہو گئے اور قوم کے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہم کو جو عذاب کی دھمکیاں دی تھیں وہ سب ڈھکوسلے تھے اور صرف ہمارے ڈرانے کے لیے تھے اور پیغمبر جو اپنی نصرت اور ہماری ہلاکت کے وعدوں کا ذکر کرتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں اور اگر تم ہمارا کہنا نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا وہ سب جھوٹی باتیں تھیں جب نوبت بہ اینجا رسید تو اس نا اُمیدی کی حالت میں پیغمبروں کو ہماری مدد پہنچی اور لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام صادق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے یہ تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں:

''مہلت دادیم تاوقتیکہ نا امید شدند پیغمبران وگمان کردند قوم ایشاں کہ بدروغ وعدہ کردہ شد بایشاں آمد بایشاں نصرت۔'' (فتح الرحمان)

اور اسی طرح طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے معنی پوچھے تو کہا کہ نا اُمید ہوئے پیغمبر اپنی قوم سے کہ وہ ان کو سچا جانیں اور مرسل الیہم (یعنی قوم) نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

تفسیر دوم: اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قراءت تخفیف ﴿ظَنُّوْٓا﴾ اور ﴿ اَنَّهُمْ ﴾ اور ﴿ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کی تینوں

ضمیریں رُسُل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وعدۂ عذاب کے ظہور میں دیر ہوئی تو انبیاء کرام علیہم السلام نا اُمید ہوئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آئے اور ہمارے بعد آئے اللہ کا وعدہ تو حق اور صدق ہے مگر مطلق ہے جس کی مدت اور وقت کی تعیین نہیں کہ وہ کب ہوگا۔ لہٰذا ضروری نہیں کہ وہ نبی ہی کی زندگی میں پورا ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی کے بعد خلفاء اور جانشینوں کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہو جیسے خلافت ارضی اور تمکین دین کا وعدہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نا اُمیدی ظاہری اسباب اور ظاہری حالات کی بناء پر تھی معاذ اللہ! خدا کی رحمت کاملہ سے مایوسی اور نا اُمیدی نہ تھی حق جل شانہٗ کا معاملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور ان کے احبّاء اور مخلصین کے ساتھ یہ ہے کہ مصائب کے پہاڑ ان پر نازل ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب اسباب ظاہری سے وہ بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے کسی چیز پر ان کی نظر نہیں رہتی تب اللہ کی طرف سے ان کو مدد پہنچتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝۲۸﴾ (الشوریٰ)۔ اس لیے اسی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ ان کو اتنی مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر کفر کر لیں اور اعلانیہ طور پر انبیاء علیہم السلام کو جھوٹا بتلانے لگیں اور تکبّر اور غرور سے کودنے اور اُچھلنے لگیں اس طرح سے اِدھر تو جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور اُدھر انبیاء کرام علیہم السلام کے ابتلاء کی منزلیں پوری ہو جائیں حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور نا اُمید ہو جاتے ہیں گویا کہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم سے نصر و ظفر کا وعدہ غلط کیا گیا یعنی یہ کلام بطور تشبیہ و تمثیل ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا کہ عذاب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ یہ گمان ہونے لگا کہ وہ وعدہ غلط تھا تو اس پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں ناگاہ رسولوں کو ہماری مدد پہنچی اور ان سے نصرت اور مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہوا اور ان کو اور ان کے متبعین کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو تباہ اور برباد کیا دیکھ لو کہ اللہ کے وعدے اس طرح پورے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کفار مکہ کو چاہیے کہ امم سابقہ کے واقعات سے عبرت پکڑیں اور تاخیر عذاب سے دھوکہ میں نہ پڑیں پہلی قوموں کو بھی اس قسم کی مہلتیں مل چکی ہیں اور اتنی طویل مہلتیں ملیں کہ رسول بھی نا اُمید ہو گئے تب یکا یک اللہ کا قہر نازل ہوا اور کفار مغلوب اور مقہور ہوئے اور رسول مظفر و منصور ہوئے۔

قال الترمذی الحکیم وجهه عندنا ان الرسل کانت تخاف بعدما وعد اللہ النصر لا من تهمة لوعد اللہ و لاکن لتهمة النفوس ان تکون قد احدثت حدثا ینقض ذٰلك الشرط والعهد الذی عهد الیهم وکانت اذا طالت المدة دخلهم الایاس والظنون من هٰذا الوجه. (تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹)

"حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسولوں کی نا اُمیدی اور گمان کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے وعدہ کے بعد معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام کو یہ ڈر نہ تھا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوگا اور نہ معاذ اللہ رسولوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی بدگمانی تھی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے نفسوں کی طرف سے بدگمانی تھی کہ خدانخواستہ ہماری جانب سے کوئی ایسی بات سرزد تو نہیں ہوگئی کہ جو اس وعدہ کے منافی اور مناقض ہو اور وعدۂ خداوندی جس شرط کے ساتھ مشروط ہو خدانخواستہ ہم سے بربنائے غفلت اس شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگئی ہو جب شرط پوری نہ ہوگی تو اس وعدہ کا پورا ہونا بھی ضروری نہ ہوگا جو اس شرط کے ساتھ مشروط ہو۔ پس جب وعدۂ خداوندی کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کو اس راہ سے یعنی نفس کی راہ سے نا اُمیدی اور بدگمانی لاحق ہوتی

ہے نہ کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے۔"

پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کو اتنی طویل مہلت اور لمبی ڈھیل ملی کہ رسول عذاب کے آنے سے ناامید ہونے لگے اور ان کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری کسی لغزش اور خطا کی بناء پر وعدہ پورا نہیں کیا گیا شاید کہ ہم سے ان اُمور کی بجا آوری میں کہ جو ایفاء وعدہ کے لیے شرط تھے کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے اس لیے وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کے معنی یہ نہیں کہ پیغمبروں سے جھوٹ کہا گیا بلکہ معنی یہ ہیں کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جیسا کہ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾(الاحزاب:۲۳) میں صدق وعدہ سے ایفائے وعدہ اور ایفائے عہد مراد ہے۔ اسی طرح کذب سے جو صدق کی نقیض ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ وعدہ پورا نہیں کیا یا جس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾(ابراہیم:۴۷)... ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾(آل عمران:۹)

بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہمارے نفس کی کسی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کیا گیا پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ میرے نفس کی تقصیر کی وجہ سے وعدۂ خداوندی روک لیا گیا تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

یا یوں کہو کہ اس ہوشربا پریشانی میں اس گمان کے قریب قریب پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے بلغت المنزل میں منزل کو پہنچ گیا یعنی پہنچنے کے قریب ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹)

اور یا پھر یوں کہو کہ ﴿ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا بلکہ کذب سے کذب رجاء مراد ہے یعنی جب ان کی امید کے مطابق عذاب نہ آیا تو گمان کیا کہ ہماری اُمید غلط نکلی اور لفظ کذب بمعنی خطاء اور غلطی بکثرت شائع ہے۔ جیسے ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴾ میں کذب سے خطا اور غلطی کے معنی مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر ابوالسعود ص ۲۵۴ جلد ۵ برحاشیہ تفسیر کبیر)

تفسیر سوم: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ﴾ کے بظاہر یہ معنی ہیں یہاں تک کہ جب رسولوں کو نا امیدی ہونے لگی اور وہ یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جو کچھ امداد کے بارہ میں خدا کی طرف سے وعدہ وعید تھے وہ سب جھوٹے تھے اس وقت ہماری مدد آ پہنچی یہ تو ظاہری اور سرسری مطلب ہوا مگر سب اہل ایمان جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ نا اُمید ہوں خود اسی سورت میں ہے ﴿ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ سو جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو تہِ دل سے یقین تھا کہ وعدہائے الٰہی صادق اور برحق ہیں ایک نہ ایک روز بے شک امداد الٰہی ضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت قلب میں اضطراب اور پریشانی کا آنا یہ منافی عصمت نہیں حق تعالیٰ نے اس غیر اختیاری پریشانی کو بطور شکایت اس طرح بیان فرمایا کہ کیا تمہارا گمان اور خیال تھا کہ ہم نے جو تم سے نصرت کے وعدے کئے ہیں وہ سچے نہیں یعنی جب ہم تمہارے معین اور مددگار ہیں اور ہم تم سے وعدہ کر چکے ہیں اور ہماری نظر عنایت ہر وقت تمہارے ساتھ ہے تو پھر یہ اضطراب اور پریشانی کیسی برعایت ظاہر بطور مبالغہ اس قسم کی پریشانی اور بے قراری بمقتضائے بشریت بے چینی اور بے تابی کو مجازاً لفظ ظن اور لفظ اُس سے تعبیر فرمایا۔ (دیکھو ہدیۃ الشیعہ ص ۳۳۲)

اور قرآن کریم میں ہے ﴿ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ ﴾ اور حدیث میں ہے نحن احق بالشك من ابراهيم سو اس جگہ شک اور ظن کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت حضرات انبیاء علیہم السلام

کو جو اضطراب پیش آیا تو اس اضطراب کو ظن اور شک سے تعبیر کر دیا گیا اس لیے کہ اضطرابی حالت شک اور تردّد کے مشابہ ہوتی ہے اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کہ مضطربؔ شک اور گمان میں پڑا ہوا ہے عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

بخواں استیأس الرسل ای عمو تابہ ظَنُّوٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا !!

ایں قراءت خواں بہ تخفیف کذب ایں بود کہ خویش بیند محتجب

درگماں افتاد جان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء

(دیکھو مثنوی مولانا روم۔ دفتر سوم ص ۱۷۵ جلد ۳ مع حاشیہ وشرح بحر العلوم ص ۹۰ جلد ۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں مولوی (معنوی) قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما اختیار می کنند و توجیہ می فرمایند کہ احوال انبیاء مختلف است در بعض اوقات رفع حجاب می شود و احوال بندہ برأی العین می بینند و در بعض اوقات حجاب بشریت مانع می گردد و از حالت رَأی العین فرو می آیند و ضیق خاطر و اضطراب بشریت رومی دہد، ہمیں حالت احتجاب را بطریق مجاز بظن تعبیر واقع شد خلاصۂ کلام آنکہ لفظ ظن و شک در آیت و حدیث اینجا مجاز است بمعنی آں کہ خاطر ایشاں .... بحسب جبلّت بشریت مضطرب شد مانند اضطراب شک کنندہ در حقیقت وحی یا مانند اضطراب کنندہ کذب وحی۔ (کلمات طیبات ص ۱۶۷)

خلاصۂ کلام یہ کہ تشدید ذال یعنی ﴿قَدْ كُذِّبُوْا﴾ کی قراءت میں تینوں ضمیریں یعنی ﴿ظَنُّوٓا، اَنَّهُمْ كُذِّبُوْا﴾ کے ضمائر رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب آیت کا واضح ہے اور تخفیف ذال یعنی قد کذبوا کی قراءت میں اشکال ہے جس کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ایک یہ کہ تینوں ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اس صورت میں شدید اشکال ہے جس کے حل کے لیے علماء ربانیین کی تفسیریں ناظرین کے سامنے کر دی گئیں ان شاء اللہ تعالیٰ وہ شافی اور کافی ہیں۔ اس جگہ ایک تیسرا قول اور بھی ہے وہ یہ کہ ﴿ظَنُّوٓا﴾ کی ضمیر تو قوم کی طرف راجع ہے اور ﴿اَنَّهُمْ﴾ اور ﴿قَدْ كُذِبُوْا﴾ کی ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسل سے جھوٹا وعدہ کیا گیا اور اس بارہ میں پیغمبروں پر جو وحی آئی وہ جھوٹ تھی یہ کافروں کا گمان تھا اس وقت اللہ نے اپنے رسولوں کی مدد کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وحی سچی تھی اور ان کا گمان جھوٹا تھا۔ (دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم ص ۱۷۵ دفتر سوم) [1]

ایک اور قراءت شاذّہ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ مجاہد اور حمید رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ﴿ظَنُّوٓا اَنَّهُمْ قَدْ كَذَبُوْا﴾ بصیغۂ معلوم آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا۔

(دیکھو تفسیر [2] قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ و روح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصّہ میں یا انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے قصوں میں عبرت اور نصیحت ہے ان عقل

---

[1] واگر ضمیر ﴿ظَنُّوٓا﴾ عائد بر قوم بود و ضمیر ﴿اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ عائد بر پیغمبراں باشد معنی چنیں آید کہ گمان بردند قوم کہ پیغمبراں مکذوب شدند یعنی کسیکہ وحی آوردہ پیغمبراں بر دروغ کردہ پس نجات دادہ شد کسے کہ خواستیم و باز گردایندنمی شود عذاب ما چوں نازل شود از قوم مجرماں۔

(حاشیہ مثنوی مولانا روم طبع کانپور ص ۱۷۵ دفتر سوم)

[2] قال الامام القرطبی وقرء مجاهد وحميد قد كَذَبُوا بفتح الكاف والذال مخففا على معنى وظن قوم ان الرسول قد كَذَبُوا تفسير قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ وقال ابن الجوزی والمعنی (علی هٰذا القراءة) ظن قومهم ايضا انهم قد كذبوا قال الزجاج (زاد المسير ص ۲۹۶ جلد ۴)

مندوں کے لیے جن کی عقل خالص ہے اہل عقل کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں ناکام رہے اسی طرح قریش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ناکام رہیں گے یا یہ مطلب ہے کہ امم سابقہ کے قصوں سے عبرت حاصل کریں کہ اطاعت اور معصیت کا کیا انجام ہوتا ہے جس کی عقل خالص ہوتی ہے وہی ان واقعات سے عبرت پکڑتا ہے۔

ولے در باید اسرار معانی

کہ روشن شد بنور جاودانی

نہیں ہے یہ قرآن جس میں یہ عبرت انگیز قصے مذکور ہیں کوئی بنائی ہوئی بات یعنی یہ کتاب کوئی ناول یا افسانہ نہیں بلکہ کتاب ہدایت اور درسِ معرفت ہے جس سے اہلِ بصیرت کو سبق حاصل کرنا چاہیے یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے کسی بشر کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ کتاب بذاتہٖ معجزہ ہے اور کتب سابقہ معجزہ نہ تھیں ان کو شہادت اور تصدیق کی ضرورت تھی اور جو شے خود حجت اور دلیل ہو اس کو کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ کتاب تمام امورِ دین کی تفصیل کرنے والی ہے مبدأ اور معاد حلال اور حرام اور حدود اور احکام اور مواعظ اور امثال وغیرہ جملہ ضروری اُمور کی اس میں تفصیل موجود ہے اور مؤمنوں کے لیے ذریعۂ ہدایت اور رحمت ہے۔ پس ایسی کتاب کے کلمات کی تلاوت اور اس کے معنی سے عبرت حاصل کرنا اہل عقل کے لیے ضروری ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجعلنا من اھل الھُدٰی والرحمۃ فانك اھل التقوٰی وَالۡمَغۡفرۃ. (آمین یَارَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ)

الحمد للہ آج بروز شنبہ دہم رجب الحرام ١٣٨٨ ہجری کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سورۃ یوسف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللہ الحمد والمنۃ

تفسیر سورۂ رعد

اس سورت میں چونکہ رعد کا ذکر ہے اس لیے یہ "سورت رعد" کے نام سے موسوم ومشہور ہوئی اور یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں تینتالیس آیتیں ہیں اور بقول بعض چوالیس یا پینتالیس یا چھیالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔

ربط سورت: گزشتہ سورت کے شروع میں قرآنِ حکیم کی حقانیت کا بیان تھا اور اخیر سورت میں ﴿ وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ﴾ میں اجمالی طور پر دلائلِ الوہیت ووحدانیت اور عجائب قدرت کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا اور اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ دلائلِ الوہیت ووحدانیت اور عجائب قدرت کو ذکر کیا۔ بعد ازاں اثباتِ معاد فرمایا اور پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا۔ غرض یہ کہ اس سورت میں انہی تین مضامین کا ذکر ہے اور ان کا باہمی ربط ظاہر ہے۔

آیاتھا ۴۳ (۱۳) سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۶) رکوعاتھا ۶

سورۃ رعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا ہے نہایت مہربان

الۗمّۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اُترا تجھ کو تیرے رب سے سو تحقیق ہے اور

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

لیکن بہت لوگ نہیں مانتے۔

حقانیت قرآن کریم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿الۗمّۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ ... الی ... وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①﴾

ربط: سورۂ یوسف کے اخیر میں قرآن کریم کی صفت میں یہ فرمایا: ﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (یوسف:۱۱۱) اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز قرآنِ کریم کی حقانیت سے فرمایا: ﴿الۗمّۗرٰ ○ والله اعلم بمراده بذالك﴾ یہ آیتیں کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں اور اے اکمل الرسل جو کتاب کامل آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی سووہ بالکل حق اور درست ہے لوگوں کو چاہیے کہ بے دغدغہ اس کتاب پر ایمان لائیں لیکن جائے تعجب ہے کہ اکثر لوگ اس جامع اور کامل کتاب کو بھی نہیں مانتے اور جو ایسی صاف اور واضح حقیقت کو بھی نہ مانے تو یہ اس کی کج طبعی کی دلیل ہے اور جو اس کتاب کو نہیں مانتا آخر وہ پھر کس کتاب کو مانے گا اور اگر ان کو یہ شبہ ہے کہ ہم اپنے جیسے بشر کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کریں تو آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے کہ جسمانیت کے اعتبار سے آسمان اور زمین برابر ہیں یہ بھی جسم ہے اور وہ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو زمین پر بلندی عطا کی اسی طرح سمجھو کہ اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ ایک بشر کو زمین اور دوسرے بشر کو علم اور حکمت کا آسمان بنادے خدا کی قدرت سب جگہ یکساں ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بن ستون دیکھتے ہو پھر قائم ہوا

الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
عرش پر اور کام لگایا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ
تدبیر کرتا ہے کام کی، کھولتا ہے نشانیاں، شاید تم اپنے رب سے ملنا یقین کرو اور
هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ
وہی ہے جن نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں اور ہر
الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ
میوے کے رکھے اس میں جوڑے دوہرے ڈھانکتا ہے دن پر رات اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ
نشانیاں ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں اور زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے اور
جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى
باغ ہیں انگور کے اور کھیتی اور کھجوریں جڑ ملی اور بن ملی پاتے ہیں
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ
ایک پانی اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے میووں میں اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾
نشانیاں ہیں اُن کو جو بوجھتے ہیں۔

ذکر دلائل توحید و اثبات مبدأ و معاد

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ . . . الٰی . . . اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اس کا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان نہ لانا بیان کیا گیا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید و الوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات

فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں اس لیے اثباتِ توحید و الوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

استدلال باحال عالم علوی

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾

اثباتِ توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اوّل آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اُوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اُوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضائے طبیعت جسمانیہ ہے اور نہ کوئی نیچر اور ایتھر اس کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر وقوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترونها ، عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ افروزی مراد ہے جس کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں اور خدا تعالیٰ کا عرشِ عظیم پر قائم اور جلوہ فرما ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس لیے لفظ ﴿ ثُمَّ ﴾ ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ ﴿ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ ﴿ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ ﴾ سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیئت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے فرقۂ مجسمہ اللہ تعالیٰ کو جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ﴿ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت وجلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے ﴿ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ پر ایمان لائے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوندِ قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان اور مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے ہے

عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے نہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اسی کے قبضۂ قدرت وتصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اسی کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس وقمر

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝﴾

اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگا یا اس نے سورج کو اور چاند کو دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد ورفت سے زمین اور اجسام اور اشجار ونباتات نشوونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کردی ہے اس میں سرِ مو فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس وقمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرمادی ہے اس کے خلاف شمس وقمر حرکت نہیں کرسکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معینہ تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے اور اسی رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کردی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کردی ہے اس میں سرِ موفرق نہیں آتا اگر کوئی قادر وقوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور ایتھر سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی مَلِیک مقتدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والاصفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرّہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بہ تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اَجرامِ فلکیہ اور اجسام عظیمہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور مخبر صادق ﷺ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارہ میں فلسفۂ جدیدہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کا وجود حق اور ثابت ہے فلسفۂ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اُوپر نظر آتی ہے وہ محض ایک حدِ بصر اور

حدِ نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حساً محض حدِ بصر اور حدِ نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

استدلال باحوال عالم سفلی

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ ... الی ... اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا۔ اب عالم سفلی کی چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور لیل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلایا کہ بیشمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبدأ اور انتہاء کا علم نہ ہوسکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا رزق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا۔ (زاد المسیر ص ۳۰۲ جلد ۴)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے تا کہ وہ زمین کی میخیں ہوجائیں۔

زمین از تپ و لرزه آمد ستوه | فرد کوفت بر دامنش میخ کوه

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدا نے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد' شیریں اور ترش' خشک اور تر' گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ۔

نیز اس خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جا بجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہوسکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حِصّہ نرم ہے اور کوئی حِصّہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے جو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہاء مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند علیم و قدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور

تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دستِ قدرت کارفرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی اُلٹی سلٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں۔ فرحوا بما عندھم من العلم.

استدلال دیگر

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور باہیں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دوشاخے بعضے غیر دوشاخے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور ایتھر کا اقتضاء ہے کیونکہ ایتھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے علیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ:

اوّل: تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامرِ الٰہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور اس کی ساخت متعین کر رہی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہٰذا احوال فلکیہ کو حوادثِ ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں۔

دوم: یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کوکبیہ کو عالم سفلی سے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوم: یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبّب بھی ایک ہی ہونا چاہیے علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ

کے موافق فرق اور تفاوت ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفہ جدید وقدیم جس قدر چاہیں اسباب وعلل بیان کریں مگر سب کی انتہاء کسی ملیک مقتدر پر ماننی پڑے گی۔ ﴿وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ (النجم:۴۲)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کے رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے:

والارض فیها عِبرة لِلْمُعتبِر تخبرعن صُنع ملیکٍ مُقْتَدِر

ترجمہ: اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملیک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقی بماءٍ واحد اشجارُها وبقعة وَاحِدة قرارها

ترجمہ: ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعۂ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والهواء لیس یختلف وَاکلها مختلف لا یاتلف

ترجمہ: جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذامن عمل الطبائع اوانه صنعة غیر صانع!!

لم یختلف وکان شیئا واحِدا هل یشبه الاولاد اِلَّا والدا

ترجمہ: اگر یہ طبیعت اور مادہ کا تحمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں اور ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا۔ (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والهواء یا معاند والماء والتراب شیء واحد

فما الذی اوجب ذا التفاضلا الاحکیم لم یرده باطلا

ترجمہ: جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳)

نکتہ: بعض علماء تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر وشر ایمان وکفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح کلام الٰہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۝﴾ (بنی اسرائیل:۸۲)

"یعنی یہ قرآن مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے۔"

وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ

اور اگر تم اچنبھے کی بات چاہے، تو اچنبھا ہے اُن کا کہنا کیا جب ہوگئے ہم مٹی کیا ہم

جَدِیۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ

نئے بنیں گے؟ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں اُن کی

اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ⑤ وَ

گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اس میں رہا کریں گے اور

یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ

شتاب چاہتے ہیں تجھ سے بُرائی، آگے بھلائی سے اور ہو چکی ہیں اُن سے پہلے

الۡمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَ اِنَّ

کہاوتیں اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو اُن کی گنہگاری پر اور

رَبَّكَ لَشَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ⑥ وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ

تیرے رب کی مار سخت ہے اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اُس پر کوئی

اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ⑦ ع ۷

نشانی اس کے رب سے، تو تو ڈر سنانے والا ہے اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ بتانے والا۔

منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ... الٰی ... اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ⑦﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں توحید کا مضمون تھا اب ان آیات میں منکرین نبوت کے تین شبہات کے جوابات مع وعید وتہدید ذکر کرتے ہیں وہ تین شبہے یہ تھے: (اوّل) وہ بعث اور حشر ونشر کو محال سمجھتے تھے اور اس سے نفیِ نبوت پر استدلال کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ایک محال اور ناممکن کی خبر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۚ﴿۷﴾ اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ﴾ (سباء)

(دوسرا) شبہ یہ تھا کہ اگر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نبی ہیں تو آپ کے منکرین اور مکذبین پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:
﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (الانفال)
(تیسرا) شبہ یہ تھا کہ جن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ معجزات کیوں ظاہر نہیں کرتے حق تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے ان تینوں شبہات کا جواب دیا ہے جو نبوت کے متعلق تھے پہلے شبہ کا جواب ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ سے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا یہ لوگ مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس پروردگار کی قدرت اس قدر بڑی ہے کہ وہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے اس کے لیے مردہ کا دوبارہ پیدا کرنا کیا بڑی بات ہے حشر ونشر کے منکر خدا کے باغی ہیں ان باغیوں کا انجام یہ ہوگا کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

جو شخص حشر اجساد کا قائل نہیں وہ درحقیقت خدا کی ربوبیت اور قدرت کا منکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ﴾ فلاسفہ حق تعالیٰ کو فاعل بالاختیار اور قادر مختار نہیں سمجھتے بلکہ خدا کو واجب بالذات اور موجب بالذات سمجھتے ہیں ان کے نزدیک خدا تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر بھی ہے تو اس کی قدرت ناقص اور ناتمام ہے فلاسفہ کے نزدیک خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بلا واسطہ والدین کے کسی حیوان کو پیدا کرسکے ان کے نزدیک ایجاد کے لیے تاثیر طبیعت اور تاثیر افلاک اور تاثیر کواکب ونجوم ضروری ہے اور فلاسفہ تو خدا کے علم کے بھی قائل نہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا تو علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا علم نہیں معاذ اللہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کو معلوم نہیں کہ کون اس کا مطیع وفرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔

غرض یہ کہ فلاسفہ بھی حشر ونشر کے قائل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاسفہ خدا کی قدرت اور علم کے قائل نہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ﴾ کا یہ مطلب ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حلیم و کریم ہے عذاب اور مؤاخذہ میں جلدی نہیں کرتا مگر جب عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں پہلی اُمتوں کے حال سے عبرت پکڑیں اور عذاب کی تاخیر سے دھوکہ میں نہ پڑیں عذاب کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ حلم وکرم کی وجہ سے ہے۔

اور تیسرے شبہے کا جواب ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...الخ﴾ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ لغو اور مہمل ہے، محض عناد پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے صدہا معجزات ظاہر فرمائے مگر یہ لوگ عنادی اور ضدی ہیں جو معجزہ انہیں دکھایا جاتا ہے اسے جادو کہہ دیتے ہیں اور نئے معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اس لیے ان کی ہر ہر بات پر معجزہ دکھانا بالکل عبث ہے ان آیات کی تفسیر پڑھیے۔

پہلے شبہ کا جواب:

﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ... الی ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

اور اگر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کسی شئے سے تعجب کریں یا انکار اور ایمان نہ لانے سے تعجب کریں تو سب سے زیادہ عجیب ان کا یہ قول ہے کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آئیں گے حق تعالیٰ کی قدرت کو اور غرائب حکمت کو

دیکھ کر یہ کہنا کہ ہم از سرنو کیسے پیدا ہوں گے نہایت ہی عجیب ہے جو قادر و قیوم ان اجرامِ عظیمہ علویہ وسفلیہ کو پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ ایک انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

آنکہ پیدا ساختن کارش بود زندگی دادن چہ دشوار بود

یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے دلائلِ ربوبیت کا انکار کیا ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی ربوبیت کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی حشر اجساد کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور یہی دوزخی لوگ ہیں جو ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرے شبہ کا جواب:

﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ . . . الى . . . وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥﴾

اور اے نبی یہ کفار مکہ تجھ سے بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے برائی یعنی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر تو واقع میں نبی ہے اور ہم تجھ کو نہیں مانتے تو تو ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل کرا دیتا حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ اُمتوں پر کفر اور تکذیب ہی کی بناء پر عقوبتیں اور طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں اسی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تم کو چاہیے کہ پہلی اُمتوں کے حال بد سے عبرت پکڑو اور اس خیال میں نہ رہو کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اختیاری ہو اضطراری ایمان معتبر نہیں اور اللہ عذاب کے نازل کرنے میں اس لیے جلدی نہیں کرتا کہ بے شک تیرا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کے ظلم وستم کے بڑی بخشش والا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے وہ حلیم و کریم ہے فوراً نہیں پکڑتا۔

نہ گردن کشاں راںگیرد بفور

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا بھی ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن مجرم جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اس کو سخت پکڑتا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦﴾

اور یہ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی جو ہم چاہتے ہیں جو نشانیاں یہ دکھاتا ہے وہ کچھ نشانیاں نہیں اس سے ہماری تسکین نہیں ہوتی اے نبی! آپ ﷺ تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں معجزات کے مالک اور مختار نہیں۔ آپ ﷺ کا کام تو کافروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا ہے اور ڈرانے والی نشانیاں آپ ﷺ سے بہت سی ظاہر ہو چکی ہیں اور یہ معاندین تو شق القمر جیسی نشانیاں کا بھی انکار کر چکے ہیں تو ان کو دوسری نشانیاں دکھانے سے کیا فائدہ اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے۔ اس طرح آپ ﷺ بھی اس زمانہ میں ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہادی کا کام راہنمائی اور خدا کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرانا ہے اور خدا نے آپ ﷺ کو بڑے بڑے نشانات دیئے ہیں اور دعویٰ نبوت کے اثبات کے لیے مطلق دلیل اور مطلق معجزہ کافی ہے فرمائشی معجزہ ضروری نہیں کفار ایسی نشانی مانگتے ہیں جسے دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے حق تعالیٰ نے ایسے معجزات دینے سے انکار فرما دیا کفار کے شبہ کا منشاء یہ تھا کہ وہ قرآن کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ قرآنِ کریم کو آنحضرت ﷺ کی تصنیف سمجھتے

تھے ان کا گمان یہ تھا کہ معجزات تو وہ ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئے۔ اس لیے کافر یہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا تھا۔

کفار کا یہ شبہ لغو اور مہمل تھا اس لیے کہ ہر زمانہ میں اثباتِ نبوت کے لیے ایسے معجزات عطا کیے گئے جو اس زمانہ کے مناسب تھے اور ان کی نبوت کے اثبات کے لیے کافی اور وافی تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا زور تھا اس لیے ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا کیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لیے ان کو احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ عطا کیا گیا جس سے تمام اطباء عالم عاجز ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمی معجزہ یعنی قرآنِ کریم عطا کیا گیا جو لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی علوم و معارف کے اعتبار سے معجزہ تھا اور علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدہا معجزات صادر ہوئے جو عصا اور ید بیضاء کے مثل یا اس سے بڑھ کر تھے مثلاً شق القمر اور عروج سماوات اور ستون حنانہ کا رونا اور انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور تھوڑی چیز سے ایک لشکرِ عظیم اور جماعت عظیم کا سیر اور سیراب ہونا۔

اس قسم کے بے شمار معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے اور کفار نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر عناد کی بناء پر ان سب کو جادو کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کرنے سے انکار فرما دیا اور بتلا دیا کہ جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ دیئے گئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں تمہاری منہ مانگی نشانیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آئندہ جو معجزہ ظاہر کیا جائے اس کو بھی جادو کہہ کر ٹلا دیں جیسا کہ اب تک کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ
اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں ہے رکھتی ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں

وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡکَبِیۡرُ
اور ہر چیز کو ہے اس پاس گنتی جاننے والا چھپے اور کھلے کا سب سے بڑا

الۡمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَہَرَ بِہٖ وَ مَنۡ
اُوپر برابر ہے تم میں سے جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو

ہُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّیۡلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّہَارِ ﴿۱۰﴾ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ
چھپ رہا ہے رات میں اور گلیوں پھرتا ہے دن کو اس کے پھیری والے ہیں بندے کے

یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ
آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں اللہ کے حکم سے اللہ نہیں بدلتا جو ہے

مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا

کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو اپنے جی ہے، اور جب چاہے اللہ کسی قوم پر برائی،

فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ

پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار وہی ہے کہ تم کو دکھاتا ہے

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ

بجلی ڈر کو اور اُمید کو اور اُٹھاتا ہے بدلیاں بھاری اور پڑھتی ہے گرج

بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ

خوبیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے اور بھیجتا ہے کڑاکے، پھر ڈالتا ہے

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ؕ

جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

اسی کو پکارنا سچ ہے اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں پہنچتے اُن کے کام

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ

پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اور جتنی پکار ہے منکروں کی سب بھٹکتی ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ قُلْ

و زمین میں خوشی سے اور زور سے، اور اُن کی پرچھائیاں صبح اور شام پوچھ

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ

کون ہے رب آسمان و زمین کا ؟ کہہ اللہ کہہ پھر تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا

أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

حمایتی ؟ جو مالک نہیں اپنے بھلے بُرے کے کہہ کوئی برابر ہوتا ہے

الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا

اندھا اور دیکھتا یا کہیں برابر اندھیرا اور اُجالا یا ٹھہرائے ہیں اُنہوں نے

لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ

اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے پھر مل گئی پیدائش ان کی نظر میں کہہ اللہ ہے بنانے والا

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست۔

رجوع برائے مضمون توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى ... الٰى ... وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منکرین نبوت اور منکرین بعث بعد الموت کے شبہات کا جواب تھا اور اس سے قبل توحید کا مضمون تھا۔ اب پھر توحید ہی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اس ذیل میں اوّل حق تعالیٰ نے اپنا عالم بجمیع معلومات ہونا بیان کیا چنانچہ ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ ... الخ﴾ سے اپنا وسیع العلم ہونا بیان کیا کہ اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بعد ازاں اپنا حافظ خلق اور رقیب ہونا بیان کیا چنانچہ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ﴾ سے یہ بتلا دیا کہ وہی تمام مخلوق کا محافظ اور نگہبان ہے بعد ازاں ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ ... الخ﴾ سے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان کیں تاکہ اس کا عظیم الشان ہونا ظاہر ہو اور اس آیت ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ﴾ میں ایسے دلائل قدرت اور حکمت کا ذکر فرمایا کہ جو من وجہ نعمت اور رحمت ہیں اور من وجہ نقمت اور زحمت ہیں تاکہ رغبت اور رہبت دونوں ہی میں معین اور مددگار ہوں پھر قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کے بعد فرمایا ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ یعنی وہی معبود برحق ہے جس کی یہ قدرت ہے اور وہی لائق عبادت ہے کیونکہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اس کے سوا کسی کی پرستش سے نفع اور ضرر کی امید رکھنا بے کار ہے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کے من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ اے پانی کسی طرح تو میرے منہ میں پہنچ جا پھر یہ بتایا کہ بینا اور نابینا اور ظلمت اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکارِ بعث اور انکارِ حشر ونشر کا ذکر تھا جس کا منشا یہ تھا کہ جب انسان مرکر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے اجزاء منتشر اور متفرق ہو گئے اور ایک دوسرے سے رل مل گئے اور باہمی امتیاز بھی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے اس کی تردید کے لیے ان آیات میں اپنے احاطۂ علمی اور کمال قدرت کو بیان کیا تاکہ عقلی طور پر حشر و

نشر کا امکان واضح ہو جائے کہ جس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کو اور تمام اجزاء اور ذرّات کو خوب جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ اجزاء کس جسم اور کس بدن کے ہیں اس کو زید اور عمرو ہر ایک کے اجزاء الگ الگ معلوم ہیں وہ اپنے علم اور قدرت سے ان اجزاء کو پھر اسی طرح جوڑ سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے جوڑا تھا۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۸ جلد ۵)

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہے یعنی یہ بات کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ، وہ ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور حالت حمل میں یہ بھی مقدر ہو جاتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا اور باوجود معجزات کے دیکھنے کے پھر بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا اس تقریر سے آیت کا ماقبل سے ارتباط ظاہر ہو جائے گا اور رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں اور بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہوگا اور ہر شئے اس کے یہاں مقدار معین کے ساتھ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ اور ہر شئے کی کمیّت اور کیفیت اسی کو پورے طور پر معلوم ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے کیا مقدر کیا ہے اور ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اور ہر چیز کی عدم سے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کے علم میں مقدار معین ہے وہ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں وہ سب سے بڑا اور بلند ہے ہر شئے اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں تم میں سے جو شخص چھپا کر اپنے دل میں بات کہے اور جو اس کو پکار کر کہے اور جو شخص رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے اور جو دن میں چل رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں رات دن اس کے حضور میں یکساں ہیں اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اس کو ہر جسم اور ہر بدن کے اجزاء کا پورا پورا اور علیحدہ علیحدہ علم ہے مرنے کے بعد جب اجزائے بدن متفرق اور منتشر ہو گئے تو تمہاری نظر میں اگرچہ ان اجزائے متفرقہ میں امتیاز نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں سب ممتاز اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اس کو معلوم ہے کہ یہ مذکر کا جزو ہے یا مؤنث کا جزو ہے اور اجزاء منی کے متعلق اس کو پورا علم ہے کہ یہ جزو سر کا ہے یا پیر کا ہے حالت حمل میں بھی بچہ کے تمام اجزاء کا اس کو علم ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ مرنے اور گلنے سڑنے کے بعد بھی اس پر کسی جزو کا علم پوشیدہ نہیں جس طرح اسنے اپنے علم وقدرت سے پانی اور مٹی کے متفرق اجزاء کو جوڑ کر انسان پیدا کیا اسی طرح وہ توڑنے کے بعد پھر بھی جوڑنے پر قادر ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کو بیان کیا کہ وہ عالم الغیب ہے اور ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ خداوند ذوالجلال حفیظ ورقیب بھی ہے تمام عالم کا محافظ اور نگہبان ہے۔ چنانچہ ہر آدمی کے لیے خواہ مؤمن ہو یا کافر اللہ کی طرف سے پہرہ دار فرشتے مقرر ہیں جو باری باری سے آنے والے ہیں اور بندہ کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم کے مطابق آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتے ہیں یہ فرشتے چونکہ یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اس لیے ان کو معقّبات کہتے ہیں یہ فرشتے انسان کی ہر درندہ اور موذی جانور سے حفاظت کرتے ہیں اور جب اللہ کی تقدیر آتی ہے کہ آدمی کو کوئی گزند پہنچے تو یہ فرشتے تھوڑی دیر کے لیے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں پھر بدستور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں ان فرشتوں کو حفظۃ بھی کہتے ہیں اور بظاہر یہ فرشتے کراماً کاتبین کے سوا ہیں جن کا کام بندہ کے اقوال وافعال کو لکھنا ہے کتابت اعمال کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں یہ ساری عمر بندہ کے ساتھ رہتے ہیں بدلتے نہیں اور کراماً کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں دن کے محافظ علیحدہ ہیں اور رات کے محافظ علیحدہ ہیں جو انسان کی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے سے حفاظت کرتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی ص ۱۰۱ جلد ۱۳ اور روح البیان ص ۳۵۰ جلد ۴)

کراماً کاتبین بندہ کے اعمال کے نگہبان ہیں اور وہ دو ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴾ یہ دو فرشتے انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ان دو کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ پانچ فرشتے ہیں اور بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا بیس۔ (واللہ اعلم)

فائدہ: حق جل شانہ، نے اس عالم کو عالمِ اسباب بنایا ہے ہر چیز کے لیے ظاہر میں ایک سبب ظاہری پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع بھی پیدا کیے ہیں جن کو ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں انہی باطنی اسباب میں یہ ملائکہ و معقبات ہیں جو ہماری حفاظت کا ایک باطنی سبب ہیں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہم سے بلائیں دفع کرنے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے مؤمن کا کام یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لائے جیسے کہ ہم کراماً کاتبین کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ ہمیں ان کے قلم اور کاغذ اور روشنائی اور کتابت کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے۔ (روح المعانی ص ١٠٢ ج ١٣)

یہ تو بندوں کے سامانِ حفاظت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو ان سے بلائیں دفع کرتے ہیں اب آگے ان آفتوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بداعمالیوں کی وجہ سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس معاملہ کو جو کسی قوم کے ساتھ ہو جب تک وہ خود اپنے دِلوں کی حالت کو نہ بدلیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ مہربانی اور نگہبانی اور نعمت اور عافیت سے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں جب وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور بجائے شکرِ نعمت کے کفرانِ نعمت اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تب اللہ کی طرف سے آفت اور مصیبت آتی ہے جب تم اللہ کے ساتھ غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہو تو اللہ بھی غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہیں بندے جب اپنی حالت بدل دیتے ہیں کہ بجائے طاعت کے معصیت کرنے لگتے ہیں تو اللہ بھی ان سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر فسق و فجور اور بدکاری شائع ہو جائے تو وہ قوم چند روز میں تباہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے اور جب اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے ساتھ برائی کا یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بوجہ بدنیتی اور بداعمالی اپنی نعمت چھین کر ان کی ذلت و خواری کا ارادہ فرمائیں تو پھر وہ برائی اور بلا کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کر سکے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور بُرائی سے ہلاکت اور آفت مراد ہے وہ وہ ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے بجلی جب چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی اُمید کرتے ہیں اور اس کے گرنے سے ڈرتے بھی ہیں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتوں کا جمع ہونا خدا کی کمال قدرت کی دلیل ہے گویا کہ ایک ہی شئے نعمت بھی ہے اور عذاب اور مصیبت بھی۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے ایک ہی شئے میں اپنا لطف اور قہر دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا اور "برق" اس نور لامع اور ساطع کو کہتے ہیں جو اَبر کے درمیان سے چمکتا ہے اور وہ ہی اپنی قدرت سے ہوا میں بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے جو ہزاروں ٹن پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور مجال نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے کسی جگہ برس جائیں اور نہ کسی کی یہ مجال کہ ان بادلوں میں سے پانی ضرورت کے موافق پانی کا ایک قطرہ لے سکے اور گرج حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں فرشتوں کا تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کی عظمت و جلال کو بیان کرنا بظاہر ایک معقول امر ہے مگر رعد یعنی

(گرج) کا بظاہر تسبیح وتحمید کرنا قابلِ غور معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بعض علماء اِس طرف چلے گئے کہ گرج کی تسبیح وتحمید کا مطلب یہ ہے کہ گرج سے خدا کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے جس کو سُن کر اہل عرفان کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ اور الحمدللہ نکل جاتا ہے۔ اس مطلب کا حاصل یہ ہے کہ تسبیح کی اسناد رعد کی طرف مجازی ہے اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو سحاب (بادل) پر مقرر ہے پس اگر رعد ایک فرشتہ کا نام ہے تو پھر اس کی تسبیح وتحمید میں کوئی استبعاد نہیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کی تسبیح پڑھنے کی آواز ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے اور اس وقت تسبیح پڑھتا ہے جسے عوام الناس بادل کی آواز سمجھتے ہیں ورنہ در حقیقت یہ آواز اس کی تسبیح کی ہے اور اس فرشتے کے ہاتھ میں آتشی تازیانہ ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اس سے جو چمک ظاہر ہوتی ہے وہ برق (بجلی) ہے اور وہ کوڑا جس سے ابر کو مارتا ہے اس کی آواز رعد ہے اور صاعقہ ایک آگ ہے جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے جب نیچے آتی ہے تو جس چیز پر گرتی ہے تو اس کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور محققین یہ فرماتے ہیں کہ اگر رعد محض آواز کا نام بھی ہو تب بھی تسبیح و تحمید کی اسناد اس طرف حقیقی ہے اگرچہ وہ ہمارے فہم میں نہ آئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) یعنی کوئی شئے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو مگر اے بنی آدم تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور باقی لوگ نہیں سمجھتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں ہر چیز کی ایک خاص حقیقت ہے جیسے نماز اور روزہ اور قراءت قرآن اور سورۂ بقرہ وآلِ عمران وغیرہ وغیرہ ہمارے اعتبار سے یہ تمام چیزیں اعراض اور غیر قائم بنفسہٖ ہیں لیکن اصل حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح سمجھو کہ رعد ہمارے اعتبار سے اگرچہ محض ایک آواز ہو لیکن بارگاہِ خداوندی میں اس کی کوئی پوشیدہ حقیقت ہو فرشتہ ہو یا کوئی شئے ہو اور وہ حقیقتاً خدا کی تسبیح وتحمید کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے گو ہماری فہم میں نہ آئے پس جان لینا چاہیے کہ گرج کی یہ آواز جو ہماری سمجھ میں خالی آواز معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت سبحان اللہ وبحمدہٖ کے معنی رکھتی ہے اور تسبیح پڑھنے والی چیز درحقیقت رعد ہے۔ پس مسلمان کا کام یہ ہے کہ زیادہ تحقیق میں نہ پڑے اللہ اور اس کے رسول نے جو فرما دیا اس کو تسلیم کرے اور جو غیر مسلم ہے وہ ان باتوں کو کسی طرح بھی ماننے والا نہیں اُس عالم کے احوال کو اِس عالم کے احوال پر قیاس کرنا سراسر نادانی ہے اور جس خبر اور اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور جو آواز سنائی دیتی ہے وہ فرشتہ کی آواز ہوتی ہے سو یہ خبر اگرچہ آحاد میں سے ہے متواتر اور قطعی نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت نہ کی جائے اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے عقلاً یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کر کے بارش کا انتظام اس کے سپرد کیا ہو اور اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہو جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اور یہ رعد اس فرشتہ کی آواز ہو اور یہ برق اس کے کوڑے کی شراروں کی چمک ہو۔ (وَاللہُ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلمُ)

غرض یہ کہ رعد اور برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جس سے بندوں کو ڈراتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے دشمن اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا، وہ متکبر بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ بکے تو فوراً ایک بادل

اُٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب قدرت کی اِن بڑی بڑی نشانیوں کو بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں: خدائے برحق ہی کے لیے سزاوار ہے سچی دُعا اور پکار یعنی اس سے دُعا مانگنا اور اسی کا یاد رکھنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ دُعاؤں کو سُنتا ہے اور حاجت روا ہے اور جو لوگ اس کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہیں وہ معبودان کو ان کی پکار کا کچھ جواب نہیں دے سکتے ان کا پکارنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تا کہ وہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں کیونکہ پانی جماد ہے بے حس ہے اور بے شعور ہے اور نہ اسے ہاتھ پھیلانے والے کی خبر، نہ اس کی پیاس کی خبر اور نہ اس میں یہ قدرت کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے سکے، بعینہ یہ مثال مشرکوں اور ان کے معبودوں کی ہے ان کے معبود نہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اور نہ یہ ان کو جواب دے سکتے ہیں غرض مشرکوں کا بتوں کو پکارنا محض بے سود ہے اور کافروں کی اپنے بتوں کو جس قدر بھی پکار ہے وہ سب بے کار ہے بتوں کو پکارنا یہ دعوت جہالت وضلالت ہے جو مفضی الی الهلاکت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا ہی کی پرستش ٹھیک ہے اور اس کے غیر کی پرستش بالکل رائیگاں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کے پاس جا کر اس بات کا منتظر رہے کہ یہ پانی میرے منہ میں آ جائے حالانکہ وہ کبھی آپ سے آنے والا نہیں اس طرح غیر اللہ کی پرستش سے جو لوگ نفع کے اُمیدوار ہیں ان کی اُمید کبھی بر آنے والی نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے خیال ہیں اور بعضے جن ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں لیکن اپنے خواص کے مالک نہیں پھر کیا حاصل ان کا پکارنا جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں یہ اس کی مثال فرمائی (انتہیٰ)۔

اس کے بعد پھر حق تعالیٰ اپنی عظمت اور کبریائی کو بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی مسخر ہے اور اس کے سامنے ذلیل وخوار ہے اور غیر اللہ کی پرستش عقلاً اس لیے بھی بے کار ہے کہ تمام کائنات اللہ کے سامنے سربسجود ہے کیونکہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے، کوئی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتا ہے اور جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور ان زمین والوں کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں یعنی سائے بھی خدا کے حکم بردار ہیں جب گھٹاتا ہے گھٹ جاتے ہیں اور جب بڑھاتا ہے تو بڑھ جاتے ہیں اور سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا صبح اور شام کے اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور کائنات کا یہ سجدہ اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر دیتا ہے زجاج کہتے ہیں کہ کافر تو غیر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر ان کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلال کے لیے عقول اور افہام پیدا کر دے جس سے وہ اللہ کو سجدہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو فہم دیا اور وہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح سمجھو کہ مؤمن کا سایہ اللہ کو طوعاً سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ کرہاً سجدہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۹۸ ج ۵)

فائدہ ①: انسانی سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں اور انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کا سجدہ ان کے لائق اور مناسب ہے۔

فائدہ ②: یہ سجدہ عزائم سجود میں سے ہے اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

یہاں تک توحید کی حقانیت اور مشرک کا بطلان واضح ہوگیا اب بطور اتمام حجت ان سے سوالات کا حکم دیا جاتا ہے اے نبیؐ! آپ ﷺ ان مشرکوں سے جو خدا کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں پوچھئے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا یعنی ان کا مدبر اور خالق کون ہے جو ان کو قائم رکھنے والا اور ان کے وجود کو تھامنے والا ہے اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے اس لیے آپ جواب میں کہہ دیجیے کہ اللہ ہے یعنی آپ اِن کے جواب کا انتظار نہ فرمایئے خود ہی کہہ دیجیے کہ اللہ ہے اس سوال کا صرف یہ ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اس لیے ان کے جواب کا آپ انتظار نہ کیجیے نیز وہ خود بھی خدا کے خالق اور مالک اور مدبّر ہونے کے منکر نہیں اے نبیؐ! ان مشرکوں سے پوچھئے کہ کیا پس اقرار و اعتراف کے بعد تم نے اللہ کے سوا کارساز پکڑے ہیں جو اپنی ذاتوں کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو غیر کی کیا مدد کریں گے پوچھیے کیا اندھا یعنی مشرک اور بینا یعنی مؤمن برابر ہے یا کفر وشرک کی تاریکیاں اور ایمان کی روشنی برابر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور بینا اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں اسی طرح مؤمن اور کافر اور ایمان اور کفر برابر نہیں مؤمن بینا ہے وہ راہِ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے اس کو راہ حق دکھائی نہیں دیتی کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا پھر اس وجہ سے پیدائش ان کی نظر میں مشتبہ ہوگئی اور شبہ میں پڑ گئے کہ یہ بھی خالق ہے وہ بھی خالق ہیں ہم کس کو معبود مانیں۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ان معبودوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے جس سے تم پر اللہ کی مخلوق اور غیر اللہ کی مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے اس لیے تم نے ان کو اللہ کا شریک اور ساجھی بنالیا اور اس اشتباہ کی وجہ سے تم نے غلطی سے کسی چیز کو خالق مان لیا اگر ایسا ہوتا تو ایک حد تک معذور ہوسکتے تھے لیکن جب یہ بات بھی نہیں تو پھر کیا آفت آئی کہ شرک کی بلا میں گرفتار ہوئے یعنی یہ بات تو نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہوئے ہیں اگر مخلوقات عالم مین ذرا غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے۔ اس لیے اے نبیؐ! آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہوسکتا۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ

اُتارا آسمان سے پانی، پھر بھرے نالے اپنے اپنے موافق، پھر اوپر لایا وہ نالا

زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ

جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا

اسباب کے اس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یوں ٹھہراتا ہے اللہ صحیح اور غلط سو وہ جو

الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو رہتا ہے زمین میں

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں۔

مثال حق وباطل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا . . . الی . . . يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کو اندھوں سے اور مسلمانوں کو بینا سے اور کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے تشبیہ دی اب ان آیات میں حق وباطل کی دو ۲ مثالیں بیان فرماتے ہیں ایک پانی کی اور ایک آگ کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پہلی مثال:

اس واحد قہار نے آسمانوں سے پانی اتارا پھر نالے اس پانی سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑے یعنی پانی تو آسمان سے یکساں بَرسا مگر ہر نالے میں بقدر اس کی وسعت اور عمق کے سمایا اسی طرح آسمان سے قرآن کریم نازل ہوا اور قلوب کی زمینوں نے بقدر اپنی صلاحیت اور وسعت کے اس آسمانی بارانِ رحمت کا اثر قبول کیا اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اور موافق فیض لیتا ہے جیسے ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی لیتی ہے پھر اٹھایا اس سیلاب کے پانی نے اپنے اوپر ایک پھولا ہوا جھاگ۔ سیلاب میں دو چیزیں ہوتی ہے ایک خالص پانی اور دوسرا میل کچیل اور جھاگ یہ اوپر ہوتا ہے اور خالص پانی نیچے دبا ہوتا ہے۔ پس اسی طرح سمجھو کہ حق خالص پانی کی طرح ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے اور باطل مثل جھاگ کے ہے کسی وقت باطل حق کو دبا بھی لیتا ہے لیکن باطل کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے تھوڑے سے جوش وخروش کے بعد اس کا نام ونشان بھی نہیں رہتا اور اصل کارآمد چیز یعنی حق اور صداقت کا آب حیات وہ باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال:

اور حق وباطل کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس دھات کو زیور بنانے کے لیے یا اور کوئی چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اور پگھلاتے ہیں تو اصلی دھات سونا اور چاندی تو نیچے رہ جاتا ہے اور ویسا ہی جھاگ اور میل کچیل اوپر آجاتا ہے جو محض بے کار ہے اور اصلی سونا چاندی اس جھاگ کے نیچے دبا ہوا ہے اس طرح حق تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتے ہیں بہرحال جو کف اور جھاگ ہے وہ تو خشک ہوکر چلا جاتا ہے اسی طرح باطل اگر کسی وقت حق پر غالب بھی آجائے تو اس کو ثبات اور قرار نہیں اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص جوہر وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے یعنی اس کو قرار اور ثبات ہے اسی طرح دین حق کو قرار وثبات ہے وہ باقی رہ جاتا ہے اور باطل جو مثل جھاگ کے ہے وہ مٹ جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ باطل کے ظاہری اور عارضی اور چند روزہ غلبہ سے شبہ میں نہ پڑیں حق صاف وشفاف پانی یا اصلی جوہر کے مشابہ ہے اور باطل مثل میل کچیل کے ہے اگرچہ ظاہر میں وہ اصلی جوہر سے اونچا نظر آتا ہے مگر بہت جلد فنا ہوجاتا ہے یا پھینک دیا جاتا ہے۔

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے توحید اور شرک کا مقابلہ بیان کیا تھا۔ اب ان آیات میں دو مثالوں سے حق اور باطل کے مقابلہ

کی کیفیت بیان فرمادی اور آئندہ آیات میں دونوں کا انجام کھول کر بیان کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ

جنہوں نے مانا ہے اپنے رب کا حکم ان کو بھلائی ہے اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا،

لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ

اگر ان کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے برابر ساتھ اس کے سب دیں اپنی چھڑوائی میں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع ۱۱ ۲ ۸

ان لوگوں کو ہے برا حساب اور ٹھکانہ اُن کا دوزخ ہے اور بری ہے تیاری

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے تحقیق ہے برابر ہوگا اس کے جو اندھا ہے؟ وہی

يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ جو پورا کرتے ہیں قرار اللہ کا، اور نہیں توڑتے

الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ

اقرار اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا اور وہ جو ثابت رہے، چاہتے توجہ

رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ

اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے چھپے اور کھلے، اور

يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ

کرتے ہیں برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کا ہے پچھلا گھر باغ ہیں

عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ

رہنے کے داخل ہوں گے ان میں اور وہ جو نیک ہوئے اُن کے باپ دادوں اور جوروؤں میں اور اولاد میں

وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۚ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ

اور فرشتے آتے ہیں ان پاس ہر دروازے سے کہتے ہیں سلامتی تم پر

بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ؕ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ

بدلے اس کے کہ تم ثابت رہے سو خوب ملا پچھلا گھر اور جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا

مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ

اس کو پکا کر کر اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا اللہ نے اس کو جوڑنا اور فساد اُٹھاتے ہیں

فِى الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

ملک میں ایسے لوگ اُن کو ہے لعنت، اور ان کو ہے بُرا گھر

ذکر حال و مآل محقین و مبطلین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لِلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمُ الۡحُسۡنٰى ۔۔۔ الٰی ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی۔ اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعداء کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت حق کو قبول نہیں کیا یہ گروہ اشقیاء کا ہے ان آیات میں اخلاق واعمال کے اعتبار سے سُعداء اور اشقیاء کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اوّل اہلِ حق کے فضائل وشمائل اور ان کے اُخروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حق اور اہل سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری وباطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو آبِ ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شبہات اور وساوس کا جو میل وکچیل اور خس وخاشاک اس میں باہر سے آگا تھا۔ اب اس کو ہدایت کے اُوپر سے اُتار کر پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے

آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آبِ حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر اِن کے پاس وہ سب کچھ مال و متاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرض محال ہو بھی تو قبول کہاں ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوت حق کو قبول کریں اور ان کے عقائدِ فاسدہ اور اعمال کاسدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اُڑ جائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے بُرا حساب ہوگا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہوگا اور ذرہ ذرہ پر مؤاخذہ اور باز پرس ہوگی جس کو دوسری آیت میں حساب عَسیر فرمایا اور حساب کے بعد ان کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے اور وہ بہت بُری خواب گاہ ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کورا ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مؤمن بینا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اس لیے اب آئندہ بینا (مومن) اور نابینا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں۔ کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو نابینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ ... الآیۃ (الحشر: ۲۰) جزایں نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شوائب وہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوا الالباب وہ لوگ ہیں جو پند پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

صفاتِ اہلِ عقل

اب آئندہ آیات میں اہل عقل کی صفات کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ عقل تو دل کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کا اندازہ صفات ہی سے ہو سکتا ہے کہ اندر عقل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجہ کی ہے۔

(وصف اوّل) اولوا الالباب وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے عہد ربوبیت کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے روزِ میثاق اللہ سے باندھا تھا۔

(وصف دوم) اور عہد کو توڑتے نہیں یعنی نافرمانی سے باز رہتے ہیں۔

(وصف سوم) اور جن علاقوں کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو ملاتے اور جوڑتے ہیں یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے ہیں۔

(وصف چہارم) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی فعل ہم سے خلاف عہد سرزد نہ ہو جائے۔

(وصف پنجم) اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے یعنی سخت محاسبہ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ جس سے حساب میں مناقشہ اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوا۔

(وصف ششم) اور جن لوگوں نے محض اپنے پروردگار کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جادۂ طاعت پر قائم رہنے میں صبر کیا یعنی شرائع عبودیت کی پابندی کی اور بوجہ مخالفت نفس جو مشقت پیش آئی اس کا تحمل کیا۔

(وصف ہفتم) اور ٹھیک وقت اور ٹھیک آداب کے ساتھ نماز کو ادا کیا۔

(وصف ہشتم ونہم) اور جو مال ومنال اور علم اور فضل وکمال ہم نے ان کو دیا اس میں سے کبھی پوشیدہ اور کبھی ظاہر جیسا موقع ہوا خرچ کیا۔

(وصف دہم) اور وہ بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور سیئہ کی ظلمت کو حسنہ کے نور سے زائل کر دیتے ہیں دیکھ لو عقل مند ایسے ہوتے ہیں۔

بدی رابدی سہل باشد جزاء
اگر مردی اَحسن اِلیٰ من اَساء

ایسے ہی عقل مندوں کے لیے دارِ آخرت ہے یعنی ان کے لیے خلود اور بقاء کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء واجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد جو نیک ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ان باغات میں داخل ہوں گے اگر چہ ان کے اعمال اولوا الالباب جیسے نہ ہوں مگر معاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوگا۔ یہ اولوا الالباب کی خاص کرامت ہے کہ ان کے طفیل میں ان کے قریبی رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے اگر چہ ان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان اور ایقان ٹھیک ہو اور درست ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ﴾ (الطور:۲۱) اور فرشتے ان پر جنت کے ہر دروازے سے مبارک باد دینے کے لیے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا یعنی دین حق پر قائم رہے اور ثابت قدم رہے۔ پس کیا ہی اچھا ہے دارِ آخرت جو تمام آفاتِ ظاہری اور باطنی سے سالم اور محفوظ ہے یہ جملہ دارِ آخرت کی ترغیب اور تشویق کے لیے ذکر فرمایا ہے یہاں تک تو اہل جنت اور سعداء کی صفت وکرامت کا بیان ہوا اب اس کے بالمقابل اشقیاء اور کافروں کی خرابیاں اور ان کے بُرے اعمال کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ نابینا اور نادان اور عقل سے کورے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کی مضبوطی کے اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ہر معصیت فتنہ اور فساد ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک ہے ایسے ہی بدعقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے جس کے مقابلہ میں یہ دنیا ان کے لیے بہشت ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے ﴿سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ﴾ اور اسی طرح حضرت ابو بکر اور عمر وعثمان رضی اللہ عنہم بھی کہا کرتے تھے بہر حال ان آیات میں بدبختوں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبر دی کہ ان کا حال اور مآل اہل ایمان کے بالکل برعکس ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ اور وہ ریجھے ہیں دنیا کی زندگی

اَلدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ ع ۳/۸/۹

پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا برتنا۔

جواب از شبہ عدم مبغوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیاوی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ ... الی ... اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کا ملعون ومغضوب ہونا بیان کیا چونکہ اکثر کفار دنیوی مال ودولت اور ظاہری عزت وراحت کے اعتبار سے خوش حال تھے اس لیے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر کفار خدا کے نزدیک ملعون ومبغوض ہوتے تو ان پر دنیا میں رزق کی وسعت کیوں ہوتی تو اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ رزق کا کم یا زیادہ ہونا ایمان اور کفر پر موقوف نہیں ہم جسے چاہتے ہیں زیادہ رزق دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کم دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی عیش وعشرت کا کوئی اعتبار نہیں یہ تو چند روزہ ہے آخرت کا عیش جوابدی ہے کافر اس سے محروم رکھے جائیں گے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ آخرت میں ہوگا دنیا، دارِ امتحان ہے نہ کہ دارِ جزاء دنیا کی تنگی اور فراخی مقبول اور مردود ہونے کی دلیل نہیں بہت سے نیک اشخاص تنگدست ہوتے ہیں اور بہت سے اوباش عیش وعشرت میں ہیں رزق کی فراخی اور تنگی از راہِ حکمت ومصلحت ہے اور یہ کافر جس عیش وعشرت پر خوش ہو رہے ہیں وہ استدراج اور امہال ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ (المومنون:۵۵) لہٰذا کافروں کو چاہیے کہ اپنے مال وجاہ کو دیکھ کر مغرور نہ ہوں مال ودولت کی کثرت مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ استدراج اور ڈھیل ہے کہ جرم کا پیمانہ خوب لبریز ہو جائے اور جو کرنا ہے وہ دل کھول کر کرلیں پھر یک لخت ان کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔

بناداں آں چناں روزی رساند
که دانا اندراں حیراں بماند

اللہ تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کا کم اور زیادہ ہونا کفر اور ایمان پر موقوف نہیں اور کفار اترائے ہوئے ہیں دنیاوی زندگی پر اور اس کی عیش وعشرت پر اور ان کا یہ اترانا بالکل فضول ہے اس لیے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان حدیث میں ہے کہ:

"دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی۔" (رواہ الامام احمد)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝﴾ (النساء:۷۷)

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ اللہ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بچلاتا ہے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوا وہ یقین لائے اور

تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ ؕ

چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

جو یقین لائے اور کی نیکیاں خوبی ہے ان کو، اور اچھا ٹھکانہ

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ

اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ ہو چکی ہیں اس سے پہلے امتیں، تا سنا دے تو ان کو

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ

جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمٰن سے تو کہہ وہی رب میرا ہے

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی طرف آتا ہوں چھوٹ کر اور اگر کوئی قرآن ہوا

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ

ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ، یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین، یا بولے اس سے مُردے،

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ

بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ

اللہ راہ پر لاوے سب لوگ اور پہنچتا رہے گا منکروں کو اُن کے کیے

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ

پر کھڑکا یا اُترے گا نزدیک اُن کے گھر سے جب تک پہنچے وعدہ

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾ ع وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ ع٥ ١٠

اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے

قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ قف فَكَيْفَ كَانَ

آگے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر اُن کو پکڑا، تو کیسا تھا

عِقَابِ ﴿٣٢﴾

میرا بدلہ

رجوع بہ صحبت نبوت وبیان حال اہلِ سعادت واہلِ شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ . . . الی . . . فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ ﴾

ربط: اُوپر سے سلسلۂ کلام اہل حق اور اہل باطل کے بارے میں چلا آ رہا ہے اور اس سے قبل ﴿ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ﴾ میں نبوت کے متعلق مضمون تھا۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کافروں کا وہی سابق قول کہ محمد ﷺ پر ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا پھر نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ پر بہت سی آیات ظاہرہ اور معجزاتِ قاہرہ نازل کی ہیں لیکن ہدایت اور ضلال سب اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معجزات اور بینات تو بہت نازل کیے ہیں مگر تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق نہیں ہوتی تو میں کیا کروں باقی یہ ناممکن ہے کہ معجزات کا نازل ہونا تمہاری خواہشوں کے تابع ہو جائے بعد ازاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کا حال بیان فرمایا۔

اور یہ کافر لوگ آپ ﷺ کی نبوت پر طعن اور اعتراض کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں اُتاری گئی ﴿ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ (الانبیاء:۵) اے نبی! آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ بتاتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی نشانیاں تو بہت اُتاری گئی ہیں مگر خدا نے تم کو گمراہ کر دیا ہے کہ معجزات تمہارے سامنے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہ راست پر نہ آئے اللہ کی ہدایت اور توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ایسا شخص بلا معجزہ دیکھے ہوئے بھی ایمان لے آتا ہے کیونکہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے تسلی اور آرام پاتے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ جو دل حقیقت میں دل ہیں وہ

اللہ ہی کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ان کے لیے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانہ ہے سکون اور اطمینان دُنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ: لغت عرب میں طوبیٰ کے معنی نہایت درجہ کی خوشی اور شادمانی کے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کو ضرور نہیں کہ سب کو راہ پر لاوے یا نشانیاں بھیج کر ہر طرح ہدایت دے بلکہ یہی منظور ہے کہ کوئی بچلے کوئی راہ پاوے سو جس کے دل میں رجوع آئے نشان ہے کہ اس کو سوجھانا چاہا۔ (انتہیٰ)

اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں کہ جو نبوت و رسالت کو انوکھی چیز سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبروں کو ان کی اُمتوں کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ تو اِن کو وہ کتاب پڑھ کر سنادے کہ جو ہم نے تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور اللہ کی عظیم رحمت ہے ان کو چاہیے تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمٰن کے منکر ہیں اس لیے قرآن پر ایمان نہیں لاتے ان جاہلوں کو اللہ کا نام رحمٰن معلوم نہیں۔ چنانچہ ابوجہل ملعون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دُعا کرتے سنا یا اللہ، یا رحمان! تو اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا کہ اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو خدا کو پکارنے لگا ایک معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود پکڑ لیا ایک تو اللہ کو پکارتا ہے اور ایک رحمٰن کو پکارتا ہے ہم تو سوائے رحمان یمامہ (مسیلمہ کذاب) کے علاوہ اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے۔ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ وہ رحمٰن جس کے تم منکر ہو وہی میرا پروردگار ہے اور وہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی نام سے اسی ایک رب کو پکارتا ہوں ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور اگر کوئی کتاب الٰہی اس عالم میں ایسی ہوتی کہ جس کے سبب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین ہموار کر دی جاتی یا اس کے ذریعہ سے زمین شق کر دی جاتی کہ اس سے نہریں جاری ہو جاتیں یا اس کے ذریعے مردوں سے باتیں کرائی جاتیں کہ مردے اپنی قبروں میں بولتے یا اُٹھ کر قبر سے باہر آتے اور لوگوں سے باتیں کرتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے معجزات کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر قرآن کے ذریعے ان کے یہ فرمائشی معجزات بھی دے دیئے جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے خوب سمجھ لو کہ ایمان اور ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

فائدہ: اس آیت میں قرآن سے مطلق کتاب الٰہی مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں زبور پر بھی لفظ قرآن کا اطلاق کیا ہے۔

بعض مسلمانوں کو از راہِ شفقت و ترحم یہ خیال ہوا کہ کاش کہ کوئی بڑی نشانی اور یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے اس لیے ان کے جواب اور تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی کیا مسلمان ان کافروں کے ایمان سے نا اُمید نہیں ہوئے جو ایسے معجزات مانگتے ہیں جب کہ وہ جان چکے ہیں کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے تو اے مسلمانو! تم ان کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اللہ ہی کو ان کی ہدایت منظور نہیں پھر تم ان معاندین کی فکر میں کیوں لگے

ہو اور ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کافروں کو ان کی کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت جو ان کو ہلاتی رہے اور دھمکاتی رہے یا ان کے گھروں کے قریب ان کے گردونواح والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت پاویں اسی طرح مسلمانوں کے جہاد اور غزوات کا اور کافروں پر مصیبتوں اور آفات کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں اس لیے کہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ ان منکروں کو مہلت دی تاکہ دل کھول کر انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑالیں پھر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تب میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا پس سمجھ لو کہ میرا عذاب کیا ہوتا ہے اور کس طرح آتا ہے اس دنیاوی عذاب پر اخروی عذاب کو قیاس کر لو جو دارِ جزاء ہے جس درجہ کا عناد ہوگا اسی درجہ کی سزا ملے گی۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلمان چاہتے ہوں گے کہ ایک نشانی بڑی سی آوے تو کافر مسلمان ہو جاویں سو فرمایا اگر کسی قرآن سے یہ کام ہوتے تو البتہ اس سے پہلے ہوتے لیکن اختیار اللہ کا ہے اور خاطر جمع اسی پر چاہیے کہ اللہ نے نہیں چاہا اگر وہ چاہتا تو حکم کافی تھا لیکن کافر مسلمان یُوں ہوں گے کہ ان پر آفت پڑتی رہے گی ان پر پڑے یا ہمسایہ پر جب تک سارے عرب ایمان میں آجاویں وہ آفت یہ ہی تھی جہاد مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ (انتہیٰ)

اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

بھلا جو شخص لیے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اس کا کیا اور ٹھہرائے ہیں اللہ کے شریک

قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ

کہہ اُن کا نام لو یا اللہ کو جتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں یا کرتے ہو اُوپر اُوپر

الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

باتیں کوئی نہیں پر بھلے سو جھائے ہیں، منکروں کو اُن کے فریب اور روکے گئے ہیں راہ سے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ

اور جس کو بچلاوے اللہ سو کوئی نہیں اس کو بتانے والا اُن کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

میں اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
احوال جنت کا جو کہ وعدہ مِلا ہے ڈروالوں کو بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں
اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ
میوہ اس کا ہمیشہ ہے اور سایہ یہ بدلہ رہے اُن کا جو بچتے رہے اور بدلہ منکروں کا
النَّارُ ﴿۳۵﴾
آگ ہے۔

تقبیح وتشنیع اہل باطل وسزائے معاندین وجزائے مطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ ... الٰی ... وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ ﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں توحید کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل شرک کی تقبیح وتشنیع اور اہل ایمان اور اہل کفر کی جزاء وسزا کا ذکر فرماتے ہیں۔

پس کیا وہ ذات جو ہر شخص کے سر پر قائم ہے اور اس کی قیوم ہے اور اس کے تمام اعمال پر مطلع ہے ان کے بتوں کی مثل ہوسکتی ہے ہرگز نہیں یعنی کیا وہ ذات پاک جو ہر ایک کی حافظ اور نگہبان ہے اور لوگوں کے نیک اور بدعمل سے باخبر ہے کیا وہ ان بتوں کے برابر ہوسکتی ہے جو محض عاجز اور بے خبر ہیں ہرگز نہیں اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ ذرا ان شرکاء کا نام تو لو، دیکھیں کیسے ہیں ان میں کوئی صفت الوہیت کی بھی ہے یا نہیں اور اوپر جو خداوند قدوس کی صفات بیان کی گئی ہیں کیا کوئی حیادار ان پتھروں میں ان کا کوئی نام ونشان بتا سکتا ہے یا تم خدا کو اس چیز کے وجود سے مطلع کرتے ہو جس کے زمین میں ہونے کی اس کو خبر نہیں بفرض محال اگر زمین میں کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کو ضرور معلوم ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو اور اللہ کو اس کا علم نہ ہو اور زمین کی قید اس لیے لگائی کہ بت پرستوں نے جس قدر شرکاء ٹھہرائے ہوئے تھے وہ سب زمین میں ہی کے تھے یا بے سوچے سمجھے اور بے دلیل محض سرسری اور ظاہری بات کہتے ہو جس کی واقع میں کوئی حقیقت اور مصداق نہیں جیسے حبشی کا نام کافور رکھ لیا جائے۔ اس طرح تمام بتوں کو الٰہ کہنا بے معنی الفاظ ہیں تم نے محض اپنے خیال سے ان کو معبود ٹھہرا لیا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

﴿ اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ ﴾ (النجم)

بلکہ حق یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کافروں کے لیے ان کا مکروفریب ان کی نظروں میں آراستہ کردیا گیا یعنی ان کا کفروشرک محض ایک ملمع کاری ہے جس کو شیطان نے ان کی نظروں میں خوب صورت کر کے دکھلایا ہے، سب دھوکہ اور فریب ہے اور اسی ملمع کاری کی وجہ سے یہ لوگ سیدھے راستے سے روک دیئے گئے ہیں شیطان نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھلانے والا نہیں

ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں میوہ اس کا دائم ہے کبھی منقطع نہ ہوگا اور اس کا سایہ بھی دائم ہے وہ بھی منقطع نہ ہوگا جنت میں نہ سورج ہے نہ چاند اور نہ تاریکی لیکن دور دور تک سایہ پھیلا ہوا ہے یہ جنت جزاء ہے متقیوں کے لیے اور کافروں کی جزاء آگ ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اُترا تیری طرف اور بعضے فرقے

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ

نہیں مانتے اس کی بعضی بات کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے ساتھ

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَ

اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ اور اسی طرح اُتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں اور

لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ

اگر تو چلے اُن کے شوق پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا کوئی نہیں تیرا

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا ع ۵ ۱۱

اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا اور بھیجے ہیں ہم نے کتنے رسول تجھ سے آگے اور دی تھیں

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ

ان کو جو رُوئیں اور لڑکے اور نہ تھا کسی رسول کو کہ لے آوے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن

اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَ

سے ہر وعدہ ہے لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے

عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

اور اسی پاس ہے اصل کتاب اور یا کبھی دکھادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں اُن کو یا

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا
یا تجھ کو بھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا کیا نہیں دیکھتے؟
اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ
کہ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے
لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اُس کا حکم اور وہ شتاب لیتا ہے حساب اور فریب کر چکے ہیں اُن سے اگلے،
فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ
سو اللہ کے ہاتھ ہیں سب فریب جانتا ہے جو کماتا ہے ہر جی اور اب معلوم کریں گے منکر
لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ
کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر اور کہتے ہیں منکر تو بھیجا نہیں آیا کہہ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۱۲
اللہ بس ہے گواہ میرے تمہارے بیچ اور جس کو خبر ہے کتاب کی۔

خطاب بہ اہل کتاب در بارۂ نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ ... الی ... وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں یعنی ﴿وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ... الخ ... وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ میں نبوت کی بحث گزری، اب ان آیات میں اہل کتاب کی حالت اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار عرب آنحضرت ﷺ کی نبوت میں زیادہ یہ شبہات کیا کرتے تھے۔ ایک شبہ یہ تھا کہ پیغمبر کو تو فرشتوں کی طرح زن و فرزند سے اور علائق بشریہ سے پاک ہونا چاہیے۔ ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ﴾ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے جو نبی بھیجے گئے اور جن کی نبوت کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ وہ بھی اہل و عیال والے تھے۔ دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ جو ہماری خواہش کے مطابق معجزات نہیں دکھلا سکتے ﴿وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ﴾ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ یہ بات رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ ہماری تکذیب اور مخالفت پر جن مصائب اور آفات سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ ہم پر نازل کیوں

نہیں ہوتیں؟ ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ سے اس شبہ کا جواب دیا کہ خدا کے یہاں ہر شے کا وقت مقرر ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اس لفظ سے ان کے ایک اور شبہ کا اجمالاً جواب ہو گیا کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ تورات وانجیل کے احکام کا اور خود اپنی شریعت کے احکام کا نسخ جائز رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن خدائی کلام نہیں۔ پھر آئندہ آیت میں اسی جواب کی تفصیل فرمائی: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ کہ حسب مصلحت احکام بدلتے رہتے ہیں۔ ان شبہات کی تفصیل کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۱۴ ۳ جلد پانچ دیکھیں۔ اب آئندہ آیات میں ان تمام شبہات کا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی یعنی توریت وانجیل جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نصارائے نجران ویمن۔ مراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو قبول کیا اور اس سے منتفع ہوئے ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف نازل کی گئی کیونکہ نور عقل سے قرآن کو علم ومعرفت کا منبع پاتے اور اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور بعضے فرقے اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض ومنافع میں حائل اور مانع بنتی ہیں آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد ''تثلیث'' اور کفارہ پر قائم رہو جز ایں نیست کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف ایک اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا جورو بنانا یہ شرک ہے اور میں لوگوں کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں نہ کسی غیر کی جانب کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے اس سرائے فانی کا قیام چند روزہ ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت حق ہے اور اس پر میرا ایمان ہے اور یہ امور اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہیں اس لیے کہ اصولاً اہل کتاب توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اور جس طرح ہم نے قرآن سے پہلی کتابوں کو صاحب کتاب کی زبان میں اُتارا اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکم عربی بنا کر آپ کی زبان میں اتارا جو حدِ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہدایت ہے۔

اس لیے اہل کتاب پر اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ یہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے تمام پہلی کتابوں کی ناسخ ہے اور ناسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ھُدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے اس لیے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر بفرض محال آپ نے اس علم الٰہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار اور عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کرو کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو ظاہر میں یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ طعن کرے کہ رسول کو نکاح اور بیوی بچوں اور کھانے پینے سے کیا مطلب، نبی کو ان دنیوی مرغوبات اور لذات سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے جو کھاتے اور پیتے تھے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی نکاح اور اولاد سے نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس سے بشریت کی تکمیل اور تنزیہ ہو جاتی ہے اسلام ہمیں رہبانیت نہیں سکھاتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام جسمانیت اور روحانیت دونوں اعتبار سے کامل ہوتے ہیں اس لیے اہل وعیال ان کے فرائض رسالت کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم نہیں ہوتے اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ شبہ کرے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو ہماری خواہش کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی رسول کے امکان میں یہ نہیں کہ بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لا سکے بغیر خدا کی

مرضی کے پیغمبر معجزہ نہیں دکھا سکتا معجزہ کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت اور اس کی حکمت اور مصلحت پر موقوف ہے نہ کسی خواہش اور رغبت پر وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت موعود اور موت معینہ کے لیے ایک خاص حکم لکھا ہوا ہے اور ہر دور دورہ کے لیے اس کے یہاں ایک کتاب اور خاص تحریر ہوتی ہے جو مقتضائے حکمت و مصلحت اس مدت اور قرن کے لیے مناسب ہوتی ہے اور وہ کتاب کارکنان قضاء وقدر یعنی ملائکہ مدبرات کو دے دی جاتی ہے جب تک اس کی میعاد باقی رہتی ہے اس وقت تک وہ حکم جاری رہتا ہے جب اس کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تب دوسرے زمانہ اور قرن کے مناسب دوسرا حکم آتا ہے اس جگہ اجل سے ازمنۂ موجودات مراد ہیں ہر موجود کے لیے ایک محدود اور معین زمان چاہیے جس میں وہ محدود ہو کر پایا جائے نہ بڑھے نہ گھٹے، مطلب [1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت کسی کام کے لیے مقرر کر دیا ہے وہ اس کے یہاں لکھا ہوا ہے جب وہ وقت آتا ہے تو جو حکم اس وقت کے مناسب ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ہر زمانہ کے لیۓ اس کے یہاں ایک مخصوص کتاب ہے اس نے کمال علم وحکمت سے ہر زمانہ کے لیے ایک حکم معین اور مقدر فرما دیا ہے جو ان پر اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ کوئی نشان اپنے لکھے ہوئے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا اللہ کا کارخانہ لوگوں کی فرمائشوں اور پبلک کے مطالبات پر نہیں چلتا اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر کے لکھ دیا ہے جب تک وہ مقرر وقت نہ آجائے وہ کام نہیں ہو سکتا مطالبہ اور جلد بازی سے کچھ نہیں ہوتا اس ارشاد سراپا رشاد سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر قضائے الٰہی اور وعدۂ خداوندی کا وقت لکھا ہوا ہے اور ہر قرن اور زمانہ کے لیے جدا حکم ہے جو اس کے مناسب ہے اور ہر حکم اپنے لکھے ہوئے کے مطابق اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت سے مشرکین کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو مشرکین کہتے تھے کہ آپ اپنے کفر اور تکذیب کی بناء پر جن بلاؤں اور عذابوں سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور معین ہے جو اللہ کے یہاں لکھا ہوا ہے اپنے اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ میں اجل سے وقت موعود اور مدت معینہ مراد ہے اور کتاب سے نامۂ خداوندی اور نوشتۂ خداوندی مراد ہے اور آیت اپنے ظاہر پر ہے جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ وقت جس میں اللہ نے کسی امر کے وقوع کو مقدر کیا ہے اللہ کے یہاں اس کے جاری ہونے کا وقت لکھا ہوا ہے اسی لکھے ہوئے کے مطابق اس کا وقوع اور ظہور ہوتا ہے اور فراء نحوی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل کلام اس طرح ہے ﴿لِكُلِّ كِتَابٍ اَجَلٌ﴾ یعنی امر جس کو خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اس کے لیے ایک اجل مؤجل اور وقت معلوم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ (دیکھو تفسیر قرطبی [2] ص ۳۲۸ نیز تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۱۵ جلد ۵ دیکھیں)

اب آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے اس نے اپنی حکمت اور ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں اس میں جس طرح چاہے تغیر و تبدل کر سکتا ہے اس لیے کہ اللہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو چاہتا ہے مٹاتا

---

[1] اس آیت کی یہ تفسیر، تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابو السعود اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم ان تفسیروں سے مراجعت فرمائیں۔ (واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم)

[2] قال القرطبی قولہ تعالیٰ ﴿لِكُلِّ كِتَابٍ اَجَلٌ﴾ ای لکل امر قضاہ اللہ کتاب عند اللہ قال الحسن وقیل فیہ تقدیم وتاخیر المعنی لکل کتاب اجل قال الفراء والضحاک المعنی لکل امر کتبہ اللہ اجل مؤجل ووقت معلوم نظیرہ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ جلد ۹)

ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے وہ لکھے ہوئے میں تغیر وتبدل پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے یہ اس لیے فرمایا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ جو توریت اور انجیل میں اور اپنی شریعت کے احکام میں نسخ کو جائز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق نازل کرتا ہے اور جب وہ مصلحت نہیں رہتی تو اس حکم کو محو کر دیتا ہے یعنی منسوخ کر دیتا ہے اس سے یہود ونصاریٰ کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو وہ نسخ احکام کے متعلق کرتے تھے۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو محو واثبات کا ذکر کیا گیا اس میں ہر قسم کی تغییر وتبدل داخل ہے مثلاً حکومتوں کا فناء وزوال اور قوموں کا اِدبار واقبال اور سعادت وشقاوت کا بدلنا اور رزق میں فراخی اور تنگی ہونا اور عالم سفلی میں کون وفساد کا ہونا اس قسم کے تمام تغیرات اور انقلابات، محو واثبات کے عموم میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ مالک ومختار ہے کبھی موجود کرتا ہے اور کبھی معدوم کبھی زندہ کرتا ہے اور کبھی مارتا ہے کبھی مالدار بناتا ہے اور کبھی فقیر وغیرہ وغیرہ۔ پس اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے کسی وقت منسوخ کرے اور جس حکم کو چاہے برقرار رکھے وہ علیم وحکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں غرض یہ کہ [1] ہر قسم کی تغییر وتبدیل اور ہر قسم کا محو واثبات اور نسخ احکام سب اس کے ہاتھ میں ہے اور محو واثبات اور تغییر وتبدیل بدا نہیں (جیسا کہ روافض کا گمان ہے) بلکہ بطریق حکمت ومصلحت ہے اس لیے کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے جس میں اس محو واثبات وتغییر وتبدیل کی تمام تفصیل درج ہے اور یہ لوحِ محفوظ قضا وقدر کے تمام دفاتر کی جڑ ہے اور تغییر وتبدیل اور محو واثبات سے منزہ اور مبرّیٰ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

"دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو ۲ تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں" اھ (کذا فی موضح القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ اِن آیات کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہر قضائے موقت را نامہ ہست یعنی چوں قضائے الٰہی بوجہے متحقق شود آنرا در عالم ملکوت ثبت می کنند نابود می سازد خدا ہرچہ می خواہد وثابت می کند ہرچہ خواہد ونزد یک اوست اُم الکتاب یعنی لوح محفوظ مترجم گوید صورت حادثہ در عالم ملکوت خلق می فرماید بعد از اں اگر خواہد محو کند وثابت دارد وشاید کہ معنی چنیں باشد ہر زمانے را شریعتے ہست نسخ می کند، خدائے تعالیٰ آنچہ می خواہد وثابت می گذارد آنچہ خواہد ونزد یک اوست لوح محفوظ۔" واللہ اعلم۔ (فتح الرحمٰن)

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تقدیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لیے ایک وقت مقدر اور مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے ردوبدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حکم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضاء معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔

---

[1] دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۱۶ جلد ۵ امام رازی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ محو واثبات سے کسی خاص شئے کا محو واثبات مراد نہیں بلکہ عام معنی مُراد ہیں۔ ۱۲

مسئلۂ بدا کی مختصر تشریح

شیعہ آیت مذکورہ یعنی ﴿ یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ﴾ سے بدا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جس محو اور اثبات کا ذکر ہے اس سے بطریق بدا محو اور اثبات مراد ہے اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور فہم دے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تغییر و تبدیل اور محو اور اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدا سے پاک اور منزہ ہے شیعوں کے اس خیال سراپا خبال کے اختلال ظاہر کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلۂ بدا کی مختصر سی تشریح کر دی جائے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جائز نہیں اس لیے کہ بدا کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی پس ارادۂ اوّل کو فسخ کر کے دوسری چیز کا ارادہ کر لے تو یہ بدا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بدا جائز اور واقع ہے اور آیت مذکورہ ﴿ یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ﴾ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں علماء شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں: ان معنی قولنا بدا لہ تعالیٰ انہ ظہر لہ مالم یکن ظاھرا۔ یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر اور معلوم ہوئی جو پہلے ظاہر نہ ہوئی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوص متواترہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا علم ازل تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک تمام کائنات اور ممکنات کو برابر اور یکساں جانتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو اور بعد میں اس کو جانے عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورۂ طٰہٰ میں ہے ﴿ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَ لَا یَنۡسَی ﴾ (طٰہٰ: ۵۲) اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے۔ معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں تَعَالَى اللّٰہُ عَنۡ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک ائمہ کو تو علم ما کان و ما یکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہونے پر پہلے ارادہ کو فسخ کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء ثلاثہ اور مہاجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور سارے وعدے غلطی سے اوّل ظہور میں آئے اور بعد میں حقیقۃ الامر صحابہ کی جناب باری کو معلوم اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کسی جگہ بھی اشارتاً اور کنایۃً یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں مجھے بدا واقع ہو گیا ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں قدر قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ بمقدار عظیم و کثیر بدا واقع ہوا کہ بے شمار آیتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح فرما گئے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوندِ کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بدا واقع ہوا۔

بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں:

قسم اوّل۔ بدا فی العلم:

وَھوان یظھرلہٗ خلاف ماعلمہ، یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی خدا تعالیٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقۃ الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

قسم دوم۔ بدا فی الارادہ:

وَھوان یظھرلہٗ علیٰ خلاف ماارادہ۔ یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

قسم سوم۔ بدا فی الامر:

وھوان یامر بشئ ثم یامربشئ بعدہ ۔یعنی بدا فی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم ایسا دیا کہ جس میں غلطی یہ نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے مطابق ہو۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالیٰ کے بدا کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدا کی پہلی قسم کو شیعہ اپنے عرف میں بدا دَر اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدا در تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بدا در تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بدا کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے چونکہ بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم اور بدا فی التکلیف بظاہر نسخ کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہہ دیا کہ اہل سنت بھی بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم کو جائز رکھتے ہیں اور بدا کو جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بدا فی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بدا فی الحکم میں فرق:

اہل سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بدا کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے۔ معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا چاہے بندوں میں سے کسی کو پہلے سے زمانہ حکم اوّل کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو اللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک میعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اس میعاد اور مدت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطاء سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اور بدا کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بدا کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں داخل ہے ورنہ پھر وہ بدا نہیں تمام کتب شیعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی حقیقت یہ ہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جائے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا

ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور ﴿لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی﴾ اس کی شان ہے اس کے علم میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بدا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطاء اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے نسخ میں حکم اوّل کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر نہ تھی بلکہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بنا پر احکام میں تبدیلی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا۔ اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بدا کے قائل نہیں کیونکہ بدا کے معنی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست که پیداو پنہاں بنزدش یکیست

اور آیت ﴿یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ﴾ میں محو اور اثبات سے نامہائے اعمال سے حسنات اور سیئات کا محو و اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع میں تغیر و تبدل مراد ہے علم الٰہی میں محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد متصلاً یہ وارد ہے ﴿وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور علم الٰہی میں محو اور اثبات اور تغیر و تبدل عقلاً محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے مطابق اور موافق ہو رہا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ سے چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دور اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ ﴿یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ﴾ چھوٹے دفتر یعنی ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ کے بعد واقع ہے اور یہ ہی مذہب اہلِ سنت کا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بدا کلام اللہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ بدا کے متعلق ہم نے بقدر ضرورت یہ مختصر کلام ہدیہ ناظرین کیا ہے جو تحفۂ اثناعشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اور ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ سے ماخوذ ہے حضرات اہلِ علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو و اثبات اور صفت تغیر و تبدیل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ... الخ﴾ اور فرمایا تھا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین نبوت کو

چاہیے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے اور اسلام کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا کر ان کو دیکھیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اگر ان لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت میں اس بناء پر شبہ ہے کہ کفر و تکذیب کی بناء پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اس کے متعلق سن لیجیے۔

اے نبیؐ! اگر ہم آپ ﷺ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور اہل کفر کی ذلت و خواری آپ ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ کو دنیا سے اٹھا لیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہر حال جو بھی صورت ہو آپ فکر میں نہ پڑیں آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ بہر حال آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح و نصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویر سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور مہلت سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو اطراف و جوانب سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور کفر گھٹتا جا رہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر و شرک ذلیل و خوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے بعض مفسرین نے ﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا﴾ سے فتوحات اسلامیہ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی فائدہ میں اسی مطلب کو اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "یعنی روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر می شود و دار الحرب ناقص می گردد از اطراف آں عامہ مفسرین ایں آیت را مدنی دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصان دار الحرب اسلام اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت"۔ انتہیٰ

اور شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے یعنی اسلام پھیلتا جا رہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے۔ اھ

مقصود اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپ ﷺ کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپ ﷺ کا جو کام تھا وہ آپ ﷺ نے کر دیا اور آیت ﴿لَہُمۡ عَذَابٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ... لَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا تُصِیۡبُہُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَۃٌ﴾ میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو دکھلا دیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورا ہو گا آپ بے فکر رہیں قضاء الٰہی میں بعض فتوحات آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں

آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فتوحات اور غلبہ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں سے بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپ ﷺ کے اٹھا لینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف و جوانب سے کم کرتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مومنوں کو جلد جزاء دے گا اور یہ لوگ جو نبی کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکر و فریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکر و فریب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے مکر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقہ سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکر کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت کا اچھا انجام کس کے لیے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھلائے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سچ کو بڑھاتا ہے اور جھوٹ کو مٹاتا ہے اور جس کے پاس کتاب الٰہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوت کا کافی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دی۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَوَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴾ (الشعراء)

اَللّٰھُمَّ انی اشھد انك انت اللہ لَا اِلٰہ اِلَّا انت وحدك لَا شریك لك واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدك و رسولك ربنا اٰمنا بما انزلتنا واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین واٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین ○ وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا وَ مولانا محمّد وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین ○

خاتمہ

الحمدللہ آج بتاریخ ۱۵ شوال المکرم یوم یکشنبہ بوقت چاشت سورۂ رعد کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللہ الحمد اوّلًا و آخِرًا۔ اے اللہ! اپنی رحمت کاملہ سے بقیہ تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما اور اس کو قبول فرما۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○ وَ تُبۡ عَلَیۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○ ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ ابراہیم

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اسی لیے یہ سورت انھیں کے نام سے موسوم ہوئی کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور سے پوری ہوئیں اور خانہ کعبہ قبلۂ صلوات قرار دیا گیا اور حج بیت اللہ جو اسلام کا چوتھا رکن ہے وہ فرض ہوا اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

ربط: سورت سابقہ کی طرح اس سورت میں بھی توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین کا ذکر ہے گزشتہ سورت کے شروع میں نزولِ قرآن کا ذکر تھا اور اس سورت کے شروع میں نزولِ قرآن کی حکمت کا بیان ہے کہ لوگ اس قرآن کے ذریعہ ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں۔

نیز گزشتہ سورت میں ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (الرعد:۳۸) کا مضمون تھا۔ اسی طرح اس سورت میں انبیاء و رسل علیہم السلام کا جواب مذکور ہے ﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ دونوں آیتوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں کافروں کے مکر کا ذکر تھا اسی طرح اس سورت میں بھی کافروں کے مکر کا ذکر ہے۔

آیاتها ۵۲	(۱۴) سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ (۷۲)	رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا نہایت مہربان ہے

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵

الٓرٰ ○ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اُتاری تیری طرف، کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کو،

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

اُن کے رب کے حکم سے، راہ پر اس زبردست سراہے اللہ کی جس کا ہے سب، جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ⓶
آسمانوں و زمین میں اور خرابی ہے منکروں کو ایک سخت عذاب سے
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ
جو پسند رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ⓷ وَ مَآ
اللہ کی راہ سے، اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی وہ بھول پڑے ہیں دور اور کوئی
اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ
رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولتا اپنی قوم کی کہ اُن کے آگے کھولے پھر بھٹکاتا ہے اللہ
مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⓸
جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا۔

آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ... الٰی... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⓸﴾

گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلا دیا گیا کہ قرآن کے نازل کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو آخرت کا راستہ بتلائیں دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور ظلمات یعنی اندھیروں سے کفر اور شرک اور معصیت کے انواع و اقسام مراد ہیں اور نور حق سے دین حق مراد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: الٓرٰ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے لوگوں کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے وہ رسول علیہ السلام کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا کیونکہ اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہیں اور رسول داعی ہیں اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ایسے خدا کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے اس اللہ کے راستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور خرابی اور بربادی ہے کافروں کے لیے کہ جو راہ کج

کی طرف مائل ہیں اور اس سیدھی راہ میں حائل ہیں ایسوں کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دُنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھتے ہیں ان کی تمام جدوجہد صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت کو طاق نسیان میں رکھ دیا ہے خود کا تو یہ حال ہے اور دوسروں کو بھی راہِ خدا سے روکتے ہیں اور راہ حق میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی دین اِسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے رہتے ہیں تا کہ اس سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کرسکیں ایسے ہی لوگ ایسی گمراہی میں جا پڑے ہیں جو حق اور نور ہدایت سے بہت دور ہے بظاہر اب راہِ ہدایت کی طرف آنے کی کوئی اُمید نہیں۔

کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب

کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ ﷺ کی زبان میں اترا اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے یہ قرآن تو آپ ہی کی زبان میں ہے اس لیے یہ احتمال ہے کہ شاید یہ قرآن خود آپ ﷺ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں تا کہ احکام الٰہیہ کو بخوبی ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو بآسانی سمجھ سکے اور وہ نبی ان کو خدا کا راستہ بتائے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے، پھر اس انداز اور بیان کے بعد جب ان پر حجت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہ کرنا یہ اس کی حکمت ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں۔

فائدہ جلیلہ : بعض لوگوں کو ﴿ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ کے لفظ سے خصوص بعثت کا شبہ ہو گیا اور یہ وہم ہو گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عرب کے لیے تھی جیسا کہ بعض یہود کہتے تھے کہ آپ فقط قوم عرب کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

یہ بیان اور خیال قطعاً غلط ہے اس لیے کہ بے شمار آیتوں قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب اور عجم اور تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اور اس آیت میں قوم سے شہر اور قبیلہ اور خاندان کے لوگ مراد ہیں نہ کہ امت مراد ہے اور قوم اور امت میں زمین و آسمان کا فرق ہے قوم خاص ہے اور امت عام ہے قوم تو اس قبیلہ اور خاندان کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے اور عرب اور عجم اور کل عالم آپ ﷺ کی امت ہے جن کی ہدایت کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے پہلے زمانہ میں ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اس لیے انبیاء سابقین علیہم السلام میں قوم اور امت کا مصداق ایک ہی تھا اور آنحضرت ﷺ کی بعثت چونکہ عام ہے اس لیے آپ ﷺ کی قوم کا مصداق تو خاص ہے اور امت کا مصداق عام ہے اور آیت میں جو قصر ہے وہ فقط باعتبار لسان اور زبان کے ہے یعنی ارسال بزبان قوم مخصوص ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی کی زبان وہی ہوتی ہے جس قوم میں نبی پیدا ہوا اور یہ مطلب نہیں کہ نبی کی اُمت صرف وہی قوم ہے اور جو اس کی ہم زبان ہے اور آنحضرت ﷺ چونکہ تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوئے۔ اس لیے یہ تو مناسب نہ تھا کہ ہر قوم کی زبان میں علیحدہ علیحدہ قرآن اترتا اس صورت میں نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھل جاتا اور ہر قوم اپنی زبان کے اعتبار سے ایسے معنی کی مدعی بنتی جسے دوسری قوم نہ سمجھ سکتی اور آنحضرت ﷺ چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوئے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف، اور اکمل اور افصح اور ابلغ ہے اس لیے آپ ﷺ پر عربی زبان میں کتاب الٰہی کا نزول اولیٰ اور

انسب ہوا اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی کہ جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے کسی زبان میں عربی زبان جیسی نہ لغت تھی اور نہ صرف ونحو اور نہ بلاغت ہے کافیہ اور شافیہ اور تلخیص المفتاح کا تو کیا ذکر کروں امریکہ اور برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر بھی نہیں اگر ہے تو لائے اور دکھلائے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ اپنی نشانیاں دے کر، کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے

النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

اُجالے کو اور یاد دلا اُن کو دِن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو ثابت رہنے والا ہے

شَكُوْرٍ ⑤ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

حق ماننے والا اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب

اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ

چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے وہ دیتے تھے تم کو بُری مار، اور ذبح کرتے

اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بیٹے تمہارے اور اور جیتی رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ؑ ⑥ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ

بڑی اور جب سنا دیا تمہارے رب نے، کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو، اور اگر

كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ

ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے اور کہا موسیٰ نے اگر منکر ہو گے تم

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧

اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا۔

ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ . . . الى . . . فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۸﴾

ربط: گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت کو ذکر کیا۔ اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے کچھ واقعات ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے بھی یہی مقصود تھا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں آجائے اور اس کو خدا کا راستہ نظر آنے لگے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان عبرانی میں کتاب دی۔ اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو قرآن آپ کی قوم کی زبان عربی میں دیا چنانچہ فرماتے ہیں:

اور البتہ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر کہ اپنی قوم کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکال اور ان کو یاد دلا کہ وہ دن جس میں اللہ نے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود سے اپنے پیغمبروں کا بدلہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے انعام اور انتقام کے واقعات اور معاملات یاد دلاؤ بے شک اس قسم کے معاملہ میں ہر صابر وشاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے انعامات اور احسانات کو جو تم پر ہوئے خاص کر جب کہ اس نے رہائی دی تم کو آل فرعون کے ظلم وستم سے، وہ تم کو بُری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں، بیٹیوں کو عورتوں کو زندہ چھوڑتے بلکہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں زندہ رہیں تاکہ ان کو باندیاں بنا کر ان سے خدمت لیں اور اس معاملہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہیں کہ ایسی بلا سے نجات دینا اور پھر اسے عروج میں بدلنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت یاد کرو جب میرے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو سمجھ رکھو بے شک میرا عذاب سخت ہے تو تم کو ڈرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کفر نعمت نعمتت بیروں کند

اس لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا: اے قوم! اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر ہے اور وہ ستودہ ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح وتحمید میں غرق ہے۔

بذکرش جملہ موجودات گویا
ہمہ او راز روئے شوق جویا

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ ۛ وَ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور

الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

جو ان سے پیچھے ہوئے، اُن کو خبر نہیں مگر اللہ کو آئے ان پاس رسول اُن کے

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ

نشانیاں لے کر پھر اُلٹے دیئے اُن کے ہاتھ اُن کے منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے جو

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨

تمہارے ہاتھ بھیجا اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف ہم کو بلاتے ہو جس سے خاطر جمع نہیں

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ

بولے اُن کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین تم کو بلاتا ہے کہ

لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا

بخشے کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے کہنے لگے

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ

تم تو یہی آدمی ہو ہم سے، چاہتے ہو، کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو

يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، سولاؤ کوئی سند کھلی ان کو کہا ان کے رسولوں نے

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ہم یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے

عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى

اور ہمارا کام نہیں کہ لے آویں تم پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ

بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسا نہ کریں اللہ پر اور

هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم صبر کریں گے ایذاء پر جو ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسا چاہیے

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ ع ٢ ١٤

بھروسے والوں کو اور کہا منکروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو

اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ

اپنی زمین سے یا پھر آؤ ہمارے دین میں تب حکم بھیجا اُن کو رب اُن کے نے ہم کھپا دیں گے

الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

ان ظالموں کو اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں اُن کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ﴿١٥﴾

کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈر سے اور فیصلہ لگے مانگنے اور نامراد ہوا جو سرکش تھا ضد کرنے والا

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا

پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلاویں گے اس کو پانی پیپ کا گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں

يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ

اُتار سکتا اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرتا اور

مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾

اس کے پیچھے مار ہے گاڑھی۔

تذکیر بایام اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ . . . الی . . . وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ ﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾ کہ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اس کے معاملات کی یاد دلاؤ کہ کس طرح اللہ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے مکذبین اور منکرین کو ہلاک کیا تا کہ یہ منکرین ان سے عبرت پکڑیں ان آیات میں پہلی اُمتوں کا حال اور مآل یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گزشتہ قوموں نے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب و احباب نے نجات پائی اور ان کے دشمن عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا تم کو ان لوگوں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد قوم ہود اور ثمود قوم صالح کی اور ان قوموں کی جو ان تینوں قوموں کے بعد گزریں جن کے مفصل حالات اور تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے یہ کلام یا تو موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو خطاب ہے اور ان قوموں کی خبر ان لوگوں میں معروف اور متواتر تھی اور ان کا آغاز اور انجام ان کو معلوم تھا اس لیے ان کو یاد دلایا تا کہ عبرت پکڑیں اللہ تعالیٰ نے ان کا عبرت ناک حال اس طرح بیان کیا کہ ان کے رسول ان کے پاس اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر آئے پس ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

① کہ اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیئے کہ چپ رہو اور کوئی حرف اس قسم کا منہ سے نہ نکالو یا یہ معنی ہیں کہ قوموں نے تعجب سے اپنے منہ میں دے دیئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

② اور یہ کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جس چیز کو تم اپنے زعم میں پیغام خداوندی بتلاتے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

③ اور جس راہ کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو اس کے بارہ میں ہم شک میں ہیں جس نے ہم کو قلق اور اضطراب میں ڈال دیا ہے اور اس شک کا منشاء صرف ان کی جہالت اور بے خبری اور اغراضِ فاسدہ تھیں۔ اس لیے رسولوں نے ان کے جواب میں کہا، کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان اور زمین تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ اتنی بڑی عمارت خود بخود تو بن کر کھڑی نہیں ہوگئی یہ عجیب و غریب آفرینش اس کے صانع کی ہستی پر شاہد ہے۔ پس جس خداوندِ ذوالجلال کا وجود اور ہستی اس قدر بدیہی ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہو اب اس کے بعد اس کی کمال رحمت کو بیان کرتے ہیں وہ خدا تم کو ایمان اور ہدایت کی طرف اس لیے بلاتا ہے تا کہ تمہارے کچھ گناہ معاف کرے اور تا کہ تمہیں ایک مدت معینہ تک مہلت دے اور دنیا میں تم پر عذاب نہ کرے اس جواب پر قومِ کفار کے لوگ بولے اور تین شبہے پیش کیے۔

پہلا شبہ:

تو یہ کیا تم ہم جیسے ایک آدمی ہو اور تمام انسان ماہیت انسانیہ اور حقیقت بشریہ میں مساوی اور برابر ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان تو اللہ کا رسول ہو جائے اور دوسرا اس پر ایمان لائے اور اس کا پیرو بنے تم صورت اور ہیئت میں ہم جیسے ہو تم کو ہم پر کیا فضیلت اور

برتری ہے جو ہم تمہاری پیروی کریں۔

دوسرا شبہ:

یہ کیا کہ، ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے روک دو جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقہ کو کیسے چھوڑیں۔

تیسرا شبہ:

یہ تھا کہ اگر تم دعوائے نبوت و رسالت میں سچے ہو تو ہمارے سامنے ایسی روشن دلیل لاؤ جس کو ہم بھی تسلیم کریں مطلب یہ تھا کہ تم نے جو معجزات ہم کو دکھلائے ہیں ان پر ہم مطمئن نہیں ایسے معجزات قاہرہ دکھلاؤ جن کو دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے۔

رسولوں کا جواب

ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں ان سے کہا کہ تمہارے یہ تینوں شبہے مہمل ہیں۔

پہلے شبہ کا جواب:

بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں یعنی صورت اور ہیئت میں بلاشبہ تمہاری طرح ہیں اس سے ہم انکار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور نبوت و رسالت سے اس کو سرفراز کرتا ہے جنس انسانیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں کہ اس جنس کے تمام افراد فضائل و کمالات میں برابر ہو جائیں صورت اور ہیئت کے اعتبار سے عاقل اور غافل، جاہل اور فاضل سب برابر ہیں۔ پس جس طرح ایک جنس کے افراد میں فضائل جسمانیہ کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے اسی طرح فضائل روحانیہ میں بھی تفاوت ممکن ہے جاہلوں نے انبیاء علیہم السلام کی صورت و شکل دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ ہم اور وہ یکساں ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب:

اور اسی سے دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حق و باطل کی تمیز اور صدق و کذب کا فرق یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور ایک کثیر جماعت کو اس سے محروم کرتا ہے تمہارے آباؤ اجداد جاہل اور نادان تھے اور بے بصیرت تھے ان کو حق و باطل کی تمیز نہ تھی اور جاہلوں کو اتفاق کسی عاقل پر حجت نہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۲۳۴ ج ۵)

تیسرے شبہ کا جواب:

کفار کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہم تمہارے ان پیش کردہ معجزات پر مطمئن نہیں ہماری خواہش کے مطابق معجزات لاؤ اس کا جواب دیتے ہیں اور ہماری طاقت نہیں کہ ہم بغیر اللہ کے حکم کے تمہارے پاس کوئی دلیل اور برہان لے آئیں یعنی تمہاری فرمائشیں پوری کرنا ہماری طاقت اور اختیار میں نہیں۔ باقی ہم اپنی نبوت کی سند اور روشن نشان پہلے دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لیے کافی اور وافی ہیں ضد اور عناد کا علاج ہمارے پاس نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے جب کفار کو ان شبہات کے شافی اور کافی جواب دے دیئے اور کفار ان کے جواب باصواب سے لاجواب ہو گئے تو جہالت اور نادانی پر اتر آئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ڈرانے دھمکانے لگے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے کہا کہ

ہم تمہاری تخویف سے خائف نہیں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہم کو کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی نے ہم کو نجات اور ہدایت کی راہیں بتلائیں وہی ہم کو تمہارے شر سے بچائے گا اور خدا کی قسم ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذاء پر جو تم ہم کو پہنچاتے ہو اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اس تمام تر اتمام حجت کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ اور گرم ہو گئے اور کفار اپنی طاقت کے غرور میں رسولوں سے یہ کہنے لگے کہ اپنے توکل کو تو رہنے دو اور سن لو کہ البتہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا تو تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ جاننا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے کبھی اپنی قوم کے دین پر قائم نہیں ہوئے جن کو یہ کہا جا سکے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ انبیاء کرام علیہم السلام شروع ولادت سے لے کر شرک اور کفر کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے انہی کے ساتھ رہتے تھے اور قبل از بعثت ان کو تبلیغ و دعوت نہیں کرتے تھے اس لیے وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو اپنا ہم مذہب جانتے تھے اور بعثت کے بعد جب انبیاء علیہم السلام قوم کو اللہ کے احکام سناتے تو وہ لوگ یہ سمجھتے کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے اور ان کو دھمکی دیتے کہ یا تو ہمارے مذہب میں آ جاؤ ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے جس طرح قوم شعیب نے کہا تھا: ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ﴾ (الاعراف:۸۸) اور جس طرح قوم لوط نے کہا تھا ﴿اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ (النمل:۵۶) اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے حال سے خبر دی ہے ﴿وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾﴾ (الاسراء)... ﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (الانفال) کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو قبل از بعثت اپنی ملت پر سمجھتے تھے اسی وجہ سے آپ ﷺ کو "صابی" یعنی آبائی دین سے پھر جانے والا کہتے تھے اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

خداوند عالم کی طرف سے جواب

کافر جب خدا پیغمبروں کو اس قسم کی دھمکیاں دینے لگے تو وحی بھیجی رسولوں کے رب نے کہ تم کافروں کے اس کہنے سے کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے خوف مت کرو البتہ تحقیق ہم انہی ظالموں کو ہلاک اور تباہ کریں گے اور ان کے ہلاک کرنے کے بعد تمہارے متبعین کو اسی زمین میں بسائیں گے۔

کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ (الانبیاء)... ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۟ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ (الاعراف)... ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾﴾ (الاعراف)

آگے فرماتے ہیں میری طرف سے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے کہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میرے عذاب سے بھی ڈرے اس قسم کا خوف دینی اور دنیوی کامیابی کی علامت ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی قومیں ✽ خدا سے فیصلہ چاہنے لگے انبیاء علیہم السلام اپنی فتح کے طلب گار ہوئے اور کافر اپنی فتح کے طلب گار ہوئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے دُعا مانگی ﴿ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي ﴾ (الشعراء:۱۱۸) اور لوط علیہ السلام نے دعا مانگی ﴿ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴾ (الشعراء:۱۶۹)۔ اور شعیب علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ (الاعراف:۸۹) وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی فتح کی دعا مانگی اور کافروں نے اپنی فتح کی دعا مانگی ﴿ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ (الانفال:۳۲)۔ غرض یہ کہ دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن عذاب نازل کر دیا اور جب وہ فیصلہ کن عذاب آیا تو انبیاء و رسل علیہم السلام تو کامیاب ہوئے اور سرکش معاند نامراد ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور اس کے علاوہ اس کے آگے دوزخ ہے اور وہاں اس کو پینے کے لیے پیپ لہو دیا جائے گا جو کافروں کی کھال وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوگا جب وہ پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی کچ لہو اس کو پینے کو دیا جائے گا وہ اس بدمزگی اور بدبو اور حرارت کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا اور بآسانی اس کو گلے سے نہیں اتار سکے گا لیکن چارونا چار شدت پیاس کی وجہ سے بمشکل اس کو اتارے گا ترمذی میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کے آگے صدید (پیپ) پیش کی جائے گی وہ اس سے کراہت کرے گا جب اس کے منہ کے قریب کی جائے گی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اتر کر گر پڑے گی اور جب پی جائے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکل پڑیں گی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۖ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾ (الکہف) (رواہ احمد ونسائی ایضاً)

اور دوسری جگہ ہے:

﴿ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴾ (محمد:۱۵)

غرض یہ کہ جب کافر جہنم میں پیاس سے بے تاب ہوگا تو اس کو پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا اور ہر طرف سے اس کو موت آگھیرے گی یعنی موت کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے گی جو اس کو نہ آوے مگر وہ مرنے والا نہیں کہ مر کر ان تکالیف اور شدائد سے نجات پا جائے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ﴾ (الفاطر:۳۶)

آنتیں بھی کٹ کر گریں گی اور کھال بھی سڑ کر گرے گی مگر موت نہیں آئے گی بلکہ بدستور کھال اور آنتیں بحال کر دی جائیں گی تاکہ ہر بار اس کو نیا عذاب دیا جا سکے اور جس عذاب کا وہ دنیا میں منکر تھا ابدالآباد تک مزہ چکھتا رہے اور اس کے آگے اور سخت عذاب ہے جو ہر لحظہ شدید اور حدید ہوتا رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

✽ ﴿ وَاسْتَفْتَحُوا ﴾ کی ضمیر میں دو قول مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے کہ رسولوں نے اپنے رب سے اپنی فتح چاہی اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے کہ کفار جہل مرکب میں مبتلا تھے اور از راہِ تمرد و عناد فیصلہ چاہتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ حاکیا عنہم:

﴿ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر انبیاء علیہم السلام اور کفار دونوں کی طرف راجع ہے انبیاء علیہم السلام نے اپنے لیے فتح طلب کی اور کافروں نے اپنے لیے فتح طلب کی۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۸۰ ج ۱۳)

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِۨشْتَدَّتْ بِهِ	
احوال ان کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے، ان کے کیے جیسے راکھ زور کی چلی اس پر	
الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ	
باؤ دن آندھی کے کچھ ہاتھ میں نہیں اپنی کمائی میں سے	
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	
یہی ہے دور بہک پڑنا تو نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ نے بنائے آسمان و زمین	
بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ	
جیسے چاہیے اگر چاہے تم کو لے جاوے اور لاوے کوئی پیدائش نئی اور یہ	
عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾	
اللہ پر مشکل نہیں	

مثال اَعمال کفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ ... اِلٰى ... وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾﴾

ربط: اُوپر کافروں کے انواع عذاب کا ذکر تھا۔ اب ان کے اعمال کے ضائع ہونے کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح آندھی والے دن تیز آندھی سے راکھ اڑ جاتی ہے اور اس کا کچھ نام ونشان باقی نہیں رہتا اسی طرح کافروں کے اچھے اعمال جیسے صدقات جوانہوں نے بحالت کفر دیئے وہ قیامت کے دن کفر کی تیز آندھیوں سے سب اڑ جائیں گے اور کسی عمل کا نام ونشان نہ رہے گا اس وقت ان کی حسرت کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال صالحہ خیرات وصدقات مثل اس راکھ کے ہیں جس پر سخت آندھی کے دن تیز ہوا چلی اور اس راکھ کو اڑا کر اِدھر اُدھر منتشر کر دیا اسی طرح قیامت میں کفران کے نیک عملوں کو اڑ کر پراگندہ کر دے گا اور جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے دن یہ کافر قادر نہ ہوں گے کہ دنیا میں جو کمایا ہے اس میں سے کچھ حاصل کر سکیں راکھ کی طرح سب اُڑ جائیں گے کسی کا کہیں نام ونشان نظر نہ آئے گا یہی وہ گمراہی ہے جو حق سے بہت دُور ہے اور حد درجہ کا خسارہ ہے کہ جن اعمال کو ذریعۂ قرب ونجات سمجھتے تھے وہ راکھ کی طرح اڑ گئے کیا تو نے نہیں دیکھا اے دیکھنے والے یا نہیں جانا تو نے اے جاننے والے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے کسی حکمت کے لیے بنایا ہے بے کار نہیں بنایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے آسمان وزمین اور کواکب کو تیرے چند روزے فائدہ اُٹھانے کے لیے

بنایا ہے ہرگز نہیں بلکہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ان میں ایک یہ ہے کہ تو آسمان وزمین دیکھ کر اس کی قدرت اور عظمت وجلال کا اندازہ لگالے اور اس کے نظام کو دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ سارا کارخانہ کسی قادر قیوم کے حکم اور قیومی سے چل رہا ہے جب چاہے فنا کردے گا وہ اگر چاہے تو تمام بنی آدم کو فنا کردے اور تمہاری جگہ زمین پر دوسری نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری جیسی مشرک اور نافرمان نہ ہو یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں اور جب وہ ایسا قادر مطلق ہے تو اسے قیامت قائم کرنا اور تم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ لہٰذا سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم کو ہلاک کردے اور تمہاری زمین اور ملک پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو قابض اور متصرف بنادے۔

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا
اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو، ہم تھے
لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
تمہارے پیچھے سو کچھ بچاؤ گے تم ہم سے مار اللہ کی؟
قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا
وہ بولے، اگر راہ پر لاتا ہم کو اللہ، البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری
مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ع ﴿۲۱﴾
کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی۔

ع ۱۵ ۹

قیامت کے دن کفّار کی باہم گفتگو اور پیشوایانِ کفر کی ذلّت اور ندامت کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا ... اِلٰى ... اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا۔ اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کردیں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہِ راست پر ہوتے تو تمہیں کیوں گمراہ کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، اور سب مؤمن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجے کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو کیا آج تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کرسکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایانِ کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر

لے چلتے کیونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب مبتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہوتا جو فیصلہ کر چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آتی ہے:

﴿وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ۝۴۷ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ۝۴۸﴾ (المومن)

اور میدان حشر میں باہمی مخاصمت کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ا۟لْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ۝۳۲ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۳۳﴾ (سباء)

وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ

اور بولا شیطان، جب فیصل ہو چکا کام ، اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور

وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ

میں نے وعدہ دیا پھر جھوٹ کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر

اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

میں نے تم کو بلایا، پھر تم نے مان لیا سو مجھ کو مت الزام دو، اور الزام دو اپنے تئیں۔

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ

نہ میں تمہاری فریاد پر پہنچوں نہ تم میری فریاد پر پہنچو۔ میں نہیں قبول رکھتا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا

مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۲۲ وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ

پہلے البتہ جو ظالم ہیں ان کو دکھ کی مار ہے اور داخل کیے گئے جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

ایمان لائے تھے اور کام کیے تھے، نیک باغوں میں بہتی نیچے اُن کے ندیاں، رہا کریں

فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

ان میں اپنے رب کے حکم سے اُن کی ملاقات ہے وہاں سلام۔

جہنم میں شیطان کی تقریر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ... الٰی... لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ضعفاء کفّار کی اپنے رئیسوں اور سرداروں سے باہم گفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں شیطان گفتگو کا ذکر ہے جو تمام کافروں کا رئیس اور سردار ہے شیطان اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کر دیا کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لیے (آگ [1] کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا) یہ وقت کافروں پر عجیب مصیبت کا ہوگا ان کا سردار ہی ان کو صاف جواب دے دے گا۔

کافروں کے اس حال بد مآل کے بعد حق تعالیٰ ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں بطور مقابلہ اہل ایمان کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کا طریقہ ہے کہ اشقیاء کے بعد سعداء کا حال و مآل ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:
اور جب حساب و کتاب کے بعد کام فیصل ہو چکے گا یعنی دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے تو سب دوزخی جمع ہو کر شیطان کو لعنت ملامت کریں گے تو اس وقت ابلیس آگ کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر کہے گا اے بدبختو! اور مجھے ملامت کرنے والو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا۔ پس خدا کے اس سچے وعدہ کا تم نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس حیات دنیوی کے بعد کوئی حیات اور حساب و کتاب نہیں پس میں نے تم کو الٹا وعدہ دیا تھا یعنی میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا آج بالکل اس کا الٹ نکلا اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور نہ تھا یعنی تم مجھے کس لیے ملامت کرتے ہو تم پر میرا کوئی زور اور زبردستی نہ تھی کہ جبراً و قہراً میرے حکم پر چلواگر تم میرا کہنا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا۔ تم نے میرا حکم اپنے مزہ کے لیے مانا۔ اب عذاب بھی بھگتو میری طرف سے صرف اتنی بات ہوئی کہ میں نے تم کو بطریق وسوسہ اپنی طرف بلایا نہ میرے پاس کوئی دلیل اور حجت تھی اور نہ کوئی طاقت و قوت تھی کہ تم کو بزور منواتا بغیر کسی قہر اور غلبہ کے اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض بطریق وسوسہ دنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش تمہاری نظروں کے

---

[1] آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ جلد ۹ اور صاوی حاشیۂ جلالین ص ۲۸۲ جلد ۲ میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

سامنے کر دی پس تم نادانوں نے فوراً میرا کہنا مان لیا اور انبیاء و رسل علیہم السلام جنہوں نے طرح طرح کے حجج و براہین تمہارے سامنے پیش کیے اور طرح طرح کی آیات بینات تم کو دکھلائیں تم نے ان کا کہنا نہ مانا۔ پس آخر تمہارا یہ انجام ہوا پس تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو کہ تم نے دلیل اور برہان کو چھوڑ کر میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اس وقت تم ایسے اندھے کیوں ہو گئے تھے کہ بے دلیل میرے پیچھے لگ لیے حماقت تمہاری ہے مجھے کیوں ملامت کرتے ہو میری طرف سے تو فقط دعوت تھی اور اصل علتِ عذاب ارتکابِ معصیت ہے جو تمہارا اختیاری فعل ہے۔ لہٰذا آج نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو ہم تم دونوں عذاب دائمی میں رہیں گے تحقیق میں بری اور بے زار ہوں اس سے کہ تم نے پہلے دُنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا میں اللہ کا شریک نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو دنیا میں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بے زار ہوں میرا تم سے کوئی تعلق نہیں بے شک جو ظالم یعنی مشرک ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے آیات کے ظاہرِ سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا یہ خطبہ کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں فیصلہ ہو جانے کے بعد اور اہل ایمان کے جنت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اور وہ حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو جمع کر کے فیصلہ کر دے گا اور خدا کے رسول شفاعت سے فارغ ہو جائیں گے تو کفار کہیں گے کہ مؤمنوں نے تو اپنا شفیع پا لیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیا جو ان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کریں گے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہو جاتا کفّار کہیں گے سوائے ابلیس کے کون ہے جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا پس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اُٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبُو اٹھے گی جو کسی نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہوگی اور پھر گریہ زاری اور چیخ و پکار بلند ہوگی اس وقت شیطان اُٹھے گا اور یہ کہے گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ ﴾ اور اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا۔ ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۲)

اہل سعادت کے حال اور مآل کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اِلٰی ... تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ ﴾

ربط : اُوپر کی آیتوں میں اشقیاء کا حال اور مآل بیان کیا۔ اب اہل سعادت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کے آپس کی دعاء ملاقات سلام ہوگی جس سے اس امر کا اظہار مطلوب ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہر آفت سے سلامت رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

تو نے نہ دیکھا؟ بیان کی اللہ نے ایک مثال، ایک بات ستھری جیسے ایک درخت ستھرا

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ

اس کی جڑ مضبوط ہے، اور ٹہنی آسمان میں لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم

رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ

سے اور بیان کرتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو، شاید وہ سوچ کریں اور

مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ

مثال گندی بات کی، جیسے درخت گندا، اُکھاڑ لیا اوپر سے زمین کے

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي

کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ

دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع ۱۶

اللہ جو چاہے۔

مثال کلمۂ ایمان وکلمۂ کفر، وذکر سوالِ قبر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ... الٰی ... وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں اور مؤمنوں کے اُخروی نتائج کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی مثال بیان فرماتے ہیں اور عالم برزخ میں اس کا اثر اور ثمر بیان کرتے ہیں تاکہ کلمۂ توحید کی فضیلت اور کلمۂ کفر کی قباحت ظاہر ہو۔

اس آیت میں کلمہ طیبہ سے کلمہ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیوں کہ ملزوم کے ساتھ لوازم کا ہونا ضروری ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گزرے ہیں جو

ایمان اور فضائلِ ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں سب ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہتے تھے مگر ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کے ساتھ نوح نبی اللہ کہتا تھا کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا اور کوئی موسیٰ کلیم اللہ کہتا تھا اور کوئی عیسیٰ روح اللہ کہتا تھا اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ کلمۂ رسالت جملۂ مُتبدلہ ہے ہر امت میں بدلتا رہا ہے اور کلمہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان و اہل مِلل وادیان مشترک ہیں اس لیے اکثر احادیث میں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر اکتفا کیا گیا باقی مراد وہی پورا کلمہ ہے یعنی مع اپنے قرین اور لازم کے مُراد ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ تو سب میں مشترک ہے مگر ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا قرین ہر امت مسلمہ کا الگ الگ ہے اور چونکہ اصل کلمۂ طیبہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کا قرین ہے اس لیے حضراتِ صُوفیہ جب ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا ذکر مثلاً اتنی مقدار میں کیا کرو اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ لیا کرو تاکہ تابع اور متبوع کا فرق اور حق ادا ہو جائے اور وجہ یہ ہے کہ ذکر تو اللہ کا حق ہے اور نبی کا حق درُود ہے جس کا قرآن میں حکم آیا ہے۔ لہٰذا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ تو ذکر ہے اور محمد رسول اللہ کلمہ تجدید ایمان کے لیے ہے۔ اب آیت کی تفسیر پڑھیے۔

کیا نہیں دیکھا تو نے اے دیکھنے والے؟ اور کیا نہیں جانا تو نے اے جاننے والے؟ کہ اللہ نے کلمۂ توحید اور کلمۂ شرک کی کیسی عجیب اور عمدہ مثال بیان کی ہے کلمۂ طیبہ یعنی کلمۂ توحید و اسلام ایک نہایت ہی پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کا پھل غایت درجہ لذیذ اور مفید ہے شجرۂ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جو اپنے بے شمار منافع کی وجہ سے اطیب الاشجار ہے اور وہ پاکیزہ درخت ایسا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی اس کی جڑ زمین میں جمی ہوتی ہے اور اس کی شاخیں ایسی بلند ہیں کہ آسمان میں پہنچ رہی ہیں اسی طرح کلمۂ طیبہ کی جڑ مؤمن کے قلب میں جمی ہوئی ہے پس مؤمن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور ایمان اور اعتقادِ توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمۂ ایمان کی جڑ ہے اور اعمال صالحہ اس شجرۂ طیّبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں اور اس معتقد کے لیے بلندی اور رفعت کا سبب بن رہی ہیں اور انہی اعمال صالحہ کو حدیث میں ایمان کے شعبوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ پاکیزہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے یعنی دن رات ہر موسم میں قسم قسم کے پھل دیتا رہتا ہے کبھی اس کا پھل منقطع نہیں ہوتا اس طرح مؤمن کا عمل ہے کہ آسمان پر چڑھتا ہے یعنی قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا اس کا ثواب ہر وقت مؤمن کو پہنچتا رہتا ہے اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور ﴿فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ سے اسلام کی طرف اشارہ ہے اور ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ﴾ سے مقام احسان اور اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی ان انوار و برکات کی طرف اشارہ ہے جو صدقِ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتے ہیں یہ انوار و برکات شجرۂ ایمان کے ثمراتِ طیبہ ہیں جو عالم غیب سے ہر وقت اس کو پہنچتے رہتے ہیں اور عجب نہیں کہ ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا﴾ سے وہ فواکہ اور ثمرات مراد ہوں جو جنّت میں اعمالِ صالحہ پر مرتب ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ((غراسها الجنة يا تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا)) سے قربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے ثمرات مراد لیے جائیں جو دائمی ہیں اور انقطاع کا ان میں احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ مثال امر متصور کو محسوس کے قریب بنا دیتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو کلمۂ طیبہ کی مثال ہوئی جو عقل کا درخت ہے اب آگے کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان فرماتے ہیں جو نفسانی شہوات ولذات کا خبیث اور گندہ اور بدبُودار درخت ہے اور کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب اور گندہ درخت ہو اور ایسا کمزور ہو کہ وہ ذرا

سی حرکت میں زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کے لیے زمین میں کچھ قرار اور ثبات نہیں اس لیے شاخوں اور پھلوں کا ذکر تو فضول ہے کلمۂ کفر کو شجرہ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں اشارہ اس طرف ہے کہ کفر کا وجود تو ہے مگر معتد بہ اور پائیدار وجود نہیں اس لیے کہ کفر کا دعویٰ کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں اسی وجہ سے اس کی شاخوں اور پھلوں کا ذکر نہیں فرمایا کفار کا کوئی عقیدہ دنیا میں مضبوط دلیل سے قائم نہیں تھوڑا سا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتا ہے عجب نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ کافر کا کوئی عمل معتبر نہیں اس لیے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اور نہ اس پر کوئی اخروی ثمرہ مرتب ہوگا۔

نہ بیخ کزاں باشد اورا مدار — نہ شاخ کہ گردد بداں سایہ دار

گیا ہیست افتادہ برروئے خاک — پریشان و بے حاصل وخور ناک

کافروں کے دعویٰ کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ذرا دھیان کرو تو اس کا غلط ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا نہیں ہوتا اور نہ دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے جس میں یہ چار وصف پائے جائیں۔

① پاکیزہ ہو، یعنی دیکھنے میں خوبصورت اور خوشبودار اور خوش مزہ ہو اس کا پھل شیریں اور لذیذ ہو۔

② جڑ اس کی مضبوط ہو اُکھڑنے اور گرنے سے بالکل محفوظ ہو۔

③ شاخیں اس کی اونچائی میں آسمان کو جا رہی ہوں یعنی بہت بلند ہوں اور ظاہر ہے کہ درخت جس قدر زیادہ لمبا ہوگا اسی قدر اس کا پھل بھی پاکیزہ اور لذیذ ہوگا اور زمین کی کدورتوں سے محفوظ ہوگا اور زیادہ بھی ہوگا۔

④ ہر وقت وہ پھل دیتا ہو اس کے پھل کے لیے کوئی زمانہ خاص نہ ہو کہ اس زمانہ کے سوا کسی دوسرے وقت میں اس کو پھل نہ آتا ہو جو درخت ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ نہایت عمدہ درخت ہوگا اور ہر عاقل اس کے حصول کی کوشش کرے گا۔

پس یہی حال شجرۂ ایمان واسلام کا ہے کہ وہ دیکھنے میں اور سونگھنے میں نہایت پاکیزہ ہے اس درخت کے اُصول وفروع کو دیکھ کر اور سن کر آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کا عجیب پاکیزہ درخت ہے۔

اور اس کی جڑ نہایت مضبوط ہے کہ جو اللہ کی معرفت اور محبت اور دلائل عقل وفطرت پر قائم ہے اسی وجہ سے دین اسلام مؤمن کے دِل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

اور پھر اس اعتقاد جازم سے جو اعمال صالحہ کی شاخیں نکلتی ہیں وہ آسمان قبول تک پہنچ جاتی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ﴾ ((وَ قَالَ النبی ﷺ الایمان بضع وسبعون شعبة)). اور شعبہ اصل میں درخت کی شاخ کو کہتے ہیں۔

اور مؤمن اس پاکیزہ درخت کے ثمرات طیبہ اور انوارِ الٰہیہ اور برکات ربانیہ سے ہر وقت بہرہ ور اور لذّت اندوز ہوتا رہتا ہے شجرۂ ایمان کے ثمرات کبھی منقطع نہیں ہوتے ﴿لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ﴾۔

لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ ایسے درخت کے حاصل کرنے سے غفلت نہ برتے جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اور حصول کے بعد اس کی آبیاری اور خبر گیری سے غافل نہ ہو ایسے درخت کا میسر آنا نعمت عظمیٰ ہے اور ﴿بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان ثمرات و

برکات کا حصول خدا تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے یہ کلمۂ طیبہ کی مثال کا بیان ہوا۔

اور اس کے برخلاف کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ کفر اس خبیث اور گندہ درخت کے مشابہ ہے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔

① بُرا اور گندہ ہو یعنی بدصورت اور بد بُودار اور بدمزہ ہو دینی اور دنیوی، روحانی اور جسمانی مضرتوں کا حامل ہو اور طرح طرح کی خباثتوں اور کراہتوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو جس کی وجہ سے وہ غایت درجہ قابلِ نفرت ہو۔

② جڑ اس کی مضبوط نہ ہو زمین کے اوپر ہی رکھی ہوئی ہو ذرا سی ہوا تیز چلے یا کوئی حرکت دے تو گر پڑے

③ اس کو مضبوطی نہ ہو یعنی بہت کمزور درخت ہو جس کو ثبات اور قرار نہ ہو یہی حال ملت کفر کا ہے کہ ایک خبیث درخت کی طرح ملتِ کفر بد صورت اور بد بُودار اور بدمزہ ہے اس لیے کہ شجرۂ کفر بے حیائیوں اور بے غیرتیوں اور طرح طرح کی بد اخلاقیوں اور قسم قسم کی بداعمالیوں کا ایک گندہ درخت ہے جس کا پھل سوائے شقاوت اور خسران کے کچھ نہیں امریکہ اور برطانیہ اسی قسم کے اشجارِ خبیثہ کے جنگل اور دنگل ہیں اور اس شجرۂ کفر کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر گر پڑتا ہے یہ درخت صرف نفسانی شہوتوں اور لذتوں پر قائم ہے جو سراسر عقل اور فطرت اور غیرت کے خلاف ہے کفر و شرک کے جس قدر اصول و فروع ہیں وہ سب باطل و بے بنیاد ہیں جن کے لیے دلیل اور برہان نہیں ﴿حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ﴾ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ شجرۂ خبیثہ سے اندرائن کا درخت مراد ہے جس کا پھل نہایت زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے اور نہایت بد بُودار ہوتا ہے اور اس کی جڑ پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس کو ثبات اور استحکام نہیں ہوتا بآسانی زمین کے اُوپر سے اکھاڑا جا سکتا ہے کفر کا یہ خبیث درخت عقل اور فطرت کے جھونکے سے اُکھڑ کر گر جاتا ہے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی جھوٹ سچ کی طرح اپنے پاؤں سے نہیں چلتا بلکہ زن اور زر کے زور سے چلتا ہے (جیسا کہ نصرانی مذہب) مگر دل میں نہیں اترتا اس کی جڑ نہیں ہوتی یعنی دل اس سے مطمئن نہیں (جیسا کہ نصرانیوں کی تثلیث فی التوحید اور مسئلہ کفارہ) جس کو شہوت پرست زن اور زر کے طمع سے محض زبان سے مان لیتے ہیں مگر دل میں نہیں اترتا کسی بڑے سے بڑے پادری کا دل مسئلہ تثلیث پر مطمئن نہیں۔

غرض یہ کہ کفر کی نہ تو کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ کافر کے پاس اپنے کفر اور شرک کی کوئی دلیل اور برہان ہے اور نہ اس شجرۂ کفر کی کوئی فرع اور شاخ ہے اور نہ کافر کا کوئی عمل اور چڑھتا ہے اور نہ کوئی شئے اس کی قبول ہے اور ایسے خبیث اور گندے درخت کے پھل کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور اتنا کمزور ہے کہ دلائل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ ایسے بدمزہ اور زہریلے اور بد بودار قابلِ نفرت درخت سے احتراز کریں اور ایسے پاکیزہ درخت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور اس کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہو وہ شجرۂ اسلام ہے جو غایت درجہ معقول اور نہایت درجہ مستحکم ہے۔

اور حدیث میں جو شجرۂ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت سے اور شجرۂ خبیثہ کی تفسیر حنظل اور کشوث کے درخت سے آئی ہے وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور تخصیص، اور مقصود یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ ایک شجرۂ طیبہ کے مشابہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پاکیزہ درخت ہو اور شجرۂ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بد بودار اور بدمزہ ہو وہ سب شجرۂ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے اس لیے زجاجؒ کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرقہ لہسن کے درخت کے مشابہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ کے مشابہ اور کوئی کسی کے اور کوئی کسی کے یہ تو اہل سنت والجماعت کی تفسیر ہوئی اور حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ شجرۂ طیبہ سے آنحضرت ﷺ

حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور شجرۂ خبیثہ سے بنی اُمیّہ مراد ہیں۔(دیکھو روح المعانی ص ۱۹۲ ج ۱۳)

یہاں تک کلمہ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان فرمائی اب آئندہ آیت میں ہر ایک کے اثر اور ثمر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے یعنی کلمۂ طیبہ کی برکت سے جس کی جڑ مضبوط ہے دونوں جگہوں میں یعنی دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمہ طیبہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور اصحاب اخدود کی طرح جب کفار کی طرف سے کوئی فتنہ اور ابتلاء پیش آتا ہے تو بتوفیق خداوندی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے اور جادۂ توحید سے اس کا قدم نہیں پھسلتا اور کوئی فتنہ پیش آئے تو اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آتا اور اسی طرح مرنے تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے نکیرین کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے اور قیامت کے ہوشربا دن حساب و کتاب کے وقت اس کو کوئی اندیشہ نہیں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو دنیا اور آخرت میں حق پر مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے غرض یہ کہ فی الآخرۃ سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ احادیثِ مرفوعہ اور اقوالِ صحابہ سے ثابت ہے کہ فی الآخرۃ سے قبر مراد ہے جو آخرت کی پہلی منزل ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو جواب کی تلقین اور حق اور ثواب پر تمکین عطا فرماتا ہے اور امتحان قبر میں اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور لفظ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ﴾ "اللہ ثابت قدم رکھتا ہے" میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ثبات اور استقامت اللہ کی توفیق اور تثبیت اور اس کے فضل وعنایت سے ہے اگر اللہ کی تثبیت اور تائید نہ ہو تو مؤمن کے ایمان کے آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل) وَقال اللہ تعالیٰ: ﴿نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ﴾ (ھود:۱۲۰) کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ﴾ (الانفال:۱۲)

فائدہ: آیت میں قول حق اور قول صدق مراد ہے جو قول باطل اور قولِ کاذب کی نقیض ہے اور قول ثابت کا اولین مصداق کلمۂ ایمان اور اس کے لوازم ہیں یہ تو کلمہ طیبہ کے اثر کا بیان تھا۔

اب آگے کلمۂ خبیثہ کے اثر کو بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کلمۂ خبیثہ کی نحوست سے ظالموں کو یعنی کافروں کو جنہوں نے کفر کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے کہ حق اور صدق سے منحرف رہے اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہوکر یہ کہیں گے ہاہ... ہاہ... لا ادری۔ افسوس افسوس میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا جو سنا وہی کہہ دیا اس پر فرشتے اس کے گرز ماریں گے اور کہیں گے لَا دریت ولا تلیت کہ نہ تو نے خود سمجھا اور نہ کسی سمجھنے والے کا اتباع کیا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تحقیقی اور ایک تقلیدی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تحقیقی کی طرح ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دین ہمارا اسلام ہے یہ ایمان تقلیدی ہے اور عند اللہ یہ بھی معتبر ہے یہاں بظاہر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ثابت قدم رکھتے ہیں اور وہی بچلاتے ہیں تو پھر بچلنے والے پر کیا الزام اس کا ایک جواب تو لفظ ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ سے ہوگیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس کی نحوست سے بچل گئے یہ حکیمانہ جواب ہے اب آگے حاکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور ثابت قدم رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور بچلائے اس کی بارگاہ میں یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ مؤمنوں کو کیوں ثابت قدم رکھا اور ظالموں کو کیوں بچلایا اور گمراہ کیا وہ علیم وحکیم ہے وہ اپنی حکمت ومشیت سے جس کے ساتھ جو مناسب ہوتا ہے وہی معاملہ کرتا ہے۔

فائدہ ①: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یہ جملہ شجرۂ طیبہ کی مثال سے متعلق ہے اور ﴿ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ کلمۂ خبیثہ سے متعلق ہے اور ﴿ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ دونوں سے متعلق ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ﴾۔

ایک شبہ: یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت مکی ہے اور حدیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ میں ہوا لہٰذا یہ آیت عذاب قبر کے بارہ میں کیسے ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اگر اس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو مکہ ہی میں حضور ﷺ کو اس کا علم ہو جاتا۔

جواب: اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ فی الاخرۃ وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں ایک آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ اور ایک آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر اور قیامت کبریٰ یا یوں کہو کہ ایک حقیقی اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پرنور ﷺ کو تثبیت اور اضلال فی الآخرۃ کا ایک جزتو مکہ مکرمہ ہی میں منکشف ہوگیا یعنی قیامت میں حساب وکتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا بچلنا کیونکہ لفظ آخرت سے بظاہر اور متبادر قیامت ہے اور تثبیت اور اضلال کا دوسرا جز یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر یہ مدینہ منورہ میں منکشف ہوا۔ خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الآخرۃ کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور متبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہوگیا اور دوسرا جز یعنی عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ میں منکشف ہوا پس آیت کے مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے بارہ میں نازل ہونے میں کوئی تنافی نہیں رہی۔

فائدہ ②: آیت میں مؤمن صالح اور کافر کے ثواب اور عذاب قبر کا ذکر ہے مؤمن فاسق کا صراحۃً کوئی ذکر نہیں اب یا تو قیاس کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے اعتقاد میں مؤمن کے مشابہ ہے اور عمل میں کافر کے مشابہ ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی بین بین ہوگا۔ (ھٰذا کلہ ملخص من الثبیت بمراقبۃ التبییت وعظ نمبر ۱۲۲ از سلسلۂ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ شاید گناہ گار مؤمن کے ذکر سے اس لیے سکوت کیا گیا کہ اس کا معاملہ مشیت خداوندی میں مستور ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النساء:۱۱۶)

فائدہ ③: جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ: تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ سوال کے ان دو فرشتوں میں سے ایک کا نام منکر بفتح کاف بصیغہ اسم مفعول ہے اور دوسرے کا نام نکیر بروزن فصیل ہے چوں کہ ان کی صورت اور شکل بالکل اوپری ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہ ہے اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے بالکل نئی مخلوق ہے اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے اجتماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) میں مؤمن وکافر سب سے سوال ہوگا

اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہٖ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال و جواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا غیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کے کسی جز سے متعلق ہوسکتی ہے۔ لہٰذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میّت کو دیکھتے ہیں مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میّت کی اور ان کی گفت گو کو سنتے ہیں اور نہ میّت کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت ہی دیکھنے میں آتی ہے منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے مشاہدے کے لیے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ جبریل امین علیہ السلام کا کلام سنتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔

بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید اَلم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ واقع میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہوسکتا بعینہٖ یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال کی ہے کہ مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور ان کو جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا جب مرو گے معلوم ہوجائے گا حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر اور میت کے سوال و جواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک سمیع و بصیر انسان کا ایک قطرۂ آب سے پیدا ہوجانا اس سے ہزاروں درجہ عجیب و غریب ہے مگر چونکہ روز مرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن اور حدیث نے خبر دی ہو مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے نابینا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کردے۔

خلاصۂ تفسیر آیت مذکورہ:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں حق جل شانہٗ نے اس آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان و کفر کے فرق کو بتلایا ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ شیریں و نہایت نفع بخش پھل دار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اُتار کر مکہ میں نصب کیا گیا جو بوجہ علو و رفعت یہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین میں قائم ہوئی اور پھر اس کی جڑیں اور شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں اور اطراف عالم میں پھیلتی گئیں اور کلمۂ ناپاک کی مثال ایک ناپاک و خراب درخت جیسی ہے جسے لوگ بوجہ گندگی کے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ سرسبز نہیں ہونے پایا۔ اسی طرح جو کفر و شرک عالم میں پھیلا ہوا تھا اسلام نے اسے مٹایا اور مٹاتا رہا اس تمثیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ایک گروہ وہ تھا جو اعلاء کلمۂ حق میں ساعی و کوشاں تھا۔

اور دوسرا گروہ وہ تھا جو کفر کا پیشوا تھا اور کفر اور شرک کی ترویج میں ساعی و کوشاں تھا گروہِ اوّل کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے گا اور دوسرے گروہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی دین حق کو کفر اور ضلالت سے تبدیل کر رکھا تھا مذمت کی اور آخرت میں ان کا بُرا ٹھکانہ قرار دیا گروہِ اوّل کے مصداقِ اوّلین، مہاجرین اوّلین ہیں جن کے سردفتر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کی وجہ سے دین اسلام نے رواج پایا۔ اور گروہِ ثانی جہلائے قریش تھا اس

گروہ کا سردفتر ابوجہل تھا گروہِ اوّل کے بالمقابل گروہِ ثانی والے ذلیل وخوار اور گرفتار مصیبت و بلا ہوئے اور آیت میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے توفیق الٰہی مراد ہے جو بندہ کو قبر میں عطا کی جاتی ہے اور جس وقت منکر نکیر اُس سے آ کر سوال کرتے ہیں تو وہ بتوفیق الٰہی راست جواب دیتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ
تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلا کیا اللہ کے احسان کا، ناشکری اور اُتارا اپنی قوم کو تباہی
الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
کے گھر میں جو دوزخ ہے پیٹیں گے اس میں اور بُرا ٹھکانہ ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل
لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾
کہ بہکاویں لوگوں کو اس کی راہ سے تو کہہ، برت لو پھر تم کو پھر جانا ہے طرف آگ کے
قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
کہہ دے میرے بندوں کو جو یقین لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی روزی میں سے
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾
چھپے اور کھلے، پہلے اس سے کہ آوے وہ دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ
روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں
بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند

دَآىِٕبَيْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۚ ﴿۳۳﴾ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا

ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو

سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ

تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو بے شک آدمی بڑا

لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۧ ﴿۳۴﴾ ۱۷ ع

بے انصاف ہے ناشکر

مذمت کفّارو مشرکین ومدح مؤمنین صالحین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا... الٰى... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾

یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرۂ طیبہ کی دعوت دی اور شجرۂ خبیثہ کی مضرتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور بجائے اس کے کہ منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمربستہ ہوگئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں اپنے خاص بندوں کو مراسم عبودیت بجالانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفار نانہجار کی طرح ناشکرے نہ بنو۔ کیا اے دیکھنے والے تو نے ان ظالموں ❶ کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرۂ طیبہ کی دعوت دی اور شجرۂ خبیثہ کے استعمال سے ان کو منع کیا مگر ان ظالموں نے نعمت کے بدلے مصیبت اور شجرۂ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اُتارا یعنی ان کو بھی شجرۂ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بُری قرار گاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہرائے تا کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں اے نبیؐ! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھا لو اور دنیا میں خوب مزے اڑا لو پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی بدپرہیز سے کہے:

کل ماشئت فانه جاءك الموت "اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے"

کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں۔ اے نبیؐ! آپ ﷺ میرے بندوں سے کہہ دیجیے جو میرے خاص بندے ہیں درہم و دینار کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان

---

❶ اس ترجمہ میں گزشتہ آیات ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

سے کہہ دیجیے کہ وہ نعمت الٰہی کی شکرگزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر واسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہرحال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے رہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کرلو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات وصفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

① اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ② اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا ③ اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ﴾ (الانبیاء: ۳۰)۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے ④ اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعے تم تجارت وغیرہ کر سکو ⑤ اور تمہارے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ حاصل کرو ⑥ اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو ⑦ اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے ⑧ اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو ⑨ اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو ⑩ اور ان کے علاوہ دیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی اور بے شمار چیزیں بغیر تمہارے مانگے ہی تم کو دیں اور اللہ کی نعمتیں تو اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار میں نہیں لاسکتے اگر اپنے اعصاب دماغیہ میں اور ان کے آثار میں غور کرے کہ ہر ایک میں کیا کیا نعمتیں مضمر ہیں تو شمار نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی لقمہ میں اگر غور کرے کہ کس طرح حلق سے نیچے اترا اور کس طرح خون بنا اور کس طرح پاخانہ بنا تو اس کی حقیقت اور کنہ کو نہیں پہنچ سکتا بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکرا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بے محل استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کو نہیں پہچانتا اور نعمت کا شکر تو کیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت ﷺ کا وجود باجود کمال درجہ کی نعمت تھا اس کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب! کر اس شہر کو امن کا اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو

اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ۝۳۵ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ

اس سے کہ ہم پوجیں مورتیں اے رب! انہوں نے بہکایا بہت لوگوں کو

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ج وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

سو جو کوئی میری راہ چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ

اے رب! میں نے بسائی ایک اولاد اپنی میدان میں، جہاں کھیتی نہیں، تیرے ادب والے

الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ

گھر پاس، اے رب ہمارے! تاکہ قائم رکھیں نماز سو رکھ بعضے لوگوں کے دل جھکتے

اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ

ان کی طرف اور روزی دے ان کو میووں سے، شاید یہ شکر کریں اے رب ہمارے! تو تو

تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ط وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی

جانتا ہے جو ہم چھپاویں اور جو ہم کھولیں اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ

الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ

زمین میں اور نہ آسمان میں شکر ہے اللہ کو جس نے بخشا مجھ کو بڑی عمر میں

اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ

اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام بے شک میرا رب سنتا ہے پکار اے رب میرے! کر مجھ کو کہ

مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قلے رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ

قائم رکھوں نماز، اور بعضی میری اولاد کو اے رب ہمارے اور قبول کر میری دعا۔ اے رب ہمارے! بخش مجھ کو

وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸ ع ۶

اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کہ کھڑا ہووے حساب

دُعاءِ ابراہیمی کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا... الى... يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں توحید و نعم الٰہیہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں دعاءِ ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا نقل فرمائی تاکہ معلوم ہوجائے کہ وہ بڑے موحّد تھے اور شرک سے متنفر تھے۔ اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہٰذا ان کی نسل کو چاہیے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خطّہ ایک پرامن اور آباد شہر بنا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعبہ کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قصّہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرۂ طیبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرۂ خبیثہ کے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو مقام امن اور مقام محفوظ بنا دیجیے کہ جو اس میں داخل ہو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محرم بنا دیجیے اور مجھ کو اور میری صُلبی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے۔ کما قال: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیہ: ۲۳) مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں ﴿وَبَنِيَّ﴾ سے عام اولاد مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند مراد ہیں اور وہ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ہیں جو اکابر انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں اور انبیاء علیہم السلام شرک اور معصیت سے معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصومیّت اور محفوظیت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی تائید و توفیق سے ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہِ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلبی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے۔

(تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۰۵ ج ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۲۱۰ ج ۱۳ کو دیکھیں)

لہٰذا قریشِ مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلبی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کی منقصت لازم نہیں آتی یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا بتمام و کمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلبی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دُعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

خاص محبت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مامون اور محفوظ شہر بن گیا اور جبابرہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت گری سے محفوظ رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کے لیے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دُور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور رفع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہوا اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور منافق کو نہیں بخشے گا مگر اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے اے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور قابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لا کر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں جب میری اولاد تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہو گی تو بحق جوار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے اور چونکہ یہ وادی غیر ذی زرع بے آب و گیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دِل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ انس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ! ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض و معروض بحق عبودیت و افتقار و حاجت ہے آپ کی اطلاع کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر و باطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ والہانہ عرض معروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرۂ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعا کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا: اے میرے پروردگار! مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجا لاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہو گی یا مسلمان ہو گی مگر نماز کی پابند نہ ہو گی۔ اے ہمارے

پروردگار! تو ہمارا رب اکرم ہے اپنے جودوکرم سے ہم کو نواز اور میری یہ دعا قبول فرما اور اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہوجائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور گمراہی پر ہوگیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہوگئے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ﴾ (التوبہ: ۱۱۴)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ ۭ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور مت خیال کر، کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف ان کو تو چھوڑ رکھتا ہے

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝۴۲ ۙ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ

اس دن پر جس دن میں اوپر لگ جاویں گی آنکھیں ڈرتے ہوں گے اوپر اُٹھائے اپنے سر پھرتی

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ۝۴۳ ۭ وَاَنْذِرِ النَّاسَ

نہیں اپنی طرف اُن کی آنکھ اور دل اُن کے اُڑ گئے ہیں اور ڈرا دے لوگوں کو

يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى

اس دن سے، کہ آوے گا ان کو عذاب، تب کہیں گے بے انصاف اے رب ہمارے! فرصت دے ہم کو

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا

تھوڑی مدت کہ ہم مانیں تیرا بلانا اور ساتھ ہوں رسولوں کے، تم آگے

اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝۴۴ ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ

قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں کسی طرح ٹلنا اور بسے تھے تم بستیوں میں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا

انہی کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور کھل چکا تم کو، کہ کیسا کیا ہم نے اُن پر، اور بتائیں ہم نے

لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ

تم کو کہاوتیں اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ اور نہ

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ

ہو گا ان کا داؤ کہ ٹل جاویں اس سے پہاڑ سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا

وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ ۭ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ

اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے بے شک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا جس دن بدلی جاوے اس زمین سے

غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى

اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے اور دیکھے تو

الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ ج سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ

گنہگار اس دن جوڑے ہوئے زنجیروں میں کُرتے اُن کے ہیں

قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لا لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

گندھک کے اور ڈھانکے لیتی ہے ان کے منہ کو آگ تا بدلہ دے اللہ ہر جی کو اس کی

كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا

کمائی کا بے شک اللہ شتاب کرنے والا ہے حساب یہ خبر کر دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک رہیں

بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ۷/۱۱ ۱۹

اس سے، اور تاکہ جانیں کہ معبود ہے ایک اور تاکہ سوچ کریں عقل والے۔

تذکیر آخرت وتحذیر از غفلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ... الی ... وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اور ظالموں یعنی مشرکوں کی وعید کا ذکر تھا جو آخرت کے منکر تھے۔ اب آئندہ آیات میں آخرت کی یاددہانی اور اس سے غفلت پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظالم یعنی منکرین آخرت قیامت کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے

غافل ہے غافل نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت کی وجہ سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ قادر اور حلیم ہیں فوراً مجرم کو نہیں پکڑتے بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں البتہ جب جرم میں حد سے گزر جاتا ہے تب اس کو پکڑتے ہیں۔ لہٰذا کوئی ظالم سزا کی تاخیر سے یہ گمان نہ کرے کہ خدا تعالیٰ جرائم سے غافل اور بے خبر ہے وہ کیسے حساب لے گا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ان کافروں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آئے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ﴾

بعد ازاں اس دن کے کچھ احوال اور کافروں کی حیرانی اور پریشانی کو بیان فرمایا اور پھر توحید پر اس سورت کو ختم فرمایا اور ﴿وَ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ سے یہ بتلا دیا کہ عاقل اور دانا وہی ہے کہ جو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کو مانے اور اس کے حساب و کتاب و جزاء و سزا سے ڈرے اور وہاں کی کچھ فکر اور تیاری کرے اور اے غافل خدا کی ڈھیل سے یہ گمان ہرگز نہ کر کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال و افعال سے غافل ہے یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اللہ نے جو ان ظالموں کو مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے اور کھلے بندوں ان کو چھوڑ رکھا ہے وہ ان سے غافل ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ مہلت اور مؤاخذہ میں تاخیر ایک امتحانی پردہ ہے جز ایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے ایسے آنے والے دن کے لیے کہ حیرت اور دہشت کی وجہ سے اس دن نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی یعنی اس دن کی شدت اور ہول کو دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو حال یہ ہوگا کہ میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مُّهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ (القمر:۸)... ﴿یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ﴾ (القمر:۷)..... ﴿یَوْمَىِٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ (طٰہٰ:۱۰۸) یعنی قبروں سے نکل کر پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حیرت اور دہشت کی شدت کی وجہ سے اپنے سر اوپر کو اٹھائے ہوں گے جزع اور فزع کی وجہ سے کوئی کسی طرف نظر نہیں کرے گا ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی یعنی شدتِ خوف و دہشت کی وجہ سے ایسی ٹکٹکی بندھے گی کہ پلک بھی نہ جھپکے گی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور ان کے دِل اڑے ہوئے ہوں گے یعنی غلبۂ دہشت و حیرت کی وجہ سے ان کے دِل عقل اور فہم سے خالی ہوں گے اے ظالمو! جس آخرت اور یوم قیامت کے تم منکر ہو اس کا حال یہ ہے ہوشیار ہو جاؤ اس دن تک تم کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے اور جب یہ دن آجائے گا تو پھر تم کو مہلت نہ ہوگی اور اے نبیؐ! آپ ﷺ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا تو یہ ظالم لوگ جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت دیجیے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دیجیے تو ہم اس مدت میں تیری دعوت کو قبول کریں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے ان کو جواب ملے گا کیا ہم نے تم کو دنیا میں مہلت نہیں دی تھی اور کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو زوال نہیں یعنی اس حالت سے پہلے تم کو اس درجہ یقین تھا کہ قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا دائمی ہے قیامت اور آخرت کی جو باتیں پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ سب افسانہ ہے اچھا اب تو اس قیامت کو دیکھ لیا اب تم اس کا مزہ چکھو اور علاوہ ازیں تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور رسولوں کا مقابلہ کیا جیسے قوم عاد اور قوم ثمود اور خبر متواتر سے تم پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا یعنی بالیقین تم سب پر بات کھل چکی ہے کہ یہ قوم عاد اور قوم ثمود کی بستیاں ہیں جن کو اللہ نے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر ڈالا وہ تو اس دارِ فانی کو چھوڑ گئے اور ان کی جگہ تم آباد ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اور نشان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں غور کر لو جو انجام ان

کا ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا دیکھ لو کہ انعام کے بعد اللہ کا انتقام ایسا ہوتا ہے سمجھ جاؤ کہ کفر کا انجام یہ ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ واقعات جو تم نے بے شمار لوگوں سے سنے عبرت کے لیے کافی تھے اور ان کے گھروں میں عذاب نازل ہونے کے جو آثار تم نے دیکھ لیے تھے وہ بھی عبرت کے لیے کافی تھے مگر ہم نے اس کے علاوہ تمہاری نصیحت کے لیے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں تاکہ تم سمجھو مگر تم نے ان سے عبرت نہ پکڑی بلکہ اور الٹی ان کی ہنسی اڑائی اور دین حق کے مٹانے پر تل گئے اور اس کے لیے طرح طرح کے مکر وفریب کئے اور بے شک ان لوگوں نے دین حق کے مٹانے کے لیے جس قدر ان سے مکر وفریب ممکن تھا وہ چلا ڈالا یعنی حق کے رد کرنے میں اور کفر کے غالب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اللہ کے سامنے ہے ان کا مکر ان کا کوئی مکر وفریب خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں اور واقعی ظاہر نظر میں ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ عجب نہیں ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر حق تو پہاڑوں سے کہیں زیادہ محکم اور مضبوط ہے وہ ان مکاروں کے مکر وفریب سے کہاں ٹل سکتا ہے اللہ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے۔ پس اے گمان کرنے والے تو اللہ کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکذبین رسالت اور منکرین آخرت کو قیامت میں عذاب دے گا وہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہوگا اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ عجز کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ بلاشبہ اللہ غالب ہے سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے صاحب انتقام ہے اپنے دوستوں کا دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا اور یہ بدلہ اس روز ہوگا جس دن اس زمین اور آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدل دیئے جائیں گے جاننا چاہیے کہ تبدیل کبھی باعتبار ذات کے ہوتی ہے اور کبھی باعتبار صفات کے ہوتی ہے تبدیل ذات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات بالکل معدوم اور فنا کر دی جائے اور اس کے بدلے دوسری ذات پیدا کر دی جائے اور تبدیل صفات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات تو باقی رہے اور صفات سابقہ کے بدلہ میں دوسری صفات اس میں پیدا کر دی جائیں اور چونکہ آیت میں جو لفظ تبدیل واقع ہوا ہے وہ دونوں معانی کا محتمل ہے اس لیے آیت میں مفسرین کے دو قول ہو گئے۔

پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں تبدیل صفات مراد ہے یعنی اصل زمین اور آسمان تو رہیں گے مگر ان کی حالت اور صفت بدل دی جائے گی مثلاً زمین کے ٹیلے اور پہاڑ برابر کر کے تمام زمین ایک ہموار میدان بنا دی جائے گی اور کسی درخت اور عمارت کا اس پر نام و نشان باقی نہ رہے گا اور آسمان کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی رنگت سرخ ہو جائے گی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ذات میں تغیر و تبدل ہوگا یعنی یہ اصل زمین اور آسمان ہی بدل دیئے جائیں گے اور نئی زمین اور آسمان پیدا کر دیا جائے گا اور وہ نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور اس پر کسی نے خون کا قطرہ نہ گرایا ہوگا اور نہ اس پر اللہ کی معصیت کی گئی ہوگی یہ قول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور بعض احادیث صحیحہ میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس بارہ میں اقوالِ صحابہ و تابعین مختلف ہیں اور احادیث بھی مختلف ہیں بعض سے تبدیل ذات مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے تبدیل صفات معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا اور بعض نے دوسرے قول کو اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق دی کہ زمین و آسمان کی تبدیلی کئی بار ہوگی ایک تبدیلی نفخ صور کے وقت ہوگی اس وقت فقط صفات کی تبدیلی ہوگی کہ تمام زمین ہموار کر دی جائے گی اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے دوسری تبدیلی نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ہوگی کہ اس

زمین اور آسمان کی بجائے نئے زمین اور آسمان پیدا کر دیئے جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تبدیلی اس وقت ہوگی کہ جب لوگ پل صراط پر ہوں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

آگے پھر اس دن کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس دن سب قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لیے خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہو جائیں گے اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا پیروں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے قطران سیاہ روغن گندھک کو کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور بدرنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور چھا جائے گی ان کے چہروں کو آگ اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اللہ جزاء دے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے۔ بے شک اللہ جلدی حساب والا ہے اس کو اوّلین اور آخرین کا حساب کوئی دشوار نہیں ایک سے حساب دوسرے سے حساب لینے کے لیے مانع نہیں یہ قرآن اللہ کا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت اور شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ لوگ اس سے چوکنے ہو جائیں اور تاکہ یقین کرلیں کہ معبود برحق وہی ایک ہے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے کیونکہ قرآن نے خدا کی وحدانیت کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت اور حقانیت کے اور قیام قیامت کے ایسے صریح دلائل بتلائے ہیں کہ جن میں عقل والے کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اخرجنا مِن الظُّلمٰت اِلی النور واجعلنا من اولی الالباب. آمین یارب العٰلمین

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۳ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۸۸ھ سورۂ ابراہیم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا

تفسیر سورۂ حجر

سورۂ حجر مکی ہے اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ اس میں حجر کے رہنے والوں کی عبرت ناک ہلاکت کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حجر ہے اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت کے واقعات اور گاہ بگاہ وحدانیت اور قیامت کا ذکر بھی ہے۔

آیاتھا ۹۹ | ⑮ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ | رکوعاتھا ٦

سورۂ حجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی

حقانیت قرآن کریم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①﴾

ربط: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے الٓرٰ اللہ اعلم بمرادہ۔ یہ آیتیں جن کی محمد رسول اللہ ﷺ تلاوت کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور کامل کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں دوسری کتاب، کتاب کہلانے کی مستحق نہیں اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جو روشن ہے یعنی جس کے اصول اور احکام صاف اور روشن ہیں عقل اور نقل سے ثابت ہیں اور اس کا اعجاز واضح ہے یا وہ قرآن حق اور باطل کو بیان کرنے والا ہے لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ پہلی اُمتوں کی طرح تکذیب رسل اور آیات الٰہیہ سے اعراض کی بناء پر غضب الٰہی کے مستحق بنیں اور پھر آئندہ چل کر حسرت کریں کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اس وقت یہ حسرت کام نہ آئے گی۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۞ ۲ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ

کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان۔ چھوڑ دے ان کو کھالیں اور

يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۞ ۳ وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

برت لیں اور امید پر بھولے رہیں کہ آگے معلوم کریں گے۔ اور کوئی بستی ہم نے نہیں کھپائی

قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۞ ۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ

مگر اس کا لکھا تھا مقرر۔ نہ شتابی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدے سے اور

مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۞ ۵

نہ دیر کرے۔

بیانِ حسرت اہلِ غفلت درروزِ قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۞ ۲ ... الیٰ ... وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۞ ۵﴾

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں اس کے نہ ماننے والوں کا انجام بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جو آج دنیا کی شہوات ولذات میں غرق ہیں اور غفلت کا پردہ ان کے اوپر پڑا ہے قیامت کے دن یا بوقتِ مرگ نہایت حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اور اس کتاب پر ایمان لاتے یا یہ کہ جب کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں کو ثواب مل رہا ہے اور ان کے نہ ماننے والوں کو عذاب مل رہا ہے تو اس وقت یہ خواہش کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور اس قرآن مبین کا انکار کیا ہے جب قیامت کے دن اس کفر اور انکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان ہوتے اور اس قرآنِ مبین کو اور اس قرآن کے لانے والے کو مانتے مگر اس وقت یہ تمنا محض بے سود ہوگی۔ اے نبی! آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ خوب کھائیں اور دنیاوی لذات سے فائدہ اٹھائیں اور لمبی آرزوان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھے یعنی طویل آرزو میں ان کو ایسا غافل بنا دیں کہ انجام کا خیال بھی نہ کریں اور آخرت کو بھولے رہیں پس عنقریب وہ حقیقت حال کو جان لیں گے۔ مرنے کے بعد ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس غفلت اور طول امل کا انجام آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور ان کافروں کو جو مہلت دی گئی اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر پہلے سے اس کے لیے ایک میعاد مقرر لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی جماعت نہ اپنی مدت مقررہ سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے جب وقت آتا ہے تب ہلاک ہوتی ہے جب اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور عذر ختم ہو جائے تب اللہ کا عذاب آتا ہے۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؕ ۝۶ لَوْ مَا
اور لوگ کہتے ہیں اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے۔ نصیحت' تو مقرر دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں

تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
لے آتا ہمارے پاس فرشتے اگر تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارتے فرشتے

اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ
مگر کام ٹھہرا کر اور اس وقت نہ ملے گی ان کو ڈھیل۔ ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور

اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰
ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے۔

وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ
اور نہیں آیا ان پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی۔ اسی طرح

نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
پیٹھاتے (ڈال دیتے) ہیں ہم اس کو دل میں گنہگاروں کے۔ یقین نہ لاویں گے اس پر اور ہوپائی (ہوتی آئی) ہے رسم

الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴
پہلوں کی۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں۔

لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ ع ۱۵/۱
یہی کہیں کہ ہماری نگاہ ہی بندھ گئی ہے۔ نہیں ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔

ذکر اقوال کفار نابکار در بارۂ بارگاہِ رسالت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ... الٰی ... بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵﴾

ربط: گزشتہ آیت میں کفار کے انکار قرآن اور اس پر تہدید کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں کفار کے ان اقوالِ فاسدہ اور شبہاتِ کاسدہ کا ذکر کرتے ہیں جو وہ صاحب قرآن آنحضرت ﷺ کے بارہ میں کیا کرتے تھے جس سے ان کا مقصود انکارِ رسالت تھا۔ ان آیات میں

ان کے اقوال کو مع جواب کے ذکر فرماتے ہیں تا کہ خود ان پر ان کا عناد اور کج فہمی ظاہر ہو جائے کہ جن کو ہم اپنی جہالت کے نشہ میں سرشار ہو کر مجنون کہا کرتے تھے وہ مجنون نہ تھے چونکہ نزول وحی کے وقت آنحضرت ﷺ پر ایک ربودگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی اس لیے یہ نادان اس حالت کو جنون سمجھے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (القلم) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾ (الاعراف: ۱۸۴) اور عجب نہیں کہ آپ ﷺ کو بطور استہزاء و تمسخر مجنون کہتے ہوں۔ کما قال فرعون: ﴿ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۷)

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں قرآن مبین کے ساتھ کفار کے عناد اور عداوت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں صاحبِ قرآن یعنی رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ ان کے عناد اور عداوت کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

اور یہ کافر لوگ جن کو طولِ اَمل نے غفلت میں ڈال رکھا ہے معجزات نبوت میں تامل نہ کرنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں: اے وہ شخص جس پر قرآن اور نصیحت اتاری گئی ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے کہ تو ہم کو نقد سے ادھار کی طرف بلاتا ہے یعنی دنیا سے آخرت کی طرف کیوں نہیں لاتا تو ہمارے روبرو فرشتوں کو جو تیری نبوت اور صداقت کی گواہی دیں اگر تو سچوں میں سے ہے کہ تیرے پاس اللہ کی وحی آتی ہے یعنی اگر تو سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو فرشتے ہمارے سامنے لا کہ وہ تیری رسالت کی گواہی دیں ﴿ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝ ﴾ (الفرقان) اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ یعنی بمقتضائے حکمت و مشیت ملائکہ کو نازل کرتے ہیں اور تم نے جو فرمائش کی ہے وہ حق نہیں اور حق سے مراد وقت عذاب ہے اور تمہاری فرمائش کے فرشتے جب نازل ہوں گے تو عذاب ہی لے کر اتریں گے تو اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے پھر آئندہ آیت میں اشارۃً ان کے مجنون کہنے کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارا نبی مجنون نہیں۔ اس لیے کہ تحقیق ہم نے اس پر اس قرآن کو اتارا ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کوئی شخص کسی قسم کی کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اس میں نہ کوئی لفظی تحریف کر سکے گا اور نہ معنوی تحریف کر سکے گا اور ظاہر ہے کہ جس پر ایسی نصیحت اور ہدایت کی کتاب نازل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ پس سمجھ لو کہ جس قرآن کے تم منکر ہو اور جس کی وجہ سے تم ہمارے پیغمبر کو دیوانہ بتاتے ہو ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اور سمجھ لو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں' اس آیت میں حق سبحانہ' نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سو الحمد للہ۔ اللہ کا یہ وعدہ اور اس کی یہ پیشین گوئی جیسی فرمائی تھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ بحمد اللہ دیکھ لیجیے کہ قرآن مجید کی کیسی حفاظت ہوئی ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ اس سے گھٹ سکا نہ بڑھ سکا۔ اگلی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں مگر قرآن ہنوز اسی حالت پر ہے جس پر آنحضرت ﷺ چھوڑ گئے تھے اور اسی طرح وہ قیامت تک ہر طرح کی تحریف و تبدیل اور کمی اور زیادتی سے محفوظ رہے گا۔ جن و انس میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس میں سے ایک حرف یا ایک کلمہ کم یا زیادہ کر سکے۔ یہ فضیلت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں اور اس وقت سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جس میں تحریف اور تبدیل اور کمی اور زیادتی نے راہ نہ پائی ہو توریت اور انجیل کے اصلی نسخوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا اور بائبل کے جو نسخے اس وقت موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں ان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلاف موجود ہیں سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں کہ ہر خطۂ زمین میں جس کے بے شمار حافظ موجود ہوں اور حرف بحرف ان کو ازبر ہو بہتیرے دشمنانِ دین قرآن کی تحریف کے درپے رہے اور اب تک ہیں کوئی اس کی ترتیب بدلتا ہے اور کوئی کمی اور

مدنی سورتوں میں فرق کرتا ہے اور کوئی تاویلات فاسدہ سے اس کے معنی اور مطالب کو بدلتا ہے اور کوئی وحی کی حقیقت کو بدل کر اس کو کلام انسانی اور القاء نفسانی بتاتا ہے مگر علماء راسخین ان کی لفظی اور معنوی تحریف کو ظاہر کر دیتے ہیں اور ان نام نہاد مسلمانوں کے پردۂ نفاق کو چاک کر دیتے ہیں۔

غرض یہ کہ ذکر (قرآن) کی اس شان سے محفوظیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اور جس ذات پر یہ ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے وہ مجنون نہیں اور البتہ ہم آپ سے پہلی اُمتوں اور مختلف فرقوں میں رسول بھیج چکے ہیں مگر وہ مختلف فرقے انبیاء علیہم السلام کی طرف جنون کی نسبت کرنے میں متفق رہے اور ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنی بنائی ہوئی خواہشوں میں غرق تھا اور نفس کے شہوات میں ڈوبا ہوا تھا جو رسول آتا ان کو ان نفسانی اور شہوانی لذات سے منع کرتا تو اس کو مجنون بناتے اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے مطلب یہ ہے کہ اے نبی! یہ کافر جو آپ ﷺ کو مجنون کہتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں پہلے کافروں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اسی طرح کی باتیں کی ہیں ان جاہلوں کی یہ قدیم عادت ہے اسی طرح کی تکذیب اور استہزاء ہم مجرموں کے دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے معاند ہیں ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ اور اتباع ہدیٰ سے استکبار کرتے ہیں کہ ہم کیوں کسی کے مطیع اور فرماں بردار بنیں اور ہم دولت مند ہیں ان درویشوں کے پیچھے کیوں چلیں۔ یہ امور تو ان کی گمراہی کے ظاہری اسباب ہیں۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی توفیق سے محروم کر دیا ہے اور ان کے دل ایسے بنا دیئے ہیں کہ ایمان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس قسم کے معاندین قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور اسی طرح گزر چکی ہے رسم پہلے لوگوں کی جس نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کو مجنون بتلایا وہ عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر ایمان نہیں لائے اسی طرح یہ بھی ایمان نہیں لائیں گے اور جس طرح متمردین ہلاک اور رسوا ہوئے اور حق کا بول بالا ہوا اسی طرح اب بھی ہوگا۔ اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت یہی ہے کہ انبیاء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کے دلوں میں کفر اور گمراہی کو جاری وساری کر دیتے ہیں کہ کفر اور عناد ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

اور وہ نزول ملائکہ پر تو کیا ایمان لاتے ان کے عناد اور ضد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر بجائے اس کے کہ ان کے لیے فرشتے آسمان سے اتاریں۔ خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں۔ اس طرح پر کہ ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر دن کے وقت وہ اس پر چڑھیں اور بلا کسی اشتباہ عجائب ملکوت کا مشاہدہ کر لیں اور فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور از راہِ عناد یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن فی الواقع ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عناد اور ضد کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی نشانی کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہماری عقلوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پس جو شخص تعنت اور عناد کی اس حد کو پہنچ جائے اس کو کوئی موعظت نفع نہیں دیتی اور نہ وہ کسی نشانی سے راہ یاب ہو سکتا ہے ایسے معاندین کے سامنے فرشتوں کا نازل کرنا بالکل بے سود ہے۔

*

لطائف و معارف

بابت آیت : ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

① تمام اہلِ سنّت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہ ہی قرآن ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکلیہ محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

تحقیق ہم ہی نے یہ کتابِ نصیحت نازل کی ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

اس وعدہ کے مطابق آج چودھویں صدی گزرنے کو ہے کہ قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں اور روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر زیر کا فرق نہیں بفرض محال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبی اور مطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کا ایک جملہ اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ قرآن کے سوا کسی آسمانی اور زمینی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف و تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی

② اور شیعوں میں جو غالی اور متعصب ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بلکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت سی آیتیں اور سورتیں جو حضرت امیر اور اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں اور جن آیات میں اہل بیت کی اطاعت اور پیروی کے احکام تھے اس قسم کی تمام آیات کو قرآن سے ساقط کر دیا اس لیے کہ اس قسم کی آیتیں شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بہت شاق اور گراں تھیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جن سے ان کی رگِ حسد جنبش میں آ گئی اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کو قرآن سے نکال ڈالا۔ از اں جملہ ایک یہ ہے "وَجعلنا علیا صھرك" یہ آیت ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ میں تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو تیرا داماد بنایا اس آیت صہریت کی نسبت حضرت امیر کی طرف کی گئی نہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اور قرآن میں ایک سورت سورۃ الولایت تھی جو بڑی لمبی سورت تھی۔ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھی اس کو بھی قرآن سے نکال ڈالا۔

③ اہل سنت والجماعت اس طعن کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طعن کی ذمہ داری تو خدا پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ فرمایا ہے یعنی یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حافظ و نگہبان ہیں۔ پس جس چیز کی حمایت اور حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے کسی بشر کو یہ مقدور نہیں کہ وہ اس کی حفاظت میں خلل

---

[1] اعلم انه لم یتفق لشیء من الکتب مثل هذا الحفظ فانه لاکتاب الا وقد دخله التصحیف والتحریف. والتغییر اما فی الکثیر منه او فی القلیل وبقاء هذا الکتب مصونا عن جمیع جهات التحریف مع ان دواعی الملاحدة والیهود والنصارٰی متوفرة علی ابطاله وافساده من اعظم المعجزات وایضًا اخبر الله تعالٰی عن بقائه محفوظًا عن التغییر والتحریف وانقضی الآن قریباً من ستمائة سنة فکان هذا اخبارًا عن الغیب فکان ذٰالِكَ ایضًا معجزا قاهراً۔ (تفسیر کبیر ص ۲۶۵ ج ۵)

انداز ہو سکے اور اس میں کچھ گھٹا بڑھا سکے جس چیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق اور تحریف اور کمی زیادتی کسی طرح ممکن نہیں ہاں اگر شیعہ یہ کہیں کہ شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم کو یہ قدرت ہے کہ وہ وعدۂ خداوندی کو پورا نہ ہونے دیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم معاذ اللہ اس قدر قاہر اور قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو خدا کا وعدہ بھی نہ چلنے دیں حق تعالیٰ تو بتا کید اپنے پختہ وعدہ کا اعلان کرتا ہے کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ ثالث نے قرآن اصلی کا بالکل نشان مٹا دیا۔ اللہ اللہ کیا قدرت اور طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دی سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں یا بدل ڈالیں اور خداوند قہار و جبار خاموش دیکھتا رہا۔

④ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ:

۱۔ یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذوالجلال قصداً اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے اور حفاظت نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور قول میں سچا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (تحقیق اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا) کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (اللہ سے زیادہ کون سچا ہے اپنے قول میں) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ﴾ (الانعام: ۱۱۵)۔

۲۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے بھول جائے سورۂ مریم میں ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم: ۶۴) "تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے" خدا تعالیٰ کے حق میں سہو اور نسیان اور غفلت ناممکن اور محال ہے اور سورۂ طٰہٰ میں ہے ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ (مریم: ۵۲) "میرا پروردگار نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے" اور سورۂ بقرہ میں ہے ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۵۵) "خدا کو نہ اونگھ آ سکتی ہے اور نہ نیند۔"

۳۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ جبراً و قہراً ایسا ہو جائے کہ خدا اپنا وعدہ پورا کرنے سے مجبور ہو جائے ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خلیفۂ ثالث قوت میں حق تعالیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ تو حفاظت کا وعدہ فرمائیں اور خلیفۂ ثالث اس کو جبراً و قہراً نہ چلنے دیں۔ اب اس سے ایک اندیشہ اور پیدا ہو گیا کہ مبادا قیامت کے دن خلیفۂ ثالث شیعان علی رضی اللہ عنہ کو خدا کی حفاظت سے نکال کر کبھی کے بدلے نہ نکالنے لگیں۔

⑤ اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں کمی اور بیشی کا ہونا عقل اور نقل ہر اعتبار سے باطل ہے۔

دلیل عقلی: ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص ایمان لاتا اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قرآن سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے کے بعد اوروں کو سکھاتا اسی طرح سینکڑوں آدمی اور ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے۔

۲۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

۳۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاراں ہزار قرآن کے حافظ ہوتے چلے آئے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی و بیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔

۴۔ مشرق اور مغرب کے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملالو ذرّہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

۵۔ روئے زمین کی مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کی سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں۔

دلیل نقلی: اور دلیل نقلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ تحقیق ہم ہی نے اس قرآن کو اتارا ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں کہ قیامت تک تحریف وتبدیل اور زیادتی اور نقصان سے اور کمی وبیشی سے بالکلیہ محفوظ رہے گا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۴۲) بڑے بڑے ملاحدہ اور زنادقہ اور قرامطہ گزر گئے مگر کسی کو ایک کلمہ میں بھی تغیر و تبدیل کی قدرت نہ ہوئی خدا جس کی حفاظت کا وعدہ فرمائے اس میں کون تغیر وتبدل کر سکتا ہے۔

دلیل الزامی: اس دلیل عقلی ونقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہلِ بیت۔ ① اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور ② اسی کے خاص وعام سے تمسک کرتے تھے اور ③ اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال پیش کیا کرتے تھے اور ④ اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور ⑤ اپنے اہل وعیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور ⑥ اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور ⑦ اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور ⑧ بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور ⑨ اسی قرآن کے اوامر ونواہی کے پابند تھے اور ⑩ اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیبِ عثمان رضی اللہ عنہ تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علماء کی ایک جماعت مثلاً ابو علی طبرسی اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر ''صراط مستقیم'' جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے اس میں اس طرح ای انا لہٗ لحفظون من التحریف والتبدیل والزیادۃ والنقصان اور سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ہے ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ﴾ یعنی اس پر (یعنی قرآن پر) باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ [1] سے پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی معاذ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسا اقتدار کہاں سے حاصل ہوا کہ جو ترتیب آسمانی کے بدلنے اور بگاڑنے پر قادر ہو گئے اور ایسے قادر ہوئے کہ صفحۂ ہستی سے اصل قرآن کا نام ونشان مٹا دیا اور اسد اللہ الغالب یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا اس وقت بھی باوجود خلافت اور بادشاہت کے اصلی قرآن کو ظاہر نہ کیا اور نمازوں میں ترتیب عثمانی کے مطابق قرآن پڑھتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب بمشورہ صحابہ قرآن کو مرتب کیا تو اس مشورہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے تو تنہا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

[1] ان علماء شیعہ کی اصل عبارتیں اگر دیکھنا مقصود ہو تو ازالۃ الشکوک جلد دوم از صفحہ ۴ تا ۱۴ مصنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی مراجعت کریں۔

قال علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاتقولوا فی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا خیرافواللہ مافعل الذی فی المصاحف الاعلی ملأمنا.

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں سوائے کلمۂ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔“

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جس قدر نسخے قرآن کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں نیز اگر بقول شیعہ کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو بشہادت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا اس لیے کہ تمسک کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شے موجود ہو۔ غائب اور غیر مقدور چیز سے تمسک ممکن نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کا حکم دیں جو ہماری قدرت میں نہ ہو حدیث ثقلین اس امر پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود رہے گا جس سے لوگ تمسک کر سکیں گے جیسا کہ اہل بیت کا تمسک ہر وقت ہر زمانہ میں حاصل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں پس جب کہ کتاب خود شیعوں کے زعم کے مطابق موجود ہی نہیں تو تمسک کس سے کریں گے۔

⑥ مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہٖ صحیفۂ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقدِ تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلینی میں ہے:

عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللہ ان القرآن الذی جاء بہٖ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ.

شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خورد برد ہو گیا بہتر تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ذمہ ہی نہ لیتے نیز یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ قرآن کریم محرف اور غیر معتبر ہونے میں توریت اور انجیل سے کہیں زائد ہے۔ توریت اور انجیل میں تو فقط امراء اور حکام کی خاطر تحریف ہوئی۔ باقی سب جگہ تحریف نہیں ہوئی اور قرآنِ کریم میں اتنی تحریف ہوئی کہ سترہ ہزار آیتوں میں سے صرف چھ ہزار آیتیں باقی رہ گئیں۔ حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا اور توریت کی حفاظت امت موسویہ کے سپرد کی تھی ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اور قرآن کریم کی یہ نعمت خلفائے راشدین کا طفیل ہے ورنہ حضرات شیعہ کو تو قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نماز اور تہجد میں پڑھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرات ائمہ نے تو شیعوں کو کوئی قرآن دیا نہیں۔ نیز حضرات شیعہ اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں اگرچہ کمی واقع ہوئی ہے اور اس میں تحریف بھی ہوئی ہے مگر اس تحریف کی وجہ سے حلال وحرام میں کہیں تغیر وتبدل نہیں آیا۔ نیز شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس محرف قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آتی اور اس قرآن کو پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس موجودہ قرآن کے اتباع سے اوامر و نواہی کے اتباع میں سر مو فرق واقع نہیں ہوتا اس اعتبار سے خلفاء راشدین ائمہ شیعہ سے ہزار درجہ بڑھ کر رہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دے گئے اور ائمہ نے تو قرآن کی ایک سورت بھی مسلمانوں کو نہیں دی۔

⑦ اعلم ان القرآن محفوظ بین الدفتین وھوالذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادۃ ولا نقصان فیہ وقالت الروافض الخوافض القرآن وقعت فیہ الزیادۃ والنقصان قلنا ھذا غلط بلا شبھۃ بعدۃ اوجہ۔ (الاوّل) انہٗ تکذیب لقولہٖ

تعالیٰ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ وامثاله من الآيات. (والثاني) انه يلزم منه تكفير جميع الصحابة حتیٰ علی کرم الله وجهه حيث وافقهم على تحريف القرآن ولم ينكر عليهم مع ان عليا انكر فی كثير من الامور على عثمان وخاصمه كمثل مخاصمته فی نهی عثمان متعة الحج. (والثالث) ان عليا کرم الله وجهه قصد بالاتفاق بعد وفاة ابن عمر رسول الله ﷺ فی بيته حتی جمع القرآن واعتذر بذالك تخلقه فلولا ان جمعه موافق بجمع عثمان من حيث الزيادة والنقصان لاظهر جمعه و ترك جمع عثمان فهوالامر الذی لاتاخذه فی الله لومة لائم مع انه كان يقرأ فی الصلوٰة القرآن الذی جمعه عثمان ويتلوه ليلاً ونهارا ويفسره على ملأ من شيعته وبالجملة القول بتحريف القرآن يهدم اساس الاسلام والله اعلم۔

حفاظت کا طریقہ:

اس آیت میں حفاظت کا وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں حفاظت کا طریقہ بیان فرمایا۔ وہ آیت یہ ہے ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝١٧ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝١٨ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝١٩﴾ (القیامہ)۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اس قرآن کو حافظوں کے سینے میں بھی محفوظ کر دیں گے اور اس قرآن کو مصاحف میں بھی جمع کرا دیں گے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی تلاوت اور قراءت کا شوق پیدا کر دیں گے کہ دن رات اس کو پڑھا کریں گے تا کہ قرآن کا تواتر اور تسلسل ٹوٹنے نہ پائے پھر کچھ زمانہ کے بعد اہل علم کی جماعت کو قرآن کریم کے بیان یعنی تفسیر کی طرف متوجہ کریں گے اور اس کا داعیہ ان کے قلوب میں القاء کریں گے کہ وہ قرآن کریم کے شان نزول اور ناسخ اور منسوخ اور معانی کو بیان کریں گے اور چونکہ علم تفسیر جمع قرآن کے کچھ عرصہ بعد ہوگا۔ اس لیے ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ میں کلمہ ﴿ثُمَّ﴾ لایا گیا جو تاخیر اور تراخی پر دلالت کرتا ہے کہ تفسیر کا مرحلہ قرآن کے جمع اور تدوین اور ترتیب کے کچھ عرصہ بعد پیش آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ (یعنی جمع قرآن) شیخین رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اور اس وعدۂ خلافت کے ظہور میں شیخین رضی اللہ عنہم بمنزلہ جارحہ الٰہی کی ہوئے جس سے ان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہوا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس خزانہ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کسی رسالدار اور صوبہ دار کو اس پر پہرہ کا حکم دے دے۔ اسی طرح خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس خزانۂ قرآنی کے محافظ اور پہرے دار مقرر ہوئے اس لیے اس حفاظت کو اللہ کریم نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور یہ کہا ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کیونکہ حفاظت کا جو انتظام بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بادشاہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کو تحریف وتبدیل ونسیان سے محفوظ رکھے گا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت ونگہبانی کے اسباب پیدا فرما دیئے پہلا سبب قرآن مجید کی حفاظت کا یہ ہوا کہ خلفاء ثلاثہ کی سعی اور ہمت اور توجہ سے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے جو اس وقت تقریباً ساٹھ ہزار تھے قرآن ایک مصحف میں جمع اور مرتب کر دیا گیا اور تمام اسلامی دنیا میں اس کے نسخے شائع کرا دیئے گئے اور سب نے اس کو باتفاق قبول کر لیا اور بنقل متواتر اب تک وہ ہی مصحف تمام اسلامی دنیا میں شائع ہے جسے ہم روزمرہ تلاوت کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حفاظتِ قرآن خلفاء ثلاثہ کے وقت میں ان کی سعی اور کوشش سے پورا ہوا یہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے اب قیامت تک جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اس کا اجر خلفاء ثلاثہ کے اعمال میں ثبت ہوگا۔

⑧ یہ قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ پر اس کی تبلیغ فرض تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۗ ﴾ (المائدہ:۶۷)۔ آنحضرت ﷺ نے حسبِ ارشادِ باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ ﷺ نے اس کو یہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے یہی قرآن جو آپ ﷺ سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آرہا ہے اور جو قرآن شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم نے جمع کیا اور اس کی جمع و ترتیب میں از اوّل تا آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دورِ خلافت اور زمانۂ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

⑨ غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور عجیب شان سے اس کی حفاظت فرمائی کہ اس قرآن کو حفاظ کے سینوں میں محفوظ کر دیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۗ ﴾ (العنکبوت:۴۹) اور صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں: ((و انزلت عليك كتابا لا يغسله الماء))۔ (یعنی اے نبی ﷺ! میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھو سکتا)۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمد للہ یہ دولت اہلِ سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کر دیے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنّت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (البقرہ:۱۲۱) تلاوت قرآن اہل سنّت کا شعار ہے اور حضرات شیعہ کا شعار بجائے تلاوت قرآنی کے مرثیہ خوانی ہے۔

⑩ شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا؟:

جو شاگرد اُستاد کے حق میں گستاخ ہوتا ہے وہ کبھی علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم دربارۂ قرآن تمام امت کے استاد ہیں جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا وہ کبھی اس دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے حضرات شیعہ نے اس نعمت کی ناشکری کی اس لیے اس دولت سے محروم رہے ((ومن لم يشكر الناس لم يشكر الله)) بلکہ یوں کہیے کہ منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کلمہ گوئی کی نوبت آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے یہ بھی صحابہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد نہ کرتے اور دین نہ پھیلاتے تو ان کو دین کی خبر بھی نہ ہوتی۔ الغرض تمام عالم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا شاگرد اور مرہونِ منت ہے سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

تاویلاتِ شیعہ:

حضراتِ شیعہ نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں ایک یہ کہ اصل کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوم یہ ''غارِ سر من'' میں امام مہدی کے سینہ میں محفوظ ہے۔

جواب: اہل سنّت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تاویلیں مہمل اور لغو ہیں۔ اوّل تو یہ کہ لوح محفوظ میں حفاظت کرنے سے ہم کو کیا فائدہ ہمیں فائدہ جب ہوتا کہ جب قرآن ہمارے پاس محفوظ ہوتا تاکہ احکام خداوندی کے معلوم کرنے میں کوئی شک وشبہ نہ رہتا۔ دوم یہ کہ حفاظت وہاں ہوتی ہے جہاں احتمال ضائع ہونے کا ہے اور لوح محفوظ میں یہ احتمال ہی نہیں وہاں کسی کی دسترس اور رسائی ہی نہیں کہ چوری کا احتمال ہو۔ سوم یہ کہ آیت مذکورہ میں اول تنزیل کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وعدۂ حفاظت قرآن منزل کے متعلق ہے جو تیئیس برس میں بتدریج نازل ہوا نہ کہ اس قرآن کا جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ چہارم یہ کہ اس آیت میں قرآن کے لفظ کو ذکر سے تعبیر کیا جس کے معنی نصیحت کے ہیں اور نصیحت جاہل اور غافل کو ہوتی ہے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جاہلوں کے لیے مذکر اور واعظ ہے اور گنہگاروں کے واسطے پندِ دل بند ہے اور جہل اور غفلت کے ساتھ انسان ہی موصوف ہوتا ہے ملائکہ اس عیب سے محفوظ ہیں قرآن جب تک لوح محفوظ میں رہا تو اگر رسائی تھی تو فقط فرشتوں کی تھی۔ ان کو وعظ و پند سے کیا سروکار۔ فرشتے نہ جاہل ہیں اور نہ غافل اور نہ گنہگار۔ ہاں جب یہ قرآن لوح محفوظ سے نازل ہو کر دنیا میں پہنچا اور اس ظلوم وجہول انسان سے اس کا معاملہ اور واسطہ پڑا تو اس کے لحاظ سے لفظ ذکر بمعنی پند ونصیحت استعمال ہوا کیونکہ تذکیر اور وعظ کی ضرورت غافلانِ نوعِ بشر ہی کے لیے ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کا وعدہ ان ہی غافلوں اور جاہلوں کے لیے ہے نہ کہ ملائکہ کے لیے۔ پنجم یہ کہ اگر حفاظت سے لوح محفوظ میں حفاظت مراد ہے تو اس قسم کی حفاظت تو توریت اور انجیل میں بھی موجود ہے۔

تاویل دوم کا ردّ: ① رہی دوسری تاویل سو وہ بھی مہمل ہے امام مہدی کا ''غار سرمن'' میں مخفی ہونا شیعوں کا ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ نصاریٰ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل آسمانِ چہارم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس محفوظ ہے اور وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں غار سرمن میں اندیشہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا کوئی دشمن پھرتا پھراتا وہاں پہنچ جائے اور ان سے قرآن کریم چھین کر جلا دے یا ان کو شہید کر دے۔ بخلاف خلیفہ ثالث کے جمع کردہ قرآن کے کہ وہ حافظوں کے سینے میں محفوظ ہے اس کو چھین کر جلانا ناممکن ہے۔ پس بحمدہٖ تعالیٰ یہ قرآن اہلسنّت کے سینوں میں محفوظ ہے جہاں کسی چور اور قزاق کی رسائی ممکن نہیں۔

② علاوہ ازیں یہ عقیدہ فی حد ذاتہٖ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اترا تھا نہ کہ اخفاء کے لیے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے سے کیا فائدہ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں حق تعالیٰ کو بدا واقع ہو گیا ہو اور ان کو امامت سے معزول کر دیا گیا ہو۔

③ نیز اس چھپے رہنے میں اندیشہ ہے کہ دشمن بزدلی کا طعنہ دیں گے کہ کیوں چھپے ہوئے ہیں باہر کیوں نہیں آتے۔

④ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل تین سو تیرہ آدمی مجتمع ہونے پائے تھے کہ جہاد شروع کر دیا اور پھر وہ بھی بزعم شیعہ اکثر ''منافق'' تھے حضرات شیعہ جیسے ''مخلص'' نہ تھے اور اب لاکھوں مخلصانہ شیعہ بھی موجود ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود انتظار احباب اور فراہمی اسباب غار سے باہر نہیں آتے اور امتِ محمدیہ کو گمراہی سے نہیں نکالتے اور بجائے بیاض عثمانی کے اصل کلام ربانی کیوں ظاہر نہیں کرتے۔

⑤ نیز حضرات شیعہ یہ بتلائیں کہ اس کا راوی اور عینی شاہد کون ہے کہ جو شہادت دے کہ امام مہدی میرے سامنے جا کر غار میں چھپے ہیں۔

⑥ نیز اگر وہ چھپ ہی گئے تو غار تو محدود ہے تو حضرات شیعہ اس غار میں جا کر ان کو بلا لائیں۔

⑦ نیز اگر بفرض محال کوئی عینی شاہد اس کا مل جائے کہ وہ غار میں چھپے ہیں تو معلوم نہیں کہ تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ زندہ

سلامت ہیں یا وفات پا چکے ہیں کتاب وسنت سے اس کے لیے دلیل چاہیے نصاریٰ تو کہہ سکتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن اور حدیث اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ امام مہدی کے غار میں جا کر چھپ جانے کی کوئی ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی نہیں۔

اجماعِ اُمّت بر محفوظیّت قرآن از زیادت ونقصان

امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ مقدمہ تفسیر میں ص ۸۰ جلد ا پر لکھتے ہیں:

لاخلاف بین الامة ولا بین الائمة اهل السنّة ان القرآن اسم لکلامِ اللہ تعالیٰ الذی جاءَ بہٖ محمد ﷺ معجزة لهٗ (علیٰ نحو ماتقدم) وانهٗ محفوظ فی الصدور مقروء بالالسنة مکتوب فی المصاحف معلومة علی الاضطرار سورهٗ و آیاتهٗ مبرّأة من الزیادة والنقصان حروفه و کلماته۔ فلا یحتاج فی تعریفه بحد ولا فی حصرہٖ بعدّ فمن ادعی زیادة علیه اونقصانا فقد ابطل (۱) الاجماع وبهت الناس (۲) وردّ ماَجاء به الرسول ﷺ من القرآن المنزل علیه (۳) وردَّ قولهٗ تعالیٰ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ وابطل آیة رسولہٖ علیه السلام لانهٗ اذ ذاك یصیر القرآن مقدورا علیه حین شیب بالباطل ولما قدر علیه لم یکن حجة ولا آیة وخرج عن ان یکون معجزاً فالقائل بان القرآن فیه زیادة ونقصان رادٌّ لکتاب اللہ ولما جاءَ بہٖ الرسول وکان کمن قال الصلوت المفروضات خمسون صلوٰة وتزوج تِسع من النساء حلال وقد فرض اللہ ایاما مع شهر رمضان الیٰ غیر ذالك ممالم یثبت فی الدین فإذا ردّ هذا بالاجماع کان الاجماع علی القرآن اثبت واٗکدوالزم واَوجب (اھ)

وایضًاقال: بنع فی زمانِنا هٰذا زائغ زاغ عن الملّة وهجم علی الامة بما یحاول بہٖ ابطال الشریعة التی لایزال اللہ یؤیدها ویثبت اُسها وینمی فرعها ویحرسها عن معایب اولی الجنف والجور و مکاید اهل العداوة والکفر۔ فزعم ان المصحف الذی جمعهٗ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتفاق اصحاب رسول اللہ ﷺ علیٰ تصویبه فیما فعل۔ لایشتمل علیٰ جمیع القرآن اذکان قد سقط منه خمسماۃ حرف قد قرأت ببَعْضها وسَاقرُأ ببقیّتها (فمنها) والعصر ونوائب الدهرُ فقد سقط من القرآنِ علی جماعة المسلمین ونوائب الدهر... الیٰ... (ومنها) وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللہُ بِبَدْرٍ بسیف عَلِیٍّ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ" ورویٰ هٰؤلاءِ ایضًا قال هٰذَا صِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیْمٌ " (ومنها) وَکَفَی اللہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ بعلی وَکَانَ اللہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا " ونحو ذالك الیٰ ان قال فی ص ۸۴ جلد (۱) والقرآن الذی جمعه عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموافقة الصحابة لهٗ لوانکر بعضه منکر کان کافرا حکمهٗ حکم المرتد یستتاب فان تاب والاضربت عنقهٗ الیٰ آخر ماقال وافاد واجاد۔ راجع من تفسیرہٖ (باب ماجاءَ من الحجة فی الردِ علیٰ من طعن فی القرآن وخالف مصحف عثمان بالزیادة

والنقصان) من ص ۸۰ الی ص ۸۶ جلد (۱)

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ حَفِظْنٰهَا

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھنوں کے آگے۔ اور بچا رکھا اس کو

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

ہر شیطان مردود سے۔ مگر جو چوری سے سُن گیا سو اس کے پیچھے پڑا

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ

انگارا چمکتا۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ڈالے اس پر بوجھ اور

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ

اگائی اس میں ہر چیز اندازے کی۔ اور بنادیں تم کو اس میں روزیاں اور

مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ز

(ان کو) جن کو تم نہیں روزی دیتے۔ اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے ہیں

وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا

اور اتارتے ہیں ہم ٹھہرے ہوئے اندازے پر۔ اور چلا دیں ہم نے باویں (ہوائیں) رس بھری' پھر اتارا ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا

آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا اور تم نہیں رکھتے اس کا خزانہ۔ اور

لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

ہم ہی ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہتے۔ اور ہم نے جان رکھا ہے جو آگے بڑھے ہیں

مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ط

تم میں اور جان رکھے ہیں پچھاڑی والے۔ اور تیرا رب وہی گھیر لاوے گا ان کو'

ع ۲
۲

إِنَّهٗ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار۔

بیانِ توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا... الٰی... إِنَّهٗ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر جو مشرکین کے شبہات تھے ان کا رد فرمایا اب ان آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں کچھ تو آسمانی چیزوں سے اور کچھ زمینی چیزوں سے ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ برج ہیں۔ یعنی آسمان کے بارہ ٹکڑے مثل خربوزہ کے پھانک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہو گئے ہیں ہر برج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ برج اسی نام سے عرب میں مشہور ہو گیا حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے کہ اس نے ایسی عجیب وغریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری دلیل ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا... الخ﴾ سے ذکر فرمائی کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس میں پہاڑوں کا بنانا اور قسم قسم کے اشجار ونباتات کا اس سے اگانا یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے۔ اور تیسری دلیل ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ سے ذکر فرمائی پھر اخیر میں اثبات توحید کے بعد حشر ونشر کا ذکر فرمایا: ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ اور ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ﴾ میں اثبات قیامت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں:

پہلی دلیل:

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں برج جن کی ہیئتیں اور صفتیں اور کیفیتیں مختلف ہیں آسمان بارہ برجوں پر منقسم ہے ہر بارھویں حصہ کا نام برج ہے پھر یہ بارہ برج اٹھائیس منزلوں پر منقسم ہیں اور ہر برج کے لیے دو منزلیں اور ثلث مقرر ہیں یہ اٹھائیس منزلیں قمر کی ہیں اور ہر برج کے تیس درجے مقرر ہیں اور بارہ برجوں کے تین سو ساٹھ درجے ہیں ان سب درجوں کو جب سورج طے کر لیتا ہے تو اس کا ایک دورہ پورا ہوتا ہے یہ دورہ تمام فلک کا ہے سورج اس کو ایک سال اور چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے اور بروج کواکب سبع سیارہ کے لیے منزلیں ہیں مریخ کے لیے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لیے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لیے جوزاء اور سنبلہ ہے اور قمر کے لیے سرطان اور شمس کے لیے اسد اور مشتری کے لیے قوس اور حوت اور زحل کے لیے جدی اور دلو ہے اور جو لوگ ان علوم میں اشتغال رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ حمل اور اسد اور قوس کی طبیعت آتشی ہے اور ثور اور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے اور جوزاء اور دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے اور سرطان اور عقرب اور حوت کی آبی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بروج سے کواکب سبعہ سیارہ کے منازل مراد ہیں اور مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ یہ کہتے ہیں کہ بروج سے ستارے مراد ہیں اور بعضے جاہل یہ کہتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں بہت سے بہت ایک منتہائے بصر اور حد نظر ہے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ آسمان کا عکس دریا اور جھیل اور تمام پانیوں اور پانی کے برتنوں میں نظر آتا

ہے اور عکس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شے موجود ہو۔ معدوم کا عکس موجود نہیں ہوتا۔

اور ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا تاکہ ان کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت اور حکمت پر دلیل پکڑیں اور ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ وہ آسمانوں پر چڑھ نہیں سکتے اور نہ وہاں کے حالات سے مطلع ہو سکتے ہیں۔ شیطانوں کی آسمان تک رسائی نہیں۔ مگر ہاں جو شیطان آسمان سے ورے ہیں چوری چھپے سے کان لگا کر فرشتوں کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا شعلہ ہو لیتا ہے جس سے وہ شیطان یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا بدحواس ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان ہر طرح شیاطین سے محفوظ ہے وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں مگر آسمان کے قریب تک جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں میں جو گفتگو ہوتی ہے اس میں سے کوئی ایک آدھ بات چوری سے سن کر بھاگتے ہیں شیاطین جب کوئی خبر سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو آگ کا ایک شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے کبھی وہ شعلہ اسے آلگتا ہے جس سے وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اس کی زد سے بچ نکلتا ہے اور جو کلمہ وہاں سے سن کر بھاگتا ہے اس کو کاہن پر القاء کرتا ہے کاہن اس میں سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر مشتہر کر دیتا ہے صرف وہ ایک بات ان باتوں میں سچی نکلتی ہے لوگ ایک سچی بات پر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں مگر اس کے سو جھوٹوں کی طرف خیال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے شیاطین برابر آسمانوں پر جایا کرتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں سے آکر بیان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد صرف چوتھے آسمان تک جاتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بالکل ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی اب جو آسمان پر خبریں چرانے جاتا ہے شہاب ثاقب سے اس کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی چھوڑے جاتے تھے مگر ان میں شدت اور کثرت نہ تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس میں شدت اور کثرت ہو گئی جس سے شیاطین اور جنات میں کھلبلی پڑ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس کا اہتمام زیادہ ہو گیا اور آسمان کی حفاظت اور حراست میں اور زیادتی ہو گئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس نبی اور رسول کو تم دیوانہ اور مجنون کہتے ہو یہ کواکب اور نجوم اس کی حفاظت اور حراست کا سامان ہیں اور خدائے برتر کی قدرت کا نشان ہیں۔ (دیکھو زاد المسیر ۳۸۸ جلد ۴ و تفسیر قرطبی ص ۱۱ جلد ۱۰ اور روح البیان ص ۴۴۹ جلد ۴)

دلیل دوم:

اُوپر عالم علوی کے حالات سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا اب عالم سفلی کے حالات سے اپنی خالقیت اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا جس پر بے شمار مخلوق آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا قائم کرنا اور پھر زمین میں بندوں کی روزی اور سامانِ زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور زمین کو ہم نے پھیلایا۔ اور اتنا وسیع کیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے اور اگائی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ ہر چیز کو اپنے علم و حکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔ یعنی تمہارا کھانا پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا جن کے تم روزی

دینے والے نہیں یعنی اہل وعیال اور خدام اور جانور چرند اور پرند کو تمہاری خاطر پیدا کیا اور ان سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں۔ آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جب ﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾ کا عطف ﴿مَعَايِشَ﴾ پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ﴾ کا عطف ﴿لَكُمْ﴾ ضمیر مجرور پر ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ مَعَايِشَ وَلِمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ ... الخ﴾ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل وعیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامانِ معاش ورزق میں سے کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم زمین پر اپنے خزانۂ غیب سے مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق یعنی گو ہمارے خزانہ میں سب کچھ ہے مگر دنیا میں اندازۂ مقرر کے ساتھ اُتارتے ہیں ہمارے علم اور حکمت میں جو اندازہ مقرر ہے اس کے مطابق اترتا ہے۔ اس میں نہ زیادتی متصور ہے اور نہ کمی۔

دلیل سوئم:

اور ہم نے ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو پانی سے حاملہ یعنی بارآور بناتی ہیں اور پھر ہم آسمان سے پانی اُتارتے ہیں اور پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ نہیں رکھ سکتے تھے یہ خزانہ اللہ کے پاس ہے اور وہی اس کا محافظ ہے بقدر معلوم تم کو اس سے ملتا رہتا ہے اگر ہم بارش نازل نہ کرتے تو تم کہاں سے اتنا پانی لاتے۔

اثباتِ معاد

یہ تمام اُمور اس کی قدرت اور خالقیت کے دلائل تھے۔ اب آگے معاد کو بیان فرماتے ہیں اور تحقیق ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ سب فنا ہو جائیں گے اور سب کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے۔ ہر شخص مرجاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے ولادت اور موت اور اسلام اور اطاعت اور صف جماعت اور صف جہاد۔ وغیرہ وغیرہ میں آگے بڑھنے والوں کو اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔ ہماری اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ خواہ باعتبار ولادت اور موت کے ہو یا باعتبار اسلام اور اطاعت کے ہو یا باعتبار جماعت کے حاضری کے ہو اللہ تعالیٰ سب کے حال اور نیت سے واقف ہیں اور بے شک تیرا پروردگار سب کو میدان حشر میں جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمتوں والا خبردار ہے وہ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ اس کی نیت اور عمل کے مطابق معاملہ کرے گا اس کے علم وحکمت کا اندازہ لگانا ناممکن اور محال ہے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۶﴾ وَ

اور ہم نے بنایا آدمی کھنکھناتے سنے گارے سے۔ اور

الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ

جان (جنوں) کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لُو کی آگ سے۔ اور جب کہا تیرے رب نے

لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾

فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے گارے سے۔

فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی جان سے تو گر پڑیو اس کے سجدے میں۔

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ

تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سارے اکٹھے۔ مگر ابلیس نے۔ نہ مانا کہ

مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۲﴾

ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ نہ ساتھ ہوا سجدے والوں کے۔

قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ

بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو کہ تونے بنایا کھنکھناتے سنے

مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ

گارے سے۔ فرمایا تو تُو نکل یہاں سے تجھ پر پھینک مار ہے۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے

اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ

انصاف کے دن تک۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے جیویں۔ فرمایا

فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ

تو تجھ کو ڈھیل دی ہے۔ اسی ٹھہرے وقت کے دن تک۔ بولا اے رب! جیسا تو نے

اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا

مجھ کو راہ سے کھویا میں ان کو بہاریں دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو۔ مگر

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾

جو تیرے چنے بندے ہیں۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر کچھ زور نہیں، مگر جو تیری راہ چلا

الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ

خراب لوگوں میں۔ اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا۔ اس کے سات دروازے ہیں

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾ ع

ہر دروازے کو ان میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے۔

ذکر پیدائش انس وجن وقصۂ پیدائش آدم علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ . . . الى . . . لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں حق جل شانہٗ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور خالقیت کا ذکر فرمایا۔ اب یہاں جن وانس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اُوپر کی آیتوں میں انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ، ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دو مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دونوعوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں:

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اول ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ابتدا تراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں تر کیا تو وہ طین ہوگئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چپکی ہوئی لیس دار ہوگئی۔ پھر ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ یعنی سڑا ہوا اور بد بُودار گارا ہوگیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بجنے والی ہوگئی۔ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمٰن: ۱۴) انسان کو بجنے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا۔ اور فخار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس

پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالجن کو لُو کی آگ سے پیدا کیا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک جان بتشدید نون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مریں گے جب ان کا باپ مرے گا تب وہ بھی مریں گے۔ (تفسیر خازن وقرطبی)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مؤمن ہوا اس کو شیطان نہیں کہا جا سکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہوا صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۷۵ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۳۳ جلد ۱۴)

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُصول تین ہیں: آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اور جانّ ابوالجن ہیں اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔ (صاوی حاشیۂ جلالین ص ۲۹۶ جلد ۲)

خداوند لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نارِ سموم سے بنایا جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا اور گدھا اور بیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدمؑ سے پہلے یا پیچھے۔ واللہ اعلم بالصواب

نکتہ: آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لیے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تا کہ خدا کے خشوع وخضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت وعبودیت ان کو علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شئے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار وآثار کو نہ سمجھ سکا جس کو خود دستِ قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولاد آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کیچڑ سے ایک آدمی کا پتلہ بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدۂ تحیت وتعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر یک بارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾ (الکہف: ۵۰)

ابلیس نے از راہِ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور برتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اور ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے کالے کیچڑ سے پیدا کیا۔ یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ آگ جوہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدم علیہ السلام ایک جسم کثیف ہے اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف، کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل و شرف کا دار و مدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور ہیولیٰ پر اور نہ یہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفۂ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قربِ خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیل افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہوسکتی ہے ابلیس نے محض تکبر اور حسد کی بناء پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ گارے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ابلیس کی اس تلبیس و تدلیس کا مفصل جواب گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جب ابلیس نے از راہِ تکبر و غرور فرمان خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندۂ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولا اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دیجیے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں۔ غرض یہ تھی کہ مروں نہیں اس لیے کہ بعث کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولاد آدم علیہ السلام سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفخۂ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفخۂ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہوگا۔ نفخۂ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مر جائے گا اس میں ابلیس بھی مر جائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفخۂ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہِ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعث تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولا اے پروردگار! جیسا تو نے مجھے بہکایا میں بھی اولادِ آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے

اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہاں تیرا زور صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہوئے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا زور چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

فائدہ: ﴿سَبْعَةُ اَبْوَابٍ﴾ سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں۔ جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بدعمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعضے موحدین نرے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ اھ

فائدہ: بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زجر و توبیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و کرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت و حقارت ہے۔ (دیکھو آکام المرجان فی احکام الجان ص ۱۵۶)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ؕ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ
جو پرہیزگار ہیں باغوں میں ہیں اور چشموں میں۔ جاؤ اس میں سلامتی سے خاطر جمع سے۔ اور
نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾
نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی، بھائی ہوگئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے۔
لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ
نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف، اور نہ اُن کو وہاں سے کوئی نکالے۔ خبر سنا دے
عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ
میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصلی بخشنے والا مہربان۔ اور یہ بھی کہ میری مار وہی مار ہے۔
الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾
دکھ کی۔

ذکر نعمائے اہل جنت

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ... الی... وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں گنہگاروں کا اور ان کے لیے جہنم کی سزا کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں پرہیزگاروں کے ثواب اور ان کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں کہ جو بتوفیق الٰہی اور بتائید ایزدی شیطان کے اغواء اور تسلط سے محفوظ رہے اور ابلیس لعین کی تسویل و تزئین سے دنیا کی آرائش کے دلدادہ نہ بنے آخرت ہی کی فکر میں لگے رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

تحقیق جن لوگوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کی اور شیطان کے اغواء اور تزئین سے بچتے رہے وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے دودھ اور شراب کے چشمے ان میں جاری ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان باغوں میں سلامتی کے ساتھ امن سے داخل ہو جاؤ اب تم کو کسی قسم کا خوف اور غم نہیں موت اور ہر آفت سے تم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو اور ان نعمتوں کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ بالکل بے خوف ہو کر رہو اور بمقتضائے بشریت دنیا میں جو ان کے سینوں میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا خفگی اور ناگواری تھی جنت میں داخل ہونے سے قبل ہی یک لخت ہم اس کو ان کے سینوں سے نکال ڈالیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بمقتضائے بشریت دنیا میں ایسے دو شخصوں کے درمیان رنج و ملال پیش آ جاتا ہے کہ جو دونوں خدا کے نزدیک متقی ہوتے ہیں اور دونوں اہل بہشت میں سے ہوتے ہیں جیسے جنگ جمل اور جنگ صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان رنج و ملال پیش آیا۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ان کا باہمی رنج و ملال سینوں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ بھائی بھائی بنے آمنے سامنے محبت و اُلفت کے ساتھ جڑاؤ تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور محبت و الفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے اور ہم کلام ہوں گے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات [1] اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ اصحابِ علی اور اصحابِ معاویہ رضی اللہ عنہم ہر دو گروہ متقی اور پرہیزگار تھے اور ہر دو گروہ اہل جنت ہیں اور بہشت میں داخل ہوں گے۔ دنیا میں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے رنج و ملال پیش آیا وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینوں سے نکال دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ میں کہتا ہوں کہ میں اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا﴾۔ اس ناچیز کا گمان ہے کہ ان حضرات کا دل دنیا ہی میں صاف ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ نہ ان کو وہاں تکلیف پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے کیونکہ جنت دار الخلود ہے وہاں ہمیشگی ہے۔ یہاں تک یہ بیان کیا کہ جہنم غاوین کا ٹھکانہ ہے اور جنت متقین کا ٹھکانہ ہے اب آگے گنہگاروں اور خطاکاروں کو تسلی دی جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کی مغفرت اور رحمت سے نا اُمید نہ ہوں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ تحقیق میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں کسی گنہگار کو میری رحمت اور مغفرت سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے اور یہ بھی خبر دے دیجیے کہ تحقیق میرا عذاب بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس لیے عذاب سے کسی وقت بے خوف نہ ہونا چاہیے۔ خوف بھی اسی کا چاہیے اور اُمید بھی اسی کی چاہیے۔

---

[1] دیکھو ہدیۃ الشیعہ ۱۲

وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط

اور احوال سنا ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا۔ جب چلے آئے اس کے گھر میں، اور بولے سلام۔

قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

وہ بولا ہم کو تم سے ڈر آتا ہے۔ بولے ڈر مت! ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک ہوشیار

عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾

لڑکے کی۔ بولا تم خوشی سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کاہے پر خوشی سناتے ہو۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَ مَنْ

بولے ہم نے تجھ کو خوشی سنائی تحقیق، سو مت ہو تو ناامیدوں میں۔ بولا اور کون

يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا

آس توڑے اپنے رب کی مہر سے؟ مگر جو راہ بھولے ہیں۔ بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ لا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ط

کے بھیجو! بولے ہم بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر۔ مگر لوط کے گھر والے

اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ لا اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ لا اِنَّهَا لَمِنَ

ہم ان کو بچا لیں گے سب کو۔ مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرالیا وہ ہے رہ جانے

الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ ع فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ لا قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

والوں میں۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے۔ بولا تم لوگ ہوگئے

مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَ اَتَيْنٰكَ

اوپرے۔ بولے نہیں! پر ہم لائے ہیں تجھ پاس جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اور ہم لائے ہیں تجھ پاس

بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ

مقرر بات اور ہم سچ کہتے ہیں۔ سو لے نکل اپنے گھر والوں کو رات رہے سے اور

اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

آپ چل ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی، اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور چکا دیا ہم نے اس کو وہ کام کہ ان کی جڑ کٹی ہے صبح ہوتے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا

اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔ بولا یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھ کو

تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ

رسوا مت کرو۔ اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ۔ بولے ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ

جہان کی حمایت سے۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔ قسم ہے

اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾

تیری جان کی! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑنے سورج نکلتے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾

پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ان پر پتھر کھنگر کے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾

بیشک اس میں پتے ہیں دھیان کرنے والوں کو۔ اور وہ بستی ہے سیدھی راہ پر۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾

البتہ اس میں نشانی ہے یقین کرنے والوں کو۔

قصۂ ابراہیم ولوط علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۞ . . . الی . . . اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞﴾

ربط : ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے نبوت کا اثبات فرمایا اس کے بعد اپنی وحدانیت اور خالقیت کے اثبات کے لیے اپنے آثار قدرت کا ذکر فرمایا اور پھر کچھ قیامت کا حال اور سعداء اور اشقیاء کے حال اور مال کو بیان کیا اور اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا۔ اب اور انبیاء علیہم السلام کے قصص ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی مہر کو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر پیغمبروں پر اور ان کے ماننے والوں پر کس طرح نازل ہوئی اور ان کے دشمنوں پر خدا کا قہر کس طرح نازل ہوا تاکہ اطاعت پر راضی ہوں اور معصیت سے نفور اور بیزار ہوں اس لیے اول ابراہیم علیہ السلام کا اور اس کے ساتھ لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔

قصۂ ابراہیم علیہ السلام

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ میری شان قہر اور مہر میں تردد کریں اور میری رحمت اور عذاب کا انکار کریں تو ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دے دیجیے یہ مہمان فرشتے تھے خدا نے ان کو ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے اور قومِ لوط کو غارت کرنے کے لیے بھیجا تھا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں رحمت اور بشارت کے فرشتے تھے اور قوم لوط کے حق میں عذاب اور مصیبت کے فرشتے تھے۔ جب وہ مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے تحقیق ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے ڈر لگنے کی وجہ یہ تھی کہ ان فرشتوں کے ساتھ عذاب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں سے قہر اور عذاب کے آثار نظر آئے یا ڈر کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے وقت اور بغیر اجازت کے آئے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا تو کھانا نہ کھایا۔ وہ بولے ڈرو مت۔ یہ وقت ڈرنے کا نہیں بلکہ خوشی کا ہے ہم تمہیں ایک علم والے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں یہ بشارت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (الصافات:۱۱۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس وقت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی سارہ علیہا السلام بھی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس لیے انہیں اس بشارت سے تعجب ہوا سو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم مجھ کو ایسے وقت لڑکے کی بشارت دیتے ہو جب کہ مجھ کو بڑھاپا آ لگا۔ پس ایسی حالت میں تم مجھے کس چیز کی بشارت دیتے ہو یہ وقت تو ولادت فرزند کا نہیں۔ فرشتے بولے ہم نے تجھ کو صحیح اور درست اور سچی بشارت دی ہے پس تم اسباب ظاہری پر نظر کر کے نا اُمیدوں میں سے مت ہو جاؤ کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت سے کیسے لڑکا پیدا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے! اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون نا اُمید ہوتا ہے یعنی میں خدا سے نا اُمید نہیں ہوں خدا سے نا اُمیدی تو گمراہوں کا شیوہ ہے خدا کی قدرت میں مجھے کوئی شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب میں ہوں۔ کیونکہ عالمٔ عالمِ اسباب ہے بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے فراست نبوت سے یہ سمجھا کہ فرشتوں کی یہ جماعت محض بشارت دینے کے لیے نہیں آئی بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام بولے اے خدا کے فرستادو! بتلاؤ اصل مہم کیا ہے جس کے لیے تم بھیجے گئے ہو فرشتے

بولے! ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان کو تہ وبالا کریں مراد قوم لوط ہے یعنی ہم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط کو ہلاک کریں مگر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو کہ ان سب کو ہم عذاب سے بچالیں گے۔ اس لیے آپ علیہ السلام اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کی وجہ سے پریشان نہ ہوں سوائے ان کی بیوی کے اس کے لیے ہم نے بحکم خداوندی یہ ٹھہرالیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے یعنی یہ عورت اپنے باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوگی جو بستی میں عذاب کے لیے پیچھے رہ جائیں گے۔ لوط علیہ السلام عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ان کی بیوی ہلاک ہوگی۔

پس جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے پاس پہنچے تو جوانانِ خوبصورت کی شکل میں ان کے گھر میں داخل ہوئے تو لوط علیہ السلام نے کہا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو میں تم کو بالکل نہیں پہچانتا اور دل میں ڈرے کہ شہر والے بڑے اوباش ہیں معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے وہ بولے ہم وہ نہیں کہ جن سے ڈرا جائے بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ تیرے پاس ان کے لیے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارہ میں یہ مجرمین شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے کر آئے ہیں۔ جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گی یعنی فیصلہ کن عذاب لے کر آئے ہیں اور البتہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔ پس آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر اس بستی سے نکل جایئے اور آپؑ ان کے پیچھے پیچھے چلیے تا کہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غزوات میں لشکر کے پیچھے رہتے تھے تا کہ ضعیف اور منقطع کی خبر لیتے رہیں اور اے لوط! تمہارے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے اور سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یعنی ملک شام کی طرف اور وحی بھیجی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف اس امر کی کہ بوقت صبح ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی بوقت صبح ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا خیر یہ بات تو بعد کی ہے اور اس سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب قوم لوط نے یہ سنا کہ لوط علیہ السلام کے گھر مہمان آئے ہیں وہ بہت خوبصورت اور حسین وجمیل نوجوان ہیں تو شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے لوط علیہ السلام جواب تک ان کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے اوباشوں کے اس غول کو دیکھ کر بولے تحقیق یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس خدارا مجھ کو فضیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور دنیا کی نظر میں مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بے حیا بولے کہ کیا ہم نے تجھ کو اہل عالم کی حمایت سے منع نہیں کیا تھا؟ یعنی ہم نے تجھ کو کہہ رکھا تھا کہ تو جہان کی حمایت نہ کیا کر مگر تو باز نہیں آتا۔ لوط علیہ السلام نے کہا یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تم کو نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو ان سے نکاح کر لو مگر یہ بدبخت کہاں سننے والے تھے۔ اے نبی قسم ہے تیری زندگی کی کہ یہ لوگ اپنے نشہ میں مدہوش تھے شہوت کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ لوط علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو وہ بحکم خداوندی اپنے خاندان اور اہل ایمان کو لے کر وہاں سے نکل گئے پس ناگاہ سورج نکلنے کے وقت ایک ہولناک آواز نے ان کو آ پکڑا پھر اس صیحہ (ہولناک آواز) کے بعد ہم نے اس بستی کے اوپر کی جانب کو الٹ کر اس کے نیچے کی جانب کر دیا۔ یعنی اس بستی کو زیر وزبر کر دیا کہ اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا۔ اور پھر ان پر کنکر کے گرم پتھر برسائے جس سے وہ سب کے سب بالکل تباہ ہو گئے۔ بے شک اس قسم کے عذاب میں جو قوم لوط پر نازل ہوا اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں جو صورت کو دیکھ کر حقیقت کو تاڑ لیتے ہیں۔ اور بے شک وہ قوم لوط کی بستیاں آباد سڑک کے سرِ راہ واقع ہیں۔ ہر ایک مسافر اور راہ رو اس کے کھنڈرات اور عذاب کے پتھروں کو دیکھتا ہے۔ یہ بستیاں حجاز اور شام کے درمیان عام شاہراہ پر واقع ہیں جو ہمیشہ چلتی ہے اور جدھر سے قافلے گزرتے ہیں اور ان شہروں کے نشانات کو دیکھتے ہیں بے شک اس واقعہ میں اہلِ

ایمان کے لیے قدرت ربانی کی بڑی نشانی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ خداوند قاہر اور عزیز مقتدر کا ان لوگوں سے انتقام تھا جو انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر ایمان نہیں لائے اور جو لوگ قدرتِ خداوندی کے قائل نہیں وہ اس قسم کے واقعات کو حوادث عالم اور فلتات طبعیہ پر محمول کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ مادہ آتشی کے اجتماع سے اور اجزاء کے باہمی رگڑ سے یہ اشتعال پیدا ہو گیا۔ سنگ دل ایسی ہی تاویلیں کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ نفسانیت اور شہوت ہی ایک آتشی مادہ ہے جب وہ دل میں جمع ہو جاتا ہے تو وہ قوم لوط علیہ السلام کی طرح آدمی کو سنگ دل بنا دیتا ہے اور جب دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا آتشی مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اوپر سے ﴿حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ کی اس پر بارش ہوتی ہے اور اس کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نعوذبك من القسوة والغفلة والعيلة والذلة والمسكنة. آمين يارب العالمين.

وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا
اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار۔ سو ہم نے ان سے بدلا لیا اور یہ دونوں
لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ
شہر راہ پر ہیں نظر آتے۔ اور تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے رسولوں کو۔ اور
اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ
دیں ہم نے ان کو نشانیاں سو رہے ان کو ٹلاتے۔ اور تھے تراشتے
الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾
پہاڑوں کے گھر خاطر جمع سے۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے صبح ہوتے۔
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾
پھر کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے۔

ع ۵ ۱۹ ۵

قصہ اصحابِ ایکہ واصحابِ حجر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ ... الى ... فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا ذکر تھا۔ اب اصحابِ ایکہ اور اصحابِ حجر کے عذاب کا ذکر کرتے ہیں مقصود سب سے تحقیق رسالت ہے کہ جو نبی کو نہ مانے وہ مستحق عذاب ہے۔ "ایکہ" اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السلام پہنچ گئے تھے۔ اصل میں یہ شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لیے اس کو ایکہ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور

''حجر'' اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی ان ہی کو صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصراً ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔

قصہ اصحاب ایکہ:

اور تحقیق تھے اصحاب ایکہ یعنی بن والے لوگ (اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے) بڑے ہی ظالم جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی سو ہم نے عذاب نازل کر کے ان سے اس تکذیب کا انتقام لے لیا اور بے شک یہ دونوں بستیاں یعنی قوم لوط کی بستی اور قوم شعیب کی بستی دونوں کشادہ اور چلتی سڑک پر واقع ہیں جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں گزرنے والوں کے لیے عبرت کے نشانات موجود ہیں۔

قصہ اصحاب حجر:

اور البتہ تکذیب کی حجر والوں نے یعنی قوم ثمود نے رسولوں کی۔ یعنی صالح علیہ السلام کی ''حجر'' مدینہ اور شام کے درمیان ایک میدان ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ اس قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ مگر چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا حقیقت میں سب نبیوں کا جھٹلانا ہے اس لیے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں۔ جن سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی۔ منجملہ ان معجزات کے ایک معجزہ ناقہ کا تھا۔ سو وہ لوگ ان نشانیوں سے منہ پھیر لیتے تھے یعنی ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے درآں حالیکہ وہ اپنے گمان میں بہت عمدہ مکانوں کی وجہ سے مامون اور بے خوف وخطر تھے۔ ان لوگوں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہمارے یہ مکان منہدم ہو جائیں گے یا کوئی چور ان میں نقب لگا سکے گا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ کوئی قلعہ اور کوئی مکان عذاب الٰہی سے امن وامان نہیں دے سکتا۔ پس اسی خواب خرگوش میں تھے کہ صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی کی ایک سخت اور تند آواز نے آ پکڑا۔ اور اس طویل خواب غفلت سے ان کو بیدار کر دیا۔ پس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ یعنی مال ودولت اور ساز وسامان اور پہاڑوں کے مکان اور عیش وعشرت کے سامان جن پر وہ مغرور تھے کوئی کام نہ آیا سب دھرا رہ گیا اور جب آنکھ کھلی تو تدارک ممکن نہ تھا۔ دیکھتے ہی رہ گئے کہ دم کے دم میں کیا ہو گیا۔ گرفتاری کا وارنٹ اسی طرح جاری ہوتا ہے اور پولیس اخیر رات میں آ کر چھاپہ مارتی ہے اور پکڑ کر لے جاتی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ

اور ہم نے بنائے نہیں آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے بغیر تدبیر۔

السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ

اور قیامت مقرر آنی ہے سو کنارہ پکڑ اچھی طرح کنارہ۔ تیرا رب جو ہے وہی ہے بنانے والا

الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

خبردار۔ اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجے کا۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ

مت پسار اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کو کئی طرح کے لوگوں کو، اور نہ غم کھا

عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ

ان پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا

الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ ج كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ لا الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ

کھول کر۔ جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن

عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ لا عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

کو بوٹیاں۔ سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے۔ جو کام کرتے تھے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔ اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ لا الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ج فَسَوْفَ

ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی سو آگے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ لا

معلوم کریں گے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ لا وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى

سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدے کرنے والوں میں۔ اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک

ع ۶ يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

پہنچے تجھ کو یقین۔

تلقینِ صبر برایذائے اہلِ استہزاء وتمسخر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ . . . الٰى . . . حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوعات میں پہلی اُمتوں کے معاندین کے حال اور مآل کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو عفو اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے زمانے کے معاندین کی ایذاء اور تمسخر پر صبر کریں اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور جو لوگ آپ ﷺ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ آپ ﷺ بے خوف وخطر تبلیغ اور دعوت کو جاری رکھیں اور تسبیح وتحمید اور عبادت میں لگے رہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ تاکہ ان سے صانع عالم کے وجود باجود اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور قدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں۔ اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے وہاں سزا مل جائے گی اور اس کفر وتکذیب کا نتیجہ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ پس آپ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیجیے۔ بیشک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کے معاملہ کو خدا کے علم اور حکمت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیجیے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ اور آپ ﷺ ان کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اس نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے وہ یہ کہ دی ہے ہم نے آپ ﷺ کو سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں جو (ہر نماز میں) دہرائی جاتی ہیں اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہم نے آپ ﷺ کو قرآن عظیم دیا۔ جس کے ہر حرف کے نیچے علوم الٰہیہ کا ایک سمندر ہے اور یہ قرآن عظیم جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور سورۂ فاتحہ اس تمام قرآن کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ پس یہ سورت فاتحہ اور یہ قرآن عظیم وہ دولت عظمیٰ ہے کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔ پس آپ ﷺ خدا کی اس نعمت عظمیٰ پر نظر رکھیے اور اس دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برائے چندے نفع اٹھانے کے لیے دی ہے ﴿اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ سے انواع واقسام کے کافر مراد ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور صائبین وغیرھم اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے وہ نہایت حقیر اور ذلیل ہے اور قرآن عظیم اور علم اور حکمت کی جو دولت ہم نے آپ کو دی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔

دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

پیش دریائے قدر حرمت تو — نہ محیط فلک حبا بے نیست

داری آں سلطنت کہ در نظرت — ملک کونین در حسابے نیست

جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اور بعض احادیث مرفوعہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی یہ ہی ہے اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں یہ ہے

کہ سبع مثانی سے سبع طوال مراد ہیں۔یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں۔سورۂ بقرہ سے سورۂ اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں سورت کے بارہ میں دو قول ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ مل کر ایک سورت ہے اور اسی وجہ سے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور یہ دونوں سورتوں کا مجموعہ طِوَال کی ساتویں سورت ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سبع طِوَال کی ساتویں سورت سورۂ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض، حدود اور قصص اور احکام اور امثالِ عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا فضل کیا کہ یہ ساتوں مثانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کو یہ سورتیں عطا نہیں ہوئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے دو سورتیں دی گئیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ عطا ہوئیں۔جب انہوں نے الواح تورات کو زمین پر ڈالا تو دو سورتیں اٹھالی گئیں اور باقی چار رہ گئیں۔(تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۷ ج ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ''سبع مثانی'' یعنی یہ سات سورتیں بمنزلہ سبع صحائف کے ہیں یعنی بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں کہ جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر متفرقاً نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع مثانی عطا کیں۔جو بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں۔اور ان سات کا مجموعہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔اور قرآن عظیم تمام اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔اور یہ سبع طِوَال پورے قرآن کا اجمال ہے اور سورۂ فاتحہ سبع طوال کا اجمال اور متن ہے لہٰذا جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ سبع مثانی سے پورا قرآن مراد ہے یا سات لمبی سورتیں مراد ہیں یا سات آیتوں والی سورت سورۂ فاتحہ مراد ہے سب اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں مثانی کا لفظ اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ اور سبع طوال اور قرآن عظیم سب کو شامل ہے مگر اس قول میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت تک سبع طوال کا نزول نہیں ہوا تھا۔یہ سات لمبی سورتیں مدنی ہیں مدینہ میں جا کر نازل ہوئیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید بھی مکہ میں نازل نہیں ہوا تھا مگر اس کے نزول کا وعدہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا۔اس لیے سبع مثانی سے سبع طوال مراد لینا باعتبار وعدۂ نزول صحیح ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ حق اور صدق ہے اور یہ بدنصیب اگر سبع مثانی اور قرآن عظیم جیسی نعمت کو قبول نہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی محرومی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حال پر رنج و غم نہ کریں اور بجائے ان کے درویشانِ اسلام یعنی اہلِ ایمان کے لیے اپنے بازوئے تواضع و شفقت کو جھکا دیجیے جنہوں نے قرآن عظیم جیسی دولت کو قبول کیا یہ اہل تواضع و مسکنت کا گروہ ہے یہ گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا مستحق ہے اور جن متکبرین اور مغرورین نے مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کیجیے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرے آپ اس سے صاف کہہ دیجیے کہ میں تو صاف ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانا میرا کام ہے اور دل میں اتار دینا اور دل کا پھیر دینا اللہ کا کام ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کر دیجیے اور زیادہ فکر میں نہ پڑیے اور ہم ✽ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن عظیم ایسا ہی نازل کیا جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں تقسیم کرنے والوں یعنی یہود اور نصاریٰ پر بہ توسط رسل ایسی کتاب نازل کی جسے وہ پڑھا کریں۔جیسے توریت اور انجیل یہ کتاب ان کا قرآن تھا جس کو وہ پڑھا کرتے تھے جنہوں نے اپنے اس قرآن کے یعنی اپنی اس آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اس طرح سے کہ اپنے قرآن یعنی اپنی کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا کتاب الٰہی کے کسی حصہ کو چھپایا اور کسی حصہ کو ظاہر کیا جیسی مصلحت دیکھی۔

✽ اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آیت ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ﴾ آیت مذکورہ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ سے متعلق ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے۔﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ﴾ التوراۃ والانجیل۔۱۲

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔

قول اوّل یہ ہے کہ آیت یعنی ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ... الخ﴾ گزشتہ آیت یعنی ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ﴾ سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن عظیم ہم نے آپ ﷺ پر اسی طرح اُتارا ہے جیسے گزشتہ زمانہ میں یہود اور نصاریٰ پر ہم نے توریت اور انجیل نازل کی اور یہ ہی آسمانی کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ پر قرآن عظیم اور وحی کا نازل ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے جس طرح پہلے زمانہ میں کتب الٰہی کا نزول ہوا اور بندوں کو احکام کا مکلف بنایا گیا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا لہٰذا نزول قرآن کو مستبعد نہ سمجھو۔ اس تشبیہ سے مقصود استبعاد ہے۔ اور مقتسمین کے معنی تقسیم کرنے اور بانٹنے والوں کے ہیں اور اس سے یہود اور نصاریٰ اس لیے مراد لیے گئے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب الٰہی کو تقسیم کر لیا تھا کہ اس کے بعض احکام پر عمل کرتے تھے اور بعض پر نہیں اور ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ لفظ ﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ کی صفت اور تفسیر ہے اور اس قول پر قرآن سے یہ قرآن مراد نہیں کہ جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔ بلکہ معنی لغوی مراد ہیں یعنی وہ کتاب الٰہی جس کی قراءت وتلاوت کی جائے اور اس جگہ قرآن سے اہل کتاب کا قرآن مراد ہے یعنی ان کی توریت اور انجیل مراد ہے جس کو وہ پڑھا کرتے تھے اور اہل کتاب نے اپنے قرآن کے یعنی توریت اور انجیل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جو حصہ کتاب الٰہی کا ان کے ہوائے نفس کے مطابق ہوا اس پر ایمان لے آئے اور جو ان کے ہوائے نفس کے خلاف ہوا اس کا کفر اور انکار کیا۔ بڑے ہی نادان تھے کہ جو کتاب ان کی ہدایت کے لیے نازل کی اس میں قبول اور انکار کے اعتبار سے تقسیم جاری رکھی حالانکہ کتاب منزل کا یہ حق تھا کہ بہ کمال وتمام بدون اقتسام کے اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے۔ اس جگہ اہل کتاب کو بعنوان اقتسام ذکر کرنا ان کی مذمت اور تقبیح کے لیے ہے کہ کتاب الٰہی میں کیوں تقسیم جاری کی اور کفار مکہ کی طرف تعریض ہے کہ گزشتہ اقتسام کی طرح تم بھی جرم اقتسام کے مرتکب ہو رہے ہو لہٰذا ان کی طرح تم کو بھی عذاب سے ڈرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ مقتسمین سے تو اہل کتاب ہی مراد ہوں مگر قرآن سے یہی قرآن مراد ہو جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور مطلب یہ ہو کہ اہل کتاب نے اس قرآن کو تقسیم کر لیا ہے کہ اس قرآن کا جو مضمون ان کی تحریفات یا ان کی آراء اور اہواء کے موافق پڑ جائے اس کو تو مان لیا جائے اور جو مضمون قرآنی ان کے خلاف ہو اس کو نہ مانا جائے اس طرح اہل کتاب نے قرآن عظیم کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر ڈالا قرآن عظیم کا جو حصہ ان کی توریت اور انجیل کے موافق ہوا اس کو تو حق کہا اور جو ان کی توریت اور انجیل کے خلاف ہوا اس کو باطل کہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہوں و دوسری آیت یعنی ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ میں قرآن کی تفسیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قرآن سے یہ ہی قرآن مراد لیا جائے یا قرآن سے معنی لغوی یعنی ان کی کتاب مقرر مراد لی جائے۔ ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ (البقرہ:۱۴۸)

قول ثانی: اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ﴾ اپنے ماقبل کی قریبی آیت یعنی ﴿ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴾ سے متعلق ہے۔ [1] اور مطلب یہ ہے کہ میں نذیر مبین ہوں۔ اے قریش! میں تم کو اللہ

---

[1] اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ﴿ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ عَذَابًا كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ وعلیٰ هٰذا الوجه المفعول محذوف وهو المشبّه دل علیه المُشبّه بِه. (تفسیر کبیر)

کے عذاب سے ڈراتا ہوں اگر تم اس قرآن عظیم پر ایمان نہ لاؤ گے اور گزشتہ مقتسمین کی طرح اس قرآن کے حصے بخرے کرو گے اور اس کے بعض کو شعر اور بعض کو سحر اور بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الاوّلین کہو گے تو پھر عجب نہیں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نازل ہو جائے۔ جیسا کہ گزشتہ مقتسمین پر نازل ہوا تھا ان کا جرم بھی یہ ہی اقتسام تھا اور تم بھی اسی جرم کے مرتکب ہو اور گزشتہ مقتسمین سے اہلِ کتاب مراد ہیں جنہوں نے اپنی آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے کہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوا اس کو مان لیا اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوا اس کا انکار کر دیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت و تکذیب کی جس کی سزا میں بندر اور سوّر بنائے گئے اور ذلّت اور مسکنت کی مہر لگی۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا عذاب نازل ہونا مستبعد نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہو چکا ہے تو اے اہلِ مکہ! تم کو بھی اس سے ڈرنا چاہیے۔ غرضیکہ پہلے قول کی بناء پر ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا ﴾ کی تشبیہ سے نزول وحی کے استبعاد کو دفع کرنا تھا۔ اور اس دوسرے قول پر تشبیہ سے مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ ﷺ انکارِ قرآن کو مستبعد نہ سمجھیں۔ قرآن سے پہلے بھی انکار ہو چکا ہے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مقتسمین سے قسم کھانے والے مراد ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور باہم قسم کھائی کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کریں گے اور ان کو ایذاء پہنچائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ صالح کے حال سے آگاہ فرمایا: ﴿ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ﴾ (النمل: ۴۹) باہم مل کر قسم کھائی کہ رات میں جا کر صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور عداوت پر قسمیں کھائی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ پس جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا اسی طرح کے عذاب سے یہ نذیر مبین تم کو ڈراتا ہے اور قوم صالح کے مقتسمین پر عذاب کا نزول قطعی اور یقینی ہے اور منصوص قرآنی ہے۔ لہٰذا اس کو معرض تشبیہ میں ذکر کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور بعض علمائے سلف نے مقتسمین سے کفار مکہ مراد لیے ہیں۔ جنہوں نے بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کر رکھی ہے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے کہ بقرہ یا مائدہ تو میں لے لوں گا اور نمل اور عنکبوت تو لے لینا یا مکہ کے راستے تقسیم کر لیے تھے کہ راستوں پر مختلف آدمی بٹھا دیئے تھے کہ جو کوئی آتا تو اس سے آنحضرت ﷺ کی برائی کرتے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اس کو روکتے تھے اور بعض علماء سلف کہتے ہیں کہ مقتسمین سے آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے قرآن کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات کے مطابق ہوا اس کو مان لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیا جائے مگر ان دونوں قولوں میں اشکال یہ ہے کہ یہ آیت اور یہ سورت مکی ہے اور اس وقت تک نہ کفار قریش پر کوئی عذاب نازل ہوا تھا اور نہ یہود بنی قریظہ اور نہ یہود بنی نضیر پر کوئی مصیبت اور آفت آئی تھی اور ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا ﴾ میں کاف حرف تشبیہ ہے اور انزلنا صیغہ ماضی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مقتسمین پر گزشتہ زمانہ میں عذاب نازل ہو چکا ہے حالانکہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ پر جو بھی آفت اور مصیبت آئی ہجرت کے بعد آئی ہجرت سے پہلے نہ کفارِ مکہ پر کوئی عذاب آیا اور نہ یہود پر لہٰذا انذار میں ایسے عذاب سے تشبیہ دینا جو ابھی تک واقع نہیں ہوا ذوق بلاغت کے خلاف ہے اور ان دو قولوں کو آیت کا شان نزول کہنا بہت مشکل ہے ان دونوں قولوں کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر پر اگرچہ اس وقت تک عذاب نازل نہ ہوا تھا مگر چونکہ مستقبل قریب میں اس کا وقوع یقینی تھا اس لیے اس کو لفظ انزلنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ترجیح راجح

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہم نے ناظرین کے سامنے کر دیئے۔ محققین کے نزدیک سب سے راجح قول اول ہے وہ یہ کہ ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ...الخ ﴾ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ مراد ہیں اور ﴿ اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ مقتسمین کی صفت کاشفہ ہے یعنی مقتسمین کی تفسیر ہے اور قرآن سے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور آپ ﷺ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے ہم نے یہود اور نصاریٰ کو توریت اور انجیل عطا کی تھی مگر اس زمانہ کے اہل کتاب نے قرآن عظیم کی قدر نہ جانی اور اس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور قرآن کی تقسیم وتحلیل کر ڈالی کہ جو مضمون قرآن کا ان کی تحریفات اور ان کی تیار کردہ توریت اور انجیل کے مطابق ہوا اس کو حق مان لیا اور جو اس کے خلاف پایا اس کو باطل کہہ دیا۔ ان اہل کتاب نے اپنے جہل اور عناد سے اس طرح قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر لیا۔ اور یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما [1] سے منقول ہیں اور اس معنی کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر ص ۲۹۲ جلد ۵ میں اختیار کیا ہے اور اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو مقتسمین (بانٹنے والے) کہا کہ انہوں نے قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کیا اور اس کے بعد ﴿ اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴾ مقتسمین کی صفت ذکر فرمائی کہ یہ مقتسمین وہ ہو لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا اور شیخ الاسلام ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ [2] نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اور اس ناچیز کے نزدیک ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ یہ آیت تشبیہ یعنی ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ اپنی قریبی آیت ﴿ وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴾ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے مشرکین مکہ کے وہ چند شریر اور سرکش لوگ مراد ہیں جو ولید بن مغیرہ کے مشورے سے ایام حج میں مکہ کے راستے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے جب حج کا موسم آتا اور لوگ باہر سے آتے تو ہر ایک راستہ پر ایک شخص بٹھلا دیا جاتا کہ جو لوگ اس راستے سے آئیں ان سے یہ کہہ دیا کریں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے اس کی بات سے تم دھوکہ نہ کھانا وہ مجنون ہے یا جادوگر ہے یا کاہن وغیرہ وغیرہ ہے اور انہیں چند شریروں نے ازراہ تمسخر واستہزاء سورتوں کے نام سے قرآن کے حصے بخرے کیے ہوئے تھے کوئی کہتا کہ میں بقرہ [3] لے لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھے دے دوں گا۔ یہ مستہزئین (تمسخر کرنے والوں کا ایک گروہ تھا) جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور یہ کہا کہ اس گروہ کے شر سے آپ ﷺ کو کفایت کریں گے۔ چنانچہ یہ سب لوگ نہایت ذلت کی موت مرے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ

---

[1] قال ابن عباس اهل الكتاب امنوا ببعضه وكفروا ببعضه وكذالك قال عكرمة هم اهل الكتاب وسموا مقتسمين لانهم كانوا مستهزئين فيقول بعضهم هٰذهٖ السورة لى وهٰذهٖ السورة لك۔ (تفسیر قرطبی ص ۵۸ جلد ۱۰ وتفسیر در منثور ص ۱۰۶ جلد ۴۔ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۴۸۹ جلد ۴)

[2] حضرات اہل علم تفسیر ابو السعود کو دیکھیں نہایت لطیف کلام فرمایا اور اسی کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

[3] شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافر سنتے تھے سورتوں کے نام تو آپس میں ٹھٹھے سے بانٹتے کوئی کہتا میں بقرہ لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ (موضح القرآن)

اے نبی! آپ ﷺ حق تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو اللہ کے قہر اور عذاب سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم پر ایسا عذاب نازل کریں گی جیسا ہم نے مقتسمین پر اُتارا۔ یعنی جس طرح ہم نے مقتسمین (مکہ کے راستے تقسیم کرنے والوں) پر یا قرآن کو سحر اور شعر اور کہانت وغیرہ وغیرہ کی طرف تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ یعنی خاص قسم کی ذلت کی موت سے ان کو ہلاک کیا۔ اسی طرح تم کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۲۸۹ جلد ۸ و تیسیر القاری شرح صحیح البخاری بزبان فارسی مصنفہ شیخ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ص ۴۰۹ جلد ۴ و شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۱۶۴ جلد ۲) اور اس قول کو ہم نے اس لیے اختیار کیا کہ ﴿وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ﴾ قریب ہے اور ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ ذرا بعید ہے نیز بقرینۂ مقام ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ﴿كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ﴾ میں انزال سے انزال عذاب مراد ہے نہ کہ انزالِ کتاب نیز حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ فرمایا وہ بھی اسی قول پر مبنی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ''وبگو ہر آئینہ من بیم کنندۂ آشکارم فرود خواہیم آورد عذاب را مانند آں چہ فرود آوردہ بودیم بر تقسیم کنندگان آنانکہ ساختند کتاب الٰہی را پارہ پارہ مترجم گوید یعنی بر اہلِ کتاب..... کہ بر بعض آیات عمل می کردند و بر بعض نہ اھ'' جاننا چاہیے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ ہمارے اختیار کردہ قول کا بتمام وکمال مؤید نہیں البتہ صرف اس بارہ میں مؤید ہے کہ ﴿كَمَاۤ اَنْزَلْنَا﴾ کا تعلق اس کی قریبی آیت یعنی ﴿وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ﴾ سے ہے نہ کہ ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ سے۔ حضراتِ اہلِ علم تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی کا مطالعہ فرمائیں ہماری یہ تفصیل ان شاء اللہ اہلِ علم کے لیے مفید اور معین ہوگی۔ وَ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ قیامت کے دن ہم ان سب کے اعمال سے ضرور باز پرس کریں گے اور ان مقتسمین سے بھی یہ سوال کریں گے کہ تم نے قرآن عظیم اور صاحب قرآن کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ پس اے نبی! آپ ﷺ صاف صاف ظاہر کر دیجیے اس بات کو کہ جس کے پہنچانے کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور کسی کے استہزاء اور تمسخر کی پرواہ نہ کیجیے اور مشرکین سے منہ موڑ لیجیے یعنی ان کے مضحکہ اور استہزاء سے دلگیر نہ ہوجیے تحقیق ہم تیری طرف سے تجھے تمسخر کرنے والوں کو کافی اور بس ہیں یعنی تو بے خوف وخطر ہمارا حکم پہنچا ان ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے ہم تجھ کو محفوظ رکھیں گے آپ ﷺ ان کے انتقام اور بدلہ کی کوئی فکر نہ کیجیے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے اور یہ بدبخت جو آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ سو عنقریب جان لیں گے شرک اور استہزاء کا کیا اور کیسا انجام ہے؟ مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ خدا کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے یہ مستہزئین جو آپ ﷺ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے صاحب قوت ووجاہت مشرکین کا ایک گروہ تھا یہ لوگ رؤسائے قریش میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: ① ولید بن مغیرہ ② عاص بن وائل ③ حارث بن قیس ④ اسود بن عبد یغوث ⑤ اسود بن المطلب۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر میں حد سے تجاوز کیا تو اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر کی طرف التفات نہ کریں ہم آپ ﷺ کی طرف سے ان کے لیے کافی اور بس ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے اور جبرئیل امین علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ پانچ مستہزئین مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ کو دیکھ کر ہنسے اور پھر طواف میں مشغول ہو گئے جبریل امین علیہ السلام بولے کہ مجھے حکم ہے کہ ان کے شر سے آپ ﷺ کو کفایت کروں پس ولید بن مغیرہ ادھر سے گزرا۔ جبریل امین علیہ السلام نے ولید کی پنڈلی کی

طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد ولید کا ایک تیر ساز پر گزر ہوا جو تیر بنا رہا تھا ولید کی ازار اس میں اُلجھ گئی اس مغرور نے جھکنے کو عار سمجھا اس لیے وہ تیر اس کی ساق (پنڈلی) میں لگا جس سے خفیف سا زخم آیا مگر وہ ایسا پھوٹ نکلا کہ ولید اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا ادھر سے گزر ہوا جبرئیل امین علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: قد کفیت (آپ کفایت کیے گئے) یہاں سے نکلنے کے بعد عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کانٹا لگا جس سے اس کا پیر پھول گیا اور پھول کر چکی کے پاٹ کی طرح ہو گیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن المطلب ادھر سے گزرا جبریل امین علیہ السلام نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اسی وقت نابینا ہو گیا اور مر گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کے اشارہ کے بعد دیوانہ ہو گیا اور اسی دیوانگی میں اپنا سر ایک درخت سے جا کر مارنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ اسود عبد یغوث کا اِدھر سے گزر ہوا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا پیٹ پھول گیا اور استسقاء ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو لُو لگی اور تمام بدن اس کا سیاہ ہو گیا۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے اس کو پہچانا بھی نہیں اور اسی حالت میں مر گیا اور حارث بن قیس ادھر سے گزرا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا سر پھول گیا اور اس پر اس قدر ورم آیا کہ اسی میں مر گیا۔ اس طرح سے اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کو ہلاک کیا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۴۲۲ جلد ۴ لابن الجوزی وتفسیر درمنثور ص ۱۰۷ جلد ۴)

تفسیر درمنثور میں ان مستہزئین کی ہلاکت کی روایتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے۔ (فتح الباری ص ۲۹۰ جلد ۸)

نکتہ: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان استہزاء کرنے والوں میں سے کوئی اپنے سر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتا ہو گا اور کوئی آنکھ سے اور کوئی اپنے پیٹ سے اور کوئی پیر سے جبرئیل علیہ السلام نے مستہزئین کے انہیں اعضاء کی طرف اشارہ کیا جس کے اشارہ سے وہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے انہیں اعضاء کی طرف اشاروں سے مستہزئین ہلاک کیے گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی کی طرف توجہ فرماتے ہیں: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم خوب جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی تمسخر آمیز باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ شرک کرتے اور قرآن پر ہنستے اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تو طبعاً یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتیں اور ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گھٹتا' سو اس کا علاج یہ ہے کہ اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے یعنی ﴿سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ﴾ کی تسبیح پڑھا کیجیے اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں میں سے تسبیح و تحمید سے اور سجدہ سے سینہ کے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرہ: ۱۵۳) یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جائیے جس کی ابتداء قیام پر ہوتی ہے اور انتہاء سجود پر ہوتی ہے اور سجود قرب خداوندی کی آخری منزل ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ اور رکوع تعظیم خداوندی کی درمیانی منزل ہوتی ہے اور قیام اور سجدہ درمیانی ایک برزخی مقام ہے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ تجھ کو موت آ جائے یعنی جب تک جیتا رہے اس وقت تک دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتا رہ جس درجہ آدابِ عبودیت بجالائے گا اسی درجہ الطاف ربوبیت کا تجھ پر نزول ہو گا۔ جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس جگہ ''یقین'' سے مراد موت ہے کیونکہ موت کا وقوع امر یقینی ہے جس میں کسی کو شک نہیں ابو حیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ موت کا ایک نام یقین بھی ہے۔ اھ اور حدیث اور قرآن میں لفظ یقین بمعنی موت مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ كُنَّا نُكَذِّبُ

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ (المدثر)۔اور حدیث میں ہے کہ ایک میت کی نسبت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: امّا ھو فقد جاءہ الیقین انی لا ارجو لہٗ الخیر اور عارفین نے اس جگہ یقین سے کیفیت قلبیہ مراد لی ہے۔ ع

بدرد یقین پر دہائے خیال نماند سرا پردہ الاجلال

مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک اپنے رب کی حمد و تسبیح میں اور اس کی عبادت میں لگے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے سینہ کی تنگی اور گھٹن کو دور کر کے شرح صدر کی دولت سے تم کو نوازے ذکر الٰہی اور عبادت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سینہ کی تنگی زائل ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں ہاں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ مجھ کو موت آ جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۶۴ جلد ۱۰)

الحمد للہ آج بروز دوشنبہ بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بوقت ۸ بجے دن کے سورۂ حجر کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وَلِلّٰہِ الحمد والمنۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ نحل

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔اس سورت کا نام سورۂ نحل ہے اس وجہ سے کہ اس میں نحل کا ذکر ہے۔نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے اس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائلِ توحید میں پیرایہ انعام اور امتنان کا ہے مگر درپردہ ہر نعمت اس کی وحدانیت کی دلیل اور برہان ہے جن سے مقصود ابطالِ شرک ہے۔اس سورت کے زیادہ مضامین تو توحید اور ابطال شرک کے ہیں اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن میں منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ میں کافروں کے پہلے شبہ کا جواب دیا گیا۔

اور ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ... الخ﴾ میں مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ... الخ﴾ میں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اس طرح اخیر سورت تک زیادہ تر توحید کے دلائل عقلیہ کا بیان چلا گیا اور گاہ بگاہ نبوت و رسالت اور حقانیت قرآن اور قیامت اور حشر و نشر کے منکرین پر وعید اور تہدید کا بیان چلا گیا اور آخری رکوع میں رسالت محمدیہ ﷺ کی تقویت کے لیے رسالتِ ابراہیمیہ کا ذکر فرمایا اور چونکہ کفار اور مشرکین آنحضرت ﷺ کی ایذاء رسانی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس سورت کو صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم فرمایا۔

آیاتہا ۱۲۸ (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰) رکوعاتہا ۱۶

سورۂ نحل مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی شتابی مت کرو۔ وہ پاک ہے۔ اور اوپر ہے ان کے شریک بتانے سے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ

اتارتا ہے فرشتے بھید لے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں، کہ

اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

خبر پہنچا دو، کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے، سو مجھ سے ڈرو۔

آغاز سورت بوعید وتہدید بر منکرین توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ... الٰی ... لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②﴾

یہ سورت چونکہ زیادہ تر دلائل توحید پر مشتمل ہے جس سے مقصود مشرکین کا رد ہے اس لیے اس سورت کا آغاز وعید وتہدید سے کیا گیا تا کہ مشرکین متوجہ ہو جائیں اور غور سے دلائل توحید کو سنیں۔ کیونکہ توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ اور اسی پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور انبیاء علیہم السلام نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ آنحضرت ﷺ مشرکین عرب کو دنیوی اور اُخروی عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اس پر مشرکین یہ کہتے کہ وہ عذاب اور قیامت جس سے آپؐ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا۔ اور ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر ص ۲۹۴ ج ۵)

چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کا حکم آ چکا ہے کہ دنیا ہی میں کافروں کو سزا ملے گی اور کفر ذلیل وخوار ہوگا۔ اور اسلام سربلند ہوگا۔ اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت اور کفر کی مغلوبی اور ذلت امر یقینی اور امر شدنی ہے اور ان منکرین کی سزا کا وقت قریب آ گیا۔ سوائے منکرو! تم اس کی طلب میں جلدی نہ کرو۔ تمہارا فائدہ تاخیر میں ہے تا کہ تم کو مہلت مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب موعود کا آنا یقینی ہے اس کا حکم آ چکا ہے اپنے وقت پر آئے گا۔ اور جب آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ عذاب کے آنے سے پہلے شرک سے توبہ کرلو۔ اللہ پاک برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عذاب آنے پر تمہارے یہ شرکاء

تمہاری کوئی شفاعت نہیں کرسکیں گے رہا یہ امر کہ اللہ نے تم کو براہ راست کفر اور شرک سے کیوں نہ منع کر دیا۔ نبی اور رسول کے واسطے کی کیا ضرورت تھی سو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی اور پیغام دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے ہر کس و ناکس پر اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر نازل نہیں ہوتا اور وحی خداوندی چونکہ حیات روحانی کا سبب ہے اس لیے وحی کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس طرح روح حیات اور زندگی کا ایک سبب ہے اسی طرح وحی بھی مؤمنوں کے دل کو زندہ کرتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا گیا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا صرف مجھ ہی سے ڈرو میرے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں ہے۔

مرا بندگی کن کہ دارا منم تو از بندگانی و مولیٰ منم

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا۔ ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک۔ وہ اوپر ہے ان کے شریک بتانے سے۔ بنایا

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④ وَ الْاَنْعَامَ

آدمی ایک بوند سے، پھر تبھی ہو گیا جھگڑتا بولتا۔ اور چوپائے

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۪⑤ وَ لَكُمْ

بنا دیئے تم کو ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے، اور بعضوں کو کھاتے ہو۔ اور تم کو

فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۪⑥ وَ تَحْمِلُ

ان سے رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو۔ اور اٹھا لے

اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ

چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر، بیشک

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۙ⑦ وَّ الْخَیْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے بنائے اور خچریں اور گدھے، کہ ان پر سوار ہو

وَ زِيْنَةً ۭ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ

اور رونق۔ اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ، اور

مِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ ع ۹/۷

کوئی راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہے تو راہ دے تم سب کو۔ وہی ہے جس نے اتارا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰

آسمان سے پانی، تمہارا اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں جن میں چراتے ہو۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ

اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَ سَخَّرَ

ہر قسم کے میوے۔ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔ اور کام لگائے

لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۭ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ

تمہارے رات و دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ ۙ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي

اس کے حکم سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو بوجھ رکھتے ہیں۔ اور جو بکھیرا ہے تمہارے واسطے

الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳

زمین میں کئی رنگ کا، اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا

اور وہی ہے جس نے کام لگایا دریا، کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو

مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا

اس سے گہنا جو پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں اور اس واسطے کہ تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (١٤) وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ

اس کے فضل سے اور شاید احسان مانو۔ اور ڈالے زمین میں بوجھ کہ

تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (١٥) وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ

کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور ندیاں بنائیں اور راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور بنائے پتے، اور

بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (١٦) اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

تارے سے راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے، برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا

تَذَكَّرُوْنَ (١٧) وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ

تم سوچ نہیں کرتے۔ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی نہ پورا کرسکو ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ (١٨) وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ (١٩) وَ الَّذِيْنَ

مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور جن کو

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ (٢٠)

پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔

ع ٢ ١٢ ٨ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (٢١) اِلٰهُكُمْ

مردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔ معبود تمہارا

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ

معبود ہے اکیلا۔ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا اور ان کے دل نہیں مانتے اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ (٢٢) لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ

مغرور ہیں۔ ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔ اور جو جتاتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (٢٣)

بے شک وہ نہیں چاہتا غرور کرنے والوں کو۔

ذکرِ دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ... الی ... اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اوّل اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی تعلیم دیتے رہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اوّلین اور آخرین کو وصیت فرمائی ﴿وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (النساء: ۱۳۱) اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت وحکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمالِ قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہٗ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ربِّ اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشیوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہیے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اوّل: زمین وآسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب وغرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت وحکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم: آسمان وزمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا: کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴾ ایک قطرۂ آب سے ایک عجیب وغریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں، ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب وغریب پیدائش خدا کے کمال قدرت وحکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی علیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔

قسم سوم: احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں، بھیڑ، بکری، اُونٹ، گائے۔ پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ ... الی قولہ تعالیٰ ... وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ○﴾ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں پر واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اوّلاً حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے بھیڑ، بکری، اُونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر کیا جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم: جس کو ﴿وَالۡخَیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ﴾ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان و شوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور ﴿وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ میں ان سواریوں کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔ جیسے ریل گاڑی اور دخانی جہاز اور موٹر اور بائیسکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم: عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت و حکمت پر استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ﴾ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم: احوال نباتات کے بعد اب شمس و قمر و کواکب و سیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس و قمر اور کواکب و سیارات کی تاثیر سے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ ۔۔۔ الی قولہ ۔۔۔ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔

قسم ہفتم: اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلافِ الوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم: (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ﴾ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم: (استدلال باحوال کائناتِ ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَاَنۡهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ﴾ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کردیے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آ گیا۔

قسم دہم: (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَبِالنَّجۡمِ هُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ﴾ ﴿فَتِلۡکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ﴾ اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہوگیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک بابرکات ہے جو ان عجائب و غرائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شئے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہوسکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ:

جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر اربعہ سے

استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا ﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مانع تھا اس لیے مضمون مذکورہ کو ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اوّل ______ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوند قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں تہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہیٰ معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہاء کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوقِ خداوندی ہیں اور قدرت قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم ______ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات و صفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرۂ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادرِ شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔

یہ آیت ابی بن خلف جمحی کے بارہ میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے

پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ... الى ... اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہے جو تم کو جاڑے سے بچائے جسے جڑاوّل کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تر و تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے اور جب صبح کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہاری بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہارے راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامانِ سفر بھی ہے اور سامانِ زراعت و حراثت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صُوف اور بال تمہارا سامانِ لباس ہے۔

قسم چهارم ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ: اوّل حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لیے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ سے اجمالاً ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ

﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

اُوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور نیچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستہ کا بیان کرنا اللہ کے

ذمے ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتۂ راہ بنایا۔ اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں: جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوالِ نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

احوال نباتات سے استدلال:

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ ... الی ... اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اُتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اُگتے ہیں جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے۔ بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوئیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب و علل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور و فکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاریگری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم ____ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۟﴾ (۱۲)

اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ، کواکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم کے تابع نہیں بذاتِ خود عالم سفلی میں مدبّر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں۔ پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر و باہر ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم ــــــــ ﴿ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ ﴾

اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کواکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکّر پر ختم فرمایا۔ کیونکہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر و فکر کی حاجت نہیں محض تذکّر اور یاد دہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم ــــــــ ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ... الى ... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ ﴾

حق جل شانہٗ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرام سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسری مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسری مرتبہ میں عجائب حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائب نباتات سے استدلال کیا۔

اب احوالِ عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں:

اور وہ وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اس کا گوشت شور نہیں یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں' کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضلِ الٰہی سے نفع کماؤ اور تاکہ تم اللہ عز و جل کی شکر گزاری کرو کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس طرح سے سفر یہ سب اللہ کی نعمت ہے' جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نہم ــــــــ ﴿ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ وَعَلٰمٰتٍ ۭ ﴾

اب عنصر خاکی سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ زمین تم کو لے کر

حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنادیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے نیل اور فرات اور جیحون اور سیحون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو' ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنے منزل مقصود کی راہ پالو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلنا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم نہم ___ ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝﴾

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لق ودق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ

یہاں تک توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں: پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفلیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے پس کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی عقل دی، سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لیے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اس قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی' پوجنے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لیے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہیے اور تمہارے ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے۔ لہٰذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے۔ احد اور صمد ہے اس کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ متکبر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید و مدید کے مورد اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لیے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ﴿۲۴﴾

اور جب کہیئے ان کو کیا اتارا ہے تمہارے رب نے؟ کہیں نقلیں ہیں پہلوں کی۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ

کہ اٹھاویں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے، اور کچھ بوجھ ان کے جن کو

ع ۹ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

بہکاتے ہیں بے تحقیق۔ سنتا ہے؟ برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں۔

منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات اور ان کے جوابات

ربط: یہاں تک دلائل توحید کا ذکر فرمایا۔ اب آگے مشرکین کے قبائح اور منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیتے ہیں اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کے پانچ شبہے ذکر فرما کر ان کا جواب دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ شبہے کوئی نئے شبہے نہیں پہلی امتوں کے لوگ اسی قسم کے شبہے کر چکے ہیں اور ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی خود ان کے شبہوں کا جواب تھی۔

پہلا شبہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ... الی ... اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع﴾

آنحضرت ﷺ نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدلال کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ پچھلے لوگوں کے قصے ہیں اور کہانیاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب ان متکبرین سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے یعنی کوئی ناواقف شخص بغرض تحقیق ان سے یہ پوچھتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز

اتاری ہے یا خود ہی آپس میں از راہِ تمسخر ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے ہیں کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ کچھ بھی نہیں۔ یہ اللہ کا اتارا ہوا کلام کہاں سے آیا یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے اور ان کی کہانیاں ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ (الفرقان:۵) مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اور اس کی اُتاری ہوئی کتاب نہیں پچھلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔ نبوت و رسالت اور قیامت اور جنت و جہنم کی باتیں اور پرانے افسانے اس میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ یہ لوگ اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے گناہوں کا بوجھ تو اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے گناہوں کے بھی اٹھائیں گے جن کو بے تحقیق یہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی یہ متکبرین اور روساء کفر اپنے کفر اور شرک اور اپنے گناہوں کا تو پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور اپنے بوجھ کے علاوہ اپنے پیروؤں کے گناہوں کا بوجھ بھی کچھ اٹھانا پڑے گا۔ پیرو بری نہ ہوں گے ان کو اپنے کفر اور شرک کا علیحدہ عذاب ہوگا اور ان گمراہ کرنے والوں کو گمراہی کا سبب بننے کی وجہ سے بمقدار حصہ سببیت گمراہوں کے عقوبت میں سے بھی کچھ حصہ ملے گا غرض یہ کہ ان ائمۃ الکفر کو اپنے کفر اور شرک کا پورا عذاب ملے گا اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے عذاب میں سے بھی ان کو کچھ حصہ ملے گا اس طرح ان کو دگنا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ مگر گمراہوں کے عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی نہ کی۔ اور ان کی بات بے دلیل ہی مان لی۔ اور ان کی جہالت کا عذر قبول نہ ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بہت بُرا بوجھ ہے کہ جو قیامت کے دن اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے گناہوں کے بوجھ سے بڑھ کر کوئی بوجھ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔ جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہوگا۔ جنہوں نے اس کی پیروی کی ان پیروؤں کے گناہ سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ (رواہ مسلم)

فائدہ: اور آیت ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الفاطر:۱۸) اس کے منافی نہیں اس لیے کہ مراد اس سے وہ وزر ہے کہ جس میں اس کا کچھ عمل دخل نہ ہوگا اور اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور جو شخص کسی برائی یا بھلائی کا سبب بنے گا بقدر سببیت اس کو ثواب و عتاب میں سے حصہ ملے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ
دغا بازی کر چکے ہیں ان سے اگلے، پھر پہنچا اللہ ان کی چنائی (عمارت) پر نیو (بنیاد) سے
فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ
پھر گر پڑی ان پر چھت اوپر سے، اور آیا ان پر عذاب جہاں سے
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
خبر نہ رکھتے تھے۔ پھر دن قیامت کے رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک؟

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ

جن پر ضد کرتے تھے۔ بولیں گے جن کو خبر ملی تھی بے شک

الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے۔ جن کی جان لیتے ہیں فرشتے

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى

اور وہ برا کر رہے ہیں اپنی حق میں تب آ کر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی کیوں نہیں؟

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ سو پیٹھو (گھس جاؤ) دروازوں میں دوزخ کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ

رہا کرو اس میں۔ سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور کرنے والوں کا۔ اور کہا

اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ

پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے؟ بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

اس دنیا میں ان کو بھلائی ہے اور پچھلا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا

باغ ہیں رہنے کے، جن میں وہ جاویں گے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کو وہاں ہے

مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

جو چاہیں۔ ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو۔ جن کی جان لیتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا

فرشتے، اور وہ ستھرے ہیں ان کو کہتے ہیں سلامتی ہے تم پر، جاؤ بہشت میں، بدلہ اس کا

كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

جو تم کرتے تھے۔

تہدید معاندین و وعید متکبرین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ... الى ... ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾

ربط: ان آیات میں اول متکبرین کی اس دنیاوی تباہی اور بربادی کا بیان ہے جو پہلے کافروں پر ناگہانی طور پر نازل ہوئی اس کی بعد ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ میں متکبرین کے اُخروی عذاب کا بیان ہے یہ سب غرور اور تکبر کا نتیجہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر اور متکبر ناگہانی بلاؤں میں مبتلا ہوئے جن کا پہلے سے کہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اسی طرح تمہارا ابھی یہی حال اور مآل ہوگا اور گزشتہ متکبرین کی طرح تم کو بھی غرور اور تکبر کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد ﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ... الخ﴾ میں بطور مقابلہ ایمانداروں کی دینی اور دنیوی صلاح اور فلاح اور خیر و خوبی اور ان کے دینی اور دنیوی مدارج اور مراتب کا بیان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق ان سے پہلے متکبر بھی لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق کو پست کرنے کے لیے عجیب و غریب مکر کر چکے ہیں جو ان کفار مکہ سے پہلے گزرے ہیں جیسے نمرود بن کنعان جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سرکش و ظالم و متکبر بادشاہ تھا اور تمام شاہانِ عالم سے بڑھ کر تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے بابل میں ایک بڑا اُونچا محل بنوایا تھا جو پانچ ہزار گز بلند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا منارہ تھا۔ پس آ پہنچا اللہ کا حکم ان کی عمارت کی تباہی اور بربادی کے لیے ان کی بنیادوں کی جانب سے کہ زلزلے نے تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ پھر اُوپر سے ان پر چھت آ گری جس سے چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے اور ہلاک ہو گئے جو سامان حفاظت کا کیا تھا وہی فنا اور ہلاکت کا سبب بن گیا اور ایسی جگہ سے ان پر عذاب آیا جہاں سے ان کو وہم اور گمان بھی نہ تھا عمارت کی بنیادیں اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھیں کہ خیال بھی نہ تھا کہ جڑ سے اکھڑ جائیں گی۔ چنانچہ نمرود نے جو بلند محل تیار کیا تھا اس کا حال یہ ہوا کہ من جانب اللہ ایک دم آندھی چلی۔ جس نے اس محل کو جڑ سے اکھاڑ کر ان پر گرا دیا اور وہ سب بدبخت اس کے نیچے دب کر مر گئے اور بعض کہتے ہیں یہ شخص بخت نصر تھا۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۷ ج ۱۰)

امام رازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہوں کہ قدیم زمانہ میں کفار بلند بلند عمارتیں بناتے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا مقابلہ کرتے تھے خدا تعالیٰ نے ان کو جڑ سے گرا دیا اور اُوپر سے ان پر چھت آ پڑی جس کے نیچے دب کر مر گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ انہوں نے حق کے مقابلہ میں مکر و فریب کی بہت بلند عمارات بنائیں اور مکر و تلبیس کے بڑے اونچے محل تیار کر دیئے مگر جب حکم الٰہی آ پہنچا تو مکر و فریب کی بلند عمارت کی چھت انہی پر گر پڑی اور اس کے نیچے دب کر خود ہی ہلاکت ابدی میں گرفتار ہوئے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۴۳ ج ۵)

الغرض متکبرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ پھر اس دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اور رسوا اور خوار کرے گا کیونکہ اس دن پوشیدہ نیتیں ظاہر کی جائیں گے اور منجملہ رسوائیوں کے ایک رسوائی یہ ہوگی کہ اللہ بطور غضب یہ کہے گا کہ بتلاؤ کہاں ہیں

میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم انبیاء کرام علیہم السلام اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔ آج وہ تمہارے ساتھ حاضر کیوں نہیں ہوئے جو تمہاری مدد کرتے اور اس ذلت اور مصیبت سے تم کو نکالتے (اس حالت کو دیکھ دیکھ کر) وہ اہل علم جو دنیا میں انہیں نصیحت کیا کرتے تھے اور یہ ان کے وعظ و نصیحت کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے اس وقت بطریق شماتت اہل علم ان سے یہ کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن پوری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ بظاہر اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام تو خاموش رہیں گے اور ان متکبرین کی بات کا جواب نہ دیں گے البتہ اہل علم جو انبیاء علیہم السلام کے وارث تھے کافروں کو سنا کر یہ کہیں گے ﴿اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ ... الخ﴾ دنیا میں کافر مؤمنوں کو ذلیل سمجھتے تھے قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت ذلیل وہی ہیں اور کافروں کی ذلت کا ظہور موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں کافروں کی موت کی ذلت آمیز حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان متکبر کافروں کی فرشتے ایسی حالت میں جان نکالتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک کفر اور تکبر پر قائم رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے یعنی مرتے دم تک کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔ اگر مرنے سے پہلے کفر اور شرک سے باز آ جاتے تو ان کو یہ ذلت نہ دیکھنی پڑتی۔ ساری عمر خواب غفلت میں سوتے رہے ہوش ہی نہ آیا۔ جب موت کا فرشتہ سر پر آ پہنچا تب آنکھ کھولی۔ پس اس وقت یہ ظالم صلح کا پیغام ڈالیں گے اور مخاصمہ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور یہ روح نکلنے سے ذرا پہلے ہو گا اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام کفر و شرک نہیں کرتے تھے۔ ملک الموت کو دیکھتے ہی غرور تو کافور ہو جائے گا اور ساری فوں فاں نکل جائے گی مگر قدیمی جھوٹ ابھی باقی رہ جائے گا۔ اور کہہ دیں گے کہ ہم نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ اور اسی طرح آخرت میں کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کیوں نہیں۔ تم دنیا میں ضرور بُرے کام کفر اور شرک کرتے تھے۔ کیا تم جھوٹ بول کر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی تمہارا یہ انکار تمہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے تم قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے تھے اور توحید کے نام سے چڑتے تھے ہم تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیں گے اور سزا یہ ہوگی کہ یہ کہیں گے کہ پس تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو۔ پس البتہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے ایمان سے تکبر کرنے والوں کا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق کے مقابلہ میں تکبر کا انجام دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و خواری کے کچھ نہیں اور اس تکبر سے وہی تکبر مراد ہے کہ جب کوئی بغرض تحقیق ان سے پوچھتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا چیز نازل ہوئی تو از راہ تمسخر یہ کہتے کہ ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ کہ پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں یہاں تک تو متکبرین اور ظالمین کا حال بیان ہوا اب آگے اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی عزت و کرامت کو بیان فرماتے ہیں: جنہوں نے حق کے مقابلہ میں کوئی غرور اور تکبر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ پہلی آیت میں اشقیاء (بدبختوں) کے حال سے خبر دی۔ اب ان آیات میں سعداء (نیک بختوں) کے حال اور انجام سے خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب قرآن کے بارہ میں ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ جو کفر اور شرک سے اور تکبر سے پرہیز کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے (یعنی وحی قرآنی سے سوال کیا گیا) تو متقین نے جواب دیا کہ ہمارے پروردگار نے بڑی خیر و برکت کی چیز کو نازل فرمایا بخلاف کافروں اور متکبروں کے جب ان سے یہ سوال کیا جاتا تو کہتے کہ یہ اساطیر الاولین ہیں۔

نکتہ: متقین کے جواب میں خیراً منصوب آیا ہے اور متکبرین کے جواب ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ میں اساطیر مرفوع آیا ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هو ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ متکبرین نے اس قرآن کو نزول کا انکار کیا اور مرفوعاً ذکر کیا۔ مطلب یہ تھا کہ

قرآن منزل من اللہ نہیں بلکہ اس کا اساطیر الاولین ہونا ثابت اور مستمر ہے کیونکہ جملہ اسمیہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے اور متقین نے جواب میں (خیرًا) منصوب کہا جو فعل محذوف کا مفعول بہ ہے یعنی انزل اللہُ خَیْرًا یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رحمت اور خیر وبرکت ہے اور بلاشبہ منزل من اللہ ہے حاصل کلام یہ کہ کافروں اور متقیوں کے جواب میں مرفوع اور منصوب ہونے کا فرق اس نکتہ کی بناء پر ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۴ ۳ ج ۵)

جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی دنیا کی بھلائی سے فتح ونصرت اور غلبہ اور خلافت مراد ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور دار آخرت کی بھلائی تو بہت ہی خوب ہے اور دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے دار اہل تقویٰ کا۔ اور وہ گھر باغات خلد ہیں وہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوں گی نہ وہاں سے کوچ کریں گے اور نہ نکالے جائیں گے۔ اور ان درختوں اور مکانوں کے نیچے دودھ کی اور شہد کی اور شراب کی نہریں جاری ہوں گی۔ اور ان متقیوں کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد متقیوں کا تقویٰ حد کمال کو پہنچ جائے گا اور رشک وحسد کا شائبہ بھی نہ رہے گا ہر جنتی کو جو مرتبہ حاصل ہوگا وہ دل وجان سے اس پر راضی ہوگا اس لیے کوئی متقی یہ خواہش نہیں کرے گا کہ مجھ کو انبیاء اور صدیقین کا مرتبہ دیا جائے نیز جنت میں جو بھی داخل ہوگا اس سے بے عقلی اور کم فہمی بالکلیہ دُور کردی جائے گی اہل جنت جو خواہش کریں گے وہ پوری کردی جائے گی۔ مگر یاد رہے جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص ایسی خواہش نہ کرے گا جو خلاف عقل ہو اور اپنے مرتبہ اور حیثیت سے زائد ہو۔ جنت میں جو خواہش بھی ہوگی وہ اپنے استحقاق اور مرتبہ سے زائد نہ ہوگی۔ اسی طرح کی جزاء دیتا ہے اللہ تمام متقیوں کو اور ادنیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو کفر اور شرک سے بچے اور اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے کہ جو تمام معاصی سے بچے۔ جس درجہ کا تقویٰ ہوگا اسی درجہ کی جزا ملے گی۔ اب آگے متقیوں کی وہ حالت اور صفت بیان کرتے ہیں جو موت کے وقت ان کی ہوتی ہے اور اصل اعتبار موت کے وقت کی حالت کا ہے وہ متقی جن کی فرشتے بحکم الٰہی روح قبض کرتے ہیں اس وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ شرک اور معصیت سے پاک ہوتے ہیں اور ازراہِ اعزاز واکرام فرشتے یہ کہتے ہیں کہ سلام ہو تم پر اللہ کا اور یہ سلام درحقیقت ایک قسم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد تم بالکل صحیح سالم رہو گے۔ اور تم کو کوئی امر مکروہ (ناگوار) نہ پہنچے گا اور سلام کے بعد یہ کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال خیر کے سبب سے دخول جنت کا اصل سبب تو فضل الٰہی ہے اور یہ اعمال خیر اس کا سبب ظاہری ہیں اور بندہ کے یہ اعمال خیر بھی اس کی فضل اور توفیق سے ہیں۔ مبتدا اور منتہیٰ ہر جگہ فضل الٰہی ہے اور عمل خیر درمیان میں ایک وسیلہ ہے جو اس کے فضل پر موقوف ہے نیز عمل صالح خواہ کتنا ہی صحیح اور درست کیوں نہ ہو مگر اس کا قبول کرنا حق تعالیٰ کے ذمہ واجب نہیں پس اس عمل صالح کو قبول کرنا بھی اس کا فضل ہے اور پھر اس پر جنت میں داخل کرنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ
اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر یہی کہ آویں ان پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا۔
كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے، اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر، لیکن
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
اپنا برا کرتے رہے۔ پھر پڑے ان پر ان کے برے کام اور الٹ پڑا
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع
ان پر جو ٹھٹھا کرتے تھے۔

ع ۹/۱۰

دوسرا شبہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ... الٰی ... مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾

ربط: منکرین کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو کر آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دے اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس موت کے فرشتے آ جائیں اور ان کی روحیں قبض کریں یعنی یہ لوگ دلائل و براہین سے راہ راست پر آنے والے نہیں بلکہ منتظر ہیں کہ جب قبض روح کے ملائکہ آویں تب یقین کریں گے مگر اس وقت کا یقین سودمند نہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں کہ وہ آ کر فیصلہ کریں یعنی سب کے سامنے آ کر آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں اور یہ بھی ناممکن اور محال ہے فرشتہ کو اصل صورت میں دیکھنا عام بشری طاقت سے باہر ہے یا اس بات کے منتظر ہیں کہ تیرے پروردگار کا کوئی حکم آ جائے کہ ان پر کوئی عذاب نازل ہو اور یکلخت سب ہلاک ہو جائیں اس وقت عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے یا حکم خداوندی سے قیامت کا آنا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا قیامت کے یا موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا ایسا ہی مسخرہ پن ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی اسی طرح کی باتیں پہلے کافر بھی کرتے تھے بالآخر عذاب سے ہلاک ہوئے اور عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے کہ اللہ نے ان پر حجت قائم کر دی تھی اور رسول بھیج دیئے تھے اور کتابیں اتار دی تھیں لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے کہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے تھے یعنی وہ اس کفر اور شرک سے اور تکذیب سے خود اپنی ہلاکت کا باعث بنے پس پہنچیں ان کو برائیاں ان کے اعمال کی یعنی اپنے اعمال کی سزا میں گرفتار ہوئے اور ان کو اسی عذاب نے آ کر گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں کا عذاب اور کہاں کا حساب و کتاب اور کہاں کی قیامت اور کہاں کی دوزخ اور جنت۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

اور بولے شریک پکڑنے والے اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اس کے سوا کوئی چیز

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم اس کے سوا کوئی چیز۔ اسی طرح کیا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

ان سے اگلوں نے۔ سو رسولوں پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر اور ہم نے

بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

اٹھائے ہیں ہر اُمت میں رسول، کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑ دنگے (سرکش) سے

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا

سو کسی کو راہ دی اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی۔ سو پھرو

فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ

زمین میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر جھٹلانے والوں کا۔ اگر

تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا

تو للچاوے ان کو راہ پر لانے کو سو اللہ راہ نہیں دیتا جس کو بچلاتا (بھٹکاتا) ہے اور کوئی نہیں

لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ان کے مددگار۔

تیسرا شبہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ... اِلٰی... وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○﴾

ربط: اس آیت میں مشرکین کے تیسرے شبہ کا ذکر ہے جس کو وہ اپنے اعمال شرکیہ وکفریہ کا جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو ہمارا کفر اور شرک اور ہمارے اعمال شرکیہ مثلاً بحیرہ وسائبہ وغیرہ ناپسند ہوتے تو ہم کو

کرنے ہی کیوں دیتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو ہماری یہ باتیں ناپسند ہوتیں تو وہ ہمیں ایسی باتیں کرنے سے روک دیتا اور اگر ہم نہ رکتے تو ہم کو فوراً سزا دیتا معلوم ہوا کہ خدا ہمارے اس کفر اور شرک سے راضی اور خوش ہے اور بالفاظ دیگر ہم مجبور اور معذور ہیں خدا کے ارادہ اور مشیت کے خلاف نہیں کر سکتے اس آیت میں مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں حاصل جواب یہ ہے کہ یہ جہالت کی باتیں ہیں اگلے کافر بھی اپنے رسولوں کے مقابلہ میں اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے یعنی اپنے آپ کو بالکل مجبور محض بتاتے تھے یہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا۔ بلکہ حق اور باطل کے سمجھنے کے لیے عقل عطا فرمائی اور پھر اس کو عمل کی قدرت بھی دی کہ اپنے اختیار سے خیر وشر کر سکے اور ہر گروہ میں اللہ تعالیٰ نے رہبری اور راہنمائی کے لیے رسول بھیجے جو بالاتفاق شرک اور بت پرستی اور برے کاموں سے منع کرتے رہے اور صاف یہ اعلان کرتے رہے کہ یہ کام خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کام تبلیغ تھا سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد جس نے انبیاء علیہم السلام کا کہنا نہ مانا اس کو سزا ملی اس طرح ان پر اللہ کی حجت پوری ہوئی۔ لہٰذا تم کو ان عبرتناک سزاؤں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اگر کفر اور شرک خدا کو پسند ہوتا تو ان کو یہ عبرتناک سزائیں دے کر ہلاک نہ کرتا اور خوب سمجھ لو کہ اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ ؔ مرضیات اور نامرضیات سے تم کو آگاہ کر دیا ہے۔ اور اس حلیم و کریم نے کفر و شرک پر فوراً نہیں پکڑا۔ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو ہ سے تباہ اور ہلاک کر دیا لہٰذا تم کو خدا کی مہلت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بات خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس سے اور خوش ہیں۔ مجرم کا اپنے جرم کے جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے یہ کہنا کہ حکومت نے مجھ کو فوراً کیوں نہیں پکڑا۔ ماہر قانون ؔمر میں اس قسم کا عذر دیوانہ کی بڑ ہے۔ قانون دان یہی کہے گا کہ جب حکومت نے یہ قانون بنا دیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا کہ فلاں چیز ؔانوناً جرم ہے تو اب اگر حکومت بربنائے شفقت یا بربنائے مصلحت کسی مجرم کو فوراً نہ پکڑے اور اس کو کچھ مہلت دے تو حکومت کا کسی مجرم کو فوراً نہ پکڑنا اور اس کو مہلت دینا یہ اس جرم کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعالمین تھے اس لیے آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ﴾ یعنی آپ ﷺ ان بدبختوں کے ایمان لانے کی حرص اور طمع میں نہ پڑیئے کیونکہ جو شخص دیدہ و دانستہ باختیار خود گمراہی کو اختیار کرے اللہ ایسی معاند کو ہدایت اور توفیق سے نہیں نوازتا۔

ان کا عناد اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں: اور مشرکین نے یہ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے آباؤ اجداد اور ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے خدا تعالیٰ تو ہر امر پر قادر ہے کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کو روک نہیں سکتا جو وہ چاہتا ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے اور نہ بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ کو حرام ٹھیراتے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان افعال سے ناخوش ہوتا تو ہم کو اس کام کے کرنے کی قدرت ہی نہ دیتا۔

اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ ”مشرکین کا یہ کلام بطور استہزاء اور تمسخر تھا اور اگر بطور اعتقاد ہوتا تو مؤمن ہو جاتے ان کا مقصود آنحضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء کرنا تھا اور مطلب یہ تھا کہ خدا کو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا

تو ہم کبھی شرک نہ کرتے' خواہ تو آتا یا نہ آتا اب جب ہم تیرے خیال میں کفر کر رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو ہم سے کفر کرانا ہی منظور تھا۔''

بعض علماء نے زجاج کے قول کو اختیار کیا اور اس تفسیر پر یہ آیت گزشتہ آیت ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہو جائے گی۔ مگر راجح اور صحیح بات وہی ہے جو اول مذکور ہوئی کہ اس قول سے مشرکین کا اصلی مقصود اپنے کفر و شرک کا جواز اور استحسان ثابت کرنا تھا نہ کہ استہزاء و تمسخر۔

حق جل شانہٗ ان کے اس جاہلانہ اور معاندانہ سوال با استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ان کی نئی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے جتنے مشرک گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی انبیاء کرامؑ کی تکذیب کے لیے اسی قسم کا حیلہ بہانہ اور یہی مہمل شبہ کیا تھا اور اسی طرح انہوں نے بھی رسولوں کا مقابلہ کیا اور ہلاک ہوئے پس اس سے رسولوں کا کیا بگڑ گیا۔ رسولوں پر تو صرف اس قدر فرض ہے کہ صاف صاف حکم اللہ کا پہنچا دیں۔ ماننا نہ ماننا لوگوں کا اختیار ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کام تو پہنچا دینا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے وہ مالک ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے بینا بنائے اور جس کو چاہے نابینا بنائے بعثت کا فریضہ صرف دعوت الی الحق ہے باقی سعادت و شقاوت اور ہدایت و ضلالت وہ سب اللہ کے اختیار میں ہے اس میں کسی نبی اور ولی کو دخل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین نے بالاتفاق سختی کے ساتھ شرک سے منع کیا اور بتلا دیا کہ جو ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور برباد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر و شر کرنے کی قدرت دی اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے یہ بتلا دیا کہ یہ چیز خیر ہے اور یہ چیز شر ہے پھر جس نے شرک کا ارتکاب کیا وہ عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوا معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ابتداء میں انبیاء کرام علیہم السلام نے آگاہ کیا اور کفر و شرک سے منع کیا اور آخر میں اس کے ارتکاب پر قہر الٰہی نازل ہوا جس کے آثار اب بھی زمین میں موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک قطعاً ناپسندیدہ ہے کفار اور مشرکین کو عبرت ناک سزائیں دینا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہیں پسندیدہ چیز کے بجا لانے پر تو عذاب نازل نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ لکھتے ہیں کہ یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں پھر وہ کیوں ہوتے ہیں (کیا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا) دنیا میں اعمال اور افعال مختلف ہو رہے ہیں۔ پس کیا یہ مختلف اور متضاد کام اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور سب اس کی مرضی سے ہو رہے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے مجمل جواب فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں جن کی قسمت میں ہدایت تھی انہوں نے ہدایت پائی اور جو خراب ہونا تھا وہ خراب ہوا اللہ کو یہی منظور ہے۔ (انتہیٰ)

انسان کو فی الجملہ ایسی قدرت اور ایسا اختیار دے دیا گیا کہ جو خیر و شر دونوں کے کرنے پر قادر ہوا اینٹ اور پتھر کی طرح مجبور نہ ہو مگر اس کے علم ازلی میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ بعض ایمان لائیں گے اور بعض کفر پر قائم رہیں گے اتمام حجت کے لیے اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا کہ وہ تم کو آگاہ کر دیں کہ کفر اور شرک صریح گمراہی ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ غرض یہ کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کا تبلیغ اور دعوت سے اور پھر کافروں اور مشرکوں پر قہر الٰہی کے نزول سے یہ واضح ہو گیا کہ کفر و شرک خدا کے نزدیک جرم عظیم ہیں اور البتہ

تحقیق ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس صریح حکم کے ساتھ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے راستے سے یعنی کفر و شرک سے بچو مطلب یہ ہے کہ توحید کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں قدیم سے یہی تعلیم چلی آ رہی ہے سارے پیغمبر یہی کہتے رہے کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ سے بچو۔ انبیاء علیہم السلام نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا لیکن لوگ مختلف اور متفرق ہو گئے کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پھر ان اُمم میں سے جن کے پاس گئے کسی کو اللہ نے ہدایت دی کہ اس نے حق قبول کیا اور کسی پر بہ قضائے الٰہی گمراہی ثابت ہوئی یعنی گمراہی اس کو ایسی چمٹی کہ مرتے دم تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا جیسا کہ دوسری آیت ﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ (الاعراف: ۳۰) ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت اور قائم ہوئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم اور اس کی رضامندی اور شے ہے اور اس کا ارادہ اور مشیت اور شے ہے دونوں میں بڑا فرق ہے اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ سب اس کی عبادت کریں اور کفر و شرک سے بچیں اور یہ حکم عام ہے اور سب کے لیے ہے مگر اس کا ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ بعض کو ہدایت دے اور بعض کو گمراہ کرے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اگر وہ سب کی ہدایت چاہتا تو سب ہدایت پر ہو جاتے ﴿وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (الانعام: ۱۴۹) یعنی اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی ہدایت دیتا لیکن اللہ کا یہ ارادہ اور یہ مشیت کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں۔ یہ اس کی تقدیر ازلی ہے اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس نے اپنی تقدیر ازلی کو پوشیدہ رکھا اور اپنے حکم کو پیغمبروں کی زبانی ظاہر فرما دیا اور بندوں کو آگاہ کر دیا کہ سب اس کی عبادت کریں بندوں کو چاہیے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں اور اس کی مشیت اور اس کی تقدیر ازلی میں نہ پڑیں وہ ایک سر مکتوم ہے جس کا سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں مشرکین کے اس شبہ کا منشا یہ تھا کہ انہوں نے مشیت خداوندی اور رضائے خداوندی میں فرق نہ کیا اللہ نے جانب میں فرق کی طرف اشارہ فرما دیا۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بے شک ہر چیز اللہ کی مشیت سے ہے مگر اس کی مشیت اور چیز ہے۔ اور اس کا حکم اور رضامندی اور چیز ہے اللہ ہر کام سے راضی نہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اس نے اپنے احکام اور مرضیات سے تم کو باخبر کر دیا اور اپنی رضامندی کو تم پر ظاہر کر دیا اور اپنے ارادہ اور مشیت کو تم سے پوشیدہ رکھا۔ پس تم ملک میں پھرو پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں اور انبیاء علیہم السلام کے جھٹلانے کا انجام کیا ہوا اگر خدا کے نزدیک کفر و شرک اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب پسندیدہ ہوتی تو یہ گزشتہ قومیں اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ تباہ نہ ہوتیں اور مشرکین اور مکذبین کا عذاب الٰہی سے مسلسل اس طرح تباہ و برباد ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعات اتفاقی نہ تھے بلکہ ان کی تکذیب اور کفر کی سزا تھی جو انبیاء کرام علیہم السلام کی پیشین گوئی کے بعد پیش آئے جس سے کفار ہلاک ہوئے اور اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے عذاب ایک ہے مگر بحکم خداوندی کافروں کو تہ و بالا کر رہا ہے اور مؤمنین سے کنارہ کشی کر رہا ہے پس کفار اور مشرکین پر اس طرح مسلسل قہر خداوندی کا نزول اس امر کی دلیل ہے کہ کفر اور شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے اور انتہا درجہ کا جرم ہے زمانۂ حال کے مشرکین کو چاہیے کہ گزشتہ زمانے کے مشرکین کی عبرتناک سزاؤں کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کے ارادہ اور مشیت کو بہانہ نہ بنائیں بے شک عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہو رہا ہے عالم کا کوئی ذرہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت نہیں کر سکتا لیکن کسی چور اور قزاق کو اپنی چوری کے جواز کے لیے یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا تو میں چوری نہ کرتا اس سے اس کے جرم میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور چور کا یہ عذر جرم بالائے جرم متصور ہوگا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ کو ان کی گمراہی سے غایت درجہ رنج و غم ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں۔ اے نبیؐ! اگر آپ ﷺ ان کی ہدایت پر حریص ہیں اور آپ ﷺ کی دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں تاکہ دوزخ میں نہ جائیں اس اُمید سے آپ ﷺ اپنے دل کو خالی کر دیجیے۔ تحقیق اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو علم ازلی میں گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ کا سابق ارادہ ازلی اور قدیم ہے وہ کسی حادث کو روکنے سے رک نہیں سکتا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی یہ حرص اور طمع ان کی ہدایت کے بارے میں بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے ان کا کوئی مددگار نہیں کہ جو ان کو اللہ کی مشیت سے بچا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان سرکشوں کی ہدایت منظور نہیں یہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آئیں گے آپ ﷺ ان کی فکر میں نہ پڑیں اور تنگ دل نہ ہوں۔ ازلی گمراہ کو کون ہدایت پر لاسکتا ہے جس پر اللہ کی گمراہی ثابت ہو چکی ہے اس کی ہدایت کی حرص میں نہ پڑیں۔ شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ اللہ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اس نے اللہ کے تمام بندوں کو ایمان کی دعوت دی اور کفر و شرک سے سب کو منع کیا۔ اب ان اخیر آیات میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر سب بندوں کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا ہدایت اور توفیق اس کا عطیہ ہے۔ اس کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنی عطا سے نوازے اور جس کو چاہے نہ نوازے اس کے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ﴾

خلاصۂ کلام یہ کہ پیغمبروں کے ذمے اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچا دینا ہے سو انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ بتلا دیا کہ تکوینی طور پر اس کی بارگاہ لم یزل ولا یزال میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سب ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تشریعی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی یہ بتلا دیا کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ کفر اور شرک سراسر گمراہی ہے اور سم قاتل اور ایمان اور اطاعت سراسر ہدایت ہے اور تریاق ہے اور عالم میں جو کچھ بھی ہے اور جو ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ہدایت اور ضلالت اور سعادت و شقاوت ازل میں جاری ہو چکی ہے۔ ان میں تبدیل و تحویل کی گنجائش نہیں۔ عطر اور گلاب (ایمان و اطاعت) تمہارے سامنے ہے اور پاخانہ اور پیشاب (کفر و شرک) بھی تمہارے سامنے ہے اگر کوئی دیوانہ بجائے عرق گلاب کے پیشاب پینے لگے اور دلیل یہ بیان کرے کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور میرا ہر کام اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہے۔ لہٰذا پیشاب پینا جائز ہے تو یہ دلیل نہیں بلکہ دیوانہ کی بڑ ہے۔

اطلاع اسی قسم کی آیت پارۂ ہشتم میں گزر چکی ہے وہاں اس کی مفصل تفسیر آچکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پیچ کی قسمیں کہ نہ اٹھا دے گا اللہ جو کوئی مر جائے۔ کیوں نہیں؟

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ

وعدہ ہو چکا ہے اس پر ثابت' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس واسطے کہ کھول دی ان پر

الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

جس بات میں جھگڑتے ہیں۔ اور تا معلوم کریں منکر کہ وہ جھوٹے تھے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ع وَ

ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم نے اس کو چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو تو وہ ہو جاوے۔ اور

الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا

جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا' البتہ ان کو ٹھکانا دیں گے دنیا میں

حَسَنَةً ط وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت رہے

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

چوتھا شبہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ... الٰى ... وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾﴾

ربط: اس آیت میں بھی کافروں کی ایک جہالت کا بیان ہے کہ وہ لوگ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ جو مر گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب انسان دوسری زندگی کا قائل نہیں ہوتا تو پھر وہ نیکی اور بدی کی پرواہ نہیں کرتا۔ دنیا کی کامیابی اور بہبودی ہی اس کا مطمع نظر ہوتی ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں' اللہ پناہ میں رکھے آمین۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ قیامت کا آنا برحق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے حق اور ناحق کے فیصلہ کے لیے اور فرماں برداروں اور نافرمانوں کی جزاء اور سزا کے لیے قیامت کا قائم ہونا اور مُردوں کا زندہ ہونا ضروری ہے جس قادر مختار نے پہلی بار تم کو ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا اس کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کو بیان کیا۔ ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اس آیت میں اپنا قادر مطلق ہونا بیان کیا کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں پھر اس کے بعد ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ ... الخ﴾ میں مہاجرین کی فضیلت اور بشارت کو بیان کیا جنہوں نے خدا کی راہ میں آخرت کے یقین اور ثواب کی اُمید پر کفار اور مشرکین کے ہاتھ سے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں بالآخر لاچار اور مجبور ہو کر وطن چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے کیا ان مہاجرین کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ ان سب کی جزاء اور انعام ان کو دارِ آخرت میں ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور قسمیں کھائیں ان لوگوں نے اللہ کی سخت قسمیں یعنی انتہائی کوشش اور بڑی مضبوطی اور پورے زور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ اللہ نہیں اٹھائے گا اس کو کہ جو مر جائے گا اور قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کیوں نہیں

وہ اٹھائے گا۔ پکا وعدہ ہو چکا ہے جس کا ایفاء اس پر لازم ہے تمام پیغمبروں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے حق تعالیٰ حسب وعدہ بندوں کو ضرور زندہ کرے گا تا کہ اللہ ان پر اس امر کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ خدا کے پیغمبر جو بیان کرتے تھے وہ سب حق تھا قیامت اور جنت اور جہنم سب حق ہے اور جو ان باتوں کے مخالف تھے وہ سب غلطی پر تھے اور دوسری حکمت قیامت کے قائم ہونے میں یہ ہے کہ کافر جان لیں کہ ہم انکار قیامت اور تکذیب رسالت میں جھوٹے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قائم ہونے میں دو حکمتیں ہیں اول تو یہ کہ حق اور باطل کے بارہ میں جو اختلاف تھا اس کا فیصلہ ہو جائے اور آنکھوں سے حق اور باطل نظر آ جائے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ صدق اور کذب کا فیصلہ ہو جائے۔

اب آگے کافروں کے شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہماری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو جو چیز ہمارے علم میں ہوتی ہے ہم اسے کہتے ہیں ﴿ کُنۡ ﴾ "ہو جا"۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے پیدا کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے فقط ہمارا ارادہ کافی ہوتا ہے ہماری ایجاد کسی مادہ اور مدت پر موقوف نہیں' کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ بعثِ اموات سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ کسی بات سے عاجز نہیں جب وہ قادر مطلق معدوم سے کہتا ہے ہو جا تو فوراً عدم سے نکل کر وجود میں آ جاتا ہے ایسی ذات کو مردوں کا زندہ کرنا کیا دشوار ہے جب زندہ کرنا چاہے گا فوراً زندہ ہو جائیں گے۔

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد ہم تو اند کہ بعد ازاں بخشد
چوں در آورد از عدم بوجود چہ عجب باز گرکند موجود

یہاں تک منکرین بعث اور مکذبین قیامت کا ذکر تھا اب آگے ان مؤمنین کاملین کی فضیلت اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں جن کا آخرت اور قیامت پر یقین کامل ہے اور اسی یقین کامل کی بناء پر انہوں نے ہجرت کی اور قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں پر صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ کافروں کی طرف سے ان پر ظلم کیا گیا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ جہاں احکام اسلام پر عمل کرنے میں کوئی حارج اور مزاحم نہ ہو۔ اچھا ٹھکانہ دینے سے دنیا میں سلطنت دینا مراد ہے جہاں اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرما دیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کفر اور کافروں پر غلبہ عطا کیا اور جن ظالموں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین کا مسلمانوں کو وارث بنایا اور اس کے علاوہ البتہ آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے کاش کافر جان لیتے کہ خدا تعالیٰ نے مہاجرین سے کیا وعدے کیے ہیں اور یہ مہاجرین وعدہائے خداوندی کے اس لیے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کفار کے مظالم پر صبر کیا۔ اور مضبوطی کے ساتھ حق پر ثابت قدم رہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ صابرین کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو اللہ کریم پر بھروسہ کرے اور مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو جائے اور بالکلیہ خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور جس میں صبر اور توکل کی صفتیں جمع ہو جائیں وہ بلاشبہ انعامات خداوندی کا مستحق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وعدہ مہاجرین اوّلین میں نص صریح ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے لیے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں دنیا میں بھی نیکی اور بھلائی عطا کرے گا اور آخرت میں بھی اور دنیا کی نیکی سے یہی فتح ونصرت اور خلافت وامارت اور اخذِ غنائم مراد ہیں۔ بعدازاں جب ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں حسنہ اور بھلائی عطا فرمائی تو ہم یقین کتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں بھی اجرعظیم عطا فرمائے گا۔

چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اس کا حق دیتے تو فرماتے اللہ تمہیں اس میں برکت دے یہ تمہارا وہ حق ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے اور آخرت میں جو کچھ اس نے تمہارے لیے رکھا ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کرتے ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ﴾ (ازالۃ الخفاء)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ
اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ان کی طرف پوچھو یاد رکھنے والوں سے
اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ
اگر تم کو معلوم نہیں۔ بھیجے تھے نشانیاں لے کر اور ورق۔ اور تجھ کو اتاری ہم نے یہ یادداشت کہ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴
تو کھول لوگوں پاس جو اترا ان کی طرف اور شاید وہ دھیان کریں۔

پانچواں شبہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ... الٰی ... وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴﴾

ربط: اس آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوتا بلکہ فرشتہ ہونا چاہیے یہ لوگ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لیے ایسا کہتے تھے حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جتنے پیغمبر ہم نے پہلے بھیجے وہ سب بشر تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرلو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے فرشتے نازل نہیں کیے بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں: اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ ﷺ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف مقام نبوت ورسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت ورسالت بھیجی۔ حضرت مریم علیہا السلام اور مادرِ موسیٰ علیہ السلام کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور روحی ولایت تھی نہ کہ وحی نبوت ورسالت کیونکہ وحی کا لفظ قرآنِ کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے ''الہام'' کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ میں ایحاء سے وحی الہام مراد ہے۔ اور ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ﴾ (الانعام: ۱۲۱) میں ایحاء سے وسوسہ مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القاء خفی کے ہیں جو وحی نبوت اور روحی

الہام اور وسوسہ وغیرہ کو شامل ہیں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ شانِ خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کرلو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتلا دیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرا وہ مرد تھا فرشتہ نہ تھا اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا کہ کفار مکہ ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور کھلے معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اور اسی طرح اے نبی ﷺ ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب اتاری تاکہ تو تمام لوگوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ احکام' اوامر و نواہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور نیز یہ نصیحت کی کتاب اس لیے اتاری گئی کہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور جانیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پا جائیں۔ غور و فکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

فائدہ اولیٰ ①: اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔ اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا ﷺ کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم' عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصد حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقاہت اور درایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا یہ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلوم و جہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن و حدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راسخین فی العلم اور مستنبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے ؎

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش — بازاران گریہ و آشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع و شراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ایمۂ ہدایت ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد رحمہم اللہ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاقِ اہل علم، علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے۔ اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم و عقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجیے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳﴾

فائدہ ②: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کہ سب مسائل ضرور یہ

ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کرکے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہٰذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی فی حد ذاتہ تقلید کی دونوں قسمیں جواز میں برابر ہیں اور صحابہ کرام وتابعین کے زمانہ میں مسلمان اپنے اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کرکے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قراءت قرآن بہ سبعۃ احرف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قراءتِ قرآن کو لغت قریش پر مقصور کردیا اور باقی حروف پر قراءتِ قرآن کو ممنوع قرار دیا تقلید غیر شخصی فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور بشرطیکہ ہوائے نفسانی سے خالی ہو اور اگر مقصود اتباع ہوائے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے لے تو یہ تلفیق ہے اور باجماع اُمت حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے تقلید غیر شخصی سے دین کھیل تماشہ بن جاتا ہے اور تھوڑا پڑھا لکھا مجتہد بن جاتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اللہ پناہ میں رکھے جس نے علم نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ ہجری میں گزرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید و شرک اور بدعت ہو جائے اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید توحید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے انجام کو سوچ لو۔

﴿وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ﴾

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

سو کیا نڈر ہوئے ہیں جو برے داؤ کرتے ہیں کہ دھنسا دے اللہ ان کو زمین میں

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي

یا پہنچے ان کو عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں۔ یا پکڑ لے ان کو

تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ

چلتے پھرتے سو وہ نہیں تھکانے والے۔ یا پکڑ لے ان کو ڈرا کر (خوف اور دہشت سے) سو

رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان۔

تہدید اہل مکر بانواع واقسام قہر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ . . . الٰى . . . فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ربط: اب ان آیتوں میں اول سرکشوں کو جو دین حق کے مقابلہ میں مکر وفریب کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قسم قسم کے قہر اور عذاب سے ڈراتا دھمکاتا ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

① کیا تم کو اطمینان ہو گیا ہے کہ اللہ تم کو زمین میں دھنسا دے ﴿اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ جیسے پہلے بہت سی قوموں پر زلزلہ آیا اور زمین پھٹ گئی اور وہ زمین میں دھنس گئے جیسے قارون، تو کیا تمہارے لیے یہ ممکن نہیں۔

② دوم یہ کہ ان پر ناگہانی طور پر کوئی عذاب آ جائے جس کی پہلے سے ان کو خبر نہ ہو: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ جیسے قوم لوط پر ناگہانی طور پر آسمان سے پتھر برسے۔

③ سوم یہ کہ چلنے پھرنے کی حالت میں یا سفر کی حالت میں ان کو پکڑ لے مثلاً دفعتاً کسی ناگہانی بلا یا ناگہانی بیماری میں مبتلا ہو جائیں۔

④ چہارم یہ کہ ان کو بتدریج پکڑے کہ دفعتاً ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو بلکہ اس بلا اور آفت سے پہلے اس کے آثار نمایاں ہو جائیں۔ جن کو دیکھ کر یہ پریشان ہو جائیں جیسے قحط اور بیماری اور پھر ہلاک ہو جائیں مگر خدا تعالیٰ ﴿رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ہے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

ان آیات سے مقصود کافروں کو ان کے ناشائستہ افعال واعمال پر خوف دلانا ہے اور مکر اور تکبر کرنے والوں کو اپنے غلبہ اور قہر سے ڈرانا ہے اور عذاب الٰہی کے ناگہاں آ جانے سے انہیں خبردار کرنا ہے اور اپنے حلم کی خبر دینا ہے کہ ایسے گنہگاروں اور مکاروں کو مہلت دے رکھی ہے حالانکہ اس کو یہ قدرت ہے کہ فی الفور ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب لے آئے۔ جہاں کی ان کو خبر نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا یہ لوگ جو دین حق کے باطل کرنے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اس بات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسائے جیسے قارون کو دھنسایا یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب آ جائے جہاں ان کو وہم وگمان بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم عاد پر ناگہانی عذاب آیا یا چلتے پھرتے ان کو ناگہانی عذاب میں پکڑ لے مثلاً کھیل تماشہ میں یا عیش وعشرت کی حالت میں ناگہانی طور پر مصیبت آ جائے۔ پس وہ کسی حالت میں اللہ کے ہاتھ سے چھوکر نکل نہیں سکتے یا وہ نڈر ہیں اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوف میں مبتلا کر کے عذاب میں پکڑ لے یعنی اچانک نہ پکڑے بلکہ علاماتِ عذاب کے ظاہر کرنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑ لے کہ جب لوگ آثارِ عذاب کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے ہوں مگر ندامت اور توبہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ان پر عذاب نازل کرے۔ الغرض اللہ ہر طرح قادر ہے کہ ان کی مکاریوں اور بداعمالیوں کی سزا میں جس عذاب میں جس طرح چاہے مبتلا کرے سب ممکن ہے لیکن وہ حلیم وغفور ہے۔ سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک تیرا پروردگار بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ مہلت دیتا ہے اور باوجود استحقاق عقوبت کے فوراً نہیں پکڑتا اس نے تمہیں سمجھا دیا اب آگے خود جانو۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُا ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ

کیا نہیں دیکھتے؟ جو اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز ڈھلتی ہیں چھاویں ان کے داہنے سے

وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

اور بائیں سے، سجدہ کرتے اللہ کو اور وہ عاجزی میں ہیں۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾

اور جو زمین میں ہے کوئی جانور اور فرشتے اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ السجدة

ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

ع ۱۰/۱۲

تذکیر آثار قدرت وتنبیہ بر غفلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ... الى... وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾﴾

ربط: اب ان آیات میں اپنے آثار جبروت اور آثار ملکوت کو یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تمام چیزیں اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں اور ہر چیز اسی کے حکم پر گردن جھکائے ہوئے ہے اور افسوس ہے کہ تم بنی آدم اور اشرف المخلوقات ہو کر اس کی اطاعت سے انحراف کرتے ہو اور غیروں کی عبادت میں سرگرداں ہو اور خداوند ذوالجلال کے قہر اور عذاب سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا نہیں دیکھتے کافر کہ اللہ نے جو چیز پیدا کی ہے کہ اس کا سایہ داہنی جانب سے اور بائیں جانب سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتا ہے دراں حالیکہ یہ سب سائے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے کا سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور منقاد ہے اس کے حکم کے بموجب داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے کو پھرتا رہتا ہے اور یوں بھی ہر وقت زمین پر پڑا رہتا ہے گویا کہ اللہ کے آگے سربسجود ہے مقصود یہ ہے کہ کافر گو خدا کو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے سائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ سایوں کی حالتیں اور حرکتیں بدلتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سایوں کا یہ اختلاف اور تغیر وتبدل کوئی امر ذاتی نہیں بلکہ کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ ہر لحہ بندوں کو اپنی قدرت کے تماشے دکھا رہا ہے تاکہ سمجھیں کہ پتلیاں کس کے اشارہ پر ناچ رہی ہیں۔

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے یعنی ہر وہ جانور جو زمین پر حرکت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے زیر حکم ہیں جس کو جس کام کے لیے بنایا ہے وہی کام اس سے سرزد ہوتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جب تکوینی طور پر تمام چیزیں اللہ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ڈھلتا اور سمٹتا ہے تو پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے ایسے قادر وقاہر کے عذاب سے تم کیوں بے خوف ہو گئے

اور فرشتے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ علوی اور نورانی ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور ملائکہ اس کی بندگی سے سرکشی نہیں کرتے اور تکبر سے پاک ہی یہی تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ ہے بندہ کی بڑائی اسی میں ہے کہ خدا کے سامنے زمین پر اپنا سر رکھ دے اور فرشتے ہر لمحہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کی عظمت و جلال سے جو ان پر قاہر و غالب ہے اللہ کی فوقیت سے فوقیت حسیہ اور مکانیہ مراد نہیں بلکہ عظمت و جلال اور غلبہ اور قہر کی فوقیت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جو بلندی شان اور عظمت میں تمام مخلوق پر بلند اور برتر ہے اس کی اطاعت کرو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ (الانعام:۲۱)... ﴿وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۲۷)... ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ (یوسف:۷۶)

ان تمام آیات میں فوقیت حسیہ مراد نہیں بلکہ فوقیت مرتبہ مراد ہے اور فرشتوں کا یہ خوف' خوفِ اجلال و اعظام ہے نہ کہ خوفِ اجرام اور قرب خداوندی کا دارومدار اسی خوف پر ہے جس درجہ کا خوف ہو اسی درجہ کا قرب ہوگا اور فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے ان کی جبلت ہی اطاعت و فرمانبرداری ہے اس آیت کے پڑھنے والے اور سننے والے پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سنت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس ذات بابرکات کی عظمت و جلال کا یہ حال ہو کہ ہر چیز اس کے سامنے سربسجود ہو اس کا شریک کہاں ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے جب دن ڈھلا سایہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سائے سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکا ہے کہیں بائیں طرف۔'' (موضح القرآن)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ
اور کہا اللہ نے نہ پکڑو معبود دو وہ معبود ایک ہے سو مجھی سے
فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ
ڈرو۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور اسی کا انصاف ہے ہمیشہ
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا
سو کیا اللہ کے سوا کسی سے خطرہ رکھتے ہو۔ اور جو تمہارے پاس ہے کوئی نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب
مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا
لگتی ہے تم کو سختی تو اس کی طرف چلاتے ہو۔ پھر جب کھول دے سختی تم سے تب

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ

ہی ایک فرقہ تم میں' اپنے رب کے ساتھ لگتے ہیں شریک بتانے۔ تامنکر ہو جاویں اس چیز سے جو ہم نے دی'

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

سو برت لو آخر معلوم کرو گے۔

اثبات توحید وابطال مجوسیت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَ قَالَ اللهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ ... الی ... فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ جمیع ماسوا اللہ خواہ وہ عالم اجسام سے ہو یا عالم ارواح سے ہو سب اللہ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم جھکائے ہوئے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں توحید خالص کا حکم دیتے ہیں اور شرک سے منع فرماتے ہیں: اور یہ بیان کرتے ہیں کہ سب کے سب اللہ ہی کے مملوک اور عبد مطلق ہیں تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ ہماری ہی دی ہوئی ہے اور تم پر جب کوئی مصیبت اور آفت آتی ہے تو تم ہمیں سے فریاد کرتے ہو تو پھر تم غیر اللہ کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ مصیبت کے وقت ہم کو پکارنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کی محبت اور معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب دل سے غفلت کا پردہ اٹھا تو اس کو پکارا ان آیات سے مجوس کا رد مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) دو معبود ہیں۔ ایک نور اور ایک ظلمت (یعنی تاریکی) نور خیر کا خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں۔ اور ظلمت شر کا خالق ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور حکم دیا اللہ نے کہ نہ بناؤ دو معبود کیونکہ اثنینیت (دوئیت) الوہیت (معبودیت) کے منافی ہے کیونکہ معبود وہ ہے جو خالق الکل ہو اور سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہ ہو اور اس کے ماسوا سب اس کے محتاج ہوں اور وہ سب سے بے نیاز ہو اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایک کے سوا دوسرا بھی معبود مانا جائے۔ پس وہ اگر اس کے مساوی ہو تو وہ بھی خالق الکل ہوگا تو ایک مخلوق کے لیے دو خالق ہونا لازم آئے گا۔ نیز جب دوسرا معبود پہلے معبود کے مساوی ہوگا تو دونوں میں کوئی بھی معبود نہ رہے گا اس لیے کہ معبود کے لیے شرط ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔ پس جب دوسرا خدا پہلے خدا کے مساوی ہوا تو کوئی بھی اعلیٰ اور اکمل نہ رہا اور نہ ایک دوسرے کا محتاج رہے گا۔ اور اگر دوسرا معبود پہلے معبود کے برابر نہ ہوا تو لامحالہ اس سے کمتر ہوگا اور کمتری اور خدائی کا جمع ہونا عقلاً محال ہے اور جب معبود دو نہیں ہو سکتے تو دو سے زیادہ کیونکر ہو سکیں گے اور الٰہین کے بعد لفظ اثنین اس لیے بڑھایا کہ دو معبود ماننے والوں کی حماقت ظاہر ہو کہ دو معبود بنانا سراسر حماقت ہے اور جو لوگ ہزاروں اور لاکھوں معبودوں کے قائل ہیں جیسے بھارت کے "ہلومان" ان کی حماقت کی تو کوئی حد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ معبود نہ بناؤ خوب سمجھ لو کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے جو ہر کمال میں اعلیٰ اور بالا ہے جس کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہیں الوہیت کے لیے وحدانیت لازمی ہے۔ اثنینیت الوہیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ سو اے لوگو! تم مجھ ہی سے ڈرو کیونکہ معبود صرف میں ہی ہوں اور سب کچھ میری قدرت میں ہے اور خدا ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی تمام کائنات کا

مالک ہے اور اس کی اطاعت اور عبادت لازم اور واجب ہے۔ کیونکہ تمام کائنات اسی کی محتاج ہے اور ہر ممکن کے لیے احتیاج لازمی اور دائمی ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی ممکن واجب الوجود سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ پس کیا تم غیر خدا سے ڈرتے ہو جو اپنے وجود کا بھی مالک نہیں یعنی جب تم نے یہ معلوم کرلیا کہ اللہ ایک ہے اور ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے تو تمہیں اس کے سوا کسی اور شئے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں تمہارے پاس جو بھی دینی اور دنیوی نعمت ہے تو وہ سب خدا کی طرف سے ہے تو تم کو اس کا شکر کرنا چاہیے۔ غرض یہ کہ جو تمہارے نفع اور ضرر کا مالک ہے اسی سے ڈرنا چاہیے اور جو تم کو نعمتیں دے رہا ہے اس کا شکر کرنا چاہیے اسی کی ذات قابل رغبت اور لائق رہبت ہے پھر جب کسی وقت تم کو ذرا تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کی طرف التجا کرتے ہو اور اسی سے فریاد کرتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تکلیف کا دور کرنے والا اور راحت کا پہنچانے والا وہی ہے اور پھر جب وہ سختی کو تم سے دور کر دیتا ہے جس کے سبب تم اس سے فریاد کرتے تھے تو فوراً ہی تم میں سے ایک فریق اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے کہتا ہے کہ یہ تکلیف فلاں سبب سے دُور ہوئی بجائے شکر کے شرک اور ناشکری میں پڑ جاتا ہے۔ مصیبت پڑے تو اللہ کو پکاریں اور جب مصیبت دور ہو جائے تو اس کے دور ہونے کو دوسروں کی طرف منسوب کریں اور اس شرک میں ان کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو دی ہے۔ پس چند روز دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے نفع اٹھالو اور مزے اڑالو پس عنقریب تم اس کے انجام کو جان لو گے کہ چند روزہ لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں سے محروم ہوگئے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

اور ٹھہراتے ہیں ایسوں کو، جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ ہماری دی روزی میں سے۔ قسم اللہ کی! تم سے پوچھنا ہے

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ

جو جھوٹ باندھتے تھے۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کو بیٹیاں، وہ اس لائق نہیں، اور آپ کو

مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا

جو دل چاہے۔ اور جب خوشخبری ملے ایسے کسی کو بیٹی کی، سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ،

وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ

اور جی میں گھٹ رہا۔ چھپتا پھرے لوگوں سے، مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی۔ اس کو رہنے دے

عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ

ذلت قبول کر کر، یا اس کو داب دے مٹی میں۔ سنتا ہے؟ بری چکوتی کرتے ہیں۔ جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ

نہیں مانتے پچھلے دن کو ان ہیں پر بری کہاوت ہے اور اللہ کی کہاوت سب سے اوپر۔ اور وہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ع ﴿۶۰﴾

زبردست حکمت والا۔

ع-۷ ۱۳

کفار کے چند ناشائستہ اقوال وافعال کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا... الٰی... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ع ﴿۶۰﴾﴾

ربط: اثبات توحید کے بعد اب ان آیات میں کفار کے چند ناشائستہ اقوال وافعال کا ذکر فرماتے ہیں۔ تا کہ ان کی جہالت اور حماقت ظاہر ہو اور یہ بتلاتے ہیں کہ ان نادانوں نے نادانی سے دو خدا سے بڑھ کر بکثرت معبود بنائے ہوئے ہیں اور طرح طرح سے اعمالِ شرکیہ میں گرفتار ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور ٹھہرا لیتے ہیں یہ مشرک بتوں کے لیے جن کے معبود ہونے کا ان کو مطلق علم نہیں اور نہ ان کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی سند اور دلیل موجود ہے ہماری دی ہوئی روزی میں سے ان کے لیے حصہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ مشرکین نے اپنی کھیتی اور مویشی اور مالوں میں سے بتوں کے نام کا حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۂ انعام میں گزر چکا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ ہماری کون عبادت کرتا ہے کیونکہ بت تو پتھر ہیں ہر قسم کے علم وشعور سے عاری ہیں یہ نادان مشرک ان پتھروں کے لیے خدا کی دی ہوئی روزی میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں خدا کی قسم تم سے ضرور اس بات کی بابت باز پرس کی جائے گی۔ جو تم دنیا میں افتراء کرتے تھے۔ مشرک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے شریک ہیں یہ ان کا افتراء ہے اور خدا کی دی ہوئی روزی میں سے ان کا حصہ مقرر کرنا یہ بھی افتراء ہے کفار تو قیامت اور آخرت کے صراحتاً منکر ہیں اور زمانہ حال کے ملحد اور زندیق ظاہر میں تو قیامت اور حشر ونشر پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن در پردہ منکر ہیں۔ یہ گروہ بظاہر مسلمان ہے اور در پردہ کافر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ملحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے اور ان کا ایک افتراء یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اس بہتان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نہ بیوی ہے اور نہ بیٹا ہے وہ ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ع ﴿۴﴾﴾ ہے۔

لم یلد لم یولد اورا لائق است   والد و مولود را او خالق است

چونکہ خدائے لم یزل کے لیے بیٹا اور بیٹی کا ہونا عقلاً محال ہے اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا سراسر حماقت اور جہالت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ فقط سبحانہٗ فرما کر اپنی تنزیہ وتقدیس کو ظاہر فرما دیا عجیب نادان ہیں کہ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ جو ان کی چہیتی اور مرغوب چیز ہے اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کے پیدا ہونے

کی) خوشخبری دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں تو غم کے مارے ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ میں گھٹا ہوا ہوتا ہے۔ مشرکین عرب لڑکی کے پیدا ہونے سے سخت ناخوش ہوتے تھے اور اس غریب کو زندہ درگور کر ڈالتے تھے با ایں ہمہ یہ احمق خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے تھے اور اس خبر یعنی تولد دختر کی برائی سے جس کی بشارت اس کو دی گئی ہے قوم سے چھپتا پھرتا ہے عربوں میں جب کسی کی بیوی بچہ جننے کے قریب ہوتی تو بچہ پیدا ہونے تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ خوش ہوتا اور ظاہر ہو جاتا اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو وہ غم کرتا اور کچھ دنوں تک ظاہر نہ ہوتا اور سوچتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ آیا ذلت گوارا کر کے اپنے پاس رکھے یا اس کو مٹی میں چھپا دے۔ مضر اور خزاعہ اور تمیم اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے آ کر جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا اور سارے ملک کی بے رحمی کو شفقت و رحم سے بدل دیا آگاہ ہو جاؤ بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں وہ فیصلہ یہی ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور خود لڑکیوں سے کراہت اور نفرت کرتے ہیں اور بیٹوں کو چاہتے ہیں دوسرے موقع پر خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۞ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۞ ﴾ (النجم)۔ یعنی تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں یہ تو ناانصافی کی تقسیم ہے عجیب بیوقوف ہیں کہ بیٹا اور بیٹی میں خود فرق کرتے ہیں اور بیٹی سے بیٹا افضل جانتے ہیں اور اپنے لیے بیٹا چاہتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں جو چیز اپنے لیے معیوب سمجھتے ہیں وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی صفت بُری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور ایسے بے رحم اور سنگ دل ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں حالانکہ جو خدا دے سب اچھا ہے نہ لڑکا بُرا ہے اور نہ لڑکی اور اللہ ہی کے لیے ہے صفت اعلیٰ وہ بے نیاز ہے بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے کسی کے عیب لگانے سے اس کو عیب نہیں لگتا اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔ کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہو سکتا اور یہ گروہ مشرکین عجیب نادان گروہ ہے کہ اس کے نزدیک شجر اور حجر کا خدا کا شریک ہو جانا اور فرشتوں کا خدا کی دختر ہو جانا تو جائز ہے مگر کسی بشر کا پیغمبر ہونا ان کے نزدیک ناممکن اور محال ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ

اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا

لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وعدہ ٹھہرے تک پھر جب پہنچا ان کا وعدہ نہ دیر کریں گے

سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۞ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ

ایک گھڑی نہ جلدی۔ اور کرتے ہیں اللہ کا جو اپنا جی نہ چاہے اور بتاتی ہیں

اَلۡسِنَتُھُمُ الۡکَذِبَ اَنَّ لَھُمُ الۡحُسۡنٰی ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَھُمُ النَّارَ وَ

ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کو خوبی ہے آپ ہی ثابت ہوا کہ ان کو آگ ہے اور

اَنَّھُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾

وہ بڑھائے جاتے ہیں۔

بیانِ حلمِ خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلۡمِھِمۡ ... الٰی ... وَ اَنَّھُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال شنیعہ اور افعال فظیعہ کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے حلیم وکریم ہیں باوجود جرم عظیم کے مواخذہ اور گرفت میں جلدی نہیں کرتے بلکہ حلم سے مجرمین کو مہلت دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اللہ کی عزت ورفعت اس کو مقتضی ہے کہ ان ظالموں اور گستاخوں کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کا حلم اور حکمت اس کی مقتضی ہے کہ ان ظالموں کو کچھ مہلت دی جائے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑنے لگے یعنی ان کے کفر وشرک پر فوراً پکڑنے لگے تو (زمین پر) کسی جاندار کو جو زمین پر چلتا ہے نہ چھوڑے یکلخت سب کے سب تباہ کر دیئے جائیں لیکن وہ حلیم وکریم اپنے حلم سے ان کو ایک وقت مقررہ تک یعنی ان کی موت کے وقت تک مہلت دیتا ہے تاکہ کوئی توبہ کرنا چاہے تو اس کے لیے گنجائش رہے اور یہ اس کی رحمت اور اس کے جود وکرم اور اس کے حلم کا تقاضا ہے پھر جب ان کی موت کا وقت مقرر آ جائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے جا سکیں گے مرتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی اور اللہ کی عزت وحکمت سامنے آ جائے گی۔

کہ یک لحظہ صورت نہ بند داماں   نہ پیمانہ پر شد بدور زماں

اور اللہ کے لیے ٹھہراتے ہیں وہ چیزیں جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں مثلاً بیٹیاں یا اپنی ریاست میں کسی کی شرکت یا اپنے قاصدوں کی اہانت۔ یہ چیزیں اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں اور شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسولوں کی اہانت کرتے ہیں اور باوجود ان کفریات اور شرکیات کے ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ اگر بالفرض والتقدیر قیامت قائم ہوئی تو ہمارے لیے وہاں بھی بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ اور ہم بھی جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَ لَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَہٗ لَلۡحُسۡنٰی ۚ﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۰) یعنی منکر قیامت یہ کہتا ہے کہ اگر بالفرض میں خدا کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے اس کے پاس بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ بداعمالیوں میں مبتلا ہیں اور زبان سے جھوٹ موٹ کی باتیں بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان نابکاروں اور ستم گاروں کے لیے بھلائی کہاں سے آ سکتی ہے۔ بلاشبہ ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے اور بے شک وہ دوزخیوں میں آگے آگے ہوں گے یا یہ معنی ہیں کہ یہ لوگ بحکم الٰہی جلد ہی اپنے دائمی مقام میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

فائدہ: حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ عذاب ان سب کو پہنچ جاتا ہے جو اس قوم میں موجود

ہوں لیکن قیامت کے دن گنہگار اور بے گناہ اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

جب ظلم و معصیت عام ہو جائے تو اللہ کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ عام ہوتا ہے ظالم اور غیر ظالم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ظالم اپنے ظلم کے سبب ہلاک ہوتا ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ظالم کی ہلاکت بطور انتقام ہوتی ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ﴿وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال:۲۵) پھر قیامت کے دن اپنی اپنی نیتوں کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
قسم اللہ کی! ہم نے رسول بھیجے کتنے فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر سنوارے ان کے آگے شیطان نے
اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَ مَآ اَنْزَلْنَا
ان کے کام سو وہی رفیق ان کا ہے آج اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور ہم نے اتاری
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ
تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول سناوے ان کو جس میں جھگڑ رہے ہیں اور سوجھانے کو اور
رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾
مہر کو ان لوگوں پر جو مانتے ہیں۔

تسلیۂ نبی اکرم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ... الٰى ... لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں کفار کی جہالتوں کا ذکر تھا جس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اس لیے ان آیات میں آپ ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے سو شیطان نے ان لوگوں کو ایسا بہکایا کہ بری باتیں ان کی نظروں میں بھلی دکھائی دینے لگیں۔ شیطان ان لوگوں کا رفیق کار بنا رہا بالآخر ان کو جہنم کا راستہ دکھایا یہی حال اس وقت کے گمراہوں اور سرکشوں کا ہے۔ لہٰذا اے نبی (کریم ﷺ) آپ رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں آپ ﷺ صرف ان سے احکامِ الٰہی بیان کر دیا کیجیے۔ چاہے وہ مانیں یا نہ مانیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو اس امت کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اسی طرح ہم نے گزشتہ امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے۔ پس شیطان نے ان کے اعمالِ خبیثہ و کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کر کے دکھلایا پس وہی شیطان آج اس زمانہ کے

کافروں کا دوست بنا ہوا ہے جس طرح یہ شیطان پہلے زمانہ کے کافروں کو بہکا تا رہا اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کا بھی وہی رفیق بنا ہوا ہے اور بُرے اعمال کو ان کی نظر میں آراستہ کر رہا ہے۔ لہٰذا جو حشر ان کا ہوا وہی حشر ان کا ہوگا۔ یہ تو دُنیا میں ہوا اور آخرت میں ان سب کے واسطے یعنی شیطان اور اس کے پیروؤں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں اگر چہ شیطان کی باتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں لیکن آخرت میں ہزاراں ہزار درد والم کا باعث ہوں گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ﴾ میں ''الیوم'' سے یوم قیامت مراد ہے اور ولی سے مراد یار و مددگار ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا یار و مددگار صرف شیطان ہوگا اور ظاہر ہے کہ شیطان نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی کو رہائی دلا سکتا ہے۔ مقصود اس سے توبیخ و ملامت ہے کہ تم نے شیطان کو اپنا رفیق اور دوست بنایا جو قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گا وہ جہنم میں جائے گا وہ تو آگے آگے ہوگا اور تم اس کے پیچھے پیچھے ہو گے شیطان کی دوستی ان کو آخرت میں کام نہ دے گی۔ جیسے دنیا میں ان کو کوئی کام نہ آئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب شیطان کے پیرو ہیں۔ آپ ﷺ ان کی فکر اور غم میں نہ پڑیئے اور ہم نے نہیں اتاری آپ ﷺ پر یہ کتاب جس کا نام قرآن ہے مگر صرف اس امر کے لیے کہ ان لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں یعنی توحید کو اور معاد کو اور حلال و حرام کو واضح کر دیں۔ اور بتلا دیں کہ توحید اور آخرت اور جزاء اور سزا سب حق ہے اور دنیا ہیچ اور فانی ہے یہ تو تنزیل قرآن کا عام فائدہ ہوا اور خاص فائدہ یہ ہے کہ خاص اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہو اللہ کی ہدایت اور رحمت سے نفع اٹھانے والے یہی اہل ایمان ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر اس سے جلایا زمین کو اس کے مرے پیچھے اس

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ ۸ ۱۴

میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں۔ اور تم کو چوپایوں میں بوجھ کی جگہ ہے

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے، گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

رچتا پینے والوں کو۔ اور میووں سے کھجور کے، اور انگور کے بناتے ہو

مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اس سے نشہ اور روزی خاصی۔ اس میں پتہ ہے ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ

اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنالے پہاڑوں میں گھر اور

الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ

درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں۔ پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

راہوں میں اپنے رب کی صاف۔ پڑی ہیں نکلتی، ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی

اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

رنگ ہیں، اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں لوگوں کے۔ اس میں پتہ ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۟ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم میں پہنچتا ہے نکمی عمر

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ ع وَ اللّٰهُ فَضَّلَ ع ۹ ۵ ۱۵

کو کہ سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔ اللہ سب خبر رکھتا ہے قدرت والا۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں

بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ

ایک کو ایک سے روزی کی۔ جن کو بڑائی دی نہیں پہنچاتے اپنی روزی ان

عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

کو جو ان کے ہاتھ کا مال ہیں کہ وہ سب اس میں برابر رہیں۔ کیا اللہ کے فضل سے

یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ

منکر ہیں۔ اور اللہ نے بنا دیں تم کو تمہارے قسم سے عورتیں اور دیئے

لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ

تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ

سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے۔ اور پوجتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

اللہ کے سوا ایسوں کو کہ مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان اور زمین سے

شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کچھ اور نہ مقدور رکھتے ہیں۔ سو مت بٹھاؤ اللہ پر کہاوتیں۔ اللہ

يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اللہ نے بتائی ایک کہاوت، ایک بندہ پرایا مال، نہیں

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ

مقدور رکھتا کسی چیز پر، اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے

مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

اس میں سے چھپے اور کھلے۔ کہیں برابر ہوتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا

جانتے۔ اور بتائی اللہ نے ایک مثال دو مرد ہیں، ایک گونگا کچھ کام نہیں

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ

کرسکتا، اور وہ بوجھ ہے اپنے صاحب پر، جس طرف اس کو بھیجے کچھ بھلا نہ کر

بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى

لاوے۔ کہیں برابر ہے وہ اور ایک شخص جو حکم کرتا ہے انصاف پر اور ہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ع وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَاۤ اَمْرُ

سیدھی راہ پر۔ اور اللہ پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے۔ اور

ع ۱۰ ۱۶

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

قیامت کا کام ویسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس سے قریب۔ اور اللہ ہر چیز پر

قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ

قادر ہے۔ اور اللہ نے تم کو نکالا ماں کے پیٹ سے، تم کچھ نہ جانتے تھے

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل، شاید تم احسان مانو۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا

کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور؟ حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں، کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوا

اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

اللہ کے۔ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔ اور اللہ نے بنا دیئے تم کو تمہارے

مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا

گھر بسنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو

تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

ہلکے لگتے ہیں تم کو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں اور ان کی اون سے

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

اور ببریوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیز ایک وقت تک۔ اور اللہ نے بنا دیں

لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ

تم کو اپنی بنائی چیزوں کی چھاویں اور بنادیں تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جائیں اور بنا دیئے

لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ

تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کا اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کا۔ اسی طرح

يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر، شاید تم حکم میں آؤ۔ پھر اگر پھر جاویں تو تیرا کام یہی ہے

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

کھول کر سنا دینا۔ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان، پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت ان میں

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

ناشکر ہیں۔

ع ۱۱ / ۱۷

رجوع بسوئے دلائل توحید بتذکیر انعامات خداوند حمید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ... الٰى ... وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾

ربط: اُوپر سے بہ پیرایۂ انعامات دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے اور پھر اسی طرح سے بہ پیرایۂ انعامات دلائل توحید کو بیان فرماتے ہیں اور یہ دلائل دلائلِ معاد بھی ہیں اور دلائلِ قدرت بھی ہیں اور دلائلِ ہدایت بھی ہیں اور دلائلِ رحمت بھی ہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلۂ کلام چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے انعامات کو ذکر فرمایا جو علاوہ نعمت ہونے کے اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور حکمت کے دلائل بھی ہیں۔

① چنانچہ ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ سے اپنی قدرت کا بیان شروع فرمایا کہ آسمان سے پانی برسانا اور خشک زمین کا سرسبز و شاداب کر دینا اور جانوروں کے پیٹ سے دودھ کا، خون اور گوبر سے پاک صاف نکالنا اور قسم قسم کے پھلوں کا تمہارے لیے پیدا کرنا وغیرہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے عجیب عجیب نعمتیں ہیں۔

② یہاں تک حیوانات میں چرندوں کے منافع اور فوائد کو بیان کیا کہ انسان ان کے دودھ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اب آگے پرندوں کے منافع کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ... الخ﴾ سے بھی اپنی قدرت کی ایک دلیل بیان فرمائی وہ یہ کہ شہد کی مکھیوں کا بالہام خداوندی ایک نہایت خوبصورت اور پر حکمت گھر بنانا جس کو ایک مہندس بھی نہ بنا سکے اور پھر ان کا مختلف پھلوں کو کھا کر شہد کا نکالنا اور پھر اس شہد کا مختلف الالوان ہونا یعنی کسی شہد کا سپید ہونا اور کسی کا سرخ ہونا اور کسی کا گلابی ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر مختلف امراض میں اس کا ذریعۂ شفا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر مختار اور حکیم کردگار کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے اور پھر آیت ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ... الخ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف حالات اور قسم قسم کے تغیرات سے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا کہ چند قطروں سے ایک جاندار کا پیدا کرنا اور اس کو مختلف قسم کے حواس اور اعضاء کا عطا کرنا اور پھر اس کو جوان اور بوڑھا بنانا اور قوت کے بعد اس کو ضعف میں مبتلا کرنا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ کوئی ذات والا صفات ہے کہ جس نے

اس انسان کو پیدا کیا اور عدم کے بعد اس کو وجود میں لایا اور مختلف حالات سے گزار کر اس کو موت اور فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ پس جس ذات والا صفات کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور موت اور حیات اور قوت اور ضعف ہے وہی تمہارا مالک اور وہی تمہارا خدا ہے ولادت سے لے کر موت تک عمر کی جو منزلیں اس نے مقرر کر دی انسان ان کو طے کر کے اپنی آخری منزل تک پہنچ جاتا ہے انسان کی قدرت میں یہ نہیں کہ لڑکپن یا جوانی کی منزل میں کچھ زیادہ ٹھہر جائے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　　اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

③ اور پھر ﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ﴾ سے بھی انسانی حالات سے اپنی قدرت وحکمت کو ثابت فرمایا مگر دوسرے اعتبار سے یعنی امارت اور غربت فراخی اور تنگدستی کے اعتبار سے لوگوں کا مختلف ہونا یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کسی کو امیر بنانا اور کسی کو فقیر اور کسی کو عاقل اور دانا اور کسی کو جاہل اور بے وقوف۔ اور بے وقوفوں کو خوب رزق دیا اور عقل مندوں اور علم والوں کو بھوک سے مارا تا کہ سمجھ جائیں سمجھنے والے کہ دنیاوی رزق کی کمی اور زیادتی علم اور عقل پر موقوف نہیں یہ سب خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے۔

④ اور پھر ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ... الخ ﴾ میں اپنی ایک خاص نعمت کو بیان کیا جو کہ اس کی قدرت وحکمت کی دلیل بھی ہے کہ تمہاری محبت اور اُلفت اور موانست کے لیے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور پھر ان سے تم کو بیٹے اور پوتے عطا کیے اور پاکیزہ روزیاں تم کو دیں پھر ان دلائل مذکورہ کا نتیجہ بیان فرمایا ﴿ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا انکار کرتے ہو اور باطل چیزوں کی پرستش کرتے ہو جن سے تم کو نہ نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔

⑤ اور پھر مؤمن اور کافر کی دو مثالیں بیان کیں ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ... الخ ﴾ اور ﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ ... الخ ﴾ اور ان دو مثالوں کے بعد پھر دلائل علم' قدرت کو بیان کیا جس کا ذکر پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کا علم ہے یہ تو کمال علم ہوا اور کمال قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

⑥ اس کے بعد حق تعالیٰ نے پھر اپنے آثارِ قدرت اور انسان پر اپنی مرحمت اور مکرمت کے حالات کو بیان کیا تا کہ بندے اللہ کی نعمت کو پہچانیں اور نعمت سے منعم تک پہنچیں۔

تفصیل: دلائل قدرت ودلائل نعمت برائے اثبات الوہیت ووحدانیت

دلیل اوّل: اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے زمین کو بعد خشک اور مردہ ہو جانے کے زندہ فرمایا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی برسا کر اس میں قوت نمو پیدا کی اور اس سے کھیتی اور سبزہ کو اُگا یا بے شک اس میں یعنی آسمان سے بارش نازل کرنے میں اور پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں ہماری کمال قدرت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو دل کے کانوں سے ہمارے قرآن کی آیتیں سنتے ہیں اور جو لوگ صرف کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے متوجہ نہیں ہوتے ان کو آیات قرآنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

دلیل دوم: اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے

مقام تک پہنچ جاؤ اور خدا کی کمال قدرت کو معلوم کرلو پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لیے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے ہم اپنی کمال قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر بایں ہمہ خالص سفید ہوتا ہے اور خون اور گوبر کی آمیزش سے بالکلیہ پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی بُو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا اس سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دونا پاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرمادی اور مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی قدرت اور نعمت میں غور کرو ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوشگوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے غرضیکہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتا ہے تو ہضم اور طبخ کے بعد کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جو خون اور گوبر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سر پستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرمادیا اور مسامات تنگ کردیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچہ کے لیے بہترین لطیف غذا ہے یہ صنعت سوائے خداوند قدیر کے کون کرسکتا ہے۔ پس جس نے تمہارے لیے یہ نعمت پیدا کی اسی کی پرستش کرو۔

دلیل سوم: اور منجملہ دلائل قدرت والوہیت یہ ہے کہ تم کھجور اور انگور کے پھلوں سے مست کرنے والی شراب بناتے ہو اور اچھی روزی بناتے ہو جیسے خرمائے خشک اور کشمش اور کھجور اور انگور کا شیرہ اور سرکہ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں خدا کی قدرت کی نشانی ہے آخر یہ چیزیں کس نے بنائیں اور کس نے اس میں یہ شیرینی اور لذت پیدا کی یہ آیت شراب کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی مگر اس آیت میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ سکراً کو رزقِ حسن (اچھی روزی کے مقابلہ میں ذکر فرمایا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی روزی نہیں اور یہی معنی حرام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خاص عنایت فرمائی کہ ان کی عقلوں کی حفاظت کے لیے شراب کو حرام کردیا۔

دلیل چہارم: گزشتہ آیت میں حیوانات چرند سے خالص دودھ نکلنے کا بیان فرمایا اب حیوانات پرند میں سے شہد کی مکھی کے منافع بیان فرماتے ہیں اور الہام کیا تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف یعنی ان کے دل میں ڈالا کہ تم پہاڑوں میں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ یعنی ایسی بلند اور اونچی جگہ پر اپنا چھتہ بناؤ جہاں ہر ایک کا ہاتھ نہ پہنچے پھر اس کو یہ القاء ہوا کہ تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور ان کو چوس پھر تیسری بات اس کو یہ القاء ہوئی کہ تو اپنے پروردگار کی ان راہوں پر چل جو اس نے تیرے لیے مسخر اور آسان کی ہیں تجھے ان راہوں پر چلنا دشوار نہیں۔ اب آگے اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مکھیوں کے پیٹوں سے یعنی مونہوں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے یعنی شہد۔

جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں یعنی سفید اور سرخ اور زرد اور سبز نیز اس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

بے شک شہد کی مکھی میں قدرت ربانی کی کھلی نشانی ہے اس گروہ کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں اسی ایک شہد کی مکھی میں خدا تعالیٰ کی قدرت و الوہیت کے بہت سے دلائل ہیں بشرطیکہ غور کریں جو شخص شہد کی مکھی کے عجیب وغریب احوال میں ذرا بھی غور کرے گا وہ ایک فاعل مختار اور قادر کردگار کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا۔

① شہد کی مکھی سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کسی حقیر وذلیل مکھی سے کیسی عمدہ اور لذیذ اور صحت بخش چیز خدا نے نکالی۔

② اس کے چھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے ہر ایک خانہ مسدس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

③ نیز شہد کی مکھیوں پر ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں۔ اور یہ ملکہ۔ جُثہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرمانبردار ہوتی ہیں چھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو اور مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

④ قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لیے دُور دُور جاتی ہیں اور اپنی مکان اور راستے کو نہیں بھولتیں اور ایک چھتے کی مکھیاں دوسرے چھتے پر نہیں جاتیں۔

یہ وہ عجیب وغریب خواص ہیں جن کا حصول بغیر الہامِ الٰہی ممکن نہیں پھر اس میں سے شہد نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اس میں عقلاء کو کلام نہیں لیکن بعض طبیب اس میں کلام کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد میں ہر مرض کے لیے شفاء ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اس میں شفاء ہے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں امراض بلغمیہ کے لیے شہد شفاء ہے اور معجونوں میں کوئی بھی معجون ایسی نہیں جس میں اطباء نے شہد تجویز نہ کیا ہو۔ مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ شہد واقع میں ہر مرض کی دوا ہے بعض مواقع میں بعض امراض میں اس کا اثر ظاہر نہ ہونا اس کے شفاء ہونے کے منافی نہیں جو دوا جس مرض کے لیے مخصوص ہے بعض اوقات اس کا اثر بھی اس مرض پر ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اُوپر دو شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی شہد اور قرآن، شیخین رضی اللہ عنہم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلا اس نے اس کو شہد پلایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پلا، تین مرتبہ اس نے شہد پلایا اور ہر مرتبہ یہی آکر کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا تھا اس کے دست اور بڑھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہر مرتبہ یہی جواب دیا جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ اس کو پھر شہد پلا اس نے کہا کہ میں نے اس کو پلایا مگر اس کے دست بڑھتے جاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے اس کو پھر شہد پلایا اور خدا نے اس کو شفاء دی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلائے جا ان شاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا مگر تیرے بھائی کا پیٹ ایسا ہو گیا ہے کہ اس کو ایک یا دو دفعہ کا شہد پلانا کافی نہ ہوا غرضیکہ حدیث قواعد طبیہ کے خلاف نہیں۔ بہت سے اقسام کے اسہال میں خود اطباء نے شہد کو مسہل تجویز کیا ہے۔ ان اطباء کا قول یہ ہے کہ شہد صفراء والوں کے لیے مضر ہے حرارت کو بڑھاتا ہے اور گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور پیاس لگاتا ہے سو خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد کل مرضوں کی دوا ہے۔ ''شفاء''

نکرہ ہے۔ مقام اثبات میں وارد ہوا ہے عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ غایت سے غایت یہ ہے کہ شفاء کی تنوین تعظیم کے لیے لی جائے تو اس سے شہد کا شفاء عظیم ہونا مفہوم ہوگا۔ عموم مفہوم نہ ہوگا اور اکثر مرضوں کی دوا شہد کو اطباء بھی بتلاتے ہیں اور یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ اس کا نفع مضرت سے بڑھا ہوا ہے۔ خصوصاً اصحاب بلغم اور شیوخ مردوزن کے لیے تو مجرب تریاق ہے اور معجونوں کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدرومنزلت ثابت کرتا ہے کہ اس میں شفاء عظیم ہے۔

نیز اطباء نے شہد کو "جالی" یعنی معدہ کا جلا کرنے والا لکھا ہے اور تمام امراض کی اصل معدہ ہے تو جب معدہ صاف ہوگا تو بیماری کیوں کر آئے گی اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ علی الصبح ہر روز تین انگلیاں شہد کی چاٹ لیا کرو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شہد کی مکھی قدرتِ خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ اگر کسی کے کاٹ لے تو بلبلا اٹھے یہ تو اس کی سمیت ہوئی اور اس کا شہد تریاق اور شفاء عظیم ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے چرند اور پرند میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرمایا اب خود انسان میں اپنی عجائب قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔

دلیل پنجم: اور منجملہ دلائلِ قدرت کے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر ایک کی عمر کی مدت مقرر کی پھر تم کو مار ڈالے گا اور دوبارہ عدم میں لے جائے گا اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو ذلیل اور ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی ایسا بوڑھا پھوس ہو جائے کہ عقل بھی جاتی رہے اور عالم ہونے کے بعد جاہل بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ مارنے اور جلانے پر قادر ہے ویسے ہی وہ عالم سے جاہل بنانے پر بھی قادر ہے۔ پس جس کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور علم اور جہل ہے اس کی پرستش کرو۔ بڑھاپے میں ہوش وحواس میں تو سب کے ہی فتور آجاتا ہے مگر جو قرآن خواں ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ ارذل العمر کو نہیں پہنچتا۔ بہرحال انسان کا نطفے سے پیدا ہونا اور پھر اس کا بوڑھا ہو کر مرجانا مادہ اور طبیعت کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور طبیعت تو بے شعور ہیں بلکہ یہ کسی مدبر حکیم کا کام ہے۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اور نہ اس کے لیے فناء وزوال ہے بندہ کو چاہیے کہ اپنے علم اور قوت پر گھمنڈ نہ کرے بڑھاپے میں نہ علم رہتا ہے نہ قدرت رہتی ہے۔ اب آئندہ آیت میں انسان کے حالات مختلفہ سے اپنی قدرت پر استدلال فرماتے ہیں خلاصہ یہ کہ انسان کا عدم سے وجود میں آنا اور پھر اس کا نشوونما پانا اور بچپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے پردۂ عدم میں پہنچ جانا یہ تمام اُمور نہ اتفاقی ہیں اور نہ طبعی ہیں بلکہ کسی حلیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عمروں کا تفاوت بیان کیا اب آئندہ ارزاق کا تفاوت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح بنی آدم کی عمریں مختلف اور متفاوت ہیں اسی طرح ان کی روزیاں بھی متفاوت ہیں۔

دلیل ششم: اور منجملہ دلائل قدرت اور الوہیت میں سے ہے کہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی۔ کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو مملوک اور غلام بنایا غرضیکہ بنی آدم کو اوصاف متباین اور متفاوت پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کردے اور اس اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمت بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح

معنوی رزق یعنی علم وعقل اور فہم اور حسن صورت اور حسن سیرت اور صحت اور مرض اور ضعف اور قوت اور بصارت اور بصیرت میں بھی تفاوت رکھا کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم کسی کو قوی اور جسیم اور ہیکل بنایا اور کسی کو ضعیف اور ناتواں بنایا کسی کو عاقل اور کسی کو ناداں کسی کو عالم اور کسی کو جاہل کسی کو حسین اور کسی کو بدشکل بنایا۔ غرضیکہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اگر یہ بات علم وعقل اور فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں خوئی بدعقل اور جاہل دولت منداور مالدار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں۔ مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانۂ عالم انہی اختلافات اور تباین وتفاوت پر مبنی ہے اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم اور کوئی مالدار اور کوئی نادار اور کوئی مالک مکان اور کوئی کرایہ دار اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے۔ پس جن کو اللہ کی طرف سے رزق میں فضیلت اور وسعت دی گئی اور اللہ نے ان کو سردار اور امیر اور دولت مند بنایا اور ان کے پاس مال ودولت بھی ہے اور ان کے پاس غلام بھی ہیں وہ اپنی روزی اور دولت اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ سب آقا اور غلام اس روزی میں برابر ہو جائیں۔ یعنی آقا اور مال دار اس پر راضی نہیں کہ اپنے مال ودولت کو اپنے غلاموں پر اس طرح تقسیم کر دیں کہ غلام اور آقا سب برابر ہو جائیں۔ حالانکہ وہ بھی تمہارے ہم جنس اور مثل اور ہم شکل ہیں۔ اور وہ مال ان کا مخلوق (پیدا کیا ہوا نہیں) پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی مملوک اور اس کی مخلوق خدا کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ عجیب احمق لوگ ہیں کہ اپنے غلاموں کو تو اپنا شریک اور برابر بنانا پسند نہیں کرتے مگر خدا کے غلاموں کو اور اس کے پیدا کیے ہوئے بندوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کوئی آقا اس بات پر راضی نہیں کہ اس کا غلام اس کے مساوی اور برابر ہو جائے غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتے پس جب کہ دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک اور مملوک میں شرکت اور مساوات نہیں تو خالق اور مخلوق کو معبودیت میں کیسے برابر کیا جا سکتا ہے۔ پس جب کہ تمہارے غلام شریک اور برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ کے بندے اور اس کے غلام اس کی الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو آپ کی طرف سے کوفہ، بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا۔

اقنع برزقك من الدنيا فان الرحمان فضّل بعض عبادهٖ علیٰ بعض فی الرزق بلاء مبتلی بهٖ کلا فیبتلی من بسط له کیف شکرهٗ لِلّٰه واداءه الحق الذی افترض علیه فیما رزقهٗ وخوّلهٗ. (رواہ ابن ابی حاتم)

"اے ابوموسیٰ! تو اپنے اس رزق پر قناعت کر جو تجھ کو دنیا میں ملا ہے کیونکہ رحمٰن نے اپنے بعض بندوں کے اعتبار سے رزق زیادہ دیا ہے اور یہ رزق من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان ہے جس کے ذریعہ ہر ایک کا امتحان کرتا ہے۔ پس جس کو رزق زیادہ دیا اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی دی ہوئی دولت کا شکر بجا لاتا ہے اور جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیوں کر ادا کرتا ہے۔" (ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو روایت کیا)

معلوم ہوا کہ بنی آدم میں امیری اور فقیری تونگری اور تنگدستی میں تفاوت من جانب اللہ ہے جس کو اللہ نے مال ودولت دیا اس پر اللہ کا شکر اور مال کا حق ادا کرنا واجب ہے اور جس کو نے اللہ نے مفلس بنایا اس پر صبر اور قناعت واجب ہے فقیر اور نادار کو یہ تو اجازت ہے

کہ صنعت وحرفت یا تجارت یا زراعت کے ذریعہ حلال طریقہ سے جس طرح چاہے دولت حاصل کرے اس پر کوئی تحدید نہیں۔ لیکن کسی نادار کو ازراہِ حسد ورقابت کسی مال دار کے مال پر نظر کرنا ناجائز اور حرام ہے جیسے آج کل اشتراکی لوگ مزدوروں کو اکسار ہے ہیں کہ تم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی دولت کو لوٹ لو اور مساوات کا دلفریب نعرہ لگا کر جاہلوں کو اس پر آمادہ کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ رزق میں مساوات عقلاً محال ہے رزق کا تفاوت قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا اور بفرض محال اگر ملک کا مال و دولت سب پر برابر تقسیم ہو گیا تو یہ بتلائیں کہ علم اور عقل اور حسن و جمال اور قوت وضعف اور صحت و بیماری اور موت وحیات میں مساوات کی کیا صورت ہوگی کسی کو ایک چپاتی کھانا مشکل ہے اور کوئی دس نان کھا کر بھی ڈکار نہیں لیتا اگر سب کے سامنے دس دس نان رکھ دیئے گئے تو سب کے معدے کی اشتہاء اور سب کی بھوک کیسے برابر ہوگی مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری اور باطنی سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہا کم دیا اور جس کو چاہا زیادہ کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کی نعمت سے منکر ہونا ہے جیسا کہ منجمین اور طبعیین خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو کواکب اور نجوم کی طرف اور مادہ اور طبیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں بس یہی اللہ کی نعمت سے انکار کرنا ہے۔

دلیل ہفتم: اور منجملہ دلائلِ قدرت ووجوہِ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہاری لیے بیویاں پیدا کیں اور پھر تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے تاکہ تمہاری نوع اور نسل باقی رہے اور پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہارا وجود شخصی باقی رہ سکے تمہاری راحت وآرام کے لیے بیبیاں پیدا کیں اور خدمت کے لیے اولاد دی کہ تمہاری خدمت کرے اور تمہارے بعد تمہاری نسل باقی رہے اور بقا اور زندگی کے لیے پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کیں کیونکہ بقا اور زندگی رزق پر موقوف ہے کیا توحید کے ان دلائل واضحہ کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیز پر اعتقاد اور ایمان رکھتے ہیں باطل سے مراد شرک اور بت پرستی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا یا بیٹا دیا یا روزی دی اور یہ سب جھوٹ ہے وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں'' اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر رزق پہنچانے کی مالک نہیں نہ آسمان سے مینہ برسا سکتے ہیں اور نہ زمین سے کوئی چیز اُگا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کچھ اختیار ہے اور نہ قدرت ہے عاجز محض ہیں کسی قسم کی استطاعت نہیں رکھتے پھر کس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو اس کا نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی شبیہ اور مثیل ہے۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مشرک کہتے ہیں کہ مالک تو اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں اس واسطے ان کو پوجتے ہیں کہ (بڑی سرکار تک ان کے ذریعے ہماری رسائی ہو جائے)۔ سو یہ مثال غلط ہے (اللہ پاک پر چسپاں نہیں) اللہ تعالیٰ ہر چیز آپ کرتا ہے کسی کے سپرد نہیں کر رکھا اور اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ (موضح القرآن)

مشرکین یہ کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم بلاواسطہ بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا یہ ہمارے لیے وسائل اور ذرائع ہیں ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں گے جس طرح بادشاہ وزیروں کو مختار کار بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مثال غلط ہے اللہ تعالیٰ پر

چھپا نہیں کارخانۂ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ سلاطین دُنیا کی طرح نہیں کہ وہ اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض اور سپرد کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ اور اختیار سے کیا لیکن تفویض کے بعد وہ ماتحت حکام ان اختیارات کے استعمال میں آزاد ہیں بغیر بادشاہ کے علم اور بغیر اس کے ارادہ اور بغیر اس کی اجازت کے بہت سے کام کر گزرتے ہیں جیسے بسا اوقات وزراء کوئی فیصلہ کر گزرتے ہیں اور بادشاہ کو اس فیصلہ کا مطلق علم نہیں ہوتا اور بادشاہ کے ارادہ اور مشیت کو اس فیصلہ کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ سو بارگاہِ خداوندی میں یہ بات ممکن نہیں اس لیے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ خدا اپنی قدرت اور اختیار کو کسی کے تفویض کر دے بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کوئی شئے اس کے دائرۂ علم اور ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں۔ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے خواہ بواسطۂ اسباب ہو یا بلا واسطۂ اسباب ہو وہ سب اس کے علم محیط اور اس کے ارادہ اور مشیت سے وقوع پذیر ہو رہا ہے لہٰذا ہر کلی اور جزئی میں اسی کو فاعل حقیقی سمجھ کر اسی کو اپنا معبود اور مستعان سمجھو بلا واسطہ سب تمہاری سنتا ہے اور بغیر کسی کے خبر دیئے ہوئے تمہارا سب حال جانتا ہے بادشاہوں کو وزیر اور پیش کار کی اس لیے ضرورت ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں اور سارے کام خود انجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے معین اور مددگار کے محتاج بنے اور خدا تعالیٰ علیم و خبیر اور مالک و قدیر ہے وہ غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی وزیر اور مشیر کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کارخانۂ ربوبیت میں کوئی دخیل ہے اور نہ وہاں کسی کا زور ہے۔ لہٰذا خداوندِ ذوالجلال کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے معلوم ہوا کہ جو مثال تم نے بیان کی وہ غلط ہے اگر صحیح مثال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہیں غور سے ان کو سنو۔

مثالِ اوّل ❁ اللہ تعالیٰ نے شرک کے بطلان کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور ایسا غلام ہے کہ وہ کسی تصرف پر قادر نہیں کیونکہ بعضے غلام ایسے ہوتے ہیں کہ آقا ان کو تصرفات کی اجازت دے دیتا ہے۔ جیسے عبد ماذون اور جیسے مکاتب کہ آقا نے اس کو نوشتہ دے دیا کہ اس قدر روپیہ کما کر دے دے تو آزاد ہے پس ان کو کچھ تصرف کی اجازت نہ ہو۔ پس ایک تو ایسا ہے کہ عبد مملوک ہے کسی تصرف پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور ایک شخص وہ ہے کہ جس کو ہم نے اپنے پاس سے اور اپنے فضل سے عمدہ روزی دی یعنی وسعت اور کثرت سے اس کو ایسا رزق دیا جو لوگوں کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کو اس کا مالک اور مختار بنایا پس وہ شخص ہمارے دیئے ہوئے رزق حسن میں سے خیرات کی راہوں میں اور طرح طرح کی نیکیوں میں پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتا ہے یعنی جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا کیا یہ دو شخص برابر ہو سکتے ہیں یعنی بے اختیار، صاحبِ اختیار آقا کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو بت تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز ہیں وہ قادر مطلق کے کیسے شریک ہو سکتے ہیں اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ جب مالک مجازی اور مملوک برابر نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور مملوک حقیقی کب برابر ہو سکتے ہیں حالانکہ آقا اور غلام تو نفس خلقت اور صورت بشری میں دونوں مساوی ہیں۔ مگر بایں ہمہ دونوں برابر نہیں تو اللہ جو کہ قادر مطلق اور مالک مطلق ہے اس میں اور بتوں کے درمیان مساوات کیونکر ہو سکتی ہے جو نہ کسی شے کے مالک ہیں اور نہ کسی شے پر قادر ہیں اور دُنیا کا کوئی عاقل، قادر اور عاجز کے درمیان مساوات کا قائل نہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مثال مومن اور کافر کی ہے کافر عبد مملوک ہے جو کسی شئے پر قادر نہیں کیونکہ جب وہ اللہ کی عبادت سے اور اس کی توفیق سے محروم ہے اور اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے محروم ہے تو گویا وہ ایک غلام حقیر و ذلیل ہے اور عاجز ہے جو

کسی شئے پر قادر نہیں خدا تعالیٰ نے اس کو تصرف سے روک رکھا ہے اور مومن وہ شخص ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے پاس سے رزق حسن۔ یعنی حلال روزی دی اور وہ دن رات اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور اپنے مال کو راہِ خدا میں پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے تو یہ دونوں شخص برابر نہیں نہ آزاد اور غلام برابر ہے نہ بخیل اور سخی برابر ہے اور نہ نافرمان (کافر) اور فرماں بردار (مؤمن) برابر ہے۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب کا خالق اور تمام کائنات کا مالک مطلق اور مختار مطلق ہے اور تمام کائنات اسی کی مملوک اور غلام ہے لیکن باوجود اس کے یہ لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نادان اور بے عقل ہیں کہ صاف اور واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے اور باایں ہمہ بتوں کو مستحق تعریف سمجھتے ہیں۔

دوسری مثال ❁ اور اگر اس مثال سے ان پر حق واضح نہ ہو تو اللہ نے ان کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرمائی۔ فرض کرو کہ دو شخص ہیں ان میں کا ایک تو گونگا غلام ہے اور بہرا بھی ہے کیونکہ جو پیدائشی گونگا ہوتا ہے وہ بہرا بھی ہوتا ہے کہ کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے یعنی وہ کسی کام کا نہیں اور نہ اس سے کسی بھلائی کی توقع ہے۔ وہ آقا اس کو جہاں بھیجے وہاں سے کوئی خیر اور بھلائی لے کر واپس نہ آئے کیا ایسا منحوس غلام اس مبارک شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم کرتا اور خود سیدھی راہ پر ہے یعنی اس کے ہوش و حواس درست ہیں نہایت عقل منداور دیانت دار اور نیک کردار ہے جو شخص خود صاحب فہم و فراست نہ ہو وہ دوسروں کو انصاف اور نیکی کی کیسے ہدایت کر سکتا ہے۔ پس جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے اور بہرے بت خداوند پروردگار کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے کافر اندھے اور بہرے اور گونگے غلام کی طرح ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ حق کو سنتا ہے اور ناکارہ اور نکما ہے آقا کا کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مومن قانت سیدھی راہ پر جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر لے جانا چاہتا ہے یہ دونوں شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی خدا کے دو بندے ایک بہت نکما نہ ہل سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتاوے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے۔'' (انتہیٰ)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں: ''حاصل ایں دو مثل آنست کہ آں چہ در عالم تصرف ندارد با خدا برابر نیست چنانچہ مملوک ناتواں با مالک توانا برابر نیست و چناں کہ گنگ بے تمیز با صاحب ہدایت برابر نیست'' (انتہیٰ)

حق تعالیٰ نے ابطال شرک کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اب مزید دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔

دلیل ہشتم: کمال علم و کمال قُدرت اور منجملہ دلائل الوہیّت کے اس کا کمال علم اور کمال قدرت ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ ہی کو معلوم ہیں اس سے کوئی شئے چھپی ہوئی نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں ہو یہ اس کا کمال علم ہوا۔ اور منجملہ غیب کے قیامت بھی ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور نہیں ہے قیامت کا کام مگر ایسا جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک مطلب یہ کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں جب اللہ چاہے گا آناً فاناً ہو جائے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے ہو جاتا ہے یہ اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جس کا علم اور قدرت عالم کے ذرّہ ذرّہ کو محیط ہو۔ کون اس کا ہمسر ہو سکتا ہے۔

دلیل نہم: اور منجملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم

اس وقت کچھ نہیں جانتے تھے نو ماہ سے ماں کے پیٹ میں محبوس تھے اور خون حیض تمہاری غذا تھی ولادت کے بعد تم جیل خانہ سے باہر نکلے اور آنکھ کھولی اور اس عالم کو دیکھا دیکھ کر حیران رہ گئے سمجھ میں کچھ نہ آیا اور بعد ازاں اللہ نے بنا دیئے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تا کہ آنکھ اور کان سے محسوسات کا ادراک کرو اور دل سے معقولات کا ادراک کرو اور عقل سے خیر و شر اور ہدایت وضلالت اور حق و باطل کا فرق سمجھو اور غور کرو کہ آنکھ اور کان اور دل کیسی نعمتیں ہیں شاید تم ہمارا احسان مانو اور ہمارے عطا فرمودہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ کو ہماری معرفت اور محبت میں لگا ڈالو۔ اور اپنے منعم و محسن کا شکر کرو کہ تم کو کیسی تاریک اور گندی جگہ سے نکال کر کہاں پہنچا دیا۔ تمام دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونے کا ذریعہ آنکھ اور کان اور عقل ہیں اور اگر وہ اپنی رحمت سے تم کو آنکھ اور کان اور عقل نہ دیتا تو ذرا غور کرو کہ پھر تم کیا ہوتے ''شکر'' کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی دی ہوئی نعمت کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرو اور اس کی نعمت کو امانت سمجھو۔ معصیت سے بچاؤ۔ نِعم کو خلاف حکم صرف کرنا یہ خیانت ہے بہر حال تمہارا اس طرح پیدا ہونا یہ اس کی دلیل ہے کہ تم خود بخود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ کسی علیم وقدیر نے تم کو پیدا کیا ہے۔

دلیل دھم : اور منجملہ دلائل قدرت کے خلا میں اُڑنے والے پرند بھی ہیں کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو بحکم خداوندی آسمان کے خلاء یعنی ہوا میں معلق ہیں۔ کعبِ احبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پرندہ بلندی میں بارہ میل تک اُڑ سکتا ہے اس سے اُوپر نہیں جا سکتا۔ اللہ کے سوا ان کو اور کوئی اس خلا میں تھامے ہوئے نہیں بے شک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھ جاتے ہیں اور جو مؤمن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پرندوں کو عجیب طور سے پیدا کیا کہ ان کے دو بازو ہیں ان کو پھیلا کر ہوا میں اڑتے ہیں اور ان میں اُڑنے کی قوت پیدا کی وہ پر پھیلا کر ہوا میں اس طرح اڑتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی چیز ان کو ہوا میں روکنے اور تھامنے والی نہیں نہ اُوپر سے کوئی چیز پکڑے ہوئے ہے اور نہ نیچے سے ان کو کوئی چیز تھامے ہوئے اور سہارا دیئے ہوئے ہے ورنہ ان کے ثقلِ جسمانی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اُوپر سے نیچے گر پڑتے اور ان کا جسمِ ثقیل ہوائے لطیف کو چیرتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے اور اُڑتا ہے اور پھر ہوا کو چیرتا ہوا نیچے اُترتا ہے اس عجیب وغریب تسخیر میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ غرض یہ کہ پرندوں کا ہوا میں معلق رو کنا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے شیفتگان اسباب وعلل ودلدادگان فلسفہ ان چیزوں کے جو اسباب طبعی بیان کرتے ہیں وہ سب بادِ ہوا ہیں اور ان کی کوتاہ نظری اور کج عقلی کی نشانیاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی ایمان لانے میں بعض اٹکتے ہیں۔ معاش کی فکر سے سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لایا اسباب کمائی کے۔ آنکھ کان دل اللہ ہی دیتا ہے اڑتے جانور اُدھر میں کس کے سہارے رہتے ہیں۔'' (موضح القرآن)

دلیل یازدھم : اور منجملہ دلائل قدرت الوہیت یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے حالت حضر میں تمہارے گھروں میں سے جائے سکونت بنائی جہاں تم آرام کرسکو انسان معاش کے لیے حرکت کرتا ہے اور حرکت کے بعد اس کو سکون کی حاجت ہوتی ہے تو اس نے تمہارے لیے بیوت اور مساکن بنا دیئے اور حالت سفر میں چوپایوں کی کھالوں سے اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے یعنی خیمے تم ان کو اپنے سفر کے دن اور حالت سفر میں ہلکا پاتے ہو اور بے تکلف اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو۔ مٹی اور پتھر کے گھروں میں یہ بات حاصل نہیں خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے ہماری آسائش کے لیے ہمیں رہنے کو دو گھر دیئے ایک تو وہ جو مٹی اور پتھر وغیرہ سے

بنائے جاتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے دوسرے وہ گھر جنہیں جہاں چاہیں لے جائیں جیسے خیمے جو سفر اور حضر دونوں حال میں آسان اور ہلکے ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اور احسان ہے اور اللہ نے تمہاری آسائش کے لیے بھیڑوں کے بالوں اور اُونٹوں کے بالوں اور بکریوں کے بالوں سے اثاثہ اور سامان منفعت بنایا جس سے تم ایک وقت اور مدت تک نفع اٹھاؤ یعنی ان کے کہنہ ہونے تک یا وقت موت تک اس سامان سے نفع اٹھاؤ۔

دلیل دوازدھم: اور منجملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہاری راحت اور محافظت کی چیزوں کو پیدا کیا۔ چنانچہ تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض سے تمہارے لیے سایہ بنا دیا جس سے تم گرمی اور سردی اور برف و باراں وغیرہ کی تکلیف سے بچتے ہو۔ سایہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے سایہ میں آدمی رہتا ہے جیسے مکان اور دیوار اور درخت وغیرہ اگر وہ اپنی رحمت سے سایہ دار چیزیں نہ پیدا کرتا تو سردی اور گرمی سے حفاظت مشکل ہو جاتی۔

دلیل سیزدھم: اور منجملہ دلائلِ قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپ رہنے کو جگہیں بنائی ہیں۔ یعنی غار وغیرہ بنائے جہاں سردی اور گرمی اور بارش اور دشمن اور موذی جانور سے محفوظ رہ سکے اور جس میں گھر بنانے کی استطاعت نہ ہو وہ وہاں پناہ لے سکے یہ سامان حفاظت بھی اسی کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ ہے۔

دلیل چھاردھم: اور منجملہ دلائلِ قدرت و وجوہِ نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ سرابیل سے مطلق لباس مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تم کو گرمی سے بچاتا ہے اور سردی سے بھی بچاتا ہے۔ مگر آیت میں ایک شق کو بیان کر دیا تو دوسری شِق کو اس پر قیاس کر لیا جائے چونکہ عرب میں گرمی کی شدت تھی اس لیے آیت میں صرف حَرّ کا ذکر فرمایا اور برد کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کسی جگہ گرمی سے حفاظت کا ذکر فرمایا اور کسی جگہ سردی کے سامانِ حفاظت کا ذکر فرمایا نیز گرمی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان برودت ہی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے ﴿تَقِيكُمُ الْحَرَّ﴾ میں حَرّ کے ذکر پر اکتفاء کیا اور اس طرح نہیں فرمایا کہ ﴿تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کُرتے بھی بنائے جو تم کو آپس کی لڑائی کی زد سے بچائیں جیسے زرہیں اور جو ہتھیار جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

امتنان براتمامِ احسان

اب ان دلائل قدرت و وجوہ نعمت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم اس منعم حقیقی کے سامنے گردن جھکا دو اور ہر بن مُو سے زبان شکر بن جاؤ پس اگر یہ نا قدرے اور ناشکرے منعم حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے اعراض کریں تو آپ ﷺ کوئی غم نہ کریں کیونکہ آپ ﷺ کے ذمہ تو صرف صاف کھول کر اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے ان کے اعراض کا وبال ان کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو خوب پہچانتے ہیں پھر باوجود اس علم یقینی کے ان نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض اگر چہ شکر گزار بھی ہیں لیکن ان میں کے اکثر ناشکرے ہیں۔ اللہ کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں اور دل سے مانتے ہیں مگر عناد اور ضد کی بناء پر ان کا انکار کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا پھر حکم نہ ملے منکروں کو
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ
اور نہ ان سے توبہ مانگئے۔ اور جب دیکھیں بے انصاف مار- پھر ہلکی نہ ہو
عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ
ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے۔ اور جب دیکھیں شریک پکڑنے والے اپنے شریکوں کو
قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ج فَاَلْقَوْا
بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ تب وہ ان پر ڈالیں
اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ج ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِالسَّلَمَ
بات کہ تم جھوٹے ہو۔ اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
اور بھول جاوے ان کو جو جھوٹ باندھتے تھے۔ جو منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾
اللہ کی راہ سے ان کو ہم نے بڑھائی مار پر مار بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے۔
وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا
اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا ان پر انہی میں کا اور تجھ کو لاویں
بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
بتانے کو ان لوگوں پر۔ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیورا (کھول سنانے والی) ہر
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ع ﴿۸۹﴾ ع ۱۲/۶ ۱۸
چیز کا اور راہ کی سوجھ اور مہر اور خوشخبری حکمبرداروں کو۔

ذکرِ قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا... الٰی... وَ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾﴾

ربط: یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ بہت سے لوگ اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر اللہ کی نعمت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔ اب قیامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس دن ان کافروں کو جنہوں نے دیدہ و دانستہ حق تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا کفر کیا اور انکار کیا۔ کیا حال اور مآل ہوگا اس دن سب کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے باز پرس ہوگی۔ اور سب ذلیل وخوار ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام کی گواہی سے ان کا جرم ثابت ہوگا۔ گواہی کے بعد کفار اجازت چاہیں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ درخواست منظور نہ ہوگی اور ان کے فرضی معبود ان کی تکذیب کر دیں گے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی دار آخرت میں ذلت ورسوائی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اس دن ذلیل وخوار ہوں گے اور ان کو عذر کا موقع بھی نہیں ملے گا کیونکہ اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب مبین نازل فرمادی ہے جس میں دین ودنیا کے تمام امور کو بتلا دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ جو ان منکرین نعمت کے انکار کا پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفروشرک پر گواہی دے گا کہ ہم نے ان کو خدا کا حکم پہنچا دیا تھا مگر پھر بھی یہ نہ مانے یہ گواہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے جو اپنی امت پر ان کے اچھے اور بُرے اعمال پر گواہی دیں گے اور ان کی گواہی پر نہ کوئی جرح کر سکے گا اور نہ قدح جو وہ کہہ دیں گے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کے بعد ان کافروں کو کچھ بولنے کی اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان سے کوئی معذرت اور توبہ طلب کی جائے گی۔ یعنی ان کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا اس لیے کہ عذر اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ آخرت تو دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل۔ اب وقت سزا کا ہے نہ کہ کسی عمل کا۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر اور شرک اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور گواہوں کی گواہی کے بعد ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہوگیا۔ یہ لوگ جب عذاب دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو بلبلائیں گے اور چلائیں گے اور مالک (دوزخ کے مہتمم) سے تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی کہ ان سے عذاب کچھ ہلکا اور کم کر دیا جائے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے کہ چند روز کے وقفہ کے بعد عذاب شروع ہو مطلب یہ ہے کہ گواہوں کی گواہی کے بعد عذاب شدید کا فیصلہ ہو چکا ہے اب اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا قیامت کے دن اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں یعنی بتوں اور معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں خدا کا شریک کہتے تھے تو بطور اقرار جرم وخطا اپنے اوپر سے الزام اٹھانے کے لیے یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہ ہمارے مقرر کیے ہوئے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا معبود کہہ کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارا کرتے تھے انہیں کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور انہیں کی وجہ سے ہم مارے گئے۔ ورنہ ہم تو بے قصور ہیں۔ شاید یہ کہنا اس غرض سے ہوگا کہ اس بہانہ سے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے یا عذاب تقسیم ہو جائے۔ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اپنی خفت اور ندامت دور کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو وہ شرکاء ڈر جائیں گے کہ ہم سے باز پرس نہ ہونے لگے۔ اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کی غرض سے بات انہیں کی طرف ڈال دیں گے اور فوراً ان کے جواب میں کہیں گے بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور تمہارا ہم پر گناہ کا حوالہ کرنا اور اپنے جرم کا ہم کو سبب قرار دینا سب جھوٹ ہے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ ہم خدا کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں تم ہماری پرستش

کر و تم ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر آپ کو پجواتا ہے اسی سے ان کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔''

غرض یہ کہ معبود، عابدوں کی تکذیب کریں گے اور اپنی براءت اور بے تعلقی کا اظہار کریں گے تا کہ ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے۔ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام اور شیاطین جن کو مشرکین نے معبود بنایا ہوا تھا۔ وہ ان کی تکذیب کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور بت اگرچہ دنیا میں نہیں بول سکتے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کر دے گا تا کہ کفار اور مشرکین پشیمان ہوں کہ ہمارے معبود خود ہم کو جھوٹا بتلا رہے ہیں اور جب پیغمبروں اور فرشتوں کی تکذیب سے یہ بدنصیب ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اور ان پر اللہ کا الزام قائم ہو جائے گا تو دوسری فکر کریں گے اور وہ یہ کہ اللہ کی طرف اطاعت اور فرمانبرداری کو ڈالیں گے یعنی جب اپنے معبودوں کی شفاعت سے نا اُمید ہو جائیں گے تو اپنے گناہ کا اقرار کر کے حکم الٰہی کے سامنے گردن ڈال دیں گے مگر اس وقت کی اطاعت اور انقیاد کچھ نفع نہ دے گی۔

ع چوں کار ز دست رفت فریاد چہ سود

اور ان کی ساری افتراء پردازی جاتی رہے گی۔ یعنی دنیا میں جو افتراء کرتے تھے کہ بت ہماری شفاعت اور دستگیری کریں گے۔ وہ سب بیکار ثابت ہوگا بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی تکذیب کریں گے۔ اور کہیں گیکہ یہ سب جھوٹے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں یہ تو کمبخت خود ہی کافر ہوئے اور دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے باز رکھا ہم ان پر عنقریب عذاب زیادہ کریں گے ایک عذاب تو ان کے ذاتی کفر کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا عذاب بمقابلہ ان کے فساد کے ہوگا کہ دوسروں کو اسلام لانے سے روکتے تھے خود بھی طریقِ حق کو اختیار نہ کیا اور دوسروں کو بھی اس راہ پر چلنے سے روکا اس لیے دوہرے عذاب کے مستحق ہوئے کفر کرنا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اور مسلمان کو ستانا اور اس کی تحقیر کرنا اور احکام شریعت کے اجراء و تنفیذ میں مزاحمت کرنا یہی سب سے بڑا فساد ہے کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں غرض یہ کہ ہر نبی اپنی امت کے اعمال اور احوال پر گواہ ہوں گے۔

اب آئندہ آیت میں مضمون ہٰذا کی تاکید ہے۔ البتہ اتنی بات زیادہ ہے کہ آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہر امت میں سے ان پر ایک گواہ کھڑا کریں گے یعنی اس امت کا پیغمبر جو ان پر گواہی دے گا اور وہ گواہ ان ہی میں سے ہوگا یعنی انہی کی قوم میں سے ہوگا تا کہ ان پر حجت پوری ہو جائے اور عذر و معذرت کی گنجائش نہ رہے اس دن کافروں کی مٹی بہت خراب ہوگی۔ اور ہم لائیں گے تجھ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر یعنی تیری امت پر گواہ کہ تو مومنوں کے ایمان کی اور کافروں کے کفر کی گواہی دے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ سے انبیاء سابقین علیہم السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی اور یہ کہیں گی کہ ہم کو اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ تمام احکام کو صاف صاف اور اچھی طرح پہنچا دیا۔ اور یہ کفار اور منکرین جھوٹے ہیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بلکہ افضلیت اور کافروں کی فضیحت ظاہر ہوگی بہر حال یہ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام اور امم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و افضلیت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی سیادت و افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب یعنی قرآن اتارا جس میں دنیا و دین کی سب چیزوں کا بیان ہے یعنی تمام علوم و ہدایت اور اصولِ دین اس جامع کتاب میں صراحۃً یا اشارۃً اور کنایۃً یا بطور حوالہ اس میں موجود ہیں بعض چیزیں صراحۃً قرآن کریم میں مذکور ہیں اور بعض چیزیں قرآن کریم میں اجمالاً اور اشارۃً مذکور ہیں لیکن ان کی تفصیل و تشریح کو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے حوالہ کیا ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾ (الحشر: ۷) اور حکم دیا کہ ہمارے نبی کا اتباع کرو ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ (النجم) ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اگر سنتِ نبوی ﷺ میں کوئی اشتباہ پیش آئے تو علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا جس چیز پر اجماع اور اتفاق ہو جائے اس کا اتباع کرو جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ﴿ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ میں سبیل المومنین سے اہل علم کا اجماع اور اتفاق مراد ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان امور میں جن کا حکم صراحۃً کتاب و سنت میں نہ پایا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ اسی طرح سے اجماع اور قیاس بھی علوم قرآنیہ سے ہوگا جس طرح حدیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی تفسیر ہے اس کا غیر نہیں اسی طرح اجماع صحابہ اور قیاس صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث نبوی ﷺ کی شرح اور اس کی توضیح ہے اور تلویح ہے اس کا غیر نہیں اس طرح سے تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے اور یہ جامع کتاب یعنی قرآن خدا کے فرمانبردار بندوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور بشارت ہے۔ یعنی یہ کتاب مستطاب سارے عالم کے لیے مشعل ہدایت ہے راہ حق دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لیے باران رحمت اور جنت کی بشارت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو اور دینے کو ناتے والے کو، اور منع کرتا ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰ وَ

بے حیائی کو اور نامعقول کام کو اور سرکشی کو تم کو سمجھاتا ہے شاید تم یاد رکھو۔ اور

اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ

پورا کرو اقرار اللہ کا جب آپس میں اقرار دو، اور نہ توڑو قسمیں

تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

پکی کیے پیچھے اور کر کر اللہ کو اپنا ضامن۔ اللہ جانتا ہے جو

تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ

کرتے ہو۔ اور نہ ہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اپنا سوت کاتا محنت کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے۔

تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى

کہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں پیٹھنے کا بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو کہ زیادہ چڑھ

مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

رہا دوسرے سے، تو یہ اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے۔ اور آگے کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن

مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

جس بات میں تم پھوٹ رہے تھے۔ اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کرتا،

وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا

لیکن بہکاتا ہے جس کو چاہے اور سوجھاتا ہے جس کو چاہے اور تم سے پوچھ ہونی ہے جو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ

کام تم کرتے تھے۔ اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں رکنے کا بہانہ ایک دوسرے سے کہ ڈگ نہ جائے

قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ

کسی کا پاؤں جمے پیچھے اور تم چکھو سزا اس پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا

سے۔ اور تم کو بڑی مار ہو، اور نہ لو اللہ کے اقرار پر مول

قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا

تھوڑا۔ بے شک جو اللہ کے ہاں ہے وہی بہتر ہے تم کو اگر تم جانتے ہو۔ جو

عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْۤا

تم پاس ہے نبڑ جائے گا اور جو اللہ پاس ہے سو رہتا ہے، اور ہم بدلے میں دیں گے ٹھہرنے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

والوں کا حق، بہتر کاموں پر جو کرتے تھے۔ جس نے کیا نیک کام،

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

مرد ہو یا عورت اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلاویں گے اچھی زندگی اور بدلے میں دیں گے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ

ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے۔ سو جب تو پڑھنے لگے قرآن، تو پناہ لے

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ

اللہ کی شیطان مردود سے۔ اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو

اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

یقین رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور انہی پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں،

۱۳ ع ۱۱ ۱۹ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

اور جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال وآداب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ . . . الٰى . . . وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن ہر شے کا بیان ہے اور وہ ایک جامع کتاب ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور اہل ایمان کے لیے بشارت ہے اب ان آیات میں بتلاتے ہیں کہ یہ قرآن جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے وہ تمام مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور اعمال خیر کا حکم دیتا ہے اور تمام برائیوں اور بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے منع کرتا ہے اور قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کی اصلاح کرتا ہے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالو اور نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ قسم کھا کر توڑو اور نہ خدا سے بدعہدی کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ دنیا دار فانی ہے اور قیامت آنے والی ہے۔ جس دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا ایسی کتاب کے کتاب ہدایت اور کتاب رحمت اور کتاب بشارت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور ایسی کتاب کی جامعیت اور کاملیت میں کیا تردد ہو سکتا ہے گویا کہ گزشتہ آیت ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ . . . الخ﴾ کی دلیل اور برہان ہے اور چونکہ یہ آیت اجمالاً تمام عقائد حقہ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے حکم پر اور تمام فواحش

اور منکرات اور اعمال بد کی ممانعت پر مشتمل ہے تو عجب نہیں کہ شاید اسی جامعیت کے لحاظ سے خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ جمعہ کے اخیر میں اس کو درج کرنے کا حکم دیا کہ اس میں تمام اچھی باتوں کا حکم اور تمام بری باتوں سے ممانعت کا حکم اجمالاً مذکور ہے۔ لہٰذا ایسی کتاب مستطاب پر دوڑ کر ایمان لانا چاہیے۔ بعد ازاں یہ بتلایا کہ ہدایت اور ضلالت سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور اخیر میں یہ بتلایا کہ شیطان کے پنجہ سے رہائی کا طریقہ یہ ہے کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

تحقیق اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب (قرآن) میں جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور جس میں ہر شئے کا بیان ہے اور جو مسلمانوں کے لیے خاص طور پر ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے خاص طور پر تم کو تین باتوں کا حکم دیتا ہے اول عدل اور انصاف کا یعنی بلا کم وبیش سب کے حقوق ادا کرو اور سب چیزوں میں خواہ وہ اعتقاد سے متعلق ہوں اعتدال اور توسط اور میانہ روی کو ملحوظ رکھو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان چلو۔ ترازو کا کوئی پلہ اِدھر اُدھر جھکنے نہ پائے اور نہ اٹھنے پائے ''عدل'' کے معنی لغت میں توسط کے ہیں یعنی دونوں جانبیں برابر رہیں نہ حد سے بڑھے اور نہ گھٹے اور آیت میں عدل سے اعتدال کے معنی مراد ہیں یعنی اعتقاد اور اقوال اور افعال سب میں درجۂ اعتدال پر قائم رہو یعنی ہر ایک چیز کو اس کی حد پر رکھو اور اس سے تجاوز نہ کرو توحید عدل ہے اور شرک ظلم ہے عبادت خالق کا حق ہے نہ کہ مخلوق کا کسی کا حق ادا کرنا یہ عدل ہے اور کسی کا حق دوسرے کو دے دینا یہ ظلم ہے۔

اور دوم یہ کہ اللہ حکم دیتا ہے تم کو احسان اور بھلائی کا یعنی بذات خود لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو مطلب یہ ہے کہ غیر کے مقدمہ میں عدل وانصاف یعنی برابری چاہے اور اپنی طرف سے احسان اور بھلائی چاہے۔ مقامِ احسان، مقامِ عدل سے ذرا بلند ہے۔ عدل فرض ہے اور احسان نفل ہے کیونکہ ''احسان'' ایسے ثواب کو کہتے ہیں جو واجب نہ ہو جیسے صدقۂ نافلہ، مقدار واجب پر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے زیادتی کا نام احسان ہے اور عبادت میں احسان یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرے۔ گویا کہ خدا دیکھ رہا ہے اس طرح کی عبادت اپنی ساتھ بھلائی اور نیکوئی ہے۔ اور معاملات میں احسان یہ ہے کہ اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرے اور دوسرے کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچاوے۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے خویش واقارب کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا کیونکہ اقارب کا حق اجانب سے زائد ہے۔ عدل وانصاف تو دوست دشمن سب کے لیے برابر اور یکساں ہے اور احسان اور مروت میں بسا اوقات خصوصیت اور رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے یہ صلہ رحمی اگرچہ عدل میں یا احسان میں داخل ہے لیکن صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ایک مستقل نیکی اور بھلائی ہے اور عظیم احسان ہے اس خصوصیت کے ساتھ ﴿وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث صلہ رحمی سے بھرے پڑے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ لفظ رحم بمعنی قرابت اللہ کے نام پاک رحمٰن سے مشتق ہے۔ جو رحم (قرابت) کو وصل کرے یعنی ملا دے اللہ اس کو ملا وے اور جو رحم یعنی قرابت کو قطع کرے اللہ اس کو اپنی رحمت سے منقطع کرے یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں قریبی حاجت مند رشتہ دار کا نان ونفقہ واجب ہو جاتا ہے اور بعض صلہ رحمی مستحب ہے جیسے رشتہ دار کو ہدیہ اور تحفہ دینا تاکہ باہمی محبت اور الفت قائم رہے۔ بہرحال صلہ رحمی احسان کا فرد اکمل ہے اس لیے خاص طور پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرابت داروں کی روپیہ پیسہ سے مدد کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا عظیم عبادت ہے جس میں یہ تین صفتیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی جمع ہو گئیں اس کی قوتِ عقلیہ اور ملکیہ مکمل اور

مہذب ہوگئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب ہدایت اور شریعت نازل کی اس میں خاص طور پر تین حکم دیئے ایک عدل و انصاف کا۔ دوم احسان اور مروت کا۔ سوم صلح رحمی کا' اب آگے ان چیزوں کو بیان کرتے ہیں جن کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ بھی تین چیزیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تین چیزوں سے:

① بے حیائی سے یعنی ان برے کاموں سے جو شہوانی اور نفسانی قوت کے اشارہ پر کیے جائیں جیسے زنا اور لواطت وغیرہ وغیرہ۔

② اور دوم منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کام سے جو نامعقول اور ناپسندیدہ ہو جس کے کرنے والے کو لوگ بُرا کہیں۔ ''منکر'' کے معنی نامعقول اور ناپسندیدہ کے ہیں منکر سے وہ امور مراد ہیں جو شریعت کے نزدیک نامعقول اور ناپسندیدہ ہوں اور قوت غضبیہ اور سبعیہ کے اشارہ سے سرزد ہو رہے ہوں جیسے کسی کو قتل کر دینا یا کسی کا مال غصب کر لینا' قوت غضبیہ اور سبعیہ ہی انسان کو ایذا رسانی پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک ''منکر'' یعنی ناپسندیدہ ہے۔

③ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ظلم اور تعدی سے یعنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر غلبہ اور فوقیت کا خواہاں ہونا جسے تکبر اور تجبر کہتے ہیں۔ انسان میں جو قوت شیطانیہ اور قوت وہمیہ کا مادہ موجود ہے اس سے ظلم و تعدی اور سرکشی نمودار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تنبیہ فرمادی کہ ان تینوں قوتوں کو یعنی قوت شہویہ قوت غضبیہ اور قوت شیطانیہ کو قابو میں رکھو اور قوت عقلیہ کو ان پر حاکم بناؤ تو تمہاری دنیا اور دین سب درست ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان اوامر و نواہی کے ذریعے تم کو نصیحت کرتا ہے اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔

اوّل کی تین باتیں ہر خیر کی اصل ہیں۔ کسی عارف کا قول ہے کہ ملک اور سلطنت کی بقاء اور استقامت کا دارومدار انہی چھ چیزوں پر ہے عدل کا ثمرہ فتح و نصرت اور احسان کا نتیجہ حسن ثناء اور نیک نامی ہے اور صلہ رحمی کا فائدہ انس اور الفت ہے اور فحشاء کا نتیجہ دین اور دنیا کی تباہی اور بربادی ہے اور منکر (نامعقول اور ناپسندیدہ) امور کا ثمرہ دشمنوں کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنا ہے اور بغی (یعنی ظلم اور زیادتی) کا نتیجہ مقاصد سے محرومی ہے۔

نکتہ: اور اخیر کی تین چیزیں اول کی تین چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ فحشاء عدل کے مقابلہ میں ہے اور منکر احسان کے مقابلہ میں ہے اور بغی ظلم اور زیادتی ﴿اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ کے مقابلہ میں ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت یہ ہے جو سورۂ نحل میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ... الخ﴾ اخرجه البخاري في الادب والبيهقي في شعب الايمان والحاكم وصححه. (روح المعانی ص ۲۰۰ جلد ۱۴)

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ اعظم اور بزرگ ترین آیت' آیت الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ اور خیر و شر کے بارہ میں سب سے زیادہ جامع آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ... الخ﴾ اور دربارۂ تفویض و تسلیم یعنی سب کاموں کو اللہ کو سونپ دینے اور اس پر بھروسہ کرنے کے بارہ میں سب سے بڑھ کر یہ آیت ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ... الخ﴾ (طلاق: ۲، ۳) اور گنہگاروں کے لیے سب سے زیادہ امید دلانے والی یہ آیت ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ... الخ﴾ (الزمر: ۵۳)

عثمان بن مظعون اور اکثم بن صیفی رضی اللہ عنہ وغیرہ اسی آیت کو سن کر مشرف باسلام ہوئے کہ یہ آیت اعلیٰ ترین مکارم اخلاق کا حکم دیتی ہے اور تمام بے حیائیوں اور برائیوں سے منع کرتی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو اُمیہ اپنے خطبوں کے اخیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غیر مناسب الفاظ سے ذکر کرتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رجب ۹۹ ہجری میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ خطبے کے اخیر میں یہ آیت پڑھی جائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ... الخ﴾ اور سب سے پہلے خود عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو خطبہ میں پڑھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ آج بھی یہ سنتِ حسنہ جاری ہے۔

اور سب سے پہلے خطبہ میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ... الخ﴾ (الاحزاب:۵۶) خلیفہ مہدی عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا۔ بحمد اللہ آج تک اس سنت پر بھی عمل جاری ہے۔ (روح البیان ص ۷۳ ج ۵، روح المعانی ص ۲۴۰ ج ۱۴)

ایفائے عہد کی تاکید اور غدر اور بدعہدی سے ممانعت اور تہدید

گزشتہ آیت میں اجمالی طور پر مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر تھا۔ اب ان میں سے بعض اہم اُمور کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں یعنی عہد کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں جس پر تمام دینی اور دنیوی کاموں کا دارومدار ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں عدل وانصاف کا حکم تھا جس میں ایفائے عہد بھی داخل تھا اور غدر اور بدعہدی مُنکَر اور بغی میں داخل تھی۔

اب آگے خاص طور پر ایفائے عہد کی تاکید اور غدر اور بدعہدی کی ممانعت کا ذکر فرماتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر ان چیزوں کا اہتمام نہ تھا اور عہد وپیمان کی کوئی پرواہ نہ تھی جدھر قوت وکثرت دیکھی ادھر جھک گئے اور کمزور جماعت کے عہد وپیمان کو پس پشت ڈال دیا جیسا کہ آج کل مغربی اقوام کا شیوہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور تم پورا کرو اللہ کے عہد کو جب عہد کرلو۔ سب سے پہلا عہد جو بندوں نے خدا کے ساتھ کیا وہ عہدِ اَلست ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر عہد ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے وہ سب اس حکم میں داخل ہیں اور ان کا ایفاء واجب اور لازم ہے اور مت توڑو قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اللہ کا نام لینے سے قسم پختہ ہوجاتی ہے اور حالانکہ تم عہد کرتے وقت اور قسم کھاتے وقت اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو اس کے بعد اگر تم نے عہد شکنی کی اور قسم کو توڑا تو معلوم ہوا کہ تمہیں اللہ کی پرواہ نہیں تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو قیامت کے دن تمہارے ایفاء اور عہد شکنی کی جزاء وسزا دے گا۔ اور عہد شکنی کرکے تم اس عورت کی مانند نہ بنو۔ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد توڑ ڈالا اور بوٹی بوٹی کرکے اس نے نوچ ڈالا۔ قریش میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ بڑی بے وقوف اور احمق تھی۔ صبح سے لے کر دوپہر تک خود بھی سوت کاتتی اور اپنی لڑکیوں سے بھی کتواتی۔ جب دوپہر ہوجاتی تو وہ عورت ان کو حکم دیتی کہ جس قدر سوت تم نے کاتا ہے سب توڑ ڈالو۔ ہمیشہ ہی اس کی عادت تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ محض تمثیل ہے کسی عورت کی طرف اشارہ نہیں اس سے فقط مثال دینا مقصود ہے کہ عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے سوت کات کر اس کو توڑ ڈالنا۔ حق تعالیٰ نے عہد کے توڑنے کو دھاگا توڑنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جس طرح وہ احمق عورت اپنے دھاگے کو توڑ دیتی تھی تم اس

کی طرح اپنے عہد کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو [1] کیا تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ اور فریب اور دغل کا ذریعہ اور بہانہ بنانا چاہتے ہو کہ تمہاری قسم سے مطمئن ہو کر دوسرا دھوکہ کھا جائے اور تمہارا یہ قسم توڑنا محض اس بنا پر ہے کہ ایک گروہ مال و دولت اور عددی کثرت میں دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے عرب کے لوگ ایک قوم کے ساتھ عہد کر لیتے اور وہ قوم ان کی طرف سے اطمینان کر لیتی۔ پھر جب دوسری قوم کو ان سے مال و دولت اور قوت اور عددی کثرت میں زیادہ دیکھتے تو ان سے عہد کر لیتے اور کمزور قوم کا عہد توڑ دیتے اور حیلے اور بہانے بنا کر ان سے عذر کر دیتے جیسے آج کل مغربی اقوام کا یہی شیوہ بنا ہوا ہے خدا تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور وفاء عہد کا حکم دیا۔

جز این نیست کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس حکم سے آزماتا ہے کہ دیکھیں عہد پورا کرتے ہیں یا جس کا پلہ قوت اور کثرت میں جھکا ہوا دیکھا ادھر جھک جاتے ہیں اور بے شک اللہ قیامت کے دن اس چیز کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے تم نے عہد توڑتے وقت یہ خیال کیا کہ جو جماعت زبردست اور کثیر التعداد ہے اس کے ساتھ ملنے میں عزت ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ عزت نہیں بلکہ ذلت ہے اور دنیا و آخرت میں فضیحت اور رسوائی کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہاری اس عہد شکنی کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ اور سب کے سامنے تم کو فضیحت کرے گا اور یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے اس لیے اس نے تم کو دنیا میں مختلف بنایا ہے کہ تمہارا امتحان کرے اگر وہ چاہتا کہ تم کو ابتلاء اور آزمائش میں نہ ڈالے تو البتہ وہ کر دیتا تم سب کو ایک گروہ کہ سب اسلام پر متفق ہوتے ولیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ باہم رہیں اور ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے رہیں وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ظالم بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور دنیا میں اس کو مظلوم بنا دیتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں بعض مومن اور اکثر کافر ہیں اور دونوں امتحان کے میدان میں ہیں۔

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ۝۱۱۸ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ﴾ (ھود) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس باہمی اختلاف اور باہمی عداوت کے لیے سب کو پیدا کیا مگر جن پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہوا انہوں نے حق سے اختلاف نہیں کیا اور نہ اہل حق کے دشمن بنے۔ بہر حال اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اس کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ لوگ اس دار ابتلاء (دنیا) میں باہم مختلف رہیں کوئی ہادی اور مہتدی ہو اور کوئی ضال اور مضل ہو کوئی ظالم ہو اور کوئی مظلوم ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کی علت اور حکمت پوچھ سکے وہ مالک مطلق ہے اس سے کوئی سوال اور باز پرس نہیں ہو سکتی۔ البتہ تم اس کے بندے ہو۔ اس لیے قیامت کے دن تم سے ضرور ان باتوں کی باز پرس ہوگی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر اس محاسبہ اور مواخذہ کے بعد تم میں سے نیکوکار کو جزاء ملے گی اور گنہگار کو سزا ملے گی اور قیامت کے دن جن چیزوں پر باز پرس ہوگی اس میں تمہارا نقض عہد بھی ہوگا اور عہد شکنی پر خاص طور پر

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ﴾ جملہ مستانفہ ہے اور حرف استفہام مقدر ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: فقولہ تعالیٰ: ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ﴾ استفہام علی سبیل الانکار۔ والمعنی ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ﴾ بسبب ان تکون امۃ ازید فی القوۃ والکثرۃ من امۃ الاخریٰ۔ (تفسیر کبیر ص ۳۵۹ جلد ۵) اور بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ﴾ جملہ حالیہ ہے ﴿لَا تَكُوْنُوْا﴾ کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم عہد توڑ کر اس احمق عورت کے مشابہ نہ بنو۔ درآنحالیکہ تم قسموں کو آپس میں دھوکہ کا ذریعہ بناؤ۔

محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔

اب آگے پھر اپنے عہد پر قائم رہنے کی تاکید اور بدعہدی پر تہدید فرماتے ہیں۔ اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں دغا اور دخل اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایک مثل ہے ایسے شخص کی جو سیدھی راہ پر تھا پھر اس کا قدم ڈگمگا گیا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کو مکروفریب کا ذریعہ بنا کر راہ راست سے نہ ہٹو۔ استقامت کے بعد طریق ہدایت سے ہٹنا بہت برا ہے اور تم چکھو دنیا میں سزا اس بات کی کہ تم نے عہد شکنی کر کے لوگوں کو راہ خدا سے روکا کیونکہ تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی عہد شکنی کریں گے اور غیر مسلم سمجھیں گے کہ جب مسلمان عہد شکن ہیں تو ان کا مذہب بھی عہد شکنی کی تعلیم دیتا ہوگا۔ یا کم از کم ان کے مذہب میں عہد شکنی کی ممانعت نہ ہوگی یہ دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور جس کا اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ بھی ہوگا وہ اسلام میں داخل نہ ہوگا۔ اس طرح تم لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کا ذریعہ بنو گے۔ اور تم کو دنیا میں اس کی برائی چکھنی ہوگی اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا جو دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہوگا اور چونکہ انسان بعض مرتبہ مال ومنال اور جاہ وجلال کو دیکھ کر حرص وطمع میں عہد شکنی کرتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں اس کی ممانعت فرماتے ہیں۔

اور اللہ کے عہد کے عوض میں دنیا کا تھوڑا سا مول نہ لو یعنی دنیوی مال ومنال کے حصول کی غرض سے عہد شکنی نہ کرو اور اللہ کے نزدیک ساری دنیا ہی متاع قلیل ہے بے شک جو اجر وثواب اللہ کے پاس ہے عہد پورا کرنے کے لیے وہ کہیں بہتر ہے اس مال ومتاع سے جو تم کو عہد شکنی پر حاصل ہوا گر ہو تم جانتے۔ خوب سمجھ لو کہ دنیا کا جو عارضی مال ومنال ہے وہ نبڑ جائے گا اور ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو اجر وثواب دار آخرت میں اللہ کے پاس تمہارے لیے ذخیرہ ہے وہ باقی رہے گا اس کے لیے فناء اور زوال نہیں باقی کے بدلہ میں فانی کو اختیار کرنا نادانی ہے مگر باقی کی اُمید پر اس دارِ فانی کے فانی مال ومتاع کو ترک کرنے کے لیے صبر عظیم چاہیے اور یہ خیال نہ کرو کہ اس صبر کا اجر مشکوک اور موہوم ہوگا بلکہ قطعی اور یقینی ہے ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ایفائے عہد اور دیگر احکامِ دین کی بجا آوری میں جو تکلیف اور مصائب پیش آئیں ان پر صبر کیا یعنی باوجود کفار کے جور وستم کے صبر سے کام لیا اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے ہم ضرور ان کو اجر دیں گے اور ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس دیں گے جو ہر حال میں ان کے عمل سے بہتر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے ایسے بہترین عمل یعنی صبر کا اجر دیں گے اور صبر کا اجر بے حساب ہوگا اور صبر کو احسنِ اعمال اس لیے فرمایا کہ تمام اعمالِ صالحہ کی جڑ اور بنیاد صبر ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کو بہترین اعمال کے اعتبار سے اجر وثواب دیں گے یعنی ادنیٰ عمل کے مقابلہ میں وہی اجر وثواب دیں گے جو اعلیٰ اور بہترین عمل کے مقابلہ میں دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال قبول کریں گے اور کمتر کا ثواب بہتر دیں گے۔ (روح المعانی ص ۲۰۵ ج ۱۴)

یہاں تک ایفاء عہد کی تاکید اور نقضِ عہد پر تہدید تھی اب آئندہ آیت میں تمام اعمال صالحہ کے متعلق ایک عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں جس نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو اس لیے کہ بغیر ایمان کے اعمالِ صالحہ مقبول نہیں تو ہم ایسے شخص کو دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یعنی اس کو حلال روزی اور قناعت اور بھلائی کی توفیق دیں گے یہ پاکیزہ زندگی ہے جو شخص کفاف یعنی بقدر کفایت رزق پر قناعت کرے اور حرص وطمع میں نہ پڑے اس کی زندگی پاکیزہ ہے اور جو حرص وطمع میں پڑا اس کی زندگی بڑی گندی ہے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہترین ثواب دیں گے جو ان کے اعمال سے کہیں بہتر اور برتر ہوگا حیات طیبہ سے سکون

اور اطمینان کی زندگی مراد ہے اور یہ زندگی مطیعین اور صالحین کو حاصل ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو مصائب اور تکالیف ضرور پیش آتی ہیں رنج و غم بھی لاحق ہوتا ہے لیکن پریشانی نہیں ہوتی۔ جو حیات طیبہ کے منافی ہو۔ ''ہر چہ از دوست می رسد نیکو است بلکہ ایلام دوست بہ از انعام دوست'' کا مضمون ہوتا ہے۔ مصائب پیش نہ آئیں تو صبر کی فضیلت کہاں سے حاصل ہو دوا اگر تلخ بھی ہو تو بہزار رضا و رغبت اس کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ نظر اس کے فوائد اور منافع پر ہوتی ہے۔ بہر حال ایمان اور عمل صالح سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت اور قناعت اور رضا و تسلیم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایسی راحت بخش اور پر لطف و پر سکون زندگی گزرتی ہے جہاں فقیری اور درویشی میں امیری بھی ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے دوا اگر چہ طبعاً تلخ ہوتی ہے مگر عقلاً شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے کیونکہ عقل کی نظر دوا کے فوائد پر ہوتی ہے اسی طرح مصائب و آلام میں صاحب بصیرت کی نظر مصائب کے اجر اور ثمر پر ہوتی ہے کہ ان مصائب کا ثمرہ رضاء خداوندی اور تکفیر سیئات اور رفع درجات ہے ایسی حالت میں رنج و غم مسرت اور فرحت سے بدل جاتا ہے۔ دُنیاوی زندگی میں اگر چہ راحت اور آرام کے کتنے ہی سامان کیوں نہ ہوں مگر تفکرات اور ترددات بھی ساتھ لگے ہوتے ہیں اور بقدر کفایت حلال روزی اور قناعت اور رضا بالقضاء اللہ کی عجیب نعمت ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا کی ہے وہ تنگ دستی اور قلت معیشت کے حالات میں بھی پریشان نہیں ہوتے ان کے دل حرص و حسد اور طمع اور غرض سے پاک و صاف ہوتے ہیں ان کے اخلاق و عادات ایسے شائستہ ہوتے ہیں کہ ہر شخص ان سے محبت کرنے لگتا ہے کوئی ان کا دشمن نہیں ہوتا ایسی زندگی پاکیزہ ہوتی ہے۔

خوش آنانیکہ از غم رستگارند — بہ کنج بے خودی بنشستگانند
چو شب خسپند بے کین و ستیزند — سحر ز آنان کہ می خسپند و خیزند
نہ زیشاں بر دل مردم غبارے — نہ از مردم بریشاں ہیچ بارے

تعلیم طریقۂ حفاظت از شر شیطانی

اُوپر کی آیت میں نیک کام کرنے والوں کی بشارت کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ عمل صالح کی صلاح اور درستی اس پر موقوف ہے کہ وہ شیطان کے وسوسے سے محفوظ رہے اس لیے آئندہ آیت میں وہ تعلیم فرماتے ہیں جس سے اعمال وساوس شیطانی سے محفوظ رہیں اور وہ تعوذ ہے یعنی اللہ سے پناہ مانگنا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں عمل صالح کا ذکر تھا اور قرآن کی تلاوت بہترین عمل صالح ہے اور قرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے اس لیے آیت آئندہ میں قراءت قرآن کا ادب بیان فرماتے ہیں۔ پس اے بندہ اگر تو اعمالِ صالحہ میں سے قراءت قرآن جیسے عمل صالح کا ارادہ کرے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈ ھ راندے ہوئے شیطان سے کیونکہ استعاذہ بھی عمل صالح ہے جو شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے تحقیق شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے اشاروں پر چلتے ہیں جس طرح چاہتا ہے شیطان ان کو انگلیوں پر نچاتا ہے اور اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ اگر چہ اہل ایمان بھی شیطان کے بہکانے سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر اہل ایمان شیطان کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جب شیطان ان کو بہکاتا ہے تو حتی الوسع اس کا مقابلہ

کرتے ہیں اور اگر کسی وقت پٹخنی کھا جاتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور توبہ واستغفار کرنے لگتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:۲۰۲)

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے زور کے معنی یہ ہیں کہ بے دھڑک گناہ کرتے ہیں اور شرماتے نہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری، اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں

اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

تُو تو بنا لاتا ہے یوں نہیں، پر ان بہتوں کو خبر نہیں۔ تُو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۰۲

تیرے رب کی طرف سے تحقیق تا ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری مسلمانوں کو۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ

اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے آدمی۔ جس پر

يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۳ اِنَّ

تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے اوپری، اور یہ زبان عربی صاف۔ کہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جن کو اللہ کی باتیں یقین نہیں آتیں، ان کو اللہ راہ نہیں دیتا، اور ان کو دکھ کی مار

اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ

ہے۔ جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۵

وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

منکرین نبوت کے چند شبہات اوران کے جوابات

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :﴿ وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ . . . الٰی . . . وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ﴾

ربط: اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کرکے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اصول دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہوجاتا تو کفار کہتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کردیتے ہیں۔ ﴿ وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ﴾ میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلادیا کہ نسخ احکام کے مصالح کو ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ انبیاء سابقین علیہم السلام اور اُمم سابقہ کے حالات کسی سے سن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سنی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کردیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ﴾

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ ﷺ کسی سے سن کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاؤ کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ ﷺ نے کیسے بنالی جس کے معارضہ اور مقابلہ سے تمام بلغاء عرب عاجز و درماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ کو سکھائی ہے وہ غلام تو عجمی ہے۔ عربی زبان میں بات بھی نہیں کرسکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے تو تم بھی اس عجمی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت بنوالاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کرکے دوسری آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ بس تو تو مفتری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنی ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب کردیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کردے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو خوب سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے اس کی مثال طبیب کا نسخہ بدلنے کی ہے طبیب کا نسخہ نہ پہلا غلط ہے نہ پچھلا۔ طبیب مرض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے۔ پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تو مفتری نہیں بلکہ ان میں کے اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ یہ میرا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امین علیہ السلام تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مرتبۂ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن کرتا ہے پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر ثابت قدم رکھے اور ان کی نورانیت اور قوت اور سکینت اور طمانینت میں زیادتی کرے تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے خبردار ہے۔ اور اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشارت بنے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت و تاریکی میں

ان کی راہ نمائی کرے اور راہ حق ان کو سمجھاوے اور بتلادے۔ اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین، مومنین، مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔

مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجمی تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو قرآن بلعام سکھاتا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کا یہ جواب دیا کہ زبان اس شخص کی جس کی طرف وہ قرآن کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور درماندہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر بھی قادر نہ ہو وہ دوسرے کو ایسا فصیح و بلیغ کلام کیونکر سکھا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہ تعلیم بشری ہے اور نہ خود آپ ﷺ کا ساختہ اور پرداختہ ہے بلکہ وحی ربانی اور تنزیل سبحانی ہے ایسے علوم و معارف اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور ایسی فصاحت و بلاغت ایک عجمی لوہار کے پاس کہاں سے آئی بفرض محال اگر یہ فضل و کمال کسی لوہار کے پاس ہوتا تو دنیا اس کے قدموں میں گرتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی نام بھی نہ لیتا بہرحال ایسی مہمل بات سوائے کور باطن کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ عقلاً یہ بات ناممکن ہے کہ ایسا فاضل معلم جس نے آپ ﷺ کو ایسے عجیب و غریب علوم کی تعلیم دی کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہو حتیٰ کہ مکہ کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوں اگر آپ ﷺ نے کسی معلم سے تعلیم پائی ہوتی تو کم از کم حضور پرنور ﷺ کے برابر تو تاریخ میں اس کا نام و نشان ملتا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور باوجود دلائل اعجاز کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ ان کو دُنیا میں راہ راست نہیں دکھلاتا اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور معاذ اللہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو مفتری بتلاتے ہیں آپ ﷺ مفتری نہیں مفتری اور جھوٹ بنانے والے وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اور حقیقت میں ایسے ہی لوگ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں: ﴿ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ﴾ اور دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے نہیں جھجکتے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ

جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی اور اس کا دل برقرار رہے

بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا، سو ان پر غضب ہے

مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ
اللہ کا، اور ان کو بڑی مار ہے۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھی زندگی

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ
دُنیا کی آخرت سے، اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو۔ وہی

الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ
ہیں کہ مہر کردی اللہ نے ان کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر۔ اور وہی ہیں

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ
بے ہوش۔ آپ ہی ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں۔ پھر یوں ہے،

اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا ۙ
کہ تیرا رب، ان لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ بچلائے (آزمائے) گئے پھر لڑتے رہے اور ٹھہرے رہے،

ع ۱۴/۲۰ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع
کہ تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم مرتد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ... الی ... لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ان مجرمین کا ذکر تھا جو شواہد نبوت اور دلائل رسالت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر مجرم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات اور نفسانی وساوس سے متاثر ہو کر حق سے منحرف اور برگشتہ ہو جائیں۔ یعنی ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں۔ ان آیات میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے کہ جو بحالت مجبوری اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر محض زبان سے بول دے اور دل اس کا ایمان پر قائم اور مستحکم ہو تو ایسا شخص گنہگار نہ ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے کچھ واقعات منقول ہیں۔ بعض نے تو جان جانی گوارا کی مگر کلمۂ کفر زبان سے نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا اور بعض نے رخصت پر عمل کیا کہ زبان سے تو کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر ثابت قدم رہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی فضیلت بیان کی جنہوں نے کفار کی ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ اور ایمان پر قائم رہے اور اپنے

گھروں کو اللہ کے لیے چھوڑ دیا۔ دنیا پر لات ماری اور آخرت کی راہ لی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے اور کافروں کے مغالطہ دینے سے کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ کسی بشر کی تعلیم ہے یا خود اس کا ساختہ پرداختہ کلام ہے۔ کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہے مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس نے بحالت مجبوری محض زبان سے لفظوں میں کافروں کی موافقت کر لی اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہے دل کے اندر کوئی تزلزل اور تذبذب نہیں تو ایسے شخص پر مواخذہ نہیں ولیکن جس نے دل کھول کر کفر کیا اور دل سے اس پر راضی ہو گیا تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے یہ بڑا عذاب اور غضب اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو عزیز اور محبوب رکھا اور بسبب اس بات کے اللہ ایسے کفار کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ جو دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ ارتداد اور کفر پر اقدام اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور کفر سے ان کو نہیں بچایا چونکہ یہ لوگ دیدہ ودانستہ اُلٹی راہ پر چلے اس لیے خدا نے ان کو اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم کر دیا بلکہ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دی کہ نہ حق کو سمجھ سکیں اور نہ سن سکیں اور نہ دیکھ سکیں ان کے عناد اور سرکشی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو حق سے اندھا اور بہرہ اور احمق بنا دیا اور خدا تعالیٰ تو مالک مطلق ہے بے وجہ بھی جس کو چاہے اندھا اور بہرہ بنائے اور یہ لوگ تو حق سے بالکل ہی غافل ہیں ان کی غفلت تو انتہا کو پہنچ چکی ہے آخرت کی غفلت سے بڑھ کر کوئی غفلت نہیں۔ لامحالہ یہ لوگ آخرت میں بڑے خسارہ والے ہیں اس لیے کہ عمر عزیز کا سارا سرمایہ دُنیا کے بازار میں لٹا دیا اور آخرت کے بازار میں مفلس اور قلاش اور خالی ہاتھ پہنچے اب سوائے حسرت کے کیا ہاتھ آئے گا۔

قیامت کہ بازار مینو نہند — منازل باعمال نیکو دہند
بضاعت بچند آنکہ آری بری — وگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چند آنکہ آگندہ تر — تہیدست رادل پراگندہ تر
کسے را کہ حسن عمل بیش تر — بدرگاہ حق منزلت پیش تر

(از شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

حق تعالیٰ نے ان آیات میں کافروں کے چھ وصف بیان کیے:

اول: وہ غضب الٰہی کے مستحق ہوئے۔

دوم: عذاب عظیم کے مستحق ہوئے۔

سوم: حیات دنیاوی کو اخروی حیات کے مقابلہ میں عزیز اور محبوب رکھا۔

چہارم: حرمان از ہدایت خداوندی۔

پنجم: دل اور آنکھ اور کان پر مہر لگنا۔

ششم: غفلت میں انتہا درجہ کو پہنچ جانا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک کلہ.

یہ تو ان غافلین کا حال اور مآل ہوا پھر ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو بجائے غضب اور عقوبت کے رضاء اور رحمت کے مورد بنے وہ مہاجرین اولین کا گروہ ہے ان کی بابت ارشاد ہے۔ بے شک تیرا پروردگار ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے کافروں کی

ایذاء رسانی اور ستم رانی کے بعد ہجرت کی اور پھر کافروں سے جہاد بھی کیا یعنی فقط ترک وطن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو اور اس راہ میں جو بھی مصائب پیش آئے ان پر صبر کیا اور ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم رہے پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا تو بے شک آپ کا پروردگار ایسے اعمالِ فاضلہ ہجرت اور جہاد اور صبر کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے ایسے لوگوں کی مغفرت اور رحمت میں کوئی شبہ نہیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
جس دن آوے گا ہر جی، جواب سوال کرتا اپنی طرف سے، اور پورا ملے گا ہر کو جو اس نے
عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾
کمایا، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

ذکر جزائے آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا... اِلٰى... وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے لیے وعدہ اور اہل کفر کے لیے وعید کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں اس وعدہ اور وعید کے ظہور کا وقت بیان کرتے ہیں اصل عذاب اور ثواب تو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے مگر اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ یعنی جس دن کہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہر ایک اپنی اپنی فکر میں ہوگا اور ہر نفس اپنی طرف سے مجادلہ کرے گا اور خویش و اقارب کو بھی بھول جائے گا۔ اور اپنی رہائی کے لیے جھوٹے سچے عذر کرے گا لیکن اس کی حجت اور ساری عذر معذرت بے سود ہوگی۔ اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ ثواب میں کمی ہوگی نہ عذاب میں زیادتی ہوگی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا
اور بتائی اللہ نے کہاوت، ایک بستی تھی چین امن سے چلی آتی تھی اس کو روزی
رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ
فراغت کی ہر جگہ سے، پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے تن کے کپڑے ہوئے
الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔ اور ان کو پہنچ چکا رسول

مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا
انہی میں کا، پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے۔ سو کھاؤ جو
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
پوجتے ہو۔ یہی حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور سور کا گوشت
وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ
اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوائے کسی کا۔ پھر جو کوئی ناچار ہو جاوے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی،
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ
تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بتانے سے
هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ
جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر بھلا نہیں پاتے۔ تھوڑا سا برت لیں اور ان کو
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ
دکھ کی مار ہے۔ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو سنا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
چکے پہلے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ
پھر یوں ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے پھر توبہ کی اس کے پیچھے،

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

اور سنوار پکڑی تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

تہدید بآفات دنیویہ بر معصیت وکفران نعمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً . . . الى . . . لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفر اور معصیت پر عذاب اخروی کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بعض مرتبہ دنیا میں بھی کفر اور معصیت اور کفران نعمت پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط سالی اور عام بیماری اور بسا اوقات کفر اور کفرانِ نعمت دنیا ہی میں زوال نعمت کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مکہ کے لوگ سات سال تک شدید قحط میں رہے یہاں تک کہ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیاں کھانے لگے اور ضعف اور ناطاقتی سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا بالآخر مجبور ہو کر سرداران قریش نے آنحضرت ﷺ سے التجا کی۔ اور آپ ﷺ کی دعا سے یہ مصیبت دور ہوئی۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ سے یہ بتلایا کہ کون سی چیزوں کا کھانا حرام ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز ضروری ہے۔

اور پھر ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ سے یہ بتلایا کہ یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بعض پاکیزہ چیزیں دنیا ہی میں حرام کر دی گئی تھیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ حلال وحرام کے احکام کو پوری طرح ملحوظ رکھو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال وحرام نہ بناؤ اور غلطی سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لو۔ اللہ پاک بخش دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ۔ اکل حلال سے روح کا مزاج درست رہتا ہے اور حرام سے بچو حرام سے انسان کا دل اور روح فاسد اور خراب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت کے وبال پر متنبہ کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال بیان کی کہ وہ بستی امن و امان اور سکون والی تھی۔ اس بستی کے لوگ آسودہ تھے اور ان کو کسی کی لوٹ مار اور غارت گری کا اندیشہ نہ تھا۔ اس بستی میں بسنے والوں کا رزق فراغت اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ سے یعنی اطراف و جوانب سے آتا تھا پس اس بستی والوں نے اللہ پاک کی نعمتوں کی ناشکری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یعنی امن اور سکون کی جگہ خوف و ہراس آ گیا۔ اور رزق کی وسعت اور کثرت کی بجائے بھوک اور قحط نے آ پکڑا۔ اللہ نے ان کو خوف اور بھوک کا مزہ بھی خوب چکھا دیا اور اس بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے پکڑ لیا جیسے کپڑا اپنے پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے۔ سزا میں اس کی جو وہ کرتے تھے یعنی اللہ نے جو ان کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یہ ان کے اعمال کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی۔

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: اوّل یہ کہ اس سے کوئی معین قریہ مراد ہے یعنی مکہ معظمہ مراد ہے جہاں کے باشندے متواتر سات برس تک قحط میں مبتلا رہے اور اطراف و جوانب سے جو غلہ آتا تھا اس کا آنا بند ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے جلی ہوئی ہڈیوں اور مردار اور کتوں کو کھایا اور وہ پہلا امن واطمینان جاتا رہا۔ ہر وقت خوف میں رہنے لگے یہ خدا تعالیٰ نے بطور تمثیل اہلِ مکہ کی حالت بیان فرمائی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قریہ سے غیر معین بستی مراد ہے کیونکہ وہ نکرہ لایا گیا ہے۔

نکتہ: اس آیت یعنی ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنایا حالانکہ لباس تو پہنایا جاتا ہے چکھایا نہیں جاتا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آیت درحقیقت دو استعاروں کو متضمن ہے ایک اعتبار سے جوع اور خوف کی حالت مذوقات کے مشابہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کو دیکھ کر چکھ لیتا ہے تو اس کا ادراک اور احساس مکمل ہو جاتا ہے دیکھنے اور چھونے سے پورا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا آیت میں لفظ اذاقۃ اس لیے استعمال فرمایا کہ ان کو بھوک اور خوف کا مزا چکھا کر بتلا دیا کہ بھوک اور خوف ایسی چیز ہے یہ تو دنیا میں ہوا کہ مصیبت کا مزہ چکھایا۔ بھوک اور خوف کا اصل کھانا تو جہنم میں ملے گا۔ کھانے کو زقوم اور پینے کو غسلین اور حمیم کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ کھانا اور پینا چونکہ انسان کے اندر پہنچتا ہے اور اندر ہی اندر اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے اور لباس ایک ظاہری چیز ہے اس لیے بھوک اور خوف کا باطنی اور اندرونی اثر بیان کرنے کے لیے اذاقۃ کا استعارہ کیا اور ظاہری اثر بیان کرنے کے لیے لباس کا استعارہ کیا اور بھوک وخوف کے لیے لباس کا استعارہ اس لیے کیا کہ جس طرح لباس آدمی کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے۔ اس طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور پوری طرح اپنے اندر چھپا لیا اور چونکہ لباس ایک ظاہری شئے ہے جو ظاہر میں نظر آتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف کا اثر ان کے ظاہر سے دکھلائی دیتا ہے کہ چہرے زرد ہو گئے تھے اور بدن دُبلے اور لاغر ہو گئے تھے اور اس ظاہری نعمت کے علاوہ بڑی بھاری نعمت آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے ان لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی بھی ناشکری کی اور وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق انہی کے پاس انہی میں سے منجانب اللہ ایک رسول آیا جس کی صداقت اور امانت سے وہ بخوبی واقف تھے۔ پس ان کو جھٹلایا تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے آ پکڑا در آں حالیکہ وہ ظلم پر کمربستہ تھے پس کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی قتل اور اسیر ہوئے اور مہاجرین اور انصار جو خدا کے شکر گزار بندے تھے ان کو خوف کے بعد امن دے دیا اور تنگی کے بعد ان کو وسیع الرزق بنا دیا اور روئے زمین پر ان کو حکمران بنایا۔

گزشتہ آیات میں شکر کا حکم اور کفران نعمت کی ممانعت کا ذکر تھا۔ اس لیے آئندہ آیات میں اکلِ حلال کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اکلِ حلال ذریعۂ شکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس اے مسلمانو! تم کفر اور شرک اور کفرانِ نعمت سے دور رہو اور اللہ نے جو حلال اور پاک روزی تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ شکر سے تم کو اللہ اور زیادہ نعمتیں دے گا اگر تم خالص خدا کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اس کے حکموں پر چلو جس چیز کو اس نے حلال کیا اس کو کھاؤ اور جس چیز کو اس نے حرام کیا اس سے پرہیز کرو اور اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال اور حرام نہ کرو۔ جز ایں نیست کہ حرام کیا ہے اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور پھر اسی نیت سے اس کو ذبح کر دیا گیا ہو گو بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو تو یہ جانور حرام ہے۔

اور بعض مفسرین نے ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر ذبح کے ساتھ کی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کے لوگ ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام لیتے تھے اور ان کی نیت اور قصد بھی غیر اللہ کے تقرب کا ہوتا تھا یہ صورت باجماع اُمت حرام ہے اس کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں بلکہ کلام اس میں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ''اہلال'' آیا ہے اس کے معنی ذبح کے نہیں بلکہ اس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور اس سے فقط آواز بلند کرنا مراد نہیں کیونکہ محض آواز بلند کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی بلکہ بقصد تقرب کسی کے نامزد کر دینے کے معنی مراد ہیں اور چونکہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام لے کر آواز کے ساتھ ذبح کرتے تھے

اس لیے بعض مفسرین نے حسب موقع ذبح کے ساتھ اس کی تفسیر کردی ورنہ درحقیقت وہ حکم کی قید نہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کردیا جائے وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا غیر اللہ کا نام لے، حرمت کی علت دراصل غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہے اور یہ نیت ذبح کے وقت بھی موجود ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حرمت زائل نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ نے بندوں پر مردار اور خون اور لحم خنزیر اور ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کو حرام کردیا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی کردی۔ پس جو شخص بھوک اور فاقہ سے لاچار اور بے قرار ہوجائے۔ بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ مقدار ضرورت اور حد حاجت سے آگے بڑھنے والا ہو اور وہ ان حرام چیزوں سے بقدر حاجت جس سے اس کی جان بچ جائے کچھ کھالے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بحالت اضطرار بقدر ضرورت کچھ کھانے سے اس کی حرمت اور خباثت تمہارے لیے مضر نہ ہوگی اور اگر کچھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں درگزر فرمائیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا حق اور اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں تم ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ جانور حلال ہے اور یہ جانور حرام ہے۔ جیسا کہ پارۂ ہشتم کے شروع میں یعنی ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ ﴾ میں ان کے یہ جھوٹے دعوے گزر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس کہنے سے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھو گے۔ یعنی تم نے جو مویشی میں حلال وحرام ٹھہرا رکھا ہے وہ سب تمہارا جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حلال کیا اور یہ حرام کیا یہ سب اللہ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ مشرکین عرب بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو حرام کہتے تھے ان کے ردّ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور یہ دنیا کا فائدہ جو ان کو پہنچ رہا ہے۔ بہت تھوڑا اور چند روزہ فائدہ ہے جس کو بقا نہیں اور چند روزہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہولینا۔ سو یہ فلاح اور کامیابی نہیں اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرضیکہ گزشتہ آیت ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ... الخ ﴾ میں افراط سے منع فرمایا کہ شتر بے مہار نہ بنو اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے بچو اور اس آیت ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ ... الخ ﴾ میں تفریط سے منع کیا اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کا بیان فرمایا کہ جو از راہ شفقت ورحمت شریعت محمدیہ ﷺ میں حرام کی گئیں۔

اب آئندہ آیت میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض چیزیں (پاکیزہ) یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا ان پر حرام کردی گئی تھیں وہ تحریم ایک قسم کا تازیانہ تھی اور اسلام میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں۔ جو ہم پہلے سورۂ انعام میں آپ ﷺ سے بیان کرچکے ہیں وہ چیزیں سورۂ انعام کی آیت ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ... الخ ﴾ (الانعام:۱۴۶) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ اور ان چیزوں کی تحریم میں ہم نے یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے یعنی ہم نے جو پاک چیزیں ان پر حرام کیں وہ ان کے ظلم اور تعدی اور ان کی سرکشی کے سبب سے کیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ ... الخ ﴾ (النساء:۱۶۰) یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلم وتعدی کے باعث ان پر وہ پاک چیزیں حرام کردیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں جس سے مقصود ان کی اصلاح تھی کہ اپنے جرائم اور قبائح سے تائب ہوجائیں پھر اس ظلم اور تعدی کے بعد بھی گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نادانی سے بُرے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے۔ یعنی اپنے اعمال

درست کر لیے اور اپنے حال کی اصلاح کر لی بے شک تیرا پروردگار اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ مقصود اس آیت سے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مغفرت اور رحمت کا اظہار ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ
اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا، حکم بردار اللہ کا، ایک طرف کا ہو کر اور نہ تھا
الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ
شریک والوں میں۔ حق ماننے والا اس کے احسانوں کا، اس کو اللہ نے چُن لیا اور چلایا سیدھی
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
راہ پر۔ اور دی دنیا میں ہم نے اس کو خوبی۔ اور وہ آخرت میں
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
اچھے لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر، جو
حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى
ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شریک والوں میں۔ ہفتہ کا دن جو ٹھہرایا،
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
سو انہیں پر جو اس میں پھوٹ گئے اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن،
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
جس بات میں پھوٹ رہے تھے۔

بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ ... الٰى ... فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾

ربط: ابتداءِ سورت سے یہاں تک مشرکین کی شرکیات اور کفریات کا ابطال فرمایا اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ مشرکین عرب چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے ان کی ملت اور شریعت کے اتباع کو واجب سمجھتے تھے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ

ابراہیم علیہ السلام خدا کے کیسے موحد اور شکر گزار اور فرمانبردار بندے تھے۔ سرتاپا توحید وتفرید میں غرق تھے۔ معاذ اللہ مشرک نہ تھے۔ لہٰذا مشرکین عرب اور اہلِ کتاب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے بلکہ اصل ملت ابراہیمیہ کے پیرو اور متبع یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تم اگر اصل دین ابراہیمی پر چلنا چاہو تو آپ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔ توحید وتفرید میں سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا وہی طریقہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام حنیف کا تھا اور مشرکین کے سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف ذکر فرمائے تا کہ ان کے عقائد شرکیہ اور خیالات فاسدہ کا رد ہو۔

① ﴿اُمَّةً﴾ پیشوا تھے اور مقتدائے عالم تھے۔

② ﴿قَانِتًا﴾ خدا تعالیٰ کے حکم بردار اور فرمانبردار بندے تھے۔

③ ﴿حَنِيْفًا﴾ سب سے مڑ کر ایک خدا کے ہو رہے تھے سوائے جمال حق کے کسی طرف مائل نہ تھے۔

④ ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ شرک سے پاک اور منزہ تھے خالص موحد تھے بچپن سے لے کر اخیر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

⑤ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ﴾ خدا کے شکر گزار بندے تھے سرتاپا شکر تھے۔

⑥ ﴿اِجْتَبٰىهُ﴾ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے خدا نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

⑦ ﴿وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ راہ راست پر تھے یعنی اسلام اور دین حق پر تھے۔

⑧ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی عزت وکرامت عطا کی اور ان کی نسل میں برکت دی اور سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

⑨ ﴿وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور آخرت میں بھی وہ بلاشبہ نیکوں میں سے ہے۔

⑩ خاتم الانبیاء ﷺ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ آنحضرت ﷺ جیسے شخص کو ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا اور چونکہ یہ فضیلت گزشتہ فضائل سے بڑھ کر ہے اس لیے تفاوت رتبی ظاہر کرنے کے لیے لفظ ﴿ثُمَّ﴾ لایا گیا اور اس طرح فرمایا ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ﴾ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فضیلت تمام فضائل سے بڑھ کر ہے اور ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ سے یہ بتلایا کہ مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیم پر ہیں غلط ہے۔ اصل ملت ابراہیمی پر ہمارے نبی ﷺ ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔ لہٰذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا مدعی ہو اس کو چاہیے کہ ملتِ محمدیہ کا اتباع کرے کیونکہ ملت ابراہیمیہ اور ملتِ محمدیہ باہم متحد اور متفق ہیں۔

اور ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ﴾ میں یہود کا رد ہے کہ جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتلاتے تھے۔

ملتِ ابراہیمیہ میں جمعہ کی تعظیم تھی ہفتہ کا دن یہود کے اختلاف کی وجہ سے مقرر ہوا۔ ورنہ ہر نبی نے جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے جمعہ کی تعظیم ملت ابراہیمی ہے اور ہفتہ کی تعظیم ملت ابراہیمی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں۔ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملت کے پیرو ہیں۔ نہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں اور نہ مشرک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی موحد اور حنیف ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے ملت ابراہیمی کے پیرو یہ مسلمان ہیں جو توحید پر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

① بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک کامل اُمت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تنہا ذات میں وہ تمام صفات وکمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تنہا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جانا تو یگانہ ولے ذات تو ہست مجموعۂ آثار کمالات ہمہ!!!

اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی مؤمن نہ تھا وہ تنہا امت تھے۔ اس لیے ان کو اُمت کہا گیا۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے مطیع اور فرمانبردار تھے یعنی اللہ کے حکموں پر چلنے والے تھے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال حرام کرنے والے نہ تھے۔

③ اور سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف ہو گئے تھے سب سے منہ موڑ کر ایک خدا کی طرف منہ کر لیا تھا۔

④ اور کبھی بھی مشرکین میں سے نہ ہوئے بڑے پکے موحد تھے بچپن سے لے کر آخر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

⑤ اور وہ اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل میں ان کو اپنی نبوت ورسالت وخلت کے لیے چن لیا تھا جس کا ظہور دُنیا میں ہوا۔

⑦ اور اللہ نے ان کو سیدھی راہ کی طرف چلایا جس طرف اور جس طرح خدا تعالیٰ ان کو چلاتا تھا اس طرف اور اسی طرح چلتے تھے۔

⑧ اور ہم نے ان کو دُنیا میں بھی بھلائی دی۔ یعنی دنیا میں ہم نے ان کو رسالت اور خلت اور صدق گفتار اور ذکر جمیل اور قبول عام دیا کہ کل اہل ادیان ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ان کو خیر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں: ﴿اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝﴾ نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دُنیا میں یہ خوبی اور بھلائی دی کہ ان کے بیٹے اور پوتے بھی نبی ہوئے۔

⑨ اور بے شک ابراہیم علیہ السلام آخرت میں بڑے اچھے لوگوں میں سے ہیں جو درجاتِ عالیہ کے سزاوار ہیں۔

⑩ پھر منجملہ فضائل ابراہیمی کے یہ ہے کہ اے نبی کریم ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کریں جو حنیف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

یہ امر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل میں سے ہے کہ خاتم الانبیاء اور سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ علیہ السلام کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اگر ملتِ ابراہیمی صحیح اور درست نہ ہوتی تو افضل الانبیاء علیہم السلام کو اس کے اتباع کا حکم نہ ہوتا۔ آخر کو اوّل کے ساتھ نسبت اور وابستگی ہوتی ہے۔ توحید خالص اور اسلام یعنی اللہ کے سامنے گردنِ اطاعت ڈال دینا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینا۔ اس کی ابتداء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ہوئی جس کی وجہ سے ان کو دُنیا اور آخرت میں نیکی اور بھلائی ملی۔ اب اسی توحید کامل کی انتہاء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور جو اصول اور عقائد اور قواعد کلیہ دربارۂ حلال وحرام ملتِ ابراہیمی میں تھے وہ آخری ملت یعنی شریعت محمدیہ میں باقی رکھے گئے درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیئے گئے آخر میں دعاء ابراہیمی کے مطابق ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرہ:۱۲۹) خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کر دیا تا کہ توحید خالص اور اسلام یعنی خداوند ذوالجلال کی فرمانبرداری ازسرنو زندہ ہو جائے

اور شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی حلال وحرام میں اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم علیہ السلام ہے عرب کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حنیف کہتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اس کی راہ پر نہیں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی خوبی اور آسودگی اور قبولیت سارے جہان میں دی تھی درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو موافق ان کے حال کے اور حکم بھی ہوئے آخر پیغمبر بھی اسی ملت پر آئے۔ (انتہیٰ)

لہٰذا اے مشرکین عرب تم کو چاہیے کہ اس برگزیدہ نبی کا اتباع کرو کیونکہ اس نبی کا راستہ وہی ہے جس کے اتباع کا تم دعویٰ کرتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ افضل الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں اور نبوت و رسالت کے تمام فضائل و کمالات کے جامع ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے اقتداء کا حکم دیا۔ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۱) اور مطلب یہ تھا کہ دعوت اور تبلیغ میں ان کے طریقے پر چلے اسی طرح ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ﴾ کا مطلب سمجھے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ توحید اور ابطال شرک میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کیجیے۔ اور ملت ابراہیمی بھی خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت اور ملت و شریعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع نہ تھے بلکہ مستقل نبی اور رسول تھے آپ ایسے نہ تھے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل توریت اور شریعت موسویہ کے تابع تھے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتوں کے بعض احکام کا ذکر فرمایا ہے اور توریت و انجیل کے بھی بعض احکام کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل بھی فرمایا ہے لیکن آپ کا یہ عمل اس بناء پر نہ تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت موسویہ کے تابع تھے بلکہ بحکم خداوندی اور باتباع وحی الٰہی تھا براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبرئیل امین علیہ السلام اللہ کا پیغام اور اس کے احکام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کا اتباع وحی ربانی اور حکم یزدانی کی بناء پر تھا نہ کہ اس بناء پر کہ آپ مستقل نبی اور مستقل رسول نہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے افضل اور اکمل تھے اور بحکم خداوندی انبیاء سابقین علیہم السلام کے طریقے پر چلتے تھے آپ کسی کے تابع نہ تھے بلکہ حکم خداوندی کے تابع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے اتباع اور اقتداء کا حکم اس لیے دیا گیا کہ آپ سب کے بعد مبعوث ہوئے نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء علیہم السلام سے فضیلت اور رتبہ میں کم تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نزدیک اکرم الاوّلین والآخرین ہیں اور سب سے اکمل اور افضل ہیں اور فضیلت میں آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور اشمل ہے۔ ؎

تو اصل و باقی طفیل تو اند　　　تو شاہی و مجموع خیل تو اند

ایک اشکال* اور اس کے تین جواب

اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ملتِ ابراہیمیہ اور ملتِ محمدیہ کیا اصول فروع میں دونوں ملتیں متحد اور متفق ہیں اور دو اعتبار سے یعنی اصول کے اعتبار سے بھی اور فروع کے اعتبار سے بھی باہم ایک دوسری کا عین ہیں یا فقط اصولِ دین میں دونوں ملتیں متحد ہیں یعنی

---

* یہ اشکال اور جوابِ اوّل اور جوابِ دوم تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہیں اور جواب سوم تفسیر کبیر وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ (منہ عفا اللہ عنہ)

توحید اور نبوت اور معاد میں تو متفق ہیں مگر فروع میں مختلف ہیں۔

پس اگر شق اول کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں اُمتیں (ملت محمدیہ اور ملتِ ابراہیمیہ) اصول وفروع دونوں میں متفق اور متحد ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کی شان انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہو کہ جو شریعت موسویہ کی تجدید اور ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی ملتِ ابراہیمیہ کی تجدید و ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور یہ امر صریح البطلان ہے۔

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں اصول دین میں تو متحد ہیں اور فروع میں مختلف ہیں تو ایسی صورت میں یہ اشکال لازم آتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ آپ ﷺ کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اُصولِ دین میں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں اور ملتیں متحد اور متفق ہیں دین تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہے اور شریعت ہر ایک کی جداگانہ ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ: ۱۳)

اس اعتبار سے تو یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمی کے متبع ہیں مسلمانوں کی کیا خصوصیت۔ اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

جواب اوّل: ہر شریعت میں تین باتیں ہیں:

اوّل: اُصول وعقائد۔ یعنی خدا کی ذات وصفات پر ایمان لانا اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کو حق سمجھنا اور قیامت کو حق جاننا۔

دوم: قواعد کلیہ: جو احکام جزئیہ اور مسائل فرعیہ کا ماخذ ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں انہی کلیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

سوم: فروع اور مسائل جزئیہ اور احکام شرعیہ۔

قسم اول کا نام دین ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں مشترک ہے اس میں زمانہ کے اختلاف سے کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور نہ اس میں نسخ واقع ہوتا ہے اس لیے کہ عقائد اور اصول دین از قبیل خبر ہیں کہ اللہ ایک ہے اور قیامت برحق ہے اور خبر میں عقلاً نسخ جاری نہیں ہوسکتا اور نہ خبر کا کاذب ہونا لازم آئے گا۔ نسخ، عقلاً انشاء یعنی حکم اور امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے۔

اور **قسم ثانی** کا نام "ملت" ہے یعنی ملت ان اُصول اور قواعد کلیہ کا نام ہے جن پر احکام جزئیہ کا دارومدار ہو۔

اور مجموعۂ اعتقادیات اور اصول کلیات اور فروع جزئیات کا نام شریعت ہے جو ہر رسول کی جدا اور الگ ہے۔

پس ملتِ محمدی اور ملتِ ابراہیمی کا توافق اور اتحاد انہی اصول اور کلیات میں مراد ہے جن پر احکام جزئیہ کی بناء ہے باقی رہی شریعت، سو ہماری شریعت سب شریعتوں سے جدا اور الگ ہے اور مستقل ہے۔ اور دونوں ملتوں کے توافق کے معنی یہ ہیں کہ ملتِ ابراہیمی کے اصول اور قواعد کلیہ شریعتِ محمدیہ میں بتمام وکمال موجود ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت نہیں اگر بعض فروع متخرجہ اور احکام جزئیہ میں بحسب مصلحت زمانہ کچھ فرق آ گیا تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ملتِ محمدیہ اور ملتِ ابراہیمیہ اصول احکام اور قواعد کلیہ میں متفق ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہماری شریعت اور ہمارا دین وآئین بعینہٖ وہی دین وآئین ہے اور وہی شریعت ہے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اس لیے کہ شریعت اور دین وآئین میں لحاظ فروع اور جزئیات کا بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعتِ ابراہیمی کے تمام فروع اور جزئیات بعینہٖ شریعتِ محمدیہ میں محفوظ نہیں۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ملت اور شریعت میں فرق ہے اتحاد اور اتفاق باعتبار ملت کے ہے نہ کہ باعتبار شریعت کے۔ ملت (یعنی اصول و احکام اور قواعد کلیہ) کے اعتبار سے دونوں ملتیں (یعنی ملتِ محمدیہ اور ملتِ ابراہیمیہ) باہم متوافق اور متحد ہیں اور شریعت کے اعتبار سے دونوں ملتیں جدا جدا ہیں اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جواب دوم: اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ شریعتِ محمدیہ بعینہٖ شریعتِ ابراہیمیہ ہے۔ ان حضرات نے ملت اور شریعت میں فرق نہیں کیا۔ اور یہ کہا ہے کہ دونوں شریعتیں اصول و فروع میں متفق اور متحد ہیں جیسا کہ ظاہر آیات اور احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ (الحج:۷۸) ... ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (النحل:۱۲۳) اور حدیث ((اتیتکم بالحنیفیة السمحة البیضاء)) وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی آیات اور احادیث سے مفہوم یہی ہوتا ہے کہ دونوں ملتیں اور دونوں شریعتیں اصولاً اور فروعاً متفق اور متحد ہیں مثلاً توحید اور بتوں کو توڑنا اور ختنہ اور عقیقہ اور قربانی اور ہدی اور مناسک حج اور خصال فطرت اور غسل جنابت اور اشہر حرم کی تحریم اور ابطال کہانت و نجوم اور ابطال بت پرستی اور رزق و شفاء اور موت و حیات کو بلاواسطہ مسبب الاسباب کی طرف سے سمجھنا اور نجوم و کواکب کا معتقد نہ ہونا اور سعودت و نحوست کو من جانب اللہ جاننا اور اصول مکارم اخلاق یعنی صبر و رضاء بقاء اور تسلیم و تفویض وغیرہ وغیرہ یہ ملتِ ابراہیمی کے احکام ہیں جو شریعتِ محمدیہ میں بعینہٖ باقی ہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ دونوں ملتوں کے متفق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ملتِ ابراہیمی کے تمام فروع و اصول ملتِ محمدیہ میں بتمام و کمال محفوظ ہیں۔ اگرچہ صدہا بلکہ ہزارہا اصول و فروع شریعتِ محمدیہ میں زیادہ ہیں مگر مخالف نہیں بلکہ اسی کی شرح اور بسط اور تتمیم و تکمیل ہے۔ پس ملتِ ابراہیمی بمنزلہ متن کے ہے اور شریعتِ محمدیہ بمنزلہ شرح کے ہے اور ہزارہا زوائد و فوائد پر مشتمل ہے اور مجمع الزوائد اور منبع الفوائد ہے اور اسی معنی کو شرح کو متن کے تابع کہا جاتا ہے کہ متن شرح کے لیے بمنزلہ اساس کے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ کو صاحب مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے اس لیے کہ مشکوٰۃ اگرچہ صدہا زوائد پر مشتمل ہے مگر اس کی تاسیس اور بناء مصابیح السنہ پر ہے اس بناء پر مشکوٰۃ کو مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ شریعتِ محمدیہ ملتِ ابراہیمیہ کے تمام احکام کو مع احکام زائدہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور ملتِ ابراہیمی کے احکام شریعتِ محمدیہ کے احکام زائدہ کے ساتھ ایسے مخلوط ہو گئے ہیں کہ شدت اختلاط اور کثرت امتزاج کی وجہ سے دونوں ملتوں کے احکام میں تمیز اور فرق نہایت دشوار ہے اور شریعتِ موسویہ میں نہ تو ملتِ ابراہیمی کے اصول و قواعد کی رعایت ہے اور نہ وہ ملتِ ابراہیمی کے تمام احکام کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

پس حضور پرنور ﷺ کے مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی شریعت اگرچہ ملتِ ابراہیمی کے اصول اور فروع کو حاوی ہے لیکن ہزارہا زوائد اور فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک جدید شئے ہے آپ کی شریعت میں ہزارہا احکام ملتِ ابراہیمی پر زیادہ کیے گئے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ اور احکام تورات پر کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا وہ فقط دین موسوی کے مروّج تھے اس لیے وہ مستقل نبی اور رسول نہ تھے بخلاف شریعتِ محمدیہ کے کہ اس میں ملتِ ابراہیمی کے احکام پر بے شمار احکام کا اضافہ ہوا۔

الغرض شریعتِ محمدیہ میں ملت ابراہیمیہ کے تقریباً تمام اصول اور احکام بعینہٖ باقی ہیں گویا کہ شریعتِ محمدیہ شریعتِ ابراہیمیہ کا

احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے مگر امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ملت ابراہیمی کے تمام احکام بالکل مندرس ہو چکے تھے۔ صفحۂ ہستی پر کہیں ان کا نام ونشان نہ رہا تھا سوائے جدید وحی کے ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پس حق جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو جدید وحی کے ذریعے سے ملت ابراہیمیہ کے احکام پر مطلع کیا اس لیے آپ صاحب شریعت جدیدہ کہلائے۔ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس شریعت کے احکام جدید ہوں کہ جو اس سے پہلے نازل نہ ہوئے ہوں بلکہ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا نزول جدید ہو اور از سرنو عالم غیب سے اس کی تلقی ہوئی ہو۔ اس وجہ سے حضرت یوشع اور حضرت عزیر علیہما السلام کو صاحب کتاب جدید اور صاحب شریعت جدیدہ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ شریعت موسویہ ان میں موجود اور محفوظ تھی۔ از سرنو عالم غیب سے بذریعہ وحی جدید اس کا نزول نہ ہوا تھا اور توریت ان سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور انبیاء بنی اسرائیل پر سوائے احکام تورات کے دوسرے احکام بذریعہ وحی جدید نازل نہیں ہوتے تھے سابق وحی کے تابع تھے اور آنحضرت ﷺ کسی سابق وحی کے تابع نہ تھے۔ عالم غیب سے ہر روز جدید وحی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ ﷺ صاحب شریعت جدیدہ ہوئے اور خاتم الانبیاء اور ناسخ الادیان ہوئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت میں جب کسی کو جدید وزیر اعظم اور مدار المہام بنایا جاتا ہے تو اس وقت کے مناسب اس کو جدید آئین اور نئے قوانین دیئے جاتے ہیں پس اگر بادشاہ کسی کو وزیر اعظم بنائے اور اس کو یہ حکم دے کہ تم موجودہ آئین اور قانون کو منسوخ سمجھو اور تم سے تیس سال پہلے فلاں وزیر کے زمانہ میں جو دستور ہماری بارگاہ سے عطا ہوا تھا اس کا اتباع کرو اور طریق پر چلو تو اس حکم کے یہ معنی نہیں کہ یہ وزیر مستقل وزیر نہیں پہلے وزیر کا تابع اور ماتحت ہے بلکہ یہ جدید وزیر بلاشبہ مستقل وزیر ہے حکم شاہی کا متبع ہے بلاواسطہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ حکم ملا۔ سابق وزیر کو جو دستور اور آئین عطا ہوا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے عطا ہوا تھا اب حکومت کی مصلحت یہ ہے کہ موجودہ آئین کو منسوخ کر دیا جائے اور گزشتہ آئین اور دستور کو جاری اور نافذ کیا جائے لہٰذا یہ جدید وزیر گزشتہ آئین کی اتباع کی وجہ سے سابق وزیر کا متبع نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ حکم شاہی کا متبع سمجھا جائے گا۔

جواب سوم: ملتِ ابراہیمیہ کے اتباع سے مراد یہ ہے کہ توحید اور صراط مستقیم اور دین اسلام کی دعوت اور تبلیغ اور کفار سے محاجہ اور مناظرہ میں اور کفر کافری سے تبری اور بیزاری میں اور مکارم اخلاق یعنی رضاء وتسلیم اور صبر وشکر میں اپنے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیجیے کہ نرمی کے ساتھ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیجیے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح دلائل اور براہین قاطعہ سے کفر اور شرک اور نجوم اور کہانت کا ابطال فرمایئے اور شعائر اسلام جیسے استقبال کعبہ اور جمعہ کی تعظیم اور ختنہ اور قربانی اور مناسک حج کو صحیح طریقہ سے جاری فرمایئے اور ملتِ ابراہیمی میں جن مشرکانہ رسوم کی آمیزش ہوگئی ان سے ملتِ ابراہیمی کو پاک وصاف کر دیجیے چونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت دعاء ابراہیمی کی اجابت کا ثمرہ ہے بناء کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی: ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (البقرہ:۱۲۹) تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام)! تیری دُعا قبول ہوئی۔ اس شان کا نبی آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے۔ ((انا دعوۃ ابی ابراھیم)) جنہیں میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں۔ اس لیے نبی آخر الزمان ﷺ کو ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کے اتباع کا حکم آیا جس کی دُعا سے یہ نبی آخر الزمان ﷺ ظاہر ومبعوث ہوا یہاں تک تو مشرکین عرب کا رد ہوا جو اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کا متبع بتلاتے تھے۔ اب

آگے یہود کا رد ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ شریعتِ محمدیہ میں تو عبادت کے لیے جمعہ کا دن اختیار کیا گیا اور ملت ابراہیم علیہ السلام میں تو ہفتہ کا دن تھا۔ پس ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کہاں رہی جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدعی ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں ہفتہ کی تعظیم خاص تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دی۔ اس کی جگہ جمعہ مقرر کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے ابراہیمؑ ہفتہ کی تعظیم نہیں فرماتے تھے۔ جز ایں نیست کہ ہفتہ کی تعظیم اور اس دن شکار کی تحریم صرف ان لوگوں پر لازم کر دی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا یعنی اصل ملتِ ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اور نہ اس اُمت میں ہے البتہ درمیان میں جن لوگوں نے یعنی یہودیوں نے اس بارہ میں بحث کی اور حکم خداوندی اور ارشادِ پیغمبری سے اختلاف کیا اور بجائے جمعہ کے ہفتہ کا دن منتخب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا اس دن کی تعظیم کیا کرو اور بطور آزمائش ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو یہ حکم بھی کسی نے نہ مانا۔ بالآخر نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے باقی آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یوم سبت کی تعظیم کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک زمانہ دراز کے بعد فقط یہود پر ہوا۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جمعہ کے دن مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا اس لیے اس دن کو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان پر اس دن کی تعظیم فرض کر دی اور جس روز کو کہ انہوں نے اپنے لیے پسند کیا اسی پر ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی اُمت کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا انہوں نے ان کا حکم نہ مانا اور یہ کہا کہ تخلیق عالم کی ابتداء یکشنبہ سے ہوئی ہے اس لیے ہم اتوار کے دن کو تعظیم کا دن بنائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی۔ غرضیکہ یہود و نصاریٰ نے جو چیز اپنے لیے پسند کی اللہ نے وہی چیز ان پر لازم اور مقرر کر دی پھر جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا۔ سب نے اس کو بخوشی منظور کر لیا اور کچھ اختلاف نہ کیا۔ بہر حال ہر نبی نے جمعہ کے دن جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی مگر ان کی اُمتوں نے اختلاف کر کے دوسرا دن بدل لیا اللہ کریم نے ہر فرقہ پر وہی لازم کر دیا جو دن اس نے اپنی رائے سے اختیار کیا۔ مطلب یہ ہے ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا دن مقرر نہ ہوا تھا۔ یہ دن تو ایک مدت دراز کے بعد ان یہود پر مقرر ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے یہ دن اپنے لیے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اچھا یہی دن سہی اور ان پر سختی کر دی گئی کہ اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام کر دیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا اور بے شک تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں یہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ اس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر جب ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا ملے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ نبی کے حکم سے اختلاف نہ کریں۔

اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیں اور نیک طریقہ سے ان کو ہدایت کریں۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کر کر بھلی طرح، اور الزام دے ان کو

بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ

جس طرح بہتر ہو۔ تیرا رب بہتر جانتا ہے، جو بھولا اس کی راہ سے اور

ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا

وہی بہتر جانے جو راہ پر ہیں۔ اور اگر بدلہ دو، تو بدلہ دو اس قدر

عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصۡبِرۡ

جتنی تم کو تکلیف پہنچی، اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو۔ اور تو صبر کر

وَ مَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا تَکُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا

اور تجھ سے صبر ہوسکے اللہ ہی کی مدد سے، اور ان پر غم نہ کھا، اور مت خفا رہ ان کے

یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ ۹ ۲۲

فریب سے۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں۔ اور جو نیکی کرتے ہیں۔

آداب دعوت و تبلیغ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ . . . الٰی . . . وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم تھا اور اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت ملت ابراہیمی کا مقصود اصل اور اولیٰ تھا۔ اب ان آیات میں دعوت اسلام اور تبلیغ کے آداب بتلاتے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے یعنی حکمت اور موعظت اور مجادلۂ حسنہ کو ملحوظ رکھیں اور اگر کفار کی طرف سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے تو اگرچہ انتقام جائز ہے لیکن اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے متقین اور محسنین سے اپنی معیت خاصہ کا وعدہ فرمایا ہے اور صبر اور تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص اور خدا پرستی بھی فلاح اور کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اے نبی دعوت دے اور بلا تو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم و حکمت کی باتوں کے ساتھ یعنی محکم دلائل کے ساتھ جیسے ابراہیمؑ نے محکم دلائل سے شمس و قمر اور کواکب کی الوہیت کو باطل کیا اور خدا کی توحید کی دعوت دی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ یعنی نرمی اور دلسوزی کے

ساتھ ان کو حق کی دعوت دو جس سے مقصود ان کی خیر خواہی ہو نہ کہ فضیحت۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی ﴿ یَاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ...الی آخرھا ﴾ (طٰہٰ: ۴۲)۔ یہ سب عمدہ نصیحت بھی تھی اور علم وحکمت کی باتیں بھی تھیں اور اگر بحث ومباحثہ آپڑے تو نہایت عمدہ طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ کرو۔ یعنی ان پر ایسے طریقے سے حجت اور الزام قائم کرو جس میں خشونت اور سخونت نہ ہو جس سے وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں کہا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (البقرہ: ۲۵۸) نمرود اس حجت الزامیہ کو سن کر مبہوت ہو گیا۔ پس اگر آپ نے ایسا کر لیا تو دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا ہو گیا۔ اب آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بہکا اور دعوت سراپا حکمت اور حسن موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود باطل سے حق کی طرف نہ آیا اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء وسزا دے گا۔ تیرا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے اور اگر دعوت و تبلیغ کی راہ میں تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں تو تم اپنا بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو جتنا کہ تم ان کی طرف سے ستائے گئے ہو اور عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بمقدار ظلم بدلہ لے لو مگر زیادتی نہ کرو یہ رخصت اور اجازت ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا صابروں کے حق میں بہتر ہے۔ یہ درجہ عزیمت کا ہے کہ جو تمہیں ستائے اس کا قصور معاف کر دو اور اگر اس پر تمہارا دل آمادہ نہ ہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اس سے بڑھ کر حسنِ اخلاق کی تعلیم نہیں ہو سکتی اگر برابر برابر بدلہ لے لیا تو یہ عدل وانصاف ہوا اور اگر معاف کر دیا تو یہ احسان ہو گا اور صبر اگرچہ اوروں کے حق میں واجب اور لازم نہیں۔ مگر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر صبر لازم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور صبر کیجیے اور آپ کا صبر خاص خدا کی تائید اور توفیق سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسلی رکھیں۔ آپ کو اس صبر میں کوئی دشواری نہ ہو گی اور آپ ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر وفریب سے تنگدل ہوں۔ یہ لوگ آپ کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صفت تقویٰ اور صفت احسان کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

اور اللہ کا وعدہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور مخلص نیکوکار ہیں جس درجہ کا تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص ہو گا اسی درجہ کی معیت اور اعانت غیبی اس کے ساتھ ہو گی تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی اس طرح کرے گویا وہ خدا جل شانہٗ کو دیکھ رہا ہے اور معیت سے معیت خاصہ مراد ہے یعنی نصرت وحمایت وتائید وتقویت۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴾ (طٰہٰ: ۴۶)... ﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (التوبہ: ۴۰)۔ ان آیات میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ میں معیت سے مراد معیت عامہ ہے یعنی احاطۂ علمی مراد ہے۔

الحمد للہ اس وقت بوقت سحر شب دوشنبہ بتاریخ ۹ رجب المرجب ۱۳۸۹ ہجری سورۂ نحل تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد اولًا و اٰخرًا ○

اَللّٰھُمَّ اجعلنا من عبادك المخلصین واولیاءك المتقین المحسنین وحزبك المفلحین ○ آمین یارب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمّد وّ علٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین. وعلینا معھم یاارحم الراحمین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ الاسراء یعنی سورۂ بنی اسرائیل

سورۂ بنی اسرائیل جس کو سورۂ اسراء بھی کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اور چونکہ اس سورت میں آنحضرت ﷺ کے اسراء اور معراج کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر دو آیتیں ایک ﴿وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡہَا وَ اِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۷۶﴾ الی... وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾﴾ اور دوسری آیت ﴿وَ اِذۡ قُلۡنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾
ربط گزشتہ سورت میں زیادہ تر دلائل توحید کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر دلائل نبوت اور احکام شریعت کا بیان ہے۔ نیز گزشتہ سورت کے آخر میں اہل سبت کی تعدی اور زیادتی کا ذکر تھا اور اس سورت کے آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ سن کر ہوشیار ہو جائیں اور اپنا انجام سوچ لیں اہل مکہ بھی نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور محلات کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

آیاتھا ۱۱۱	سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ (۱۷) (۵۰)	رکوعاتھا ۱۲

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتی رات ادب والی مسجد سے پرلی

الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾

مسجد تک، جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سنتا دیکھتا۔

ذکر کرامت اسراء معراج بہ نبی اکرم ﷺ

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ... الٰی ... اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①﴾

گزشتہ سورت کے ختم پر صبر کی فضیلت بیان فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ﴾ (النحل:۱۲۶) اور اہل صبر اور اہل تقویٰ کے لیے اپنی معیت اور قرب کا وعدہ فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:۱۲۸) اس لیے اب اس سورت کا آغاز واقعۂ معراج کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سالہ ہوشربا مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا گویا مسلسل دس سال کے صبر کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت و کرامت و رفعت و بلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ پست افتد زبردستش کنند خوشہ چوں سر برکشد پستش کنند

حق جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ (النجم:۱۸) اور صبر جمیل پر جس معیت سراپا خیر و برکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا اور اپنے قرب خاص سے آپ ﷺ کو نوازا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ⑨ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ⑩﴾ (النجم) اور اس خارق عادت واقعہ کو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل بنایا اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں اہل مکہ کو متنبہ کر دیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب و احباب رضی اللہ عنہم کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پُر نور ﷺ کو نبی القبلتین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اس وعدۂ معیت کا اظہار ہے جس کا ﴿اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:۱۲۸) میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

اور چونکہ ایک رات میں عروج و نزول اور سیر سماوات خداوند کریم کی قدرت و مرحمت کا عجیب کرشمہ تھا اس لیے اس کو تسبیح اور تنزیہ سے شروع کیا گیا تاکہ کوئی ملحد اور زندیق اس سیر سماوات کو قدرتِ خداوندی سے خارج نہ سمجھے اور چونکہ کفار نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اس لیے منکرین اور مخالفین کی تہدید کے لیے قوم نوح کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا اور بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کا قصہ ذکر فرمایا کہ جس طرح خداوند قدیر نے پہلے معاندین کو سزا دی اسی طرح وہ اب بھی معاندین کو سزا دینے پر قادر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گیا ایسی مسجد جس کے گرداگرد ہم نے دینی اور دنیوی برکتیں رکھی ہیں دینی برکت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء کرام علیہم السلام کا مولد و مسکن اور ان کا مدفن ہے جس پر لیل و نہار اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور فرشتوں کا نزول ہوتا تھا اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہ زمین چشموں اور نہروں اور میووں اور درختوں سے مالا مال ہے تو ہم اپنے خاص بندے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ لے گئے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں مکہ معظمہ سے براق پر سوار ہو کر ملک شام پہنچ گئے اور مسجد

اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ان کی امامت فرمائی پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور بیت معمور اور سدرۃ المنتہیٰ پہنچے بلکہ اس سے بھی اوپر تاکہ اس آسمانی سیر سے آپ ﷺ کی کرامت اور علو مرتبت ظاہر ہو اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت واضح طور پر ثابت ہو جائے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی وہ اپنے نبی کے پاکیزہ اقوال کو سنتا ہے اور اس کے پسندیدہ افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اس کا اکرام ہوتا ہے اور فرش سے لے کر عرش تک اس کو اپنے عجائب ملکوت کا مشاہدہ کراتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے افعال دیکھتا ہے ان کے مطابق ان کو جزاء و سزا دے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا خاص برگزیدہ اور مقرب بندہ اللہ کی نشانیوں کو اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اللہ کے کان سے سنتا ہے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مقرب بندہ کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس وہ چلتا ہے۔ (آخر الحدیث)

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع صحیح کی کتاب الرقاق باب التواضع میں ذکر کیا ہے معاذ اللہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا بندہ کا عین بن جاتا ہے بلکہ اس سے مقام قرب اور مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مقام قرب میں اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ بظاہر اگرچہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اپنے کان سے سن رہا ہے مگر درپردہ تائید غیبی کارفرما ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى... فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ (الانفال: ۱۷)۔ اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کان سے وہ سنا جو اللہ نے سنایا اور آنکھ سے وہ دیکھا جو اللہ نے دکھایا۔

چوں در مکتبِ بے نشانی رسید   چہ گویم کہ آں جاچہ دید و شنید
ورق در نوشتند و گم شد سبق   شنیدن بحق بود و دیدن بحق

فائدہ ①: حق جل شانہٗ نے اس آیت میں واقعۂ معراج کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اس سے زیادہ وضاحت سورۂ نجم میں ہے اور احادیث میں اس کی پوری تفصیل ہے حق تعالیٰ نے جہاں جس قدر بیان کرنا مناسب جانا اسی قدر بیان کر دیا اختصار مزید بیان کی نفی نہیں کرتا۔

فائدہ ②: بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اقصیٰ کے معنی دور تر کے ہیں اور مسجد بیت المقدس خانہ کعبہ سے بہت دُور ہے۔ اور زمانہ نزول وحی میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی مسجد نہ تھی اور روئے زمین پر اس وقت مسجد اقصیٰ سے زیادہ کوئی مسجد دور نہ تھی۔

فائدہ ③: علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ پر لفظ ''اسراء'' یا ''معراج'' کا بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے اسراء رات کے چلنے کو کہتے ہیں لَيْلًا کا لفظ اس کے بعد صرف اس لیے لایا گیا کہ پوری رات اس سفر میں صرف نہ ہوئی بلکہ اس کا ایک قلیل حصہ صرف ہوا۔

فائدہ ④: اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو اپنے عجائب قدرت دکھائے اگرچہ یہ عالم بھی عجیب ہے

مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم وگمان سے بالا اور برتر ہیں آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورۂ نجم کی آیات سے ظاہر ہے ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ (النجم:۱۸)۔

فائدہ ⑤: خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو لفظ ''سبحان'' سے شروع کیا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقص اور عجز سے پاک ہے اس کو ایک رات میں اپنے بندہ کا مکہ سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں جو لوگ اس کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ خدا کو عجز اور نقص کا عیب لگاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہر عیب سے منزہ اور پاک ہے۔

فائدہ ⑥: صحابہ اور تابعین اور علماء ربانیین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کو یہ معراج بحالتِ بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث کثیرہ وصحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے کہ جن کا نہ انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے' اس درجہ کثیر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچی ہیں جن کا انکار ناممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نہیں متواترات کا انکار کفر ہے اور نصوص محکمات میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل اسلام کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ ﷺ بیداری کی حالت میں بجسدہ العصری آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

سلف اور خلف اور جمہور فقہاء ومحدثین ومتکلمین اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سب کا یہی قول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جو یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ معراج کو بحالت منام (نیند) ایک عجیب وغریب خواب مانتے تھے صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

فائدہ ⑦: ظاہر قرآن سے یہی مفہوم اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور پُرنور ﷺ اس جسد عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آسمانوں پر تشریف لے گئے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

① پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے عبد (بندہ) کو آیت میں لفظ عبد واقع ہے جس کا ترجمہ بندہ ہے جو مجموعہ روح وجسد کا نام ہے اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح نہیں قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ ﴾ (العلق) یعنی کیا تو نے ابوجہل کو بھی دیکھا ہے جو اس خاص بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے سے روکتا ہے ظاہر ہے کہ اس آیت میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نہ کہ صرف روح کیونکہ ابوجہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا۔ نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴾ (الجن:۱۹) یعنی جب اللہ کا بندہ محمد (ﷺ) نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو قرآن سننے کے لیے اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں ظاہر ہے کہ صرف حضرت کی روح نماز پڑھنے کے لیے کھڑی نہیں ہوتی تھی نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴾ (مریم:۲) اس آیت میں بھی عبد سے مراد زکریا علیہ السلام کی روح اور جسد دونوں ہی ہیں غرض یہ کہ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں کثیر ہیں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے۔ نیز حق جل شانہ نے اس واقعہ کے بیان کو تسبیح وتنزیہ سے شروع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح امر عظیم اور امر عجیب کے وقت ہوتی ہے خواب جیسے معمولی واقعہ کے لیے ایسا عظیم لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا کیونکہ خواب کوئی ایسی بڑی بات نہیں جس کے لیے تسبیح کا لفظ استعمال کیا جائے۔

② نیز ﴿ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ بحالت بیداری اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو بحالتِ خواب یا محض روحانی طور پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا تو پھر ﴿ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا ﴾ میں یہ معنی لینے ممکن ہوں گے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ ﴾ (ھود:۸۱)۔ اس آیت میں لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ رات کے حصہ میں اپنے گھروالوں کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ اور ظاہر ہے کہ بیداری میں لے جانا مراد ہے خواب میں لے جانا کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں۔

③ نیز ﴿ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسراء سے مقصود آیات قدرت کا مشاہدہ کرانا تھا کہ بحالتِ بیداری اس چشم سر سے عجائب قدرت کو دیکھیں روحانی طور پر یا بحالتِ خواب دکھانا مراد نہیں بلکہ جسمانی طور پر دکھلانا مراد ہے اور سورۂ نجم میں ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ﴾ (النجم:۱۷) کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا نیز سورۂ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیاتِ کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیاتِ کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔

④ نیز بتواتر منقول ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ اسراء و معراج کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو کافروں نے اس کو محال جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خواب کے مدعی نہ تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب کے مدعی ہوتے تو کافروں کے جھٹلانے کے کوئی معنی نہ تھے خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے کیا عرب کے کافر ایسے بے وقوف اور نادان تھے جو یہ کہتے تھے کہ خواب میں بیت المقدس اور آسمانوں پر جانا محال ہے۔

⑤ نیز احادیث میں ہے کہ مشرکین نے اس واقعہ کو سُن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اُڑایا اور تالیاں بجائیں، بیت المقدس کی علامات دریافت کیں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ دیکھ کر ان کی باتوں کا جواب دیا اگر یہ واقعہ کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کی علامتیں نہ پوچھتے خواب بیان کرنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ مذاق اُڑاتا ہے ایسے موقع پر کسی کا تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور اور مخالف کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی وہ اپنی اس میں سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھوٹ ثابت کر دیں اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب یہ واقعہ بیداری کا ہو اور امتحان کے وقت من جانب اللہ بیت المقدس کا سامنے کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ صرف اتنا واقعہ کشفی ہے باقی پورا واقعہ بیداری کا ہے۔

⑥ نیز اگر واقعہ اسراء و معراج کوئی خواب ہوتا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر واپس آسکتا ہے۔

⑦ نیز مستدرک حاکم میں باسناد صحیح اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جا کر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہوگئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے جا کر کہا کہ تمہیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے آپ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی ہے لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دُور کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ ﷺ صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دُور ہیں اور بعید از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے اِن کا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دُور دُور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ جلد ۳ و تفسیر در منثور ص ۱۵۵ جلد ۴ و خصائص کبریٰ ص ۱۷۶ جلد ۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ سننے والے نے اس واقعہ کو بیداری کا واقعہ سمجھا اسی بناء پر بعضے لوگ مرتد ہو گئے اور ابو جہل اور قریش نے اس واقعہ کو محال سمجھ کر آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور اسی کی تصدیق پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ملقب بصدیق ہوئے اور یہ سب باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب کہ آپ ﷺ کا دعویٰ معراج جسمانی بحالت بیداری ہو خواب میں مکہ سے بیت المقدس جانا اور صبح کو مکہ واپس آجانا کسی عاقل کے نزدیک بھی محال اور ناممکن نہیں نبی تو نبی ایسا خواب تو کافر بھی دیکھ سکتا ہے اور خواب سن کر بے اعتقاد اور مرتد ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور محض خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب ملنے کی بھی کوئی وجہ نہیں پس معلوم ہوا کہ جس معراج کی ابو جہل اور کفار نے تکذیب کی اور جس کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی تھی وہ جسمانی ہی تھا۔ لہٰذا اب جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں۔ لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں کس طرح درست اور صحیح ہو سکتا ہے۔

نیز عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دونوں حضرات اس بات کے قائل تھے کہ واقعہ معراج بلاشبہ جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا مگر ان دونوں حضرات کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے کہ نہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے کہ حضور پُر نور ﷺ نے اس شب میں اپنے رب اکرام کو بچشم سر دیکھا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے منکر تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شب معراج میں رؤیت باری کی منکر تھیں۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل تھیں صرف رؤیت کی منکر تھیں۔ حضرت عائشہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف معراج کی جسمانی اور بحالت بیداری ہونے میں نہ تھا بلکہ اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ حضور پُر نور ﷺ اس سیر ملکوتی میں بچشم سر دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بحالت خواب حق تعالیٰ کا دیدار بالا جماع جائز ہے معراج جسمانی ہونے کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی اختلاف نہیں بالفرض اگر کوئی اختلاف ہوتا تو وہ اختلاف کسی پر مخفی نہ رہتا سب کو معلوم ہوتا جن مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے سے مناظرہ یا کوئی مباحثہ ہوا جیسے سماع موتی اور متعۃ الحج وغیرہ میں تو وہ ضرور منقول ہوتا اسی طرح اگر مسئلۂ معراج کے متعلق صحابہ و تابعین میں کوئی اختلاف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ ناممکن تھا کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی معراج جسمانی کا منکر ہوتا تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معراج جسمانی کے قائل تھے وہ ان سے مناظرہ نہ کرتے۔

غرض یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں بالکل غلط ہے جو لوگ معراج کو روحانی یا خواب قرار دیتے ہیں اور معراج کے منکر ہیں وہ اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے ہیں اور بطور استدلال یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں:

((مَا فقدت جسد رسول الله ﷺ ولكن الله اسرىٰ بروحه)).

یعنی شب معراج میں میرے پاس سے آنحضرت ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے آپ ﷺ کی روح کو سیر کرائی۔

جواب: یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن وجبہ رحمۃ اللہ علیہ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اس کو وضع کیا ہے۔ (زرقانی شرح مواہب [1] ص ۴ جلد ۶)

علاوہ ازیں اس روایت کا صحیح ہونا نہایت دشوار ہے کیونکہ واقعہ معراج بالاجماع ہجرت سے تین سال یا پانچ سال پہلے کا ہے اس وقت اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا بھی ہو چکی تھیں تو سن شعور کو نہ پہنچی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے نکاح میں نہ آئی تھیں جو واقعہ ان سے پہلے گزر چکا ہے اس کی نسبت وہ کیسے فرما سکتی ہیں کہ آپ ﷺ کا جسم موجود تھا یا غائب تھا۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ میں نبی کریم ﷺ کے جسم کو اپنے پاس سے مفقود اور غائب نہیں پایا کیسے صحیح ہو سکتا ہے خاص کر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب واقعہ معراج بیان کیا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بوجہ تصدیق کے صدیق کا لقب ملا اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ معراج جسمانی نہ ہوتی تو اس بات کی تصریح فرما دیتیں کہ ارتداد اور استبعاد کی کیا ضرورت ہے یہ واقعہ تو خواب کا ہے یا روحانی واقعہ ہے کفار نے غلط سمجھ کر خواہ مخواہ آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جس میں کفار کی تکذیب اور لوگوں کا مرتد ہونا اور تصدیق کی وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب مذکور ہونا یہ حدیث مرفوع اور صحیح ہے اور مَا فقدت جسدہ والی روایت موقوف اور غیر صحیح ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رؤیت بصری سے انکار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل تھیں ورنہ خواب میں دیدار خداوندی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں منامی اور روحانی رؤیت کا انکار غیر معقول ہے اس لیے کہ رؤیت باری تعالیٰ خواب میں یا روحانی طور پر عقلاً ونقلاً جائز ہے معاذ اللہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے لیے خواب میں بھی دیدارِ خداوندی اور رؤیت باری تعالیٰ کو جائز نہیں سمجھتی تھیں اور اگر بفرض محال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ یہ قول بے شمار احادیث صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول نہ ہوگا۔ (شرح شفاء قاضی عیاض للعلامہ القاری ص ۱۴۴ ج ۱)

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت ﷺ کو اسراء و معراج کے لیے لینے آئے تو آپ اس وقت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے فرشتے آپ ﷺ کو اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے معجم طبرانی میں اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

((قالت بات رسول الله ﷺ ليلة اسرى به فى بيتى ففقدته من الليل فامتنع منى النوم مخافة ان يكون عرض له بعض قريش فقال رسول الله ﷺ ان جبريل اتانى فاخذبيدى فاخرجنى الىٰ آخرِ الحديث)). (خصائص کبریٰ للسیوطی ص ۱۷۷)

---

[1] علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حديثها هٰذا ليس بالثابت عنها لما فيه من العلة القادحة وفى سنده من الانقطاع وراوٍ مجهول وقال ابن وجبة فى التنوير انه حديث موضوع عليها وَقال فى معراجه الصغير قال امام الشافعية ابو العباس بن سريج هذا حديث لايصح وانما وضع رداً للحديث الصحيح. (زرقانی شرح مواہب ص ۴ ج ۶)

"اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ میرے گھر میں تھے درمیان شب کے میں نے آپ کو دیکھا تو آپ گھر میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا کہ آپ باہر تشریف لے گئے ہیں مبادا قریش میں کا کوئی دشمن آپ کے پیچھے نہ لگ گیا ہو (جب صبح ہوئی اور آپ گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی) تو آپ نے مجھ سے اسراء اور معراج کا واقعہ بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔ (دیکھو خصائص کبریٰ ص ۱۷۷ جلد ا و تفسیر در منثور ص ۱۴۸ جلد ۴)

اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ لفظ ففقدته من اللّیل یعنی اس رات میں نے آپ کو گھر سے غائب پایا اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کا یہ لفظ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے لفظ مافقدت جسد رسول الله ﷺ کے صریح معارض اور مخالف ہے لہٰذا بوقت تعارض ترجیح اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو ہوگی اس لیے کہ معراج کا آغاز اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوا اور واپسی بھی اُم ہانی کے گھر پر ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں اور بعض اقوال کی بناء پر واقعہ اسراء و معراج حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے کا ہے۔ اس لیے اگر بالفرض عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بھی ہو تو اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا خود اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ معراج کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نہ تھیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود ایک روایت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق آئی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اس رات آنحضرت ﷺ گھر سے غائب تھے۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن عساکر رحمہما اللہ نے حدیث معراج کو عبداللہ بن عمر اور ام سلمہ اور عائشہ صدیقہ اور ام ہانی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور اس طویل اور مفصل حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔

((ففقد النبی ﷺ تلك الليلة فتفرقت بنوعبد المطلب يطلبونه وَ يلتمسونهٗ، وخرج العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتیٰ بلغ ذاطویٰ فجعل يصرخ يا محمد يا محمد فجابهٗ رسول الله ﷺ لبيك لبيك فقال ابن اخی اعییت قومك منذالليلة فأين كنت قال اتيت من بيت المقدس قال فی ليلتك قالَ اصابك خير قال ما اصابنی اِلّا خير)). (تفسیر در منثور ص ۱۴۹ ج ٤)

یعنی اس شب میں آنحضرت ﷺ اپنے گھر سے گم اور غائب ہوئے اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ رات کے وقت آپ ﷺ کہاں چلے گئے اس لیے بنی عبدالمطلب آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ جب وادی طویٰ میں پہنچے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ زور زور سے یا محمد یا محمد کہہ کر آواز دینے لگے اسی حالت میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے جواب میں آواز آئی لبیک لبیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے بھتیجے تم نے اس رات گھر والوں کو پریشان کیا اور ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے تھکا دیا آپ ﷺ نے فرمایا میں بیت المقدس سے واپس آ رہا ہوں کہا اسی رات میں؟ آپ ﷺ نے کہا ہاں، پوچھا خیر تو ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں خیر ہے۔

اس حدیث میں نظر ڈالیے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی واقعہ معراج کی روایت فرما رہی ہیں اور اس روایت میں اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا وغیرہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں کہ دونوں متفقہ طور پر یہ روایت کرتی ہیں کہ اس شب میں آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک گھر سے غائب اور مفقود تھا۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کردہ روایت ((ما فقدت جسد رسول الله ﷺ)) کیسے صحیح ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کہ وہ روایت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت اور دیگر صحابہ کرام کی روایت کے مخالف اور

معارض ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی ایک روایت کے صریح معارض اور مخالف ہے معلوم ہوا کہ اس قول کی نسبت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف کسی طرح صحیح نہیں اس بارہ میں سب سے زیادہ موثق اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جن کے گھر سے اس سفر کا آغاز ہوا اور اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر واپسی ہوئی۔

شبے رخ تافتہ زیں دار فانی — بخلوت در سرائے اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا
رسیدش جبریل علیہ السلام از بیت معمور — براقِ برق سیر آورد از دُور
قوی پشت و گراں سیروسبک خیز — براندن دور بیں وقت شدن تیز

اور بیہقی اور طبرانی اور بزار کی روایت میں ہے کہ صبح کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: طلبتك یا رسول الله البارحة فی مکانك یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے گزشتہ شب آپ کو تلاش کیا آپ کو آپ کے مکان میں نہ پایا۔ (شرح شفاء لعلامۃ القاری ص ۴۰۸ ج ۱)

اور ایک روایت میں لفظ ہیں: یا رسول الله ، این کنت یا رسول الله فقد طلبتك. ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے جہاں جہاں گمان اور خیال کیا جاسکتا تھا وہاں سب جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر لیا مگر آپ کو نہ پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات جبرئیل امین علیہ السلام آئے تھے اور براق پر سوار کر کے مجھے بیت المقدس لے گئے تھے۔ الی آخرہ

(دیکھو خصائص کبریٰ سیوطی ص ۱۵۹ جلد ۱)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس امر کی روشن دلیل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسراء جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا اور پھر اس کو رد کیا کہ یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ دلائلِ واضحہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے بے شمار روایتوں میں بتواتر یہ امر منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر جسم ہی سوار ہوتا ہے نہ کہ رُوح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ و تابعین کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے۔ لہٰذا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری ص ۱۴ جلد ۱۵)

اور کیا مشرکین مکہ کا اس واقعہ کو سن کر مذاق اڑانا اور تعجب سے سر پر ہاتھ رکھنا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں پوچھنا کیا یہ سب خواب ہی میں تھا یا روحانی طور پر تھا مقصود اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کرنا تھا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ واقعہ بحالت بیداری اسی جسم عنصری کے ساتھ مانا جائے ورنہ محض روحانی عروج یا خواب نبوت و رسالت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

معراج جسمانی کے بعض منکرین نے اسی سورت کی اس آیت یعنی ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا چونکہ یہ آیت اسی سورت کی ہے اس لیے اس شبہ کا لفظی جواب ان شاء اللہ اسی آیت کی تفسیر میں آجائے گا۔ مختصر یہ کہ اس آیت میں رؤیا سے معراج کا خواب مراد نہیں بلکہ واقعہ حدیبیہ کے متعلق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا تھا وہ مراد ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس سے معراج ہی کا واقعہ مراد لیا جائے تو صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں رؤیا

سے مراد رؤیت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں جو دیکھا وہ بچشم سر دیکھا وہ خواب نہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ معراج جسمانی بحالت بیداری، دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا انکار بھی کفر ہے اور اجماعی اُمور کا انکار قریب بکفر ہے اور غیر ثابت شدہ اقوال کی آڑ لے کر نصوص صریحہ اور واضحہ میں تاویل کرنا یہ الحاد اور زندقہ ہے ایسا شخص ظاہر میں مسلمان ہے اور درپردہ کافر ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ملحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے۔

⑧ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ جب حضور پرنور ﷺ نے واپسی پر ام ہانی رضی اللہ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کردوں اُم ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لیے آپ ﷺ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر بیٹھیں آنحضرت ﷺ نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی رضی اللہ عنہا اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

⑨ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یقین تھا کہ لوگ سن کر اس واقعہ کی تکذیب کریں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب وغریب واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ لوگ سُن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

آنحضرت ﷺ بجائے اس کے کہ واقعہ معراج سے شاداں اور فرحاں ہوتے بیان کرنے سے پہلے ہی رنجیدہ اور غمگین تھے اس وجہ سے کہ کفار اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھ کر میری تکذیب کریں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے بظاہر باوجود اس رنجیدگی اور پریشانی کے آپ ﷺ نے یہ واقعہ سب کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ آپ ﷺ اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے ولی کو اپنی کرامت کا چھپانا جائز ہے مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار فرض ہے تاکہ اس کی نبوت ورسالت ثابت ہو۔

فائدہ: اس وقت ہم منکرین معراج کا ایک اعتراض نقل کر کے جواب دینا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کرام ملاحدہ اور زنادقہ کے دام تزویر میں آکر اسلام کے ایک متفق علیہ مسئلہ کا اِنکار نہ کریں۔

اعتراض ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے سبع سمٰوٰت کا سفر طے کرنا اور صبح سے پہلے مکہ واپس آجانا عقلاً محال ہے۔

جواب ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کر لینا عقلاً کوئی محال نہیں سرعت حرکت کی کوئی حد معین نہیں ہوائی جہازوں کی پرواز سامنے ہے اور نہ معلوم آئندہ کس حد تک ترقی کر جائے قرآن کریم میں ہے کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھی تخت سلیمانی کو وقت قلیل میں ایک مہینہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ (السباء:۱۲) قرآن کریم سے ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کو خدا تعالیٰ نے کتاب کا علم عطا فرمایا تھا ایک پلک جھپکنے میں بلقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ﴾ (النمل:۴۰)

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اُتارا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور علیٰ ہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اِلی السماء اور

نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانیین کا یہی عقیدہ چلا آ رہا ہے معلوم ہوا کہ جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً و نقلاً بالاتفاق ممکن بلکہ واقع ہے اور اس زمانہ میں ہوائی جہازوں کی برق رفتاری سب کے سامنے ہے۔ پس جب کہ اس زمانہ میں خدا کی مخلوق کو یہ قدرت ہے کہ صدہا اور ہزار ہا میل فی گھنٹہ کی رفتار کی سواری ایجاد کر سکے تو کیا خداوند علام کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ کے لیے براق جیسی برق رفتاری پیدا کر دے کہ جو اس کو چند گھنٹہ میں بیت المقدس کا سفر طے کرا دے معاذ اللہ کیا خدائی قدرت یورپ کے کارخانوں کی قدرت سے بھی کم ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر عروج اور پھر اس جسم عنصری کے ساتھ نزول ممکن ہے اسی طرح سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور اخیر زمانہ میں نزول من السماء بھی ممکن ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عروج اور یہ نزول جسمانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج الی السماء بھی جسمانی تھا اور قیامت کے قریب ان کا نزول من السماء بھی جسمانی ہوگا اور یہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا قادیان کے کسی دہقان کا یہ کہنا کہ کسی جسم عنصری کا زندہ آسمان پر جانا اور زندہ آسمان سے اترنا محال ہے اہل عقل کے نزدیک مجنونانہ ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان مسئلہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ترین معجزات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت اور براہین رسالت سے ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اُمت محمدیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسراء و معراج کی عزت و کرامت سوائے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر مرزائے قادیان اپنی خودغرضی کی وجہ سے اس معجزہ سے انکار کرتا ہے اور طرح طرح سے معراج جسمانی کے ماننے سے پہلوتہی کرتا ہے مرزائے قادیان کو ڈر یہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جائے گا اور پھر جب ان کا رفع الی السماء ثابت ہو جائے گا تو ان کا نزول من السماء یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اس لیے مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً و نقلاً محال ہے کوئی زندہ شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مکہ سے باہر نہیں گئے بستر پر ہی لیٹے لیٹے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا۔ چنانچہ مرزا ازالۃ الاوہام ص ۴۷ میں لکھتا ہے کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔ (انتہیٰ)

ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بنایا اور ثالثاً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا تو قادیان کے اس دہقان کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہو چکا ہے مرزا کے نزدیک اگر یہ واقعہ خواب کی حالت میں ہوا تھا یا اعلیٰ درجہ کا کشف تھا تو جو واقعات احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہیں وہ سب کے سب کیا خواب تھے یا سب کشف و مکاشفے تھے واقعہ معراج

سُن کر مشرکین مکہ کا تعجب سے سروں پر ہاتھ رکھ لینا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب باتیں کشف اور خواب کی آزمائش کے لیے تھیں یا واقعہ بیداری سمجھ کر یہ باتیں کی جارہی تھیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ معراج جسمانی کا تھا نہ کہ روحانی اور منامی اور کشفی کا تھا اس لیے کہ روحانی یا منامی یا کشفی چیز کا کون انکار کرسکتا ہے اور نہ کوئی اس پر اعتراض کرسکتا ہے اور نہ اس کے جواب کی کوئی حاجت ہوتی ہے نیز کیا اس قسم کا کشف مرزا صاحب کے علاوہ کسی اور کو بھی ہوسکتا ہے یا صرف مرزا صاحب کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا ازالۃ الاوہام میں لکھتا ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ کی رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی۔ (انتہیٰ)

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے۔ دوسرے یہ کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر تھیں۔ اوّل امر کے متعلق یہ گزارش ہے کہ کتب رجال وغیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم معراج جسمانی کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ امر کسی ادنیٰ مسلمان پر مخفی نہیں کہ جس بات پر ایک لاکھ اعتقاد رکھتے ہوں اس کے موافق اعتقاد رکھنا مسلمان پر فرض ہے اور آیت شریفہ ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النساء:١١٥) سے ان لوگوں کے لیے وعید ثابت ہے کہ جو مؤمنین اولین کے طریقہ سے انحراف کریں رہا امر دوم کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کی منکر تھیں سو وہ بالکل غلط ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے اور یہ بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف مافقد جسمه ﷺ روایت منسوب کی جاتی ہے وہ قطعاً موضوع ہے اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو صرف ایک صحابی کا قول ہزار ہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے مقابلہ میں کیسے حجت ہوسکتا ہے؟ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایک ایسے غیر صحیح اور غیر ثابت قول سے استدلال کرنا جو مجمل اور مؤول ہو الحاد اور زندقہ ہے۔ بہرحال مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے بیت المقدس اور آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کشف سے دیکھ رہے تھے یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی رہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں مرزا ازالۃ الاوہام کے صفحہ نمبر ۴۸ میں لکھتا ہے۔

سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

سبحان اللہ مسیلمۂ قادیان کی اس جسارت اور وقاحت کو تو دیکھئے کہ اپنے لیے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہر کس و ناکس اس قسم کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نے بھی گھر بیٹھے بیٹھے کشفی طور پر بیت المقدس اور سبع سمٰوٰت کی سیر کرلی ہے کشف تو ایک قسم کی معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کو نظر آتی ہے البتہ آثار اور علامت سے اس کا ثبوت ہوسکتا ہے مگر مرزا صاحب پر جب نظر ڈالتے ہیں تو آثار تکذیب ہی کے نظر آتے ہیں اس لیے کہ مرزا صاحب کی بہت سی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اور ظاہر ہے کہ پیشین گوئیوں کا دارومدار کشف پر ہے اور علماء کرام نے مرزا کی پیشین گوئیوں کے جھوٹ اور غلط ہونے کے

متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

قصۂ اسراء ومعراج

بمناسبت مقام، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر قصۂ اسراء ومعراج نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے تا کہ اجمالی طور پر از اوّل تا آخر قصہ کی ترتیب وقوعی معلوم ہو جائے باقی تفصیل کے لیے کتب سیرت دیکھیں اور بقدر ضرورت اس ناچیز نے اپنی تالیف سیرۃ المصطفیٰ حصہ اوّل میں واقعہ معراج کو مع اسرار وحکم لکھ دیا وہاں دیکھ لیا جائے۔ فاقول وباللہ التوفیق ○

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم○

ہجرت سے ایک سال پہلے یا دو سال یا پانچ سال پہلے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں بعد نماز عشاء اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں سو رہے تھے کہ جبرئیل امین علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آئے اور اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان سے مسجد حرام میں لے گئے وہاں سینہ مبارک چاک کیا اور قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے دھو کر اپنے مقام پر رکھ دیا اور پھر آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے راستہ میں کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کتب سیرت میں ہے تھوڑی دیر میں آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ براق سے اُترے جبرئیل امین علیہ السلام نے براق کو ایک حلقہ میں باندھ دیا مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام آپ ﷺ کے انتظار میں جمع تھے اور آسمان سے کچھ فرشتے بھی نازل ہوئے تھے اور سب صف بستہ تھے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے حضور پرُنور ﷺ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا آپ ﷺ نے ان سب کی امامت فرمائی۔ (زرقانی ص ۸۰ جلد ۶)

اور انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام حاضرین نے آپ ﷺ کی اقتداء کی پھر آپ کے لیے ایک معراج (سیڑھی) لائی گئی ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی۔ (زرقانی ص ۵۵)

پھر اس معراج (سیڑھی) کے ذریعے آنحضرت ﷺ اور جبرئیل امین علیہ السلام دونوں آسمان پر پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا اور آسمان پر عروج اسی معراج (سیڑھی) کے ذریعہ ہوا اور براق کو بیت المقدس میں چھوڑ گئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جہاں ان کے ساتھ ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی تھے پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں آپ ﷺ بیت معمور میں داخل ہوئے جو قبلۂ ملائکہ ہے اور ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر قیامت تک عود نہیں کرتے اور یہ بیت معمور جس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو عرش کے نیچے ہے اور خانہ کعبہ کی محاذات میں ہے بالفرض اگر بیت معمور اپنی جگہ سے گرے تو خانہ کعبہ پر آ کر گرے اس کا حکم وہی ہے جو خانہ کعبہ کا ہے۔ (زرقانی ص ۸۰ جلد ۶)

پھر جبرئیل امین علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو لے کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کو انوارِ خداوندی ڈھانپے ہوئے ہیں۔ اور ہر طرف سے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں یہ مقام اوپر سے اترنے والوں اور نیچے سے چڑھنے والوں کا منتہیٰ

ہے اور کراماً کاتبین کا بھی منتہی ہے کراماً کاتبین اس سے اوپر نہیں جاتے اور یہی مقام جبرئیل امین علیہ السلام کا مستقر اور ٹھکانا ہے اسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا چھ سو پر تھے۔ (زرقانی ص ۷۶ جلد ۶)

اور سدرۃ المنتہیٰ ہی کے قریب آپ نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوئے اور وہاں کی سیر کی وہاں دیکھا کہ گنبد موتی کے ہیں اور مٹی مشک کی ہے حق جل شانہ، کے اس ارشاد ﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ﴿۱۶﴾﴾ (النجم) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے اور اسی مقام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہر کوثر کو دیکھا جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے۔ (زرقانی ص ۷۵ جلد ۶)

اور وہ چار نہریں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے ﴿فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ﴾ (محمد: ۱۵) چاروں نہریں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر ان کا معائنہ فرمایا۔ (زرقانی ص ۷۹ جلد ۶)

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم دکھلائی گئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے قہر اور غضب کا مشاہدہ کیا پھر بند کر دی گئی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سبز رفرف (جھولا یا تخت) لایا گیا آپ اس پر بیٹھے اور جبریل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرشتہ کے سپرد کیا جو رفرف کے ساتھ آیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے ساتھ چلنے کی درخواست کی جبریل امین علیہ السلام نے کہا مجھے آگے جانے کی قدرت نہیں اگر ایک قدم بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آیات دکھلانے کے لیے بلایا ہے۔ (دیکھو زرقانی ص ۹۵ جلد ۶)۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام کو الوداع کہا اور رفرف میں بیٹھ کر اس کے فرشتے کے ہمراہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستوی (بلند جگہ) پر جہاں آپ صریف الاقلام سنتے تھے یعنی ان قلموں کی کتابت کی آواز سنتے جو احکام الٰہیہ اور تقادیر ربانیہ کی کتابت کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی رفرف پر جا رہے تھے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی اثناء میں یکا یک ایک نورانی ابر نمودار ہوا جس نے مجھے اپنے اندر لے لیا اور میں تنہا رہ گیا اور وہ فرشتہ جو رفرف کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا اور اس اثناء میں فرشتوں کی جو آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ سب منقطع ہو گئیں اور اس طرح میں بارگاہِ قدس اور مقام قرب میں عرش کے قریب پہنچا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾﴾ (النجم) اور مقام دنُو اور تدلی میں یعنی مقام قرب میں حق تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں مجھ پر فرض کیں۔ بعد ازاں میں بارگاہ خداوندی سے واپس ہوا واپسی میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پھر بارگاہِ خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ اس طرح یہ دس معراجیں ہوئیں سات معراجیں تو سات آسمانوں تک ہوئیں اور آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی اور نویں معراج مقام صریف الاقلام تک ہوئی اور دسویں معراج مقام دَنیٰ فتدلّٰی تک ہوئی۔ یعنی مقام قرب تک ہوئی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لقاء خداوندی اور کلام خداوندی سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں آسمانوں سے بیت المقدس واپسی ہوئی اور حسب سابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھی اور صبح کی نماز کے بعد قریش کو اپنے سفر بیت المقدس اور عروج آسمانی کی خبر دی کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور وہ سوجھ دی بنی اسرائیل کو کہ نہ حوالہ کرو

مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا

میرے سوا کسی پر کام تم جو اولاد ہو اُن کی جن کو لاد لیا ہم نے نوح کے ساتھ، وہ تھا بندہ

شَكُوْرًا ۝۳

حق ماننے والا

ذکر کرامت حضرت موسیٰ علیہ السلام بعطائے تورات وشرف تکلیم ومناجات

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ . . . اِلٰى . . . اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اسراء اور شرف معراج کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف اور عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر بلا کران سے کلام کیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ان کو توریت دی جس میں یہ تاکیدی حکم تھا کہ اے فرزندانِ قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل گوسالہ پرستی اور شرک میں پڑ کر ہلاک ہوئے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسوی کا ذکر نہایت لطیف ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسولِ برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت عالم کے لیے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبدأ اور معاد اور مکارم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیلۃ المعراج میں بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدارِ خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہوا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور معجزۂ معراج کے منکرین کا انجام خراب ہوا۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کرسکے گی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار کی طرف لوٹ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار بارگاہِ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے اُمور کو اس کے حوالہ اور سپرد کردو بلکہ اللہ کے سپرد کردو

کیونکہ غیر اللہ کو اپنا وکیل بنانا ایک قسم کا کفر اور کفرانِ نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور سب خدا کے شکر گزار بندے تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ شکر گزاری اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا۔ پس تم اپنے باپ کے مشابہ بنو اور ان کے طریقہ پر چلو بے شک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکر گزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا پہنتے تو الحمد للہ کہتے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام عبد الشکور رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دارومدار شکر گزاری پر ہے شکر گزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکرا اور ناقدرا محروم رہتا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا

دوبار، اور چڑھ جاؤ گے بری طرح چڑھنا پھر جب آیا پہلا وعدہ اُٹھائے ہم نے

عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَ

تم پر ایک بندے اپنے سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ۔ اور

كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ

وہ وعدہ ہونا ہی تھا پھر ہم نے پھیری تمہاری باری اُن پر، اور زور دیا تم کو

بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ

مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دی تمہاری بھیڑ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا

لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا

اپنا، اور اگر برائی کی تو آپ کو پھر جب پہنچا وعدہ پچھلی بار کا کہ وہ لوگ اداس کریں

وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا

تمہارے منہ اور پیٹھیں (گھسیں) مسجد میں جیسے پیٹھے (گھسے) پہلی بار، اور خراب کریں

مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ

جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی آیا ہے رب تمہارا اس پر، کہ تم کو رحم کرے اور اگر پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸

اور کیا ہے ہم نے دوزخ منکروں کا بندی خانہ

ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب عبرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ ... اِلٰى ... وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸﴾

ربط: گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے توریت نازل کی مگر وہ بجائے رشد وہدایت کے فتنہ وفساد میں جاگرے جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ دُنیا ہی میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اب ان آیات میں احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کے بُرے انجام کو بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ عبرت پکڑیں کہ جو شخص اللہ سے باغی ہوجاتا ہے اللہ دنیا ہی میں اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے ان آیات میں اجمالاً دو واقعوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی اور دونوں مرتبہ سخت قتل وغارت اور ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے کتاب توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں فیصلہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کر دیا کہ تم سرزمین شام میں دو مرتبہ ضرور فتنہ اور فساد برپا کرو گے کہ حدود شریعت سے باہر نکل جاؤ گے اور اعلانیہ احکام توریت کی خلاف ورزی کرو گے اور بڑا اودھم مچاؤ گے اور لوگوں پر ظلم وستم ڈھاؤ گے خوب سمجھ لو کہ دونوں مرتبہ تم سخت سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے ﴿لَتُفْسِدُنَّ﴾ میں حقوق اللہ کے ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے توریت میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فتنہ اور فساد برپا کریں گے اور ظلم وستم کا شیوہ اختیار کریں گے تو پھر ہر مرتبہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے پھر جب ان دو وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آئے گا تو ہم تمہاری سزا اور سرکوبی کے لیے اپنے ایسے بندے کھڑے کریں گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اور ڈھونڈ ✱ ڈھونڈ کر تم کو قتل کریں گے اور گھر گھر تلاش کر کے تم کو گرفتار کریں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نصر بابلی اور اس کا لشکر ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے جالوت مراد ہے جو بعد میں داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

نکتہ: ﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ "ہمارے بندے" یہ اضافت تشریف وتکریم کے لیے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ہمارے خاص بندے ہوں گے بلکہ یہ اضافت تخلیق وتکوین ہے۔

✱ یہ ترجمہ جاسُوا کا ہے جو جَوس سے مشتق ہے جس کے اصل معنی وہی ہیں جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے اور یہ معنی ابن جریرؒ نے بیان کیے ہیں۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے خاص ظالم بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے پیدا کیا ہے یعنی مغرورین اور متکبرین پر مسلط کرنے کے لیے پیدا کیا اور ان ظالم بندوں سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو وہ پورا ہوا پھر جب تم نادم اور تائب ہو کر اپنی شرارتوں سے باز آجاؤ گے تو پھر تم کو ہم ان پر غلبہ دے دیں گے تم غالب ہو گے وہ مغلوب ہوں گے اور قسم قسم کے مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں بڑا جتھے والا کر دیں گے اور تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور تمہاری قلت مبدل بہ کثرت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح و نصرت داؤد علیہ السلام کے زمانۂ خلافت میں پورا ہوا یا کسی اور بادشاہ کے زمانے میں پورا ہوا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سلطنت اور شوکت عطا کی جب تک اللہ کی اطاعت اور شریعت کے متابعت پر قائم رہے سلطنت اور اقتدار قائم رہا۔ اہل دولت کو چاہیے کہ مال و دولت اور شان و شوکت پر مغرور نہ ہوں یہ دنیا آنی اور فانی ہے اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر خدا کے قہر اور انتقام کو نہ بھولیے نہ معلوم خدا تعالیٰ کس وقت پکڑ لے اور بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ کرے آج کل بیت المقدس اور بلاد عربیہ اور ہندوستان میں جو مسلمان کفار کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کھلم کھلا احکام شریعت کی خلاف ورزی پر اتر آئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا مِنْ ذٰلِكَ آمین۔

اور اس کتاب میں بطور نصیحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم پہلے واقعہ سے سبق لے کر آئندہ نیکی کرو گے تو اپنے ہی نفع کے لیے نیکی کرو گے اس بھلائی کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری جانوں کے لیے ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا نہ کوئی نفع ہے اور نہ کوئی ضرر جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے اس کا بیان ہے کہ جو خدا سے باغی اور طاغی ہوئے اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر اس ظالم نے ان کو خوب ذلیل و خوار کیا ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا ... وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی جب تم دوبارہ فتنہ برپا کرو گے اور شریعت عیسویہ کا خلاف کرو گے اور پہلی مرتبہ کی سزا بھلا کر سرکشی کرو گے اور اس طرح دوسری بار سزا کی میعاد آجائے گی تو حسب سابق پھر دوبارہ ہم تم پر اپنے ظالم بندوں کو مسلط کریں گے تاکہ وہ تم کو مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور تاکہ دوبارہ مسجد بیت المقدس میں گھس آئیں جیسا پہلی دفعہ گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا قابو چلے اس کو تہس نہس اور نیست و نابود کر دیں پورا نیست و نابود کرنا یعنی تہس نہس کرنے میں کسر نہ چھوڑیں۔ پہلی بار بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ کی مخالفت کی اللہ کریم نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور توریت کو جلایا اور ہزاراں ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ہزاراں ہزار کو لونڈی اور غلام بنایا یہ پہلی سختی اور سزا تھی یہ اللہ کا پہلا وعدہ تھا جو پورا ہوا دوسری بار بنی اسرائیل نے شریعت عیسویہ کی مخالفت کی یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا عزم کیا اور طرح طرح کی شرارتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا دی کہ طیطوس رومی کو کھڑا کیا جس نے بنی اسرائیل کو تباہ اور برباد کیا اور مسجد اقصیٰ کو خراب اور ویران کیا یہ دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جو حسب وعدہ ان کو پہنچی یہ اللہ کا دوسرا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ ان دو عقوبتوں اور ان دو سختیوں کے بعد بار دیگر تم پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس دوسری عقوبت اور ذلت کے بعد جب شریعت محمدیہ ﷺ کا دور آئے تو اس وقت تم کوئی شرارت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا اُمید ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے یعنی اس کتاب میں یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اگر اس دوسری سختی اور دوسری مصیبت کے بعد بزمانۂ اسلام اپنی شرارتوں سے توبہ کر لو تو اُمید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمادے اور پھر تمہیں عزت اور نعمت دے اور ذلت اور مصیبت سے تم کو محفوظ رکھے ﴿عَسٰى﴾ کے معنی اُمید کے ہیں اور اُمید سے

وعدہ مراد ہے اور اگر تم پھر تیسری بار شرارت کی طرف لوٹے تو ہم پھر تیسری بار سختی اور سزا کی طرف لوٹیں گے مطلب یہ ہے کہ گذشتہ دو عقوبتوں کے بعد اگر تیسری بار پھر تم نے سر اٹھایا تو ہم پھر تیسری بار وہی کام کریں گے جو ہم اس سے پہلے دو مرتبہ کر چکے ہیں۔

چنانچہ بنی اسرائیل نے تیسری بار حضور پُرنور ﷺ کے وقت میں پھر شرارتیں کیں آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں اور حسب سابق کفر اور غرور کی طرف عود کیا اور آنحضرت ﷺ کی جو نعت اور صفت توریت اور انجیل میں مذکور تھی اس کو چھپایا اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پھر تیسری بار ان کی عقوبت کی طرف عود فرمایا جس کی سزا میں وہ قتل اور جلاوطنی کے عقوبت میں مبتلا ہوئے بنو قریظہ کو حضور پُرنور ﷺ نے قتل کیا اور بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور باقیوں پر جزیہ لگایا اس طرح اللہ کا یہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا یہ سزا تو ان کو دُنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں دو واقعوں کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب تواریخ میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے ہم نے اپنی اس تفسیر میں امام رازی قدس اللہ سرہٗ کی پیروی کی اور جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کیا کہ پہلے وعدہ میں ﴿عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی اور ستم رانی پر اُتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم و ستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلط کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے پٹواتے ہیں ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (الانعام:۱۲۹)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ
یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ان کو جو یقین لائے اور
یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۙ ⑨ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
کیں نیکیاں کہ اُن کو ہے ثواب بڑا اور یہ کہ جو نہیں مانتے
بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ع ⑩
پچھلا دن اُن کے لیے رکھی ہم نے دکھ کی مار

ع ۱

ذکر فضیلت قرآن کریم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ... الی... لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ع ⑩﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر تھا اور اس پر عمل نہ کرنیکی وجہ سے ان پر دینی اور دنیوی مصیبتیں آئیں۔ اب اس آیت میں قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے لوگوں کو چاہیے کہ اس کی مخالفت سے ڈریں کہ بنی اسرائیل کی طرح ان پر مصیبتیں نازل نہ ہوں اور قرآن مجید توریت سے بڑھ کر کتاب ہدایت ہے اس لیے کہ توریت کی ہدایت، ہدایتِ خاصہ تھی بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور قرآن کی ہدایت، ہدایتِ عامہ ہے تمام عالم کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت ہے۔ لہٰذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہیے اور قرآن کریم میں جابجا توریت اور قرآن کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر توریت عطا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو کوہِ فاران پر غارِ حرا میں قرآن عطا ہوا توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی اور قرآن کریم اوّل بنی اسرائیل اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا اور اس آیت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ یہ قرآن توریت سے کہیں بلند اور برتر ہے اس لیے کہ اس آیت میں قرآن کے دو وصف ذکر فرمائے۔

① **اوّل:** یہ کہ لوگوں کو ایسے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے کہ جو تمام راستوں میں سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خدا تک پہنچانے کا سب سے زیادہ قریب راستہ ہے۔

② **دوسرے** یہ کہ اہل ہدایت کو بشارت دیتا ہے اور اہل ضلالت کو ڈراتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے عبرت پکڑیں کہ جو لوگ اس کتاب ہدایت پر عمل نہ کریں گے وہ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل وخوار ہوں گے تحقیق یہ قرآن اس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے مراد اس سے ملت اسلام ہے جو صراط مستقیم ہے اور خدا تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ ہے اور تمام دینی اور دنیاوی اُمور میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے انسان کی سعادت اور نحوست کی کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی کہ جو قرآن نے نہ بتلادی ہو۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سا طریقہ درست ہوگا اور خوش خبری سناتا ہے مومنوں کو جو اس پر ایمان لائے اور دل سے اس کو مانتے ہیں اور اسی راہ پر چلتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

اور بشارت دیتا ہے بدبختوں کو یعنی ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یہ اہل ایمان کے لیے دوسری خوشخبری ہے کہ ان کے دشمنوں کو عذاب ہوگا اس لیے کہ دشمنوں کی مصیبت سے مسرت ہوتی ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اور	مانگتا	ہے	آدمی	بُرائی،	جیسے	مانگتا	ہے	بھلائی	اور	ہے	انسان	تاولا

انسان کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪﴾

ربط: اس آیت میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ انسان جلد باز اور ناعاقبت اندیش ہے کہ غصہ میں آکر اپنی بُرائی کی دُعا مانگنے لگتا ہے اپنے نفع ونقصان کو خوب نہیں سمجھتا اس لیے ہماری نازل کردہ کتاب سے روگردانی کرتا ہے اور ہمارے احکام کی پیروی سے انحراف کرتا

ہے انسان جلد باز ہے عاجلہ (دُنیا) پر فریفتہ ہے اور آخرت کی پرواہ نہیں کرتا انسان کو چاہیے کہ راہ مستقیم کی ہدایت کی دُعا مانگے اور توفیقِ خداوندی کی درخواست کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور انسان بے صبری کی وجہ سے اپنی ذات پر یا اپنی اولاد پر دعائے بد کر بیٹھتا ہے جیسا کہ وہ دعائے خیر کرتا ہے اور بھلائی طلب کرتا ہے اور انسان طبعی طور پر جلد باز واقع ہوا ہے انجام کو نہیں سوچتا ممکن ہے کہ وہ وہ وقت ہو جب اللہ تعالیٰ ہر دعا قبول فرمالیتا ہے اور یہ دعا اس کے حق میں بہتر نہ ہو انسان کی ہر دعا قبول نہ ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے انسان جلد باز ہے انجام کی خبر نہیں انسان کو چاہیے کہ ہدایت اور توفیق کی دعا کو سب سے مقدم جانے وہ انسان بڑا نادان ہے کہ جو اللہ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ اگر یہ حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرما نضر بن حارث یہ دعا مانگتا تھا ﴿اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ اگر عقل ہوتی تو ہدایت کی دُعا مانگتا اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو مجھ کو ہدایت دے اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ
اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے پھر مٹا دیا رات کا نمونہ، اور بنا دیا
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ
دن کا نمونہ دیکھنے کو، کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور معلوم کرو گنتی برسوں کی
وَالْحِسَابَ ط وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫
اور حساب اور سب چیز سُنائی ہم نے کھول کر

ذِکرِ نعمائے دُنیویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ... الٰى... وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫﴾

ربط: گزشتہ آیات میں انسان پر اُخروی نعمتوں کا ذکر تھا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتب الٰہیہ کو نازل کیا اور انبیاء کو مبعوث کیا۔ اب ان آیات میں دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں رات اور دن کا پیدا کرنا انسان کے لیے آسائش کا باعث ہے ہر ایک سے جُدا جُدا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے یہ فوائد خدا تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے بھی ہیں اور اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بھی ہیں اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان کا کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی ضلالت کی طرف منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ عالم کبھی نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی ظلمت کی طرف اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان جلد بازی نہ کرے لیل و نہار سے عبرت پکڑے زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا کبھی راحت ہے اور کبھی مصیبت۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور ہم نے رات کو اور دن کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا یہ دونوں اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد

ہیں اور ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا چلا آ رہا ہے آخر یہ چکر کس نے چلایا اور دین و دُنیا کی مصلحتیں ان دونوں سے وابستہ ہیں اوّل تو لیل و نہار کا بنانا ہی خدا کی قدرت کی نشانی ہے پھر قدرت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ہم نے رات کی نشانی کو یعنی چاند کو مدھم اور دھندلا بنایا اور دن کی روشنی یعنی سورج کو ہم نے درخشاں اور روشن بنایا چاند رات کی نشانی ہے اور سورج دن کی ہے اگر چاند اور سورج نہ ہوتے تو دن رات یکساں ہوتے اور ایک دوسرے کی شناخت نہ ہو سکتی۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ آیۃ اللّیل اور آیۃ النہار سے چاند اور سورج مراد نہیں بلکہ خود رات اور دن مراد ہے اور آیۃ اللیل اور آیۃ النہار کی اضافت بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کے دو نمونے بنائے قدرت کی ایک نشانی یعنی رات مٹی ہوئی ہے یعنی اندھیری اور بے نُور ہے جس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور قدرت کی دوسری نشانی یعنی دن وہ روشن ہے سب چیزیں اس میں بے تکلف دکھائی دیتی ہیں تا کہ تم دن کی روشنی میں اپنے پروردگار کا فضل یعنی روزی تلاش کرو تا کہ تم دن رات کی آمد و رفت اور اختلاف الوان اور اختلاف مقدار اور اختلاف مبدأ و منتہیٰ سے برسوں کا شمار اور دیگر اُمور کا حساب کتاب معلوم کرو اگر دن رات نہ ہوتے تو اوقات کا حساب ناممکن ہو جاتا نہ ساعات نہ دن نہ مہینے نہ سال اور لوگوں کے تمام کام درہم برہم ہو جاتے یہ دونوں یعنی لیل و نہار اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں خود بخود موجود نہیں ہو گئے ان دونوں کا ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص مقدار اور خاص کمیّت کے ساتھ موجود ہونا ایک خاص طریقے پر یکے بعد دیگرے اِن کی آمد و رفت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی عزیز حکیم کی تقدیر اور صانع علیم کی صنعت اور کاریگری ہے لیل و نہار کی یہ آمد و رفت اور ان کی یہ صفت اور یہ کیفیت نہ کوئی امر عقلی ہے اور نہ امر طبعی ہے اور نہ امر اتفاقی ہے معلوم ہوا کہ کسی ایسے قادر حکیم کی کاریگری ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اور خود چاند اور سورج بھی خدائے قدیر کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے اور بندوں پر حجت پوری کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے جیسے رات اور دن کسی کے گھبرانے سے اور دعا سے رات کم نہیں ہو جاتی اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں"۔ انتہی کلامہٗ

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

حکایت: عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ شام کا ایک قاضی (یا والی) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے امیر المومنین میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شمس و قمر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور نصف نجوم ایک طرف ہیں اور نصف نجوم دوسری طرف ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس لڑائی میں تم کس کے ساتھ تھے۔

میں قمر کے ساتھ تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ اور اس قاضی یا والی سے کہا کہ آپ جائیے ہم نے آپ کو معزول کیا آپ عہدۂ قضا وغیرہ کا کوئی کام نہیں کر سکتے تم نے آیت مبصرہ (شمس) کو چھوڑ کر آیت محوہ (چاند) کا ساتھ دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

ان کا نام عابس بن سعد تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کسی علاقہ کے والی یا قاضی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس لیے معزول کیا کہ انہوں نے آیت مبصرہ (شمس) کے ہوتے ہوئے آیت محوہ (چاند) کا کیوں ساتھ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ دراز کے بعد جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو عابس بن سعد جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس لڑائی میں مارے گئے۔ (روض الانف ص ۷۰ ا جلد ۱)

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور جو آدمی ہے، لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اُس کی گردن سے اور نکال دکھاویں گے اس کو قیامت کے دن

كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ⑬ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

لکھا کہ پاوے گا اس کو کھلا پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا

حَسِيْبًا ؕ⑭ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ

حساب لینے والا جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا

تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا اور ہم

مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً

بلا نہیں ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول اور جب ہم نے چاہا کہ کھپا دیں کوئی بستی

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا

حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے بے حکمی کی اس میں، تب ثابت ہوئی اُن پر بات، تب اُکھاڑ مارا ان کو

تَدْمِيْرًا ⑯ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى

اٹھا کر اور کتنی کھپا دیں ہم نے سنگتیں نوح سے پیچھے، اور بس ہے

بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ

تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننا دیکھتا جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر، شتاب دے چکیں

عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا

ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ پیٹھے گا (پہنچے گا) اس میں برا

مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ

سنکر دھکیلا جا کر اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو کوئی اس کی دوڑ ہے اور

هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ

وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو اور

هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ

اُن کو، تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں گھیری دیکھ!

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ

کیونکر بڑھایا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور

اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا

بڑی بڑائی نہ ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر بیٹھ رہے گا تو اولاہنا پا کر،

مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۲ ۱۲ ۲

بے کس ہو کر

بیان سعادت وشقاوت وہدایت وضلالت وطالبین دُنیا وطالبین آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ . . . الٰی . . . فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ لیل ونہار اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی طرح سمجھ لو کہ سعادت وشقاوت اور ہدایت وضلالت سب اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں جس طرح ظاہری نور اور ظلمت اس کے اختیار میں ہے اسی طرح باطنی نور اور ظلمت بھی اسی کے اختیار میں ہے اور سب مقدر ہو چکی ہیں جن کا ظہور قیامت کے دن ہوگا پھر یہ بتلایا کہ جنہوں نے انبیاء ورسل علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ ہلاک اور برباد ہوئے لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ ان بستیوں کو دیکھ کر جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا عبرت پکڑیں۔

بعدازاں یہ بتلایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت پھر اس تمام مضمون کو ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ پر ختم فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ ذلت و خواری کا سرچشمہ کفر ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ ذلیل و خوار ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کی قسمت اس کی گردن میں لٹکا دی ہے اور چمٹا دی ہے قسمت کا لکھا ہوا ٹلتا نہیں آدمی جہاں جاتا ہے وہیں قسمت اور تقدیر ساتھ ہوتی ہے۔

طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں اور محاورۂ عرب میں طائر کا لفظ بطور استعارہ بخت اور نصیبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اسی محاورہ کے مطابق آیت میں قسمت کے معنی مراد ہیں گویا کہ قسمت ایک پرندہ ہے جو آشیانہ ازل سے اڑ کر اس پر آبیٹھا ہے اور اس کی گردن میں کسی مضبوط تار سے باندھ دیا گیا ہے انسان جب تک پردۂ عدم میں رہا بخت اس کا منتظر رہا۔ پس جب انسان نے اپنا سر عدم سے باہر نکالا تو یہ پرند بخت اڑ کر اس کی گردن سے چمٹ گیا زندگی میں اور قبر میں اس کے گلے میں چمٹا اور لٹکا رہے گا حتیٰ کہ جب قبر سے اٹھے گا تو یہ طوق اس کی گردن میں ہوگا دنیا کا طریقہ ہے کہ جس کی گردن میں جو چیز باندھ دی جاتی ہے وہ اس شخص کے لیے لازم و ملزوم بن جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ قرض کا طوق میری گردن میں ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو چیز مقدر کر دی ہے وہ اس کو اڑ کر پہنچے گی عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کام کا نیک و بد انجام معلوم کرنے کے لیے پرندہ اڑاتے اگر دائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے کہ خیر ہے اور بائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے شر ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندہ کی قسمت یعنی سعادت اور شقاوت اور مبارک اور شوم بمنزلہ ایک پرندہ کے ہے جو اس کی گردن میں ڈال دیئے گئے ہیں انسان اس سے تجاوز نہیں کر سکتا بظاہر یہی وجہ ہے کہ انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں ایک دائیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ اور قیامت کے دن مومن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں اور کافر کا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پھر قیامت کے دن اسی قسمت کو جو دنیا میں گلے کا ہار تھی ہر انسان کے لیے ایک کتاب بنا کر نکالیں گے یعنی اس گلے کے ہار کو نامۂ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے تا کہ انسان اپنی قسمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور ہر انسان اس لکھی ہوئی کتاب کو اپنے ہاتھ میں کھلا ہوا اپنے سامنے دیکھے گا یہ کھلی ہوئی کتاب اس کا اعمالنامہ ہوگی جس میں اس کے تمام نیک و بد احوال مندرج ہوں گے اور یہ اس کی وہی قسمت ہوگی جو ابتداء ولادت سے اس کی گردن میں لٹکا دی گئی تھی اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اپنے اعمالنامہ کو خود پڑھ لے ہر شخص اپنے اعمال نامہ کو خود پڑھ لے گا خواہ وہ دُنیا میں پڑھا لکھا تھا یا نہیں تھا اور کہا جائے گا کہ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو خود آپ ہی کافی ہے تو خود دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس جزاء کا مستحق ہے اللہ نے تجھ پر حجت پوری کر دی آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا تمام عمر کے اعمال اس میں درج ہیں دیکھ لے اور پڑھ لے ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (القیامہ:۱۳) اس وقت ہر ایک کو اپنے اعمال کا حسن و قبح آنکھوں سے نظر آجائے گا۔ لہٰذا جو کوئی راہِ ہدایت پر آتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے آتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی تباہی اور بربادی پر گمراہ ہوتا ہے یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا جو گناہ کا کام کرے گا اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا کسی کا عمل دوسرے کے لیے نفع اور نقصان کا باعث نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ کوئی گنہ گار نفس جو گناہوں کے بوجھ سے بوجھل ہو وہ دوسرے گنہ گار نفس کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ مغیرہ کافروں سے کہتا تھا کہ تم میری متابعت کرو میں تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالوں گا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن ہر شخص اپنا ہی بوجھ اٹھائے گا کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جزاء سزا کے متعلق ہمارا

قانون یہ ہے کہ ہم کسی امت کو عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم ان کی ہدایت کے لیے کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے کہ وہ اس قوم کو سیدھی راہ دکھلا دے خواہ بلاواسطہ یا بواسطہ اپنے نائبین کے یعنی علماء اور مبلغین کے واسطے سے ان کو اللہ کے احکام پہنچ جائیں اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

جب تک مخلوق کو اللہ کے احکام نہ پہنچ جائیں اس وقت تک ہم ان کو سزا نہیں دیتے مطلب یہ ہے کہ اتمام حجت سے پہلے کوئی عذاب نازل نہیں کرتے البتہ دعوت اور تبلیغ کے بعد جب معصیت اور فسق و فجور اور غفلت حد سے گزر جائے تب اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرتا ہے اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی قوم کو پاکیزہ زندگی عطا کریں اور آخرت میں اس کو عزت اور عروج کا مقام عطا کریں تو ان کے دلوں میں اطاعت اور فرمانبرداری اور رسولوں کی پیروی کا داعیہ ڈال دیتے ہیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے دولت مندوں اور عیش پرستوں کو جو نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے ہیں تکوینی اور تقدیری طور پر فسق و فجور کا حکم دیتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں فسق و فجور کا الہام اور القاء کرتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس: ۸) پھر وہ دل کھول کر فسق و فجور کرتے ہیں یعنی شریعت کی حدود اور قیود کو توڑ ڈالتے ہیں اور نفس امارہ کے اشاروں پر دوڑنے لگتے ہیں۔ اس طرح ان کی طبیعت میں جو فسق و فجور کا مادہ پوشیدہ تھا وہ کھل جاتا ہے اور انکا باطنی خبث اندر سے نکل کر باہر آ جاتا ہے۔ پس جب اِن کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم اور ثابت ہو جاتی ہے اور فرد جرم ان پر عائد ہو جاتی ہے اور شقاوت ازلیہ جو اب تک مستور تھی وہ ظاہر اور نمایاں ہو جاتی ہے تو پھر ہم اس بستی کو تباہ برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں خوب اچھی طرح تہ و بالا کرنا کہ تباہی اور بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے مطلب یہ ہے کہ آیت ہذا یعنی ﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً﴾ میں ارادہ سے ارادہ ازلیہ مراد ہے اور ﴿أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾ میں امر سے حکم تکوینی اور تقدیری مراد ہے بے شک اللہ تعالیٰ تشریعی طور پر کسی کو فحشاء اور منکر کا حکم نہیں دیتے مگر تکوینی اور تقدیری طور پر سعادت اور شقاوت، ہدایت اور ضلالت سب اس کے حکم سے ہے کوئی خیر اور شر اس کی تقدیر و تکوین اور اس کے ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں اور بعض علماء تفسیر بلکہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ مطلب آیت کا اس طرح ہے کہ جب ہم کسی بستی کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں کو پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ پیغمبروں کا حکم نہیں مانتے اور کھلم کھلا فسق و فجور پر اُتر آتے ہیں تو پھر ہم اس پوری بستی کو ویران کر ڈالتے ہیں اور اسی قانون کے مطابق ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قومیں اور امتیں ہلاک کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلے لوگ پیغمبروں کی نافرمانی کے بدولت عذاب کا مزہ چکھ چکے ہیں منکرین اور مکذبین کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے اور ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون طالب دُنیا ہے اور کون طالب آخرت ہے؟ سب کے دل اس کی نظروں کے سامنے ہیں کسی کی نیت اور دل کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے اب آئندہ آیت میں طالبان دُنیا اور طالبان آخرت کا حال اور مآل ذکر فرماتے ہیں کہ کس کے دل میں دنیا کی طلب ہے اور کس کے دل میں آخرت کی طلب ہے۔

ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت

جو شخص ایسا خسیس اور پست ہمت ہو جائے کہ اس دنیائے فانی کی عیش و عشرت ہی اس کی مراد اور تمنا بن جائے اور اپنی ہمت کو

اس دارِ عاجلہ (دنیا) پر مقصور کر دے اور آخرت کو اعتقاداً یا عملاً پس پشت ڈال دے تو ہم اس کو دارِ عاجلہ (دنیا) ہی میں جلد ہی اس کی مراد میں سے کچھ دیدیں گے جتنا چاہیں گے اور یہ سب کے لیے نہیں بلکہ جس کے لیے چاہیں گے اس کو دیں گے یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو اس کی تمنا اور آرزو کے مطابق مل جائے بلکہ جس کو ہم اپنی مرضی کے مطابق دینا چاہیں گے اور جس قدر چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے اتنی ہی مقدار ہم اس کو دنیا میں دیدیں گے کوئی طالب دنیا اس خیال میں نہ رہے کہ جو مانگے گا وہ اس کو مل جائے گا خوب سمجھ لے کہ دنیا کا عاشق بن جانے سے کچھ زیادہ نہیں ملے گا بلکہ اسی قدر ملے گا جس قدر اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں لکھ دیا ہے اس کو اتنا ہی ملے گا نہ کم نہ زیادہ غرض یہ کہ طالب دنیا کو دنیا میں ہم حسب مشیت کچھ دے دیتے ہیں پھر ہم نے آخرت میں اس کے لیے دوزخ کو قرار گاہ بنا دیا ہے داخل ہوگا وہ اس میں درآنحالیکہ وہ بدحال اور راندۂ رحمت ہوگا مذموماً کا مطلب یہ ہے کہ ذلت اور خواری کے ساتھ بُری باتیں سُن کر اور بے آبرو ہو کر دوزخ میں داخل ہوگا اور مدحوراً کے معنی یہ ہیں کہ راندۂ درگاہ خداوندی ہوگا یعنی اس کی رحمت سے نکلا ہوا اور دور افتادہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا کو ہم دنیا ہی میں کچھ دے دیں گے مگر اتنا ہی دیں گے جتنا ہم چاہیں گے اور اسی کو دیں گے جس کو ہم دینا چاہیں گے جتنا ہم نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اتنا ہی اس کو مل جائے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا پھر اس کے بعد وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے دُور رہے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس نے آخرت کو طلب ہی نہ کیا تھا اس لیے وہ آخرت کے درجات سے تو بالکلیہ محروم رہے گا اور دُنیا میں بھی اس کو پوری مراد حاصل نہ ہوگی بلکہ کچھ دے دیا جائے گا اور جو شخص علو ہمت سے آخرت کا طلبگار بن جائے رہتا تو دنیا میں ہے مگر منزل مقصود آخرت کو بنائے ہوئے ہے اور دن رات آخرت ہی کے لیے دوڑ رہا ہے جیسا کہ چاہیے دوڑنا یعنی جیسا آخرت کے لائق اور مناسب ہے اور جیسا کہ اس کا حق ہے اور جو اعمال بہشت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں ان کی دھن میں لگا ہوا ہے بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو یعنی بشرطیکہ وہ شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو یہ قید اس لیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کوئی عبادت اور کوئی عمل مقبول نہیں تو ایسے بلند ہمت لوگوں کی سعی اور دوڑ اللہ کے یہاں مشکور ہوگی یعنی مقبول اور کار آمد ہوگی اور اس پر انعام ملے گا غرض یہ کہ قبول اعمال کی تین شرطیں ہیں:

اوّل: یہ کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

دوئم: یہ کہ وہ عمل صحیح ہو یعنی قواعد شریعت کے مطابق ہو جیسا کہ ﴿ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ﴾ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے جو مجاہدہ اور ریاضت شریعت کے خلاف ہو وہ آخرت کا راستہ نہیں جیسے جوگیوں کی ریاضتیں کہ کوئی دن رات گنگا میں رہتا ہے اور کوئی کھانا پینا چھوڑ کر اپنے جسم کو سکھا لیتا ہے اس قسم کی ریاضتیں آخرت کا راستہ نہیں۔

سوئم: یہ کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو جیسا کہ ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ طالب دُنیا کی کامیابی حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور طالب آخرت کی کامیابی حتمی اور قطعی وعدہ ہے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی فکر کرے اور دنیا کی فکر میں زیادہ نہ پڑے۔ یہاں تک طالب دنیا اور آخرت کا ذکر کیا۔ اب آگے اپنی عطاء عام کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ہم ہر ایک کی خواہ وہ طالب دُنیا ہو یا طالب آخرت اس کی سعی اور جدوجہد میں اور جس ہم و غم میں وہ مبتلاء ہے بمقتضائے حکمت و مشیت اس کی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب دنیا ہیں اور ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب آخرت ہیں تیرے پروردگار کی عطاء اور بخشش سے ہر ایک کو مدد دیتے ہیں اور اس تلاش اور سعی

کے مناسب اور مطابق سامان مہیا کر دیتے ہیں ہر ایک کی سعی اور جد و جہد کے مناسب اس کو مدد دیتے ہیں کسی کو نا اُمید نہیں کرتے۔

طالب دنیا کو بقدر کفایت اور طالب آخرت کو بمقدار ہمت دیتے ہیں جو طالب جس چیز کا مستحق ہے سعادت یا شقاوت سے وہ اس کو دے دی جاتی ہے اور بمقتضائے حکمت جو اس کے لیے مقدر ہے وہ اس کو مل جاتا ہے۔ بہر حال ہم کسی کو محروم نہیں رکھتے بلکہ سب کی مدد کرتے ہیں اور تیرے پروردگار کی عطاء اور بخشش خواہ وہ عطاء دنیوی ہو یا اُخروی کسی سے رکی ہوئی اور باز رکھی ہوئی نہیں نہ مومن سے نہ کافر سے بلکہ جس کے لیے بمقتضائے مشیت وحکمت جو عطاء مقدر ہے وہ اس کو ضرور ملتی ہے اور اس عطاء سے تیرے پروردگار کا مقصود تربیت ہے کبھی بندہ کو اس کی منشاء ورغبت کے مطابق وسعت اور فراخی عطاء کرتے ہیں تاکہ مال و دولت کو آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنا سکے اور حسب منشاء اس سے متمتع اور مستفید ہو سکے اور کبھی اس پر دنیا کو تنگ کرتے ہیں تاکہ وہ اس دنیائے غدارہ اور مکارہ کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہے اور دنیا کے کھیل اور تماشہ میں لگ کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عطاء رب سے قسمت اور تقدیر خداوندی مراد ہے یعنی جو خیر اور شر اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے مقدر اور مقسوم فرمایا ہے وہ اس کو مل جاتا ہے جو مرید عاجلہ یعنی طالب دنیا ہے اس کی معاصی سے امداد کرتے ہیں کہ معصیت کا سامان اس کے لیے مہیا ہو جاتا ہے اور مرید آخرت یعنی طالب آخرت کی طاعت کے ذریعے مدد کرتے ہیں کہ سامان طاعت اس کے لیے میسر ہو جاتا ہے۔ (البحر المحیط ص ۲۱ جلد ۶)

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ کا مضمون ہے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۴۹ جلد ۱۵)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آیت ہٰذا میں امداد سے دنیوی رزق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اس دار دنیا میں عطاء دنیوی سے حسب حکمت و مصلحت ہر دو فریق کی امداد کرتے ہیں اور سب کو روزی دیتے ہیں خواہ مومن ہو یا کافر دنیوی رزق سے سب کو حصہ ملتا ہے مگر عطاء اُخروی، وہ مومن کے ساتھ مخصوص ہے عطاء دنیوی کسی فریق کے ساتھ مخصوص نہیں اس میں سب شریک ہیں مرنے کے بعد ہر ایک کا حال مختلف ہوگا۔

خواجہ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رزق سب کو دیتا ہے نیک ہو یا بد کفر اور عصیان کی وجہ سے رزق دنیوی کا دروازہ بند نہیں کرتا سب اللہ کے بندے ہیں سب کو رزق دیا جاتا ہے تاکہ سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے اور عذر کی گنجائش باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نظر اٹھا کر دیکھئے کہ ہم نے اس عطاء دنیوی میں بعض کو بعض پر کیسے فضیلت اور فوقیت دی ہے مال و دولت میں اور عزت و وجاہت میں اور حسن صورت اور حسن سیرت میں مختلف بنایا بعض کو فقیر بنایا بعض کو امیر اور بادشاہ کیا کسی کو تندرست اور توانا بنایا اور بعض کو بیمار اور لاچار بنایا کسی کو عقل مند اور ہنرمند بنایا اور کسی کو نادان اور دیوانہ بنایا اور بعض کو خوبصورت اور بعض کو بدصورت بنایا وغیرہ وغیرہ۔ اور کسی کو مؤمن اور کسی کو کافر بنایا۔ لوگوں کو چاہیے کہ عطائے الٰہی کو نظرِ عبرت سے دیکھیں کہ اللہ نے دنیوی اُمور میں باہم کس قدر تفاوت رکھا ہے اور البتہ دار آخرت جو مقبولانِ خداوندی کے لیے مخصوص ہے طبقات اور درجات اور مراتب کے اعتبار سے دارِ دُنیا سے بہت بڑا ہے اور فضیلت اور برتری کے لحاظ سے بھی بہت بڑا ہے یعنی دارِ آخرت کا تفاوت دارِ دُنیا کے تفاوت سے کہیں بڑھ کر ہے یا یہ معنی ہیں کہ بزرگی اور بڑائی دینے میں آخرت دُنیا سے بہت بڑی ہے جو نسبت دنیا اور آخرت کے مابین ہے وہ ہی نسبت ان کے درجات اور تفاضل میں ہے۔ لہٰذا آخرت کے درجات اور فضائل میں کوشش کرنی چاہیے دُنیا آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

اس آیت میں سعی کے مشکور ہونے کے لیے ایمان کو شرط قرار دیا اور ایمان کے اجزاء میں سب سے اعظم اور اشرف جز توحید اور کفر اور شرک سے تبری اور بیزاری ہے اس لیے سلسلۂ کلام کو توحید پر ختم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے انسان مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو نکوہیدہ مذمت اور ملامت سننے کے لیے بے یارومددگار بیٹھا رہ جائے گا یعنی شرک کرنے کا نتیجہ دنیا میں یہ ہوگا کہ ہر عاقل ودانا تجھ کو مذموم اور ملزم ٹھہرائے گا کہ تو نے ایسی ظاہر البطلان چیز (شرک) کو کیسے اختیار کیا اور جو چیز کسی نفع اور ضرر کی مالک نہیں اس کو کیسے معبود ٹھہرالیا اور آخرت میں جب کہ سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اس وقت تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ کفر اور شرک کا نتیجہ اور انجام سوائے برائی اور بدنامی اور ذلت وخواری اور بے کسی اور کسمپرسی کے کچھ نہیں۔ کرنے سے پہلے انجام کو سوچ لو۔

لطائف ومعارف

① ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہ احکام خداوندی سے باخبر نہ ہوجائے اور اللہ کی حجت اس پر قائم نہ ہوجائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رسول بھیجے اور وہ بندوں کو احکام خداوندی سے مطلع کرے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول خود ہر ایک کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچائے بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ خود بیان کرے یا اس کی طرف سے کوئی عالم یا مبلغ اللہ کا پیغام پہنچادے بہر حال اس کی رسالت اور شریعت کا علم ہوجانا کافی ہے خواہ وہ کسی طریقے سے ہوجائے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت، رسالتِ عامہ ہے تمام عالم کے لیے ہے صحابہ کرام وتابعین اور علماء اُمت کے ذریعے سے مشرق اور مغرب میں آپ ﷺ کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

② امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ سے معلوم ہوتا ہے جو شخص بعثت سے پہلے مر گیا یا اس کو نبوت کی دعوت نہیں پہنچی وہ عند اللہ معذور ہے اس پر عذاب نہ ہوگا اگرچہ وہ شرک کی حالت میں مرا ہو کیونکہ احکام خداوندی کی معرفت بدون شریعت کے ناممکن ہے اور احکام الٰہی کی معرفت کے لیے عقلِ انسانی کافی نہیں بغیر بعثت کے حجت تام نہیں اس لیے جس کو دعوت نہیں پہنچی وہ معذور ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحیدِ خداوندی اس قدر ظاہر وباہر ہے کہ جو معمولی عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (ابراہیم: ۱۰) اس لیے انکارِ خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگرچہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو ادنی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمارت بغیر معمار کے ممکن نہیں اور کتابت بغیر کاتب کے ممکن نہیں تو زمین سے لے کر آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہوگئی جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ مینگنی اُونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برج والا آسمان اور گرد وغبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی اور علیٰ ہذا توحید بھی امر بدیہی ہے اور شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لیے یہ چیز سخت ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ وہ کسی

عاجز مخلوق کے سامنے سر جھکائے اسی لیے قرآن کریم میں آیا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶) تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے وہ جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ ﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ میں عدم عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکاب معاصی پر عذاب نہ ہوگا اور کفر وشرک چونکہ امر بدیہی ہے عقل وفطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکار خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مؤاخذہ ہوگا۔ غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی رہنمائی بھی اس کے لیے کافی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نے دلائل اور براہین سے اس کی مزید تشریح اور توضیح کر دی کہ انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور علماء امت نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے دلائل عقلیہ اور فطریہ کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ اور توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔ لہٰذا اب کسی منکر خدا اور کسی مشرک کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

③ اصحاب فترۃ:

یعنی جو لوگ زمانہ فَترت میں مر گئے اور ان کو رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور اطفال مشرکین یعنی جو لڑکے چھوٹی عمر میں گزر گئے ان کے ماں باپ کفار تھے اور احمق اور بے عقل اور مجنون جو جنون اور بے عقلی کی حالت میں مر گئے۔

ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے اور بعض علماء نے ان کے بارے میں توقف کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں ان کے بارے میں کوئی حکم کُلی نہیں لگایا جا سکتا ہے قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا امتحان ہوگا اور من جانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ پس جو حکم خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد اور سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ بہشت میں داخل کر دیا جائے گا جو نافرمانی کرے گا وہ ذلت وخواری کے ساتھ داخل نار ہوگا امتحان سے مقصود یہ ہوگا کہ اندرون طبیعت جو اطاعت اور معصیت کا مادہ پوشیدہ اور مستور ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور اندرونی فرمانبرداری اور نافرمانی جب ظاہر ہو جائے تب اس کے مطابق جزا وسزا ان پر جاری کی جائے محض صلاحیت اور استعداد پر جزاء اور سزا مرتب نہیں ہوتی جب تک کہ عملی طور پر ان پر حجت نہ قائم ہو جائے اس امتحان کے بعد اندرونی اطاعت اور معصیت عملی طور پر سامنے آجائے گی اور علم ازلی میں جو سعادت اور شقاوت مقدر اور مضمر تھی وہ ظاہر اور منکشف ہو جائے گی اور اس اطاعت اور معصیت سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے مطابق جزاء اور سزا مرتب ہو جائے گی۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اسی کو اہل سنت والجماعت کا قول قرار دیا ہے اور اسی کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب الاعتقاد میں اختیار کیا اور اسی کے دلائل وبراہین سے نصرت اور تقویت فرمائی اور اسی کو قول منصور قرار دیا۔

حضرات اہل علم اگر اس مسئلہ کی مزید تفصیل چاہیں تو اس ناچیز کا حاشیہ بخاری مسمّٰی بہ تحفۃ القاری ملاحظہ فرمائیں جس میں صحیح بخاری کی کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

④ ﴿وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے دل میں فسق و فجور کا داعیہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ دل کھول کر فسق و فجور کریں تب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا دولت مندوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنا امتحان کر لیں ان کی دولت و ثروت اگر ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے جا رہی ہے تو اللہ کا شکر کریں کہ اللہ نے اس دولت کو آخرت کا ذریعہ بنایا اور اگر وہ دولت و ثروت ان کو فسق و فجور اور بدکاریوں پر آمادہ کر رہی ہے تو سمجھ لیں کہ اللہ نے ہمارے تباہ اور برباد کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے۔

⑤ اہل عمل کی تین قسمیں:

(اوّل) یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود فقط دنیوی منفعت ہو۔

(دوم) یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود فقط آخرت کی منفعت ہو اس آیت میں یعنی ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ اور ﴿مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان دو قسموں کا حکم بیان کیا۔

(قسم سوم) یہ ہے کہ اس عمل سے دنیا اور آخرت دونوں ہی مقصود ہیں تو اس کی پھر تین قسمیں ہیں: (پہلی قسم) یہ ہے کہ طلب آخرت غالب اور راجح ہو اور طلب دنیا مغلوب اور مرجوح ہو۔ (دوسری قسم) اس کا عکس ہے وہ یہ کہ طلب دنیا غالب اور راجح اور طلب آخرت مغلوب اور مرجوح ہو۔ (تیسری قسم) یہ ہے کہ دونوں طلبیں اور دونوں خواہشیں برابر ہوں پہلی قسم یعنی جہاں طلب آخرت راجح اور غالب ہو جمہور علماء کا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ایسا عمل مقبول نہیں اس لیے کہ جس عمل میں غیر اللہ کی نیت شریک ہو گئی وہ عمل اللہ کے نزدیک مردود ہے اگرچہ نیت آخرت کی غالب ہو کیونکہ غیر اللہ کی نیت شامل ہو جانے سے وہ شرک ہو گیا جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ ((انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه غيری تركته وشركه)). اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تمام ساجھیوں سے بڑھ کر بے پرواہ اور بے نیاز ہوں۔ لہٰذا جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیا تو میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کرے گا وہ تو مقبول ہوگا اور ایسا عمل کہ جو دو رضاؤں کا مجموعہ ہو تو وہ ناقابل قبول نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جس عمل میں طلب آخرت کی راجح ہو تو وہ عمل بقدر نیت مقبول ہو جائے گا اور چونکہ طلب آخرت کی غالب ہے اس لیے وہ عمل بالکلیہ باطل اور مردود نہ ہوگا اگرچہ طلب دنیا کی آمیزش کی وجہ سے ناقص اور مکدر ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم (یعنی طلب دُنیا غالب اور راجح ہو) ایسا عمل بالاجماع مردود ہے (اور تیسری قسم) یعنی جس میں طلب دُنیا اور طلب آخرت دونوں برابر ہوں وہ بھی باتفاق علماء مقبول نہیں یہاں ایک اور قسم باقی رہ گئی اور وہ یہ کہ اس کی کوئی نیت ہی نہ ہو نہ دُنیا کی اور نہ آخرت کی سوا اس کا یہ عمل اگر شرعاً جائز ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں نیت تو کچھ ہے نہیں صرف عمل ہے۔ لہٰذا دیکھ لیا جائے کہ شریعت میں اس عمل کا کیا حکم ہے۔

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا

اور چکا دیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اس کے سوا، اور ماں باپ سے بھلائی کبھی

يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ

پہنچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک یا دونوں، تو نہ کہہ اُن کو، ہوں اور

لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ

نہ جھڑک ان کو، اور کہہ ان کو بات ادب کی۔ اور جھکا اُن کے آگے کندھے عاجزی

الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ ؕ

کر کر پیار سے اور کہہ اے رب! اُن پر رحم کر، جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے جو تم نیک ہوگے، تو وہ

لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ

رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے اور دے ناتے والے کو اس کا حق، اور محتاج کو اور

السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ

مسافر کو اور مت اُڑا بکھیر کر بے شک اُڑانے والے، بھائی ہیں

الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر اور اگر کبھی تغافل کرے تو اُن کی طرف سے،

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا

تلاش میں مہربانی کی اپنے رب کی طرف سے جس کی توقع رکھتا ہے تو کہہ ان کو بات نرمی کی اور نہ

تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ

رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بزا کھولنا، پھر تو بیٹھ رہے

مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَقۡدِرُ ؕ

الزام کھایا ہارا تیرا رب کشادہ کرتا ہے روزی، جس کو چاہے اور کستا ہے

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾ ع وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ ۴۸۷

وہی ہے اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو ڈر

اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَ اِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾

سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک ان کا مارنا بڑی چوک ہے

وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقۡتُلُوا

اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے، وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ ہے اور نہ مارو

النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ

جان جو منع کی اللہ نے، مگر حق پر اور جو مارا گیا ظلم سے تو

جَعَلۡنَا لِـوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفْ فِّى الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾

ہم نے دیا اس کے وارث کو زور، سو اب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر اس کو مدد ہونی ہے

وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ص

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے، مگر جس طرح بہتر ہو، جب تک وہ پہنچے اپنی جوانی کو

وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ج اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا

اور پورا کرو اقرار کو بے شک اقرار کی پوچھ ہے اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ دینے لگو

كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۳۵﴾

اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا اس کا انجام

وَ لَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ

اور نہ پیچھے پڑ، جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان

كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ

سب کی اس سے پوچھ ہے اور نہ چل زمین پر اتراتا

إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ

تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو، اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر یہ جتنی باتیں ہیں،

كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

ان میں سے بُری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری۔

تفصیل اعمالِ آخرت واحکام ہدایت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ . . . الى . . . كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٨﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں آخرت کی سعی اور اس کی جدوجہد کا بیان تھا کہ جو آخرت کے لیے سعی کرے گا ہم اسے آخرت کی نعمتیں عطا کریں گے۔ اب اِن آیات میں ان اعمال کی تفصیل فرماتے ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان آخرت کی نعمتیں حاصل کر سکے اور ان احکام کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ انسان ہدایت حاصل کر سکے اور آخرت کی سعی اور جدوجہد کا ذریعہ یہ اعمال ہیں اور ان احکامات کو توحید ہی سے شروع کیا اور توحید ہی پر ختم کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تمام گناہوں میں شرک بڑے درجہ کا گناہ ہے اور درمیان میں زیادہ تر ان احکام کو بیان فرمایا کہ جو شعائرِ اسلام میں سے ہیں اور تمام ادیان اور شرائع میں مسلم ہیں اور سب کے سب محکم ہیں قابل نسخ نہیں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر واقع میں تم آخرت کے طالب ہو اور اس کے لیے ساعی ہو تو ان اعمال کو بجالاؤ ان اعمال کے بجالانے سے ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ کے مصداق بن سکو گے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

اور گزشتہ آیات مثلاً ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ اور مثلاً ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ میں جس ہدایت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں ان اہم احکام ہدایت کو بیان کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو ہدایت حاصل ہوتی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تورات کی ساری اخلاقی تعلیم ان پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے اور وہ پندرہ آیات اس رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

حکم اوّل، توحید:

اور حکم دیا تیرے پروردگار نے تمام بندوں کو کہ سوائے اس معبود برحق کے اور کسی کو نہ پوجو اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ عبادت نام ہے غایت تعظیم کا اور غایت تعظیم کا مستحق وہی ہے کہ جو غایت درجہ کا منعم اور محسن ہو اور وہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

حکم دوم، اکرام واحترام والدین:

اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ ان دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا سبب حقیقی ہے اس لیے اوّل اس کا حکم دیا اور والدین انسان کے وجود کا سبب مجازی اور ظاہری ہیں اس لیے والدین کے ساتھ احسان کا حکم بعد میں دیا نیز والدین کی شفقت رحمت خداوندی کا ایک نمونہ ہے والدین کی شفقت ہر وقت موجزن رہتی ہے کہ ہر طرح کی بھلائی اولاد کو پہنچا دیں اور ہر طرح کی برائی کو اولاد سے دور رکھیں اور والدین سے جس خیر اور بھلائی کا اولاد کو پہنچانا ممکن ہوتا ہے وہ اس سے دریغ نہیں کرتے اور سوائے جذبہ شفقت ومحبت اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی اس وجہ سے انعام اور احسان میں خدا کے بعد والدین کا درجہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ واجب اور لازم گردانا ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾۔

پھر چونکہ حق جل شانہ، علیم وخبیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ والدین بڑھاپے کے وقت اولاد پر گراں ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا بطور اہتمام حکم دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے اور تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ضعف اور عجز سے ان کی وہ حالت ہو جائے جو بچپن میں تیری تھی اور ایسی حالت میں کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو طبعاً تم کو ناگوار ہو تو ایسی حالت میں بھی ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا اور ان کے سامنے اُف بھی نہ کرنا یعنی ہُوں اور چوں نہ کرنا یعنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو ان کے کانوں کو ناگوار گزرے اور کسی بات پر خواہ وہ تیرے لیے کیسی بھی خلاف طبع ہو ان کو نہ جھڑکنا۔ اظہار ناگواری میں زجر کا درجہ اُف کہنے سے بڑھا ہوا ہے اُف کہنا اظہار ناگواری کی ابتداء ہے اور زجر یعنی جھڑکنا اور ڈانٹنا یہ اس کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نہ ان کی بات سے ملول ہو اور نہ ان کی بات کو رد کرو اور ان کے سامنے نرمی اور ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم وتکریم اور ادب مترشح ہوتا ہو اور ازراہِ شفقت وتواضع نہ ازراہِ سیاست ومصلحت اور ان کے سامنے بازوئے ذلت کو پست کر دو یعنی ان سے بکمال تواضع وانکسار کے ساتھ برتاؤ کرو ﴿جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ کے معنی ذلت کے بازو ہیں حالانکہ ذلت کے بازو نہیں ہوتے تو یہ کلام بطور استعارہ ہے کہ جس طرح پرندہ اپنے بچے کی تربیت کے وقت اپنے بازو پست کر کے اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اسی طرح تم کو چاہیے کہ ایسی ہی تربیت اور شفقت کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ کرو اور ان کے لیے اس طرح دُعا کرو کہ اے پروردگار ان دونوں پر ایسا خاص رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور کمال شفقت ورحمت سے میری پرورش کی جب کہ میں بالکل عاجز اور لاچار تھا۔

والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے حق میں دعائے رحمت کے معنی ظاہر ہیں اور اگر کافر ہیں اور زندہ ہیں تو ان کے حق میں دعائے رحمت کے معنی یہ ہیں کہ: "اے اللہ! ان کو ایمان اور اسلام کی ہدایت نصیب فرما"۔ کافر کے حق میں ہدایت سے بڑھ کر کوئی رحمت نہیں اور اگر والدین بحالت کفر مر چکے ہوں تو ان کے لیے دعائے مغفرت ورحمت جائز نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ (التوبہ: ۱۱۳) اس آیت کی تفسیر سورۂ توبہ کے اخیر میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے غرض یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اول والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اور پھر اس کے بعد پانچ باتوں کا حکم دیا۔

(اول) ﴿لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ ان کے سامنے اُف مت کرو۔

(دوم) ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ ان کو جھڑکو مت اور ان کے سامنے آواز بلند نہ کرو۔

(سوم) ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ان کے سامنے ادب سے بات کرو۔

(چہارم) ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ یعنی کمال تواضع اور کمال شفقت کے ساتھ ان سے برتاؤ کرو۔

(پنجم) ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ یعنی ان کے لیے دعائے مغفرت ورحمت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ خالی ادب اور تواضع اور شفقت پر اکتفاء نہ کرو کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں بلکہ دعا کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت باقیہ اور دائمہ سے ان کی دستگیری کرے اور رحمت آخرت کی دعا مسلمان والدین کے لیے مخصوص ہے یہاں تک والدین کی ظاہری توقیر اور احترام کے متعلق احکام بیان فرمائے اب اگلی آیت میں باطنی ادب یعنی دل سے ادب اور احترام کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ والدین کے سامنے فقط ظاہر میں ذلت کا بازو پست کر دینا اور ان کے سامنے اُف نہ کرنا یہ کافی نہیں بلکہ دل سے ان کا ادب کرنا اور باطنی طور پر ان کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے ساتھ احسان کا قصد کرنا بھی ضروری ہے حتی کہ دل میں ان کی نافرمانی کا خیال بھی نہ آنے پائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ والدین کے متعلق تمہارے دلوں میں کیا بات پوشیدہ ہے ممکن ہے کہ ظاہر میں تم نے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا ہو لیکن دِل میں کوئی گرانی اور ناگواری مضمر ہو سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم فی الواقع نیک بخت ہو گے یعنی دل سے ان کے مطیع اور فرماں بردار اور خدمت گزار ہو گے اور بتقاضائے بشریت ان کا پورا حق خدمت ادا نہ ہو سکے گا اور اس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو گے تو وہ بے شک خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی تقصیر کو بخشنے والا ہے بھول چوک یا عدم استطاعت کی بناء پر جو کمی اور کوتاہی ان کی خدمت میں واقع ہوگی اس کو وہ معاف فرما دے گا اوّاب کی تفسیر میں کئی قول ہیں جامع قول یہ ہے کہ جو شخص کثرت کے ساتھ بار بار بات بات میں شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہو وہ اوّاب ہے۔

ایک فلسفیانہ وسوسہ [1] اور اس کا جواب

وسوسہ یہ ہے کہ اگرچہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری ہیں لیکن اس میں ان کی نفسانی خواہش کو بھی دخل ہے جس سے ایک فرزند تولد ہوا اور پیدا ہو کر عالم آفات میں آ پہنچا اور طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں میں آ پہنچا تو والدین کا اولاد پر کیا احسان ہوا جس کا شکر واجب ہو اور اس احسان کے صلہ میں ان کی اطاعت اور خدمت فرض ہو حتی کہ ایک فلسفی اپنے باپ کو مارا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی نے مجھ کو عالم کون وفساد میں داخل کیا اور اسی نے مجھ کو موت کا نشانہ بنایا اور فقر و فاقہ اور طرح طرح کے امراض و آلام کے دہانہ پر لا کر مجھے کھڑا کر دیا۔

اسی قسم کا ایک فلسفی ابو العلاء گزرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

---

[1] یہ فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب تفسیر سراج منیر ص ۲۴۱ جلد ۲ اور تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے اور ہماری یہ تمام تقریر اس سے ماخوذ ہے۔ (واللہ اعلم)

هٰذا جناه ابی علی وما جنیت علٰی اَحَد

یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا

یعنی میں ❶ نے کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردۂ عدم میں رہنے دیا تا کہ میری وجہ سے پردۂ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو پردۂ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگر چہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہوا تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے تو محفوظ رہا۔

اسی طرح اسکندر سے پوچھا گیا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لیے لذت جماع کی خواہش تھی اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لا نکالا۔

جواب: اس فلسفیانہ طویل تقریر سراپا تزویر کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اول امر میں والدین کا مقصود لذتِ نفسانی کی تحصیل ہو مگر جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس وقت سے لے کر اخیر تک دیکھو کہ ماں باپ نے اس فرزندِ دلبند کے ساتھ کیا معاملہ کیا اس کو اپنا لختِ جگر جانا اور اس کی ولادت پر خوشیاں منائیں اور اس کی تربیت میں طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور اس کی تعلیم و تادیب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ضروریات زندگی میں اس کو اپنے سے مقدم رکھا اور اپنے او پر تنگی برداشت کر کے دل و جان سے اس کے مصارفِ زندگی اور مصارف تعلیم پورے کیے اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا طرح طرح کی خوبیاں اور بھلائیاں جو اس کو پہنچا سکتے تھے وہ اس کو پہنچا ڈالیں اور جس بلا اور آفت کو اس سے ہٹا سکتے ہوں وہ اس سے دور کر دیں اور دن رات اس کوشش میں لگے رہے کہ اس مولود کو ہم سے ہزار درجہ بڑھ کر نعمتیں اور عزتیں اور راحتیں مل جائیں اور اس راہ میں جو مشقتیں پیش آئیں وہ والدین نے اپنے او پر اٹھائیں یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچا اور جوان ہو گیا کیا اس والہانہ شفقت و محبت اور بے غرضانہ تربیت سراپا رحمت کا کوئی معمولی سا شمہ یا ادنیٰ سا نمونہ سوائے والدین کے کسی اور جگہ بھی دکھلایا جا سکتا ہے دیکھنا تو درکنار ایسی محبت اور شفقت کے تصور سے عقل بھی قاصر ہے۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۲۴۱ جلد ۲ و روح المعانی ص ۵۷ جلد ۱۵)

ایسی بے مثال شفقت و تربیت کا کہ جو ابتدائے ولادت سے لے کر بیس سال تک مسلسل جاری رہی ہو احسان مند نہ ہونا اور والدین کے اس حق تربیت کا منکر ہونا انسان کا بلکہ حیوان کا بھی کام نہیں حیوان بھی اس مادہ کا احترام کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے بہر حال جس میں ذرا بھی عقل ہے وہ والدین کے حق کا انکار نہیں کر سکتا حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے والدین بوڑھے ہو کر اس حد کو پہنچ گئے ہیں جس طرح والدین نے بچپن میں میری غور و پرداخت کی تھی ویسی ہی میں ان کی غور و پرداخت اور خبر گیری اور خدمت گزاری کر رہا ہوں تو کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا نہیں کیونکہ

---

❶ ابو العلاء معری کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے وہ دو شعر یہ ہیں۔

وترکت فیہم نعمۃ العدم التی!! سبقت و صدت عن نعیم العاجل

ولو انہم ولدوا لنالوا شدۃ!! ترمی بہم فی موبقات الآجل

(روح المعانی ص ۵۷ جلد ۱۵)

وہ دونوں تیری غور و پرداخت کرتے تھے تو ان کی تمنا اور آرزو یہ ہوتی تھی کہ تو زندہ رہے اور تو ان کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ وہ مر جائیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عالم، عالم اسباب ہے جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور مشیت سے ایک شئ کو ایک شئے کا سبب بنایا۔ نسل انسانی اور حیوانی کے بقاء کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذائذ طیبات اور مرغوبات اور مطعومات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہ، کی نعمتیں ہیں حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی آمیزش کی وجہ سے ان کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نعمت کی لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آجاتی ہیں تو وہ شخص اس ہاتھ کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اس کو نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اس کو از راہ شفقت و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اُٹھائے پھرے اور راتوں اُس کے لیے جاگے اور اس کی راحت کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سالہا برتو بگذرد کہ گزر　　نکنی سوئے تربت پدرت

تو بجائے پدرچہ کر دی خیر　　تاھماں چشم داری از پسرت

حکم سوم، اداءِ حقوق دیگر اہلِ حقوق:

گزشتہ آیت میں والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ اب اس آیت میں تمام اہل قرابت اور عام اہل حاجت کے ساتھ احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت دار اور رشتہ دار کو حسب قرابت اس کا حق ادا کر اور محتاج مسافر کو بھی دے ماں باپ کا حق چونکہ تمام رشتہ داروں سے بڑھا ہوا ہے اس لیے اوّل خدا تعالیٰ نے اس کی تاکید کی اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور محتاج اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ رشتہ اور محبت قائم رکھے اور خوش حالی اور افلاس دونوں حالتوں میں اس کے ساتھ حسن معاشرت اور اُلفت برتے اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرے اور اگر وہ تنگ دست ہوں تو ان پر خرچ کرے اور محتاج اور مسافروں کو خیرات دے اور اگر محتاج اور مسافر رشتہ دار بھی ہو تو اس کے دینے میں دوہرا ثواب ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت یعنی ﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ نازل ہوئی تو اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے قریب کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ قریب تمہارے فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے اور حق اس کا فدک ہے فدک اس کو دے دو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیا۔

یہ روایت سراسر موضوع اور ساختہ پرداختہ شیعہ ہے اور خلاف عقل و نقل ہے اس لیے کہ اس روایت کا حاصل تو یہ ہے کہ آیت ﴿ ذَا الْقُرْبٰى ﴾ سے فقط حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں اور ﴿ حَقَّهٗ ﴾ سے فدک مراد ہے اور یہ بالکل غلط ہے الفاظ قرآنی کو ان معنی سے کوئی مس اور مساس نہیں لفظ ﴿ ذَا الْقُرْبٰى ﴾ ایک لفظ عام اور امر کلی ہے جس کے معنی قرابت والے کے ہیں جو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام

قرابتداروں کو شامل ہے۔ لہٰذا اس لفظ عام یعنی ﴿ذَا الْقُرْبٰى﴾ کو فقط حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہوگا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار کچھ ایک دو نہ تھے بلکہ ہزاروں تھے اور صاحبزادی بھی فقط ایک نہ تھی بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زینب اور حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہن یہ تین صاحبزادیاں اور تھیں جو قرابت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے برابر تھیں اور کچھ کم نہ تھیں حق جل شانہٗ کے ارشاد ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب:۵۹) سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں اور ایسا ہی کافی کلینی کی روایت بھی ہے جو صاف اور واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیٹیاں تھیں تو کیا معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب قرابتداروں کو محروم کر کے سب کا حق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صاحبزادیاں نزول آیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور وفات مدینہ میں ہوئی۔ اور علی سبیل الفرض والتسلیم حضرت علی اور حضرت عباس اور حضرات حسنین اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین تو موجود تھے گویا کہ ایک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق تو دے دیا جائے اور باقی سب قرابتداروں کا حق تلف کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ مسکینوں اور مسافروں کے واسطے بھی کوئی چیز وقف کر دیتے تا کہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا نیز یہ کہنا کہ حقہ سے فدک مراد ہے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ آیت سورۂ اسراء کی ہے جو بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا فدک تو ہجرت کے ساتویں برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا اور علیٰ ہٰذا سورۂ روم کی ایک آیت جس میں ﴿ذَا الْقُرْبٰى﴾ کا لفظ آیا ہے وہ بھی مکی ہے نیز اگر یہی مراد ہوتے تو مختصر کلام یہ تھا کہ اٰتِ فاطمة فدك فرما دیتے اس تطویل کی کیا حاجت تھی نیز لفظ حق کا استعمال جب مناسب ہے کہ جب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بیع یا ہبہ کے ذریعے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیتِ فدک ثابت ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے دینے میں معاذ اللہ کچھ تقصیر ہوئی تو پھر یہ کہنا مناسب ہوتا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا حق دے دو کیونکہ اگر کوئی چیز دبا لیتا ہے تو اس کو کہا کرتے ہیں کہ فلانے کا حق دے دو۔

نیز اگر شیعوں کے نزدیک ﴿ذَا الْقُرْبٰى﴾ کے لفظ سے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہی مراد ہوتی تھیں تو اس بناء پر آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى﴾ (الانفال:۴۱) میں ذی القربیٰ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی مراد ہوں گی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ مالِ غنیمت کا خمس صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر بنی ہاشم کو دینا اور لینا جائز نہیں اہل تشیع نے یہ سمجھا کہ اس آیت میں خطاب فقط نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق فدک دینے کے بارے میں بطور قبالہ آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

اور یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے ماقبل اور مابعد میں تمام خطابات امت کو ہیں اور امت کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم ان احکام کو بجا لانا کیونکہ شروع آیت ﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ اور ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ اور ﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ وغیرہ وغیرہ میں تمام ضمیریں جمع کی ہیں اور باقی رہا ﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ یہ خطاب بھی اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر اس سے بھی مراد امت ہی کا ہر فرد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ تو بچپن ہی میں گزر گئے تھے۔ لہٰذا یہ حکم کہ ماں باپ کے سامنے اف نہ کرنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا درحقیقت اُمتیوں کو سنانے کے لیے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں۔

اور علیٰ ہٰذا ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ کا حکم بھی تمام اُمت کے لیے ہے اسی طرح سمجھو کہ ﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں بھی

خطاب ہر شخص کو ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ قرابتداروں کا حق ادا کرے اور صلہ رحمی سے دریغ نہ کرے اور علیٰ ہٰذا القیاس سورۂ روم میں ﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ﴾ (الروم:۳۷) کے بعد ﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ ﴾ سے بھی صلہ رحمی کی ترغیب مقصود ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اگر اہل قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں وسعت دے گا اس آیت میں بھی گو مخاطب خاص رسول اللہ ﷺ ہی ہیں لیکن فی الحقیقت خطاب عام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں شیعوں نے جو ہبۂ فدک کی یہ روایت نقل کی ہے وہ سراسر دروغ بے فروغ ہے دشمنانِ دین نے آنحضرت ﷺ پر دُنیا طلبی کی تہمت لگانے کے لیے گھڑی ہے کہ اپنی بیٹی کو دینے کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا حوالہ دے دیا تا کہ اس ہبہ پر کوئی اعتراض نہ کرے ﴿ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾۔

حکم چہارم، ممانعت از اسراف:

اور اپنی دولت کو ناحق اور بے جا نہ اڑا بے شک اپنے مال کو بیجا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اس لیے کہ اسراف فعل شیطانی ہے۔ پس جس نے اسراف اور فضول خرچی کی وہ شیطان کے بھائیوں میں سے ہو گیا اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے مال و دولت اللہ کی نعمت ہے راہِ حق میں اس کو خرچ کرنا یہ اس کا شکر ہے اور ناحق خرچ کرنا یہ اس کی ناشکری ہے۔

حکم پنجم، تلطف در جواب سائل:

اور اگر تجھ سے اقرباء اور احباب سوال کریں اور اس وقت تیرے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تو اپنے پروردگار کے فضل و رحمت کے انتظار میں جس کے ملنے کی تجھے اُمید ہو اور مجبوری کی وجہ سے تو ان غریبوں سے تغافل برتے تو ایسی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسنِ اخلاق سے بات کر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس کوئی سائل آ کر سوال کرتا ہے اور اس وقت اس کے پاس کچھ دینے کو نہیں ہوتا مگر اسے کہیں سے مال آنے کی امید ہوتی ہے ایسی صورت میں خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ نرمی سے ان کو جواب دو کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں پھر آنا۔

حکم ششم، اقتصاد و اعتدال در انفاق مال:

اور مال خرچ کرنے میں اعتدال کو ملحوظ رکھو نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا رکھ یعنی نہ تو غایت بخل کی وجہ سے بالکل ہاتھ روک لو گویا کہ ہاتھ گردن میں بندھا ہوا ہے کسی کو کچھ دینے کے لیے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو پورا ہی کھول دو کہ جوش میں آ کر سب کچھ دے ڈالو اور آئندہ کا کچھ ہوش نہ رہے پھر تو خالی ہاتھ گھر میں بیٹھا رہ جائے ملامت کیا ہوا درماندہ اور محتاج یعنی اگر بخل کی وجہ سے ہاتھ کو بالکل بند کر لیا تو ملوم ہو گا سب لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تیری بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور اگر ہاتھ کو کشادہ کر دیا تو محسور یعنی درماندہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائے گا۔ "حسیر" اصل میں اس چوپایہ کو کہتے ہیں کہ جو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ رہا ہو اسی طرح جس نے اپنا کل مال خرچ کر ڈالا وہ بھی اسی سواری کے مشابہ ہے جو تھک کر بیٹھ رہا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا حدیث میں ہے کہ جو خرچ میں درمیانی چال چلے گا وہ کبھی مفلس نہ ہو گا بے شک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے جس پر چاہے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ قبض اور بسط اللہ ہی کو زیبا ہے اس کے خزانے خالی نہیں ہوتے رہے بندے سو اِن پر حکم کے مطابق میانہ روی واجب ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کے باطن سے باخبر ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا ہے وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے

جس بندہ کو چاہتا ہے تو انگر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ کون امیری کے لائق ہے اور کون فقیری کے لائق ہے تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہٰذا تم کو جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یعنی محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہو جاؤ اس کی حاجت تیرے ذمہ نہیں اللہ کے ذمے ہے" انتہی کلامہ۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہ ہو جائے گا اور تمہاری سخاوت سے تم فقیر اور دوسرا غنی نہیں بن جائے گا امیر بنانا اور غریب بنانا سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے تمہارا کام میانہ روی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حکم دیا وہی تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کے حکم پر چلو اور اپنی فکر کرو اور اپنے انجام کو سوچو۔

حکم ہفتم، ممانعت از قتل اولاد:

اور اے مشرکو! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو مت قتل کرو ہم ہی تو ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق دینے والے ہیں نہ کہ تم۔ پھر تم اس فکر میں کیوں پڑے بے شک اولاد کا قتل کرنا بہر حال بہت بڑا گناہ ہے عرب کے مشرک اپنی لڑکیوں کو فقر کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے بعض عار کی وجہ سے اور بعض اس خیال سے کہ انہیں کھانے کو کہاں سے آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم یہ بے رحمی کا کام نہ کرو۔

حکم ہشتم، ممانعت از زنا:

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بڑی بے حیائی ہے جس کی قباحت اور شناعت بالکل ظاہر ہے اور بہت بری راہ ہے زنا سے حسب و نسب گڑبڑ ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی عداوتیں اور لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سب راستے زنا سے نکلے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے تو کوئی دوسرا اس کی عورت پر نگاہ کرے گا" انتہی۔ غرض یہ ہے کہ زنا بہت بری راہ ہے خواہش پرستوں کی راہ ہے اللہ نے یہ حکم دیا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو اجنبی عورت کو بدون عذر شرعی کے دیکھنا زنا کے قریب جانا ہے زنا سے حسب و نسب غلط ملط ہو جاتے ہیں یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لڑکا کس کا ہے پھر یہ کہ زنا سے جو اولاد ہوتی ہے اس کی پرورش کا کوئی کفیل نہیں ہوتا زنا سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا جس طرح حیوان جس مادہ سے چاہتا ہے اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے اس طرح زناکار بھی جس عورت سے چاہتا ہے اپنی مستی نکال لیتا ہے جس طرح جانور کو نکاح کی ضرورت نہیں اسی طرح زانی کو بھی نکاح کی ضرورت نہیں اور شیعوں کا متعہ بھی زنا کی ایک قسم ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی تفسیر میں اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حکم نہم، ممانعت از قتل ناحق

اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے مگر حق کے ساتھ اور قتل حق کی تین صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ قاتل کو قتل کی سزا میں بطور قصاص قتل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ زانی محصن کو زنا کی سزا میں قتل کیا جائے۔ تیسرے مرتد کو ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے یعنی جو دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ بھی واجب القتل ہے ان تین صورتوں کے سوا مسلمان کا قتل کرنا حرام ہے اور جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے قاتل پر غلبہ دیا ہے یعنی ولی مقتول کو اختیار ہے کہ چاہے قاتل سے قصاص لے لے یا دیت لے لے یا

معاف کردے لیکن اس وارث کو چاہیے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کرے ایک کے بدلے میں دو کو قتل نہ کرے اور نہ مثلہ کرے اور نہ غیر قاتل کو قتل کرے بے شک اس ولی مقتول کی ہماری طرف سے مدد ہوتی ہے مظلوم کی حق تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور حکام حکومت کو بھی حکم ہے کہ اس کی مدد کریں جہاں تک ممکن ہو مظلوم کا حق دلائیں رشوت اور سفارش سے کسی مظلوم کے دعوے کو خارج نہ کریں۔

حکم دہم، ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم:

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر اور یتیم کے لیے مفید اور نافع ہو یعنی اصلاح اور حفاظت کو ملحوظ رکھو خرد برد کی نیت سے اس کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس وقت اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

حکم یازدہم، ایفائے عہد:

اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ عہد پورا کیا تھا یا توڑ ڈالا تھا سب سے پہلے عہد عہدِ اَلَست ہے اور اس کے بعد ایمان ہے کہ وہ بھی ایک قسم کا عہد ہے کہ اللہ کے اوامر کو بجالاؤں گا اور منہیات کو ترک کردوں گا اور نذر بھی ایک قسم کا عہد ہے اور مخلوق سے جو عہد کیا ہے اسے بھی پورا کرو بشرطیکہ وہ عہد شریعت کے مطابق ہو اور کسی معصیت پر وہ عہد نہ کیا ہو غرض یہ کہ لفظ عہد عام ہے خالق سے ہو یا مخلوق سے اس کا ایفاء واجب ہے۔

حکم دوازدہم، ایفائے کیل:

اور جب دوسرے کے لیے ماپو تو پورا ماپو۔ مطلب یہ ہے کہ ناپ میں کمی نہ کرو اپنے لیے کم ماپنے میں کوئی حرج نہیں۔

حکم سیزدہم، ایفائے وزن:

اور جب دوسرے کے لیے وزن کرو تو سیدھی ترازو سے تولو جس میں کجی اور جھکاؤ نہ ہو یعنی پورا تولو یہی حکم یعنی پوری ناپ تول تمہارے لیے بہتر ہے خیانت میں برکت نہیں اور دنیا و آخرت میں انجام کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور بہت خوب ہے پورا تولنا اور پورا ناپنا دنیا ہی میں نیک نامی کا ذریعہ ہے۔

حکم چہاردہم، عدم جواز عمل برامر نامعلوم:

یعنی جب تک کوئی بات پوری طرح معلوم نہ ہو جائے اس پر حکم لگانا جائز نہیں ﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ یعنی جس بات کی تجھے تحقیق اور خبر نہیں اس کے پیچھے نہ لگ بغیر سنے اور بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے کوئی حکم نہ لگاؤ بے شک آنکھ، کان اور دل قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک سے بازپرس ہوگی بندہ سے بھی ان اعضاء کے متعلق سوال ہوگا اور خود ان اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا سنا اور کیوں سنا اور کیا دیکھا اور کیوں دیکھا اور دل سے پوچھیں گے کہ تو نے کیا جانا اور کیوں جانا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے متعلق دعویٰ کرکے یوں نہ کہے کہ یوں ہے اور بے تحقیق گواہی نہ دے۔

حکم پانزدہم، ممانعت از رفتارِ تکبر و تبختر:

اور مت چل تو زمین پر اتراتا ہوا اور اکڑتا ہوا یعنی ایسی چال مت چل جس سے بڑائی اور فخر معلوم ہو بلکہ نرم رفتار چلیے جس سے

تواضع معلوم ہو تحقیق تو اپنی اس مغرورانہ رفتار سے زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا کہ سوراخ کر کے اس کی انتہا کو پہنچ جائے اور بلندی اور لمبائی میں ہرگز پہاڑوں کو نہیں پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ اس مغرورانہ رفتار سے سوائے حماقت کے کوئی فائدہ نہیں ایڑی کے بل چلنے سے تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پنجوں کے بل چلنے سے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا تمہارا یہ تکبر نہ زمین برداشت کر سکتی ہے اور نہ پہاڑ برداشت کرتے ہیں پھر کیوں اکڑ کر چلتے ہو یہ سب ممنوعات ہیں جن سے ممانعت کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک بُری بات ہے تیرے پروردگار کے نزدیک اور نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر فرمایا وہ پچیس ہیں جن میں سے بعض مامورات ہیں اور بعض ممنوعات و منہیات ہیں یعنی بعض امور وہ ہیں جن کی بجا آوری کا اللہ نے حکم دیا اور بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان سب کو شمار کر دیا جائے تا کہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہو۔

(اوّل) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (دوم) خالص اللہ کی عبادت کرو (سوم) غیر اللہ کی عبادت نہ کرو (چہارم) والدین کے ساتھ احسان کرو (پنجم) والدین کے سامنے اُف نہ کرو (ششم) ان کو نہ جھڑکو اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو (ہفتم) ان سے ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم و تکریم نکلتی ہو (ہشتم) ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ (نہم) ان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرو (دہم) قرابتداروں کے حقوق ادا کرو (یازدہم) مسکین کا حق ادا کرو (دوازدہم) ابن السبیل کا حق ادا کرو (سیزدہم) اسراف اور فضول خرچی سے بچو (چہاردہم) اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب میں ﴿قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جوان کی دل آزاری کا سبب بنے (پانزدہم) اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بن جاؤ (شانزدہم) ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ (ہفتدہم) تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو (ہشتدہم) زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ (نوزدہم) کسی بے گناہ کو نہ قتل کرو (بستم) قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو (بست و یکم) مال یتیم ناحق مت کھاؤ (بست و دوم) عہد کو پورا کرو (بست و سوم) ناپ تول کو پورا کرو (بست و چہارم) اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں (بست و پنجم) زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ چلو۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

یہ ہے کچھ ایک جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوا

اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿٣٩﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

اور کی بندگی، پھر پڑے تو دوزخ میں، اولاہنا کھایا دھکیلا کیا تم کو چن کر دیے تمہارے رب نے

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

بیٹے اور آپ لیے فرشتے بیٹیاں تم کہتے ہو بات

ع٤
عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

بڑی

خاتمۂ کلام برتاکید احکام وتوحید خداوندانام

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ... الٰی ... اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴾

یہ احکام مذکورہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی منجملہ اس حکمت کے ہیں جو تیرے پروردگار نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی اُوپر کی آیات میں جو پُرمغز نصیحتیں اور ہدایتیں کی گئیں وہ من جملہ ان علم وحکمت کی باتوں کے ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے اور یہ تمام باتیں دیگرادیان اور مِلل میں چلی آتی ہیں ان میں نسخ ممکن نہیں ان کی رعایت واجب ہے اس لیے کہ یہ تمام امور بلاشبہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں ان میں نسخ کی گنجائش نہیں اور چونکہ ان احکام میں دین ودنیا کی ساری خوبیاں موجود ہیں اس لیے ان کا خاتمہ بھی توحید ہی کے حکم پر کیا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا پس اس شرک کی وجہ سے تجھ کو دوزخ میں ڈالا جائے۔ درآنحالیکہ تو ملامت کیا ہوا ہو اور تو اور خود تیرا نفس ہی تجھ کو ملامت کرے گا اور تو راندۂ رحمت خداوندی ہوگا پھر آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں پس کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور خود اس نے اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنالی ہیں اے مشرکین ذرا غور تو کرو بے شک تم بڑی بھاری بات کہتے ہو خدا تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے بیٹا اور بیٹی ہونا تو جسم مرکب ذی اجزاء کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسمیت اور ترکیب سے پاک اور منزہ ہے پھر تمہاری ایک حماقت یہ ہے کہ تم خدا پر اپنے کو فضیلت دیتے ہو اور اپنے لیے بیٹے ٹھہراتے ہو اور بیٹیاں جس سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو ان کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو بیان کرکے تاکید اور اہتمام کے لیے یہ فرمادیا کہ یہ احکام بالا حکمت کی باتیں ہیں ان کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرنا اور ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم سے اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا اور اسی پر ختم فرمایا جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اوّل ہے اور یہی حکم آخر ہے بغیر اس کے کوئی عمل قبول نہیں جہاں تک ممکن ہو کلمہ توحید کو اپنا ورد بناؤ تاکہ تمہاری زندگی کا خاتمہ اسی پر ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الواح تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں ان میں یہ تمام احکام حکمت مذکور تھے جن کا فاتحہ (آغاز) ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ سے ہوا اور ان کا خاتمہ بھی ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ سے ہوا۔ (السراج المنیر ص ۲۵۱ جلد ۲)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾

اور پھیر پھیر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں تا وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ

کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم، جیسا یہ بتاتے ہیں، تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف

سَبِيْلًا ۝۴۲ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴۳ تُسَبِّحُ لَهُ

راہ وہ پاک ہے اوپر ہے ان کی باتوں سے بہت دور اس کو ستھرائی بولتے ہیں

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا

آسمان ساتوں اور زمین، اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہیں

يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

پڑھتی خوبیاں اس کی، لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کا پڑھنا بے شک وہ ہے تحمل والا

غَفُوْرًا ۝۴۴ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا

بخشتا اور جب تو پڑھتا ہے قرآن، کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے، اور ان لوگوں کے جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً

مانتے پچھلا گھر، ایک پردہ ڈھانکا اور رکھے ہیں اُن کے دلوں پر اوٹ،

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ

کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب مذکور کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا

وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ

اکیلا کر کر، بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ہم خوب جانتے ہیں جیسا وہ سنتے ہیں

بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ

جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف، اور جب وہ مشورہ کرتے ہیں، جب کہتے ہیں بے انصاف، کہ

تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۴۷ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ

جس کے کہے پر چلتے ہو نہیں وہ مگر ایک مرد جادو مارا دیکھ! کیسی بٹھاتے ہیں تجھ پر کہاوتیں، اور

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

بہکتے ہیں، سو راہ نہیں پا سکتے۔

تاکید توحید و بیان حال منکرین نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ... الی ... فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم توحید کا تھا۔ اب ان آیات میں اس کی تاکید اور تائید کے لیے ابطال شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان مشرکین نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں توحید کے مضامین سنتے ہیں تو ان کی وحشت اور نفرت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبر کے تنفر اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ ضد اور عناد کی انتہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم و حکمت کی اور موعظت و نصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تا کہ نصیحت پکڑیں اور علم و حکمت کی باتوں کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جاتے ہیں لیکن افسوس ان کی عقل پر کہ باوجود اس کے نہیں زیادہ کرتا یہ قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے مگر اور زیادہ بدکنے لگے اور وحشت کھا کر بھاگنے لگے خوب سمجھ لو کہ جس کو علم و حکمت کی باتوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے آپ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا محکوم اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال و قتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال و قتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل منافی ہے اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پرلے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدا نہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی اور اگر بالفرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا اس لیے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل اور یکتا اور باہمتا ہو اور کوئی اس کا مثل اور ہمسر اور برابر نہ کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ۲۲) کی تفسیر میں آئے گی یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالا و پست ایک ہی ہے وہ ذات والا صفات پاک اور منزہ ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارہ میں کہتے ہیں بہت زیادہ بلندی اور برتری

جہاں وہم وخیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عالی میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شئے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز ﴿سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ﴾ پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیے پہاڑوں کا اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ﴾ (الانبیاء:۷۹)

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں سنی گئی حاضرین مجلس کا سنگریزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرقِ عادت تھا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

مسئلہ تسبیح نباتات وجمادات کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب تک درخت پر رہے اور وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبانِ قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا، اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے۔

بذکرش ہرچہ بینی درخروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل برگلش تسبیح خوان است کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانست

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

چوں ندارد جان تو قندیلہا بہر بینش کردۂ تاویلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مرترا

یہاں تک تو مشرکین کی توحید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت اور ان کے استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغرض دعوت وتبلیغ ان کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو

کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ) حق اور ہدایت کے لیے ساتر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ کافروں اور ان کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن تو آفتاب کی طرح روشن ہے لیکن ان لوگوں کی آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑا ہوا ہے اور پردہ کے علاوہ یہ لوگ اندر سے حق سے آنکھیں بھی بند کیئے ہوئے ہیں اور گمراہی کی اندھیری کوٹھری میں دروازے بند کیے بیٹھے ہوئے ہیں تو آفتاب ہدایت کی روشنی ان کو کس طرح پہنچے۔ اگر ان لوگوں کو آخرت کا یقین ہوتا اور انجام کی فکر ہوتی تو دیکھنے کی کوشش کرتے ان لوگوں کی دنیا کے لیے تو آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آخرت سے بند کیے بیٹھے ہیں اور منجانب اللہ یہ پردہ ان کی نفرت اور وحشت کی سزا ہے یعنی ان کے تنفر اور تمسخر کی سزا میں ان کے اور ہدایت کے درمیان ڈال دیا گیا تا کہ ہدایت ان کے دلوں تک نہ پہنچ سکے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ اے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرآن پڑھتے ہیں تو بعض کافر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قراءت سن کر آپ کو ستانے اور مارنے کے لیے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس جاتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے اور وہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور پُرنور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو مارنے کے ارادہ سے آئی اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس موجود تھے۔ اس نے ہر چند اِدھر اُدھر دیکھا مگر آنحضرت اس کو نظر نہ آئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ مردار آئی ہے اور پتھر اس کے ہاتھ میں ہے ایسا نہ ہو کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دیکھے اور یہ پتھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مارے آپؐ نے فرمایا یہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل ہو گیا ہے۔ پس یہ آیت ان خاص کافروں کے لیے نازل ہوئی جو آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا قرآن سن کر آپ کو ستانے آپؐ کے پاس جاتے تھے مگر وہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دیکھ نہیں سکتے تھے اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت تو خاص آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حق میں ہوگی اور آئندہ آنے والی آیت یعنی ﴿ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ تمام کافروں کے حق میں ہوگی اور پہلے قول کی بناء پر آنے والی آیت گذشتہ آیت کی تفسیر ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بڑی گراں بار ڈاٹ لگا رکھی ہے کہ وہ حق کو نہ سن سکیں کیونکہ الفاظ قرآنی اگر کسی طرح کان میں پہنچ جائیں تو اس بات کا امکان ہے کہ ان کے الفاظ کے معنی ان کے دلوں میں پہنچ جائیں اور منشاء خداوندی یہ ہے کہ یہ مسخرے نور ہدایت سے فیض یاب نہ ہوں اس لیے آنکھوں اور دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور یہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی وحشت ونفرت کا یہ حال ہے کہ جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرآن میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں مثلاً: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کہتے ہیں یا آیات توحید پڑھتے ہیں تو نفرت سے پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں یعنی قرآن کو سن کر وحشیانہ طریق سے بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے خدا وحدہٗ لاشریک کے ذکر سے بدکتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں ہاں اگر کسی طرح سے ان کے بتوں کا تذکرہ آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا

قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء وعیب جوئی سنتے ہیں تا کہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے بارہ میں اور قرآن کے بارہ میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں سے قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہوگئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حضور پُرنور ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو سے اس کی عقل مغلوب ہوگئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے دیکھ لیجیے کہ ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کہاوتیں بنائیں اور تجھ پر کیسی کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سروپا باتوں کے کہنے سے خود گمراہ ہوئے کہ علم وحکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلانے لگے حالانکہ جو علوم ومعارف آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعلیم اور القاء سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عناد حد سے گذر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہِ راست کو نہیں پا سکتے جب تک ضد اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہ راست کا نظر آنا ممکن نہیں۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چورا؟ کیا ہم پھر اُٹھیں گے نئے بن کر

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ج

تو کہہ، تم ہو جاؤ پتھر، یا لوہا یا کوئی خلقت جو مشکل لگے تمہارے جی میں

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ط قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ج فَسَيُنْغِضُوْنَ

پھر اب کہیں گے، کون اُلٹے گا ہم کو؟ کہہ جس نے بنایا تم کو پہلی بار پھر اب مٹکا ویں گے

اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ط قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

تیری طرف اپنے سر، اور کہیں گے کب ہے وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا

جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے سراہتے اسکو اور اٹکلو گے (گمان کرو گے) کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر

قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

تھوڑی

اثباتِ معاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا... الٰی... لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں الٰہیات اور نبوات کے متعلق کلام فرمایا اب ان آیات میں منکرین قیامت کا ایک شبہ نقل کرکے اس کا جواب دیتے ہیں منکرین قیامت یہ کہا کرتے تھے کہ جب آدمی مرجائے گا اور گوشت پوست اس کا گل سڑکر ریزہ ریزہ ہوجائے گا تو پھر وہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ نوبت آسان ہے جس خدا نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اس خدا کو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد تمہارے اجزاء خواہ ہوا میں اڑ جائیں یا آگ میں جل جائیں یا مٹی میں مل جائیں اللہ تعالیٰ کے خزانۂ علم اور احاطۂ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تمہارے بدن کے اجزاء منفرد کو جمع کرکے یعنی نطفہ سے تمہارا پتلہ تیار کیا وہ دوبارہ ان اجزاء منفرد کو جمع کرکے تمہارا پتلا تیار کرنے پر قادر ہے۔

قطرۂ کو در ہوا شدیا کہ ریخت　　　　از خزینہ قدرت تو کے گریخت

اور جب وہ اس دلیل قطعی سے لاجواب ہوتے ہیں تو سر ہلا کر پوچھتے ہیں مَتٰی هُوَ اچھا پھر وہ قیامت کب آئے گی اس کا جواب یوں دیا گیا کہ عنقریب آنے والی ہے مگر اس کے آنے کا وقت نہیں بتایا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جس طرح یہ لوگ قرآن اور نبی سے نفور اور بیزار ہیں اور اس کا تمسخر کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور چورا چورا ہوجائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس منکر کا یہ کہنا کہ مرنے پیچھے زندہ ہوگا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کردیا ہے جس سے اس کی عقل جاتی رہی۔ اے نبیؐ! آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہڈیوں کی دوبارہ زندگی کو بعید از عقل سمجھتے ہو اچھا تم سختی میں پتھر اور قوت اور وزن میں لوہا بن جاؤ جن میں حیات کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں یا کوئی اور مخلوق ہوجاؤ جو تم کو ہاتھ کے دبانے سے بڑی معلوم ہو تب بھی تم ضرور زندہ کیئے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہڈیوں کو دوبارہ جوڑنے اور زندہ کرنے کو بعید از عقل سمجھتے ہو حالانکہ وہ ایک عرصہ دراز تک محل حیات رہ چکی ہیں پس اگر بالفرض تم پتھر یا لوہا وغیرہ جن کو دنیا میں روح اور حیات سے تعلق نہیں اگر ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ زندہ کرے گا جس خدا نے پہلی بار ہڈیوں میں حیات پیدا کی اسے ان میں دوبارہ حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے تم جو چاہو ہوجاؤ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ پس قریب ہے کہ یہ سن کر وہ یہ کہیں گے کہ مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجیے وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا وہ تمہارے دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا اس کی قدرت کاملہ جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہے اور تمہاری فطرت اور قابلیت اور صلاحیت بھی ویسی جیسے پہلے تھی اللہ کی قدرت کے اعتبار سے گوشت اور پوست اور لوہا اور پتھر اور ماضی اور حال اور استقبال سب برابر ہیں پس اس پر یہ لوگ استہزاء اور تمسخر سے تیری طرف اپنے سر مٹکائیں گے اور سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا یہ بتایئے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونا کب ہوگا آپ کہہ دیجیے کہ شاید وہ قریب ہی ہو اس کو دور نہ سمجھو دنیا بھی چندروزہ ہے اور تمہاری زندگی بھی چندروزہ ہے جب انسان مرگیا تو اس کی قیامت تو آگئی اور اس نے اپنی قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی خوب سمجھ لو کہ جو چیز

آنے والی ہے وہ قریب ہے پہلے ہی سے اس کی فکر کرلو اور یہ واقعہ اس روز ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قبروں میں سے زندہ کر کے نکالے گا اور میدان حشر کی طرف تم کو پکارے گا اور بلائے گا تو تم اس آواز کو سنتے ہی اضطراری طور پر خدا کی حمد وثناء کرتے ہوئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی اور جس چیز کو اس وقت محال بتا رہے ہو اس وقت اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلو گے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ قبروں سے سبحانك اللّٰھُمَّ و بحمدك کہتے ہوئے نکلیں گے مگر کافر کو اس حمد وثناء سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے اس کا یہ کہنا اضطراری طور پر جبراً وقہراً ہوگا اور گمان کرو گے کہ ہم نہیں ٹھہرے دنیا میں یا قبر میں مگر بہت تھوڑا اور حیران اور پریشان ہو کر باہم گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں کس قدر ٹھہرے ﴿یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ﴾ (الروم: ۵۵) مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھہرے پس عقلمند کو چاہیے کہ اس تھوڑی سی زندگی کو اس دائمی زندگی کے لیے صرف کرے تا کہ اس دن حسرت اور ندامت کی ذلت میں مبتلا نہ ہو۔

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری — بخر جانِ من ورنہ حسرت بری
کسے گوئے دولت زدنیا سپرد — کہ باخود نصیبے بہ عقبیٰ سپرد

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ
اور کہہ دو میرے بندوں کو، بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھگڑ پواتا ہے آپس میں
اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ
شیطان ہے انسان کا بے شک دشمن صریح تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو
اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ
اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو مار (سزا) دے اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے اُن پر
وَکِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا
ذمہ لینے والا اور تیرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہم نے زیادہ کیا ہے
بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ
بعضے نبیوں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور کہہ، پکارو جن کو
زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾
سمجھتے ہو سوا اس کے، سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے، نہ بدل دیں

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ، کہ کون

أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

بندہ بہت نزدیک ہے اور اُمید رکھتے ہیں اس کی مہر کی اور ڈرتے ہیں اس کی مار سے بے شک تیرے رب کی

كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾ وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ

مار ڈرنے کی چیز ہے اور کوئی بستی نہیں، جس کو ہم نہ کھپاویں گے دن

الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ط كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ

قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت یہ ہے کتاب میں

مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّآ أَنْ كَذَّبَ بِهَا

لکھا گیا اور ہم نے اس سے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا

الْأَوَّلُونَ ط وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ط وَمَا

اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوجھانے کو پھر اس کا حق نہ

نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ

مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے، کہ تیرے رب نے گھیر لیا

بِالنَّاسِ ط وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ

لوگوں کو اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے، سو جانچنے کو لوگوں کے، اور وہ

الشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ط وَنُخَوِّفُهُمْ لا فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا

درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں اور ہم ان کو ڈراتے ہیں، تو اُن کو زیادہ ہوتی ہے

ع ٦ / ٨ / ٦ طُغْيَانًا كَبِيرًا ع ﴿۶۰﴾

بڑی شرارت

تلقین حسن خطاب با اہل کتاب وجوابات از شبہات مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ يَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ... الی ... اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾

ربط: توحید اور قیامت کی حقانیت پر دلائل قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ مخالفین سے جب بحث کی نوبت آئے تو الفاظ نرم ہونے چاہئیں کیونکہ سختی سے بسا اوقات سب وشتم کی نوبت آجاتی ہے اور شیطان باہمی نفرت اور عداوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مخالف ضد پر اتر آتا ہے ایسی حالت میں دعوت وتبلیغ بے سود ہوجاتی ہے۔ بعد ازاں مشرکین کے چند شبہات کے جوابات دیئے جو نہایت نرم ہیں اور باوجود نرم ہونے کے نہایت محکم ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی ﷺ! میرے بندوں یعنی مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ کافروں سے بات چیت کریں تو وہ بات کہیں جو بہت اچھی ہو کفار اگر سخت کلامی کریں تو ان کو جواب نرمی سے دو بے شک شیطان سخت بات زبان سے نکال کر لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے تو اندیشہ ہے کہ سختی کا جواب سختی سے دینے میں جھگڑا بڑھ جائے گا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ہرگز اس کی بھلائی نہیں چاہتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شروع شروع میں مسلمان کافروں کو لعن طعن کیا کرتے تھے۔ لہٰذا فتنہ اور فساد بڑھتا تھا اور عداوت کی بیخ مضبوط ہوتی تھی اور یہ اسلام کی ترقی میں حرج پیدا کرتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی چونکہ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اس لیے بلحاظ وقت نزول اس آیت میں عبادی سے خصوصیت کے ساتھ مہاجرین اوّلین مراد ہیں جو کفار قریش سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ عباد کو یاء کی طرف مضاف کر کے عبادی فرمایا یعنی میرے خاص بندے اس میں لطف وکرم خاص ہے مہاجرین اوّلین کے ساتھ جس کے وہ مورد بنائے گئے وھو المقصود (حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)۔ (ازالۃ الخفاء)

پس اے میرے خاص بندو! تمہیں کافروں کی دعوت اور نصیحت میں شدت وخشونت یعنی سختی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ تمہارا پروردگار تم کو خوب جانتا ہے ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد کو اور ہر ایک کے انجام کو خوب جانتا ہے اور اپنی مخلوق کا مختار ہے جو چاہے کرے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور بغیر ناصح کی شدت اور خشونت ہی کے ہدایت دیدے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے کہ باوجود ناصح کی شدت اور خشونت کے اس کو ہدایت نہ دے اور عذاب دُنیاوی یا اُخروی سے اسے ہلاک کرے مطلب یہ ہے کہ مشیتِ خداوندی تم سے پوشیدہ اور مستور ہے اور آپ ﷺ کو اور کسی کو اس کا انجام معلوم نہیں اور ان کی ہدایت آپ ﷺ کے ذمہ نہیں خدا جس کو چاہے گمراہ کر کے عذاب دے اور جس کو چاہے ہدایت دے اور اے نبی ﷺ! ہم نے تجھ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہم نے آپ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو آپ ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا آپ ﷺ کا کام یہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے ان کو تبلیغ اور دعوت اور نصیحت کرتے رہیے اور آپ ﷺ ان پر نگہبان نہیں۔ لہٰذا سختی اور درشتی بے کار ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے اور دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے وہ سمجھا دے۔ (موضح القرآن)

یعنی پیغمبر کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچا دے پھر جو کوئی مانے تو اس کا بھلا ہے اور جو نہ مانے اس کا بُرا ہے سختی کرنی بے سود ہے

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ دعوت اور نصیحت میں نرمی اور حسن اخلاق کو ملحوظ رکھیں اور کسی کو دوزخی اور جہنمی نہ کہیں کیونکہ خاتمہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ایمان پر ہوگا کہ کفر پر

اب آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں کہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ہر ایک کا حال اور مآل جانتا ہے اور جو بات جس کے حق میں مصلحت ہے یا مفسدہ ہے سب جانتا ہے اس لیے لوگوں کو اخلاق اور اعمال اور مال و منال اور حسن و جمال کے اعتبار سے مختلف بنایا اور اس اختلاف اور تفاوت کو باہمی تمایز کا ذریعہ بنایا وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے اسی علم کے موافق بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی جس کے لیے جو فضیلت چاہی وہ اس کو عنایت کی ابراہیم علیہ السلام کو خلعت اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالمت عطا کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص جیسے معجزات عطا کیے اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی جو حکمت اور فصل خطاب پر مشتمل تھی اور یہ عطاء زبور ان کی فضیلت کا ذریعہ بنی حالانکہ داؤد علیہ السلام سب بھائیوں میں پست قد اور لوگوں کی نظروں میں حقیر و فقیر تھے مگر اللہ نے ان کو یہ فضیلت بخشی کہ نبوت و رسالت بھی عطا کی اور اس کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی تاکہ سلطنت نبوت و رسالت کا معین و مددگار اور خدمت گزار ہو۔ غرض یہ کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینا یہ حق تعالیٰ کی سنت قدیم ہے کوئی بدعت نہیں حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ پس اگر ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت و رسالت عطاء کی اور آپ ﷺ کو جملہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی اور ان پر قرآن عظیم اتارا تو اس میں استبعاد اور انکار کی کون سی بات ہے اس آیت میں قریش کے تعجب کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ سارے عرب میں خدا کو رسول بنانے کے لیے ابوطالب کا یتیم ہی پسند آیا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ بزرگی کا دارومدار مال و دولت پر نہیں بلکہ خداداد فضائل و شمائل پر ہے جیسا کہ انجیل میں ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے خراب جان کر پھینک دیا وہی محل کا کنگرہ اور سرا ہوا

نکتہ: اور زبور کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس سے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی اُمت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح داؤد علیہ السلام نبوت و رسالت کے ساتھ صاحب سلطنت عظیم بھی تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنتِ عظیم بھی عطا فرمائے گا اور داؤد علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی صاحب جہاد ہوں گے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے: ((کان لا یفر اذا لاقی)) یعنی داؤد علیہ السلام جہاد میں کبھی پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے لیے نبوت اور بادشاہت کو ایک کمبل میں جمع کرے گا اور پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سرزمین شام و فارس کے وارث اور حکمران ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی خبر دی گئی ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۱۰۵)۔

چنانچہ بہ وعدۂ خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمینِ ایران و شام کے وارث ہوئے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور بادشاہت سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت اور بادشاہت کا نمونہ بنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرح نبی نہ تھے لیکن بلاشبہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ولی بادشاہ تھے۔ داؤد علیہ السلام کی گدڑی میں نبوت اور خلافت جمع تھی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے کمبل میں ولایت اور خلافت جمع تھی اور جس کمبل میں ولایت اور بادشاہت دونوں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جو فرماں روا فضائل و شمائل میں نبی کا نمونہ اور ہمرنگ ہو تو وہ خلیفہ راشد ہے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ علیہ السلام
وائے وصف وے در زبور داؤد علیہ السلام
مقصود توئی ز آفرینش
باقی بہ طفیل تست موجود

مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے فضائل وشمائل سے عزت بخشی وہ سب اللہ کے عبادت گذار بندے تھے تم کو چاہیے کہ ان کے نقش قدم پر چلو اور ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ جانو نہ کہ معبود اس لیے آئندہ آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر فرماتے ہیں۔

رجوع بسوئے ابطال شرک

مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کرتے اور کہتے کہ وہ یہ کر سکتے ہیں اور یہ کر سکتے ہیں حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود قرار دیتے ہو جیسے ملائکہ اور جنات ذرا ان کو اپنی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پکارو تو سہی دیکھیں تو وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ وہ تم سے کسی تکلیف کے دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس میں کسی تغیر وتبدل کا اختیار رکھتے ہیں کہ تم سے بلا کو ٹال کر کسی دوسرے پر ڈال سکیں پس جن کو اتنی بھی قدرت نہیں تو پھر کیوں تم ان کو معبود ٹھہراتے ہو اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل مکہ جس قحط شدید میں تم اس وقت مبتلا ہو تمہارے یہ معبود اس کو دُور نہیں کر سکتے اور معبود برحق وہ ہے کہ جو ایصال منفعت اور دفع مضرت پر اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے پر قادر ہو اور جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ اس بات پر قادر نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ معبود برحق نہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم معبود سمجھے ہوئے ہو وہ خود خدا کے عبادت گزار بندے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اس کے قہر سے ڈرنے والے ہیں پھر کہاں سے خدا ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ یہ گروہِ ملائکہ وجنات جن کو مشرکین معبود اور مستعان سمجھ کر اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں ان کا حال خود یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ڈھونڈتے ہیں جیسے عیسیٰ وعزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام سب اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی فکر میں ہیں کہ ان میں سے کون خدا کے زیادہ نزدیک [1] تر اور مقرب بنتا ہے یعنی جن ہستیوں کو تم معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ طاعت اور عبادت کے ذریعہ سے بیش از بیش خدا کا تقرب حاصل کرنے کی طمع اور حرص میں لگے ہوئے ہیں اور جیسے کوئی متابعت میں ایک دوسرے سے سبقت چاہتا ہے اسی طرح یہ حضرات عبادات اور طاعات کو وسیلہ بناتے ہیں کہ قرب مزید حاصل ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اُمید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے پس جب ان کا یہ حال ہے تو وہ کیسے معبود ہو

---

[1] قال ابن الجوزی فی قولہٖ تعالٰی اَیُّھُمْ اَقْرَبُ قولان ذکرھما الزجاج احدھما ان یکون ایھم مرفوعا بالابتداء وخبرہٗ اقرب ویکون المعنی یطلبون الوسیلة الی ربھم ینظرون ایھم اقرب اِلیہ فیتوسلون الی اللہ بِہٖ (والثانی) ان یکون ایھم اقرب بدلاً من الواو فی ویبتغون فیکون المعنی یبتغی ایھم اقرب الوسیلة الی اللہ ای یتقرب الیہ بالعمل الصالح انتھٰی کلامہ. (زاد المسیر ص ۸۰ ج ۵)

(۲) والثانی کون ایّ استفھامیة وھی مبتدأ والجملة محل نصب بیتغون وضمن معنی یحرصون فکانہٗ قیل یحرصون ایھم یکون اقرب الی اللہ وذالک بالطاعة وازدیاد الخیر والصلاح۔ (روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵)

سکتے ہیں کیا معبود کی یہی شان ہے کہ کسی کے قرب حاصل کرنے کی تلاش میں لگا رہے اور اس کی رحمت کا اُمیدوار ہو اور اس کے قہر سے لرزاں و ترساں رہے معلوم ہوا کہ وہ کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر معبود کیسے ہوئے اور اے نبی ﷺ! ملائکہ اور جنات کا عذابِ خداوندی سے ڈرنا بے جا نہیں بیشک تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے ہماری سفارش کریں اور دُنیاوی مصائب سے ہم کو محفوظ رکھیں اس کا جواب دیا کہ محض غلط ہے وہ ہرگز تمہاری مصیبت کو دفع نہیں کر سکتے۔

علامہ زمخشری اور قاضی بیضاوی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہم نے ان آیات کی یہی تفسیر فرمائی جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی اور بعض مفسرین نے آیت مذکورہ یعنی ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ﴾ کی دوسری طرح تفسیر فرمائی وہ یہ کہ یہ کفار جن بزرگانِ دین اور مقبولانِ خداوندی کو اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تاکہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی اس کے اقتداء اور اتباع کو اور اس کی دعا کو حصول قربِ خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی * ص ۹۲ جلد ۱۵)

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وہ وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی۔ (موضح القرآن)

اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے نجات نہیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اور قیامت کے دن تمام اوّلین اور آخرین آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑیں گے اور آپ ﷺ کی شفاعت کے وسیلہ سے اہل محشر کو انتظار کی تکلیف سے رہائی ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت کی تفسیر میں یہ دو قول ہیں جن کو امام نحو زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا اور دونوں قول ہم نے تشریح کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں تفصیل کے لیے روح المعانی کی مراجعت کریں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں پہلے قول کو اختیار کیا حضرات اہل علم تفسیر کشاف اور تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

ترہیب کفار از قہر خداوند قہار

گزشتہ آیت میں ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ میں اس بات کا ذکر تھا کہ عذاب خداوندی اسی بات کے لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اب آگے اس عذاب کے وقوع کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ ضرور آ کر رہے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور کفار کی کوئی بستی

* وجوز الحوفی والزجاج ان یکون ایهم اقرب مبتدأ وخبر والجملة فی محل نصب بینظرون ای یفکرون والمعنی ینظرون ایهما اقرب فیتوسلون به وکان المراد یتوسلون بدعائه والا ففی التوسل بالذوات مافیه۔ (روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵ اور روح البیان ص ۱۷۴ جلد ۵)

ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک اور برباد نہ کریں یا قیامت سے پہلے اسے کسی سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ضرور ظاہر ہو کر رہے گی خدا تعالیٰ کا یہ حتمی اور اٹل فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا ہے۔

فرمائشی معجزات کے اظہار سے انکار

کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ (ﷺ) واقعی نبی ہیں تو آپ ہمارے لیے کوہ صفا کو سونے اور چاندی کا بنا دیں اور کہتے کہ پہلے پیغمبروں جیسے معجزات دکھایئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ ان کا قول نقل کیا ہے۔ ﴿فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَآ أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ﴾ (الانبیاء:۵) یعنی عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ناقۂ صالح علیہ السلام وغیرہ اس قسم کا معجزہ آپ ﷺ کیوں نہیں دکھاتے ان کے اس بے ہودہ سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم کو اس قسم کے خاص فرمائشی معجزات کے بھیجنے میں کوئی شے مانع نہیں مگر صرف یہ امر مانع ہے کہ پہلے لوگ بھی اس قسم کے فرمائشی معجزات دیئے جانے کے بعد ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور اِن کی اور اُن کی طبیعتیں ملتی جلتی ہیں ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ان کی طرح یہ بھی تکذیب کریں گے اور ان کی طرح مستحق ہلاکت ہوں گے اور یہ ہمیں ابھی منظور نہیں اور نمونہ کے طور پر ایک قصہ بھی سن لو کہ ہم نے قوم ثمود کو ان کی فرمائش کے مطابق اُونٹنی دی جو کھلا اور روشن معجزہ تھی جسے دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں صاف اور روشن نشانی تھی جس میں سحر کا شائبہ اور واہمہ بھی نہ تھا اس لائق تھی کہ اس کی بصارت سے بصیرت حاصل کرتے اور ناقہ اور ثمود کی مثال اس لیے دی کہ قوم ثمود کے کھنڈرات بلاد عرب سے قریب تھے اور ان کی ہلاکت اور عذاب کے نشانات کو اہل عرب دیکھتے تھے۔ پس انہوں نے اس پر ظلم کیا یعنی اس کو نہ مانا اور ذبح کر ڈالا اور اس ظلم و ستم کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ پس اگر ہم اہل مکہ کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ عطا کر دیں تو یہ بھی ویسے ہی ضدی اور عنادی ہیں معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس کی سزا میں ہلاک ہوں گے مگر ہم کو ان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہماری بارگاہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ امت پہلی اُمتوں کی طرح ہلاک نہ ہوگی آئندہ چل کر خود ان میں سے بعضے کامل مسلمان ہوں گے اور خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور ان کی اولاد بھی مسلمان ہوگی جو اس دین کی مدد کرے گی اس آخری اُمت کے متعلق اللہ کا ارادہ نہیں کہ پہلی اُمتوں کی طرح اس اُمت کو بالکلیہ تباہ کر دیا جائے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ اُمتِ محمدیہ قیامت تک باقی رہے اور اس امت کو مہلت ملنا یہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور برکت ہے اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں وہ صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کی نافرمانی اور خدا کے عذاب سے ڈر جائیں اور کچھ سوچیں سمجھیں پھر اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد وہ کفر پر قائم رہیں تو نیست و نابود ہو جائیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کے ساتھ ہوا کہ اول ڈرانے کے لیے ان کو کچھ نشانیاں دکھلا دی گئیں پھر بھی جب ایمان نہ لائے تو نیست و نابود کر دیئے گئے لیکن اس آخری اُمت کے حق میں حکمتِ الٰہیہ یہ ہے کہ اس اُمت کو پہلی امتوں کی طرح تباہ اور برباد نہ کیا جائے گا اس لیے فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت میں یعنی ﴿وَمَا مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ﴾ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے وہی مخصوص اور معہود معجزات مراد ہیں جن کا مشرکین آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کے ظاہر کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا منظور نہیں اس لیے ان کی فرمائشیں اور خواہشیں پوری نہیں کی جائیں گی اس بارہ میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں اور دوسری

آیت ﴿وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ﴾ میں مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں بھی وہی آیات مخصوصہ مراد ہیں جن کا مشرکین مکہ سوال کرتے تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس دوسری آیت ﴿وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ﴾ میں مطلق نشانیاں مراد ہیں خواہ فرمائشی جیسے زلزلہ اور طاعون اور طوفان اور چاند اور سورج کا گہن ہونا وغیرہ وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کے ڈرانے کے لیے نشانیاں بھیجتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی قدرت کے نشان ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور اللہ کے قہر سے ڈریں۔ پس اگر ڈریں تو نجات پا جائیں ورنہ پھر دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ وہ آیات اور نشانات ان کی فرمائش کے مطابق ظاہر کیے گئے تھے تو دنیا ہی میں عذاب استیصال میں مبتلا ہو کر سب ہلاک ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نشانات و آیات، آیات مقترحات نہ ہوں یعنی ان کے فرمائشی نشان نہ ہوں تو پھر ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کو اس زندگی میں مہلت مل جاتی ہے اور عذاب آخرت میں ماخوذ ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر آیت ﴿وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا﴾ میں آیات مقترحہ یعنی فرمائشی نشان مراد ہوں تو تخویف سے عذاب استیصال سے ڈرانا مراد ہوگا کہ جس سے بالکلیہ تباہی اور بربادی ہو جائے اور اگر آیات سے آیات غیر مقترحہ یعنی غیر فرمائشی مراد ہیں جیسے زلزلہ اور طوفان تو پھر تخویف سے عذاب آخرت سے ڈرانا مراد ہوگا۔

(سراج منیر ص ۲۵۸ ج ۲۔ روح المعانی ص ۶۷ ج ۵۔ روح البیان ص ۱۷۷ ج ۵)

یہاں تک مشرکین کی جرأت اور طعن کو بیان کیا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہماری فرمائش کے مطابق معجزات لائیے جو ہم نے آپ سے مانگے ہیں اور اس طعن کا جواب دے دیا گیا اب آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ان کے معاندانہ سوالات اور ظالمانہ ظلم و ستم سے رنجیدہ نہ ہوں اور اے نبی ﷺ آپ اس وقت کو یاد کریں کہ جب ہم نے آپ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تیرا پروردگار سب لوگوں کو اپنے احاطہ اور گھیرے میں لیے ہوئے ہے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ تیرا محافظ اور نگہبان ہے یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لہٰذا تو ان سے نہ ڈر اور ان کی پرواہ نہ کر اور تبلیغ و رسالت کا کام کیے جا اللہ تیرا حافظ و ناصر اور معین و مددگار ہے۔ چنانچہ اب تک باوجود سخت عداوت کے کوئی کافر تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکا یہ غیبی حفاظت تیری تصدیق نبوت کے لیے کافی ہے کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں اور یہ کافر تو صدہا معجزات دیکھ چکے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ باوجود ان کی شدید مخالفت کے اور باوجود آپ ﷺ کی بے سروسامانی کے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے پر قادر نہیں اگر اللہ تیرا مددگار نہ ہوتا تو تو ان میں ایک دن بھی نہ رہ سکتا اور بلحاظ اپنی قوت و شوکت اور اسباب ظاہری کے وہ ضرور اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپ ﷺ ان کی ایذاء اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو قوت و نصرت دے گا اور یہ سب ذلیل و خوار اور مقتول و مقہور ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ: ۶۷)... ﴿سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ﴾ (القمر: ۴۵)۔ چنانچہ آپ ﷺ شبا شب مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور صبح کو صحیح سالم پھر مکہ واپس آگئے یہ واقعہ بھی حفاظت غیبی کا ایک کرشمہ تھا اور لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش تھا جیسے کہ آئندہ آیت میں ذکر فرماتے ہیں۔

اور نہیں بنایا ہم نے اس دکھاوے اور نظارہ کو جو ہم نے تجھ کو شب معراج میں دکھلایا مگر لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے یعنی شب معراج میں ہم نے آپ ﷺ کو آیات قدرت کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا جن کا ﴿لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا﴾ میں ذکر ہے اور جن عجائب ملکوت کو ہم نے آپ ﷺ کو بحالت بیداری اسی چشم سر کے ساتھ دکھلایا وہ آپ کے لیے کرامت عظیمہ ہے مگر اور لوگوں کے لیے فتنہ یعنی

آزمائش اور امتحان تھی کہ دیکھیں کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں رؤیا (دکھاوے) سے شب معراج میں آیات کبریٰ کا بحالت بیداری اس چشم سر کے ساتھ دکھاوا اور نظارہ مراد ہے خواب کا دکھاوا مراد نہیں جیسا کہ شروع سورت میں دلائل اور براہین سے اس بات کو واضح کیا جاچکا ہے کہ مشاہدۂ معراج از اوّل تا آخر اسی جسم اطہر کے ساتھ بحالت بیداری تھا معاذ اللہ خواب نہ تھا جو لوگ معراج جسمانی کے منکر اور اس کو خواب قرار دیتے ہیں ان کی گمراہی کا باعث یہ آیت بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ رؤیا واقع ہوا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں مگر یہ ان کی گمراہی ہے صحیح بخاری میں صراحۃً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت میں رؤیا سے رؤیا عین مراد ہے [1] یعنی دکھاوے سے بحالت بیداری آنکھ کا دکھاوا مراد ہے جو شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا خواب کا دکھاوا مراد نہیں اور لفظ رؤیا لغت عرب میں خواب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح یہ لفظ خواب کے دیکھنے کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور یہی تفسیر لفظ رؤیا کی سعید بن جبیر ابراہیم نخعی، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد عکرمہ، ابن جریج، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ اکابر تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے کی ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے رؤیت اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں دونوں کے معنی دیکھنے کے ہیں کہا جاتا ہے رایۃ، یعنی رؤیۃ، ورؤیا یعنی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رؤیا رؤیت دونوں آنکھ کے دیکھنے میں مستعمل ہوتے ہیں۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۲۵ جلد ۵)

قال ابن الانباری المختار فی هٰذِہ الرؤیة ان تکون یقظة ولا فرق بین ان یقول القائل رأیت فلا نا رؤیته ورایتهٗ رؤیا الا ان الرویة یقل استعمالها فی المنام والرؤیا یکثر استعمالها فی المنام ویجوز کل واحد منهما فی المعنیین۔ (زادالمسیر لا بن الجوزی ص ۵۳ جلد ۵)

"امام ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختار اور صحیح قول یہی ہے کہ رؤیا سے بحالت بیداری دیکھنا مراد ہے اس لیے کہ کلام عرب میں رایتہٗ رؤیتہٗ اور رایت رؤیا دونوں کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلانے کو دیکھا رأیت کے بعد رؤیت کا لفظ کہو یا رؤیا کا لفظ کہو دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف فرق اتنا ہے کہ رؤیت کا استعمال خواب کے دیکھنے میں کم ہے اور رؤیا کا استعمال خواب کے دیکھنے میں زیادہ ہوتا ہے۔"

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رؤیا کا استعمال بحالت بیداری دیکھنے میں بھی آتا ہے جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

ع ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض (فتح الباری ص ۳۰۲ جلد ۸ کتاب التفسیر)

نکتہ: واقعہ معراج بلاشبہ مشاہدۂ بیداری تھا مگر زیادہ تر اس کا تعلق دوسرے عالم سے تھا جیسے خواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ اس مناسبت سے اس مشاہدۂ عینی اور نظارۂ بیداری کو لفظ رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

علاوہ ازیں کہ واقعۂ معراج اگر خواب ہو تو پھر وہ لوگوں کے لیے کسی طرح فتنہ اور آزمائش نہیں ہوسکتا دنیا میں کوئی بے وقوف

---

[1] اخرج البخاری عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ قال هی رؤیا عین اریها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة اسری به وزادهٗ سعید بن منصور عن سفیان فی آخر الحدیث رؤیا منام۔ (فتح الباری ص ۳۰۱ جلد ۸ کتاب التفسیر)

سے بے وقوف بھی ایسا نہیں جو خواب کو جھٹلائے البتہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ ضرور فتنہ اور ذریعۂ آزمائش ہے جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں اس شب میں بیت المقدس دیکھ کر آیا ہوں تو لوگوں نے اس کو مستبعد اور محال جان کر اس کو نہ مانا اور آپ کو جھٹلایا اور مومنین اور مخلصین نے اس کی تصدیق کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس معراج جسمانی اور اسی شب کے نظارہائے بیداری کو لوگوں کی آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بنایا اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی تکذیب نہ کرتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی بیت المقدس ہو کر آسکتے ہیں اس رویت کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ (آزمائش) قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب کا واقعہ تو فتنہ (آزمائش) نہیں ہوسکتا ہے فتنہ اور آزمائش تو کوئی عجیب وغریب چیز ہی ہوسکتی ہے بحالت خواب آسمانوں کی سیر نہ کوئی معجزہ ہے اور نہ کوئی عجیب وغریب چیز ہے جسے فتنہ کہا جاسکے کافر کو بھی خواب میں آسمانوں کی سیر حاصل ہوسکتی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کو واقعہ معراج سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال دیکھا تھا کہ آپ ﷺ مع اصحاب رضی اللہ عنہم کے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے عمرہ کیا اس خواب کے بعد آپ ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو روکا اور آپؐ ان سے صلح کر کے بغیر عمرہ کے مدینہ واپس آگئے۔ منافقین نے طعن کیا کہ یہ خواب تو سچا نہ ہوا اور بتقاضائے بشریت بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہی خطرے گزرے اور یہ خواب لوگوں کے حق میں موجب فتنہ اور امتحان بن گیا اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ جو خواب اللہ نے آپ ﷺ کو دکھلایا وہ حق ہے اس خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔ خواب مطلق تھا اس میں کسی وقت کی تعیین نہ تھی۔ اس خواب میں مسجد حرام میں داخل ہونے کا وقت نہیں بتلایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کے شوق میں اسی سال ارادہ فرمالیا مگر مشیت ایزدی میں اس سال اس خواب کا پورا ہونا مقدر نہ تھا بلکہ اگلے سال پر موقوف تھا چنانچہ اگلے سال اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی اور آپ ﷺ نے مع اصحاب کے بغایت اطمینان عمرہ ادا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾ (الفتح:۲۷)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ تاویل اور تفسیر ضعیف ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے خواب کا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۸۲ جلد ۲)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آپ ﷺ نے بدر میں جانے سے پہلے دیکھا کہ مسلمان اور کافروں میں لڑائی ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے جب کافروں نے یہ خواب سنا تو انہوں نے اس کی ہنسی اڑائی اور خوب قہقہے لگائے۔

لہٰذا ممکن ہے کہ آیت میں لفظ رؤیا سے ان میں سے کسی خواب کی طرف اشارہ ہو پس اس آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ واقعہ معراج خواب تھا کسی طرح صحیح نہیں اس کا منشاء بجز الحاد اور زندقہ کے کچھ نہیں احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ معراج اوّل تا آخر بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ تھا۔

اور علیٰ ہٰذا ہم نے اس ملعون درخت کو بھی لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ درخت زقوم کا ہے جب یہ آیت ﴿اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ﴾ (الدخان: ۴۳، ۴۴) نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ﴾ (الصافات: ۶۴) یعنی زقوم کا درخت جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے تو ابوجہل بولا کہ محمد (ﷺ) تو تم کو ایسی آگ سے ڈراتا ہے جو پتھر تک جلادیتی ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس آگ میں ایک درخت اگتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلادیتی ہے یہ محمد ﷺ

کی گھڑت نہیں تو اور کیا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے اس شجرہ ملعونہ یعنی زقوم کو آگ میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ بنے اور اہل ایمان نے صدق دل سے اس کی تصدیق کی اور اس کا یقین کیا کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد ونہایت نہیں وہ جہاں چاہے درخت پیدا کر سکتا ہے اور ظالموں کے لیے یہ درخت فتنہ بن گیا ان ظالموں نے قادر مطلق کی قدرت کا اندازہ نہ کیا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الروم:۶۷) اس لیے ظالموں نے اس کو خلاف نیچر سمجھ کر اس کا انکار کر دیا ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ﴾ (الصافات:۶۳) کا مطلب یہ ہے اور اس درخت کے ملعون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہوں گے یہ درخت جہنم میں ملعونین یعنی کفار اور مشرکین کی غذا ہوگا۔ اصل ملعون اس کے کھانے والے ہوں گے اور اس درخت کو مجازاً ملعون کہہ دیا گیا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہرا اور سرسبز درخت کیونکر اُگ سکتا ہے یہ ان کی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے آگ کا درخت کو نہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں بلاد ترک میں ایک جانور سمندل ہوتا ہے اس کی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں جب یہ رومال میلے ہو جاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیئے جاتے ہیں آگ ان کے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی شتر مرغ آگ کے انگارے نگل جاتا ہے اور اس سے اس کو کچھ نقصان نہیں ہوتا نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ (یٰسین:۸۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لیے سبز درخت سے آگ نکالی تا کہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس سبز درخت سے نکلتی ہے اس سے وہ سبز درخت نہیں جلتا۔

پس ان نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ جو خدا درخت میں آگ ودیعت رکھ سکتا ہے وہ آگ میں درخت کو اگا بھی سکتا ہے آگ کا کیڑا ہمیشہ آگ ہی میں رہتا ہے مگر آگ اس کو نہیں جلاتی۔

اس زمانے میں بہتیرے درخت ایسے معلوم اور منکشف ہوئے ہیں جو بجائے پانی کے آگ سے نشوونما پاتے ہیں۔

اور ان آیات مذکورہ اور نشانات مسطورہ کے علاوہ بھی ہم ان کو طرح طرح سے عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں سو وہ ڈرانا ان کے حق میں سوائے سخت تمرد اور سرکشی کے کسی بات کو زیادہ نہیں کرتا ایسے ملعون ہیں کہ شجرۂ ملعونہ سے نہیں ڈرتے جتنا انہیں عذاب سے ڈراؤ اتنا ہی اور زیادہ تمرد اور سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو، سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس۔ بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَئِنْ

جو تو نے بنایا مٹی کا کہنے لگا، بھلا دیکھ تو! یہ جس کو تو نے مجھ سے چڑھایا، اگر تو مجھ کو ڈھیل دے

اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ

قیامت کے دن تک، تو اس کی اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے فرمایا جا، پھر

فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَ
جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے سو دوزخ ہے تم سب کی سزا، پورا بدلا۔ اور

اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ
گھبرالے ان میں جس کو گھبرا سکے اپنی آواز سے، اور پکار لا ان پر اپنے سوار اور

رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ
پیادے، اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں، اور وعدے دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ
شیطان، مگر دغابازی، اور جو میرے بندے ہیں اُن پر نہیں تیری حکومت۔ اور

كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾
تیرا رب بس ہے کام بنانے والا۔

ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ... الی ... وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کی سرکشی اور عناد اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مخالفت اور عداوت کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے تم اس کے بہکائے میں نہ آنا اور اس کے بہکانے سے ہمارے نبی ﷺ کی مخالفت نہ کرنا شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے حکم سے برگشتہ ہو جائیں آدم علیہ السلام کا مفصل قصہ اور اس کی تفسیر سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تاکہ خلیفۂ خداوندی کی فضیلت اور برتری سب پر عیاں ہو جائے تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور جب حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہ کیا تو ڈھٹائی سے بولا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اس پر حق تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اس کو اپنی بارگاہِ قرب سے نکال دیا اس پر ابلیس دوبارہ بولا مجھے بتلا تو سہی یہی وہ خاک کا پتلہ ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت اور بزرگی دی ہے حالانکہ وہ خاک ہے اور میں آگ سے ہوں خیر اگر میں اس کی وجہ سے مردود ہوا ہوں تو آپ اگر میری درخواست کے مطابق روز قیامت تک مجھے مہلت دے دیں اور میری

موت میں تاخیر کردیں تو میں بھی سوائے تیرے تھوڑے خاص بندوں کے اولادِ آدم کی جڑ کاٹ کر پھینک دوں گا یعنی اولادِ آدم کو اغوا کر کے بہشت سے ان کی جڑ اکھاڑ دوں گا مگر تھوڑے آدمیوں کو تیری عصمت اور حفاظت کی وجہ سے گمراہ نہ کرسکوں گا یعنی انبیاء اور اولیاء جو شیطان کے داؤ میں نہیں آتے فرمایا اچھا جا اور راہ لے جو تیرے سے ہوسکے وہ کرپس جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا اور تیرے پیچھے چلے گا تو بے شک تم سب کی سزا دوزخ ہے پوری جزاء یعنی جا ہم کو تیری کوئی پرواہ نہیں ہم تجھ کو اور تیرے متبعین کو سب کو جہنم میں ڈال دیں گے اور ان میں سے جس کو اپنی آواز سے بچلا سکے اس کو بچلا یعنی جس طرح تو اللہ کی معصیت کی طرف بلاسکتا ہے بلا دنیا میں جو آواز اور پکار اللہ کی نافرمانی کی طرف دی جاتی ہے وہ درحقیقت شیطان کی آواز ہوتی ہے جیسے راگ اور باج کی آواز۔ اور کھینچ لا اور چڑھا لا ان پر اپنے سوار اور پیادے یعنی ان کے بہکانے میں اپنی پوری قوت صرف کر ڈال اور جتنا زور تجھ سے لگایا جاسکے لگالے اور مالوں اولادوں میں ان کا شریک ہوجا۔ جو مال و اولاد معصیت کا باعث بنے اس میں شیطان اِن کا شریک ہے اور علیٰ ھٰذا جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو اس میں بھی نفس اور شیطان شریک ہے زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوار اور پیادوں کے چڑھالانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تیری قدرت ہو اتنے مکائد اور مکروفریب کے جال اور وسائل جمع کرلے اور ان کو غوایت اور ضلالت پر آمادہ کرلے اور حسب مقدور ان میں اپنا تصرف کر یہ امر تہدید کے لیے ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ اچھا جو تجھ سے بن سکے کر گزر عنقریب اس کا انجام تجھ کو معلوم ہوجائے گا۔ (انتہیٰ)

یعنی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اور تیرا جو جی چاہے اولادِ آدم سے جھوٹے وعدے کر کہ جہنم اور جنت کچھ نہیں شیطان جب کسی کو معصیت کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے جو کچھ بھی ہے دنیا کی زندگی ہے کیوں اپنی لذت و سرور کو چھوڑتا ہے اور عبادت میں پڑ کر کیوں مشقت کرتا ہے یہ مراد ہے شیطان کے وعدے دینے سے اور نہیں وعدہ دیتا شیطان لوگوں کو مگر دھوکہ اور فریب کا یعنی شیطان کے سب وعدے دھوکہ اور فریب ہیں باطل اور خطا کو حق اور ثواب کی صورت میں دکھلاتا ہے جس سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اب اگلی آیت میں پھر شیطان کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے شیطان تحقیق میرے خالص بندوں پر جن کو مجھ سے خالص تعلق ہے کہ تیرا کوئی زور نہیں وہ بندے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ہیں شیطان کو اِن کے اغواء پر قدرت نہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار اپنے خاص بندوں کو کافی کارساز ہے وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے شیطان کا فتنہ بہت سخت ہے اور انسان ضعیف اور ناتواں ہے بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے معصیت سے نہیں بچ سکتا اور بدون اللہ کی اعانت اور قوت کے طاعت نہیں کرسکتا ﴿ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ﴾ اور خاتمہ پر یہ فرمانا ﴿ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴾ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بندہ خدا پر توکل اور بھروسہ کرے شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ
تمہارا رب وہ ہے، جو ہانکتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں، کہ تلاش کرو اس کا فضل
اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ
وہ ہے تم پر مہربان اور جب تم پر تکلیف پڑے دریا میں، بھولتے ہو جن

تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
کو پکارتے تھے اس کے سوا پھر جب بچا لیا تم کو جنگل کی طرف، ٹلا گئے۔ اور ہے انسان بڑا
كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
ناشکر سو کیا نڈر ہوئے ہو؟ کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر
حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ
آندھی، پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کام بنانے والا یا نڈر ہوئے ہو کہ پھر لے جاوے تم کو اس میں
تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ
دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک جھونکا باؤ کا پھر ڈبا دے تم کو بدلہ اس ناشکری کا
ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ
پھر نہ پاؤ تمہاری طرف سے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور
حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ
سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور زیادہ کیا
عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ع
ان کو اپنے بنائے ہوئے بہت شخصوں پر بڑھتی دے کر

رجوع بسوئے توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ ... الٰى ... وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ﴾

ربط: اب پھر توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں نیز گزشتہ رکوع میں شیطان کا یہ قول نقل کیا تھا ﴿ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ﴾ اس لیے ان آیات میں بنی آدم کی کرامت اور فضیلت کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شیطان بر اور بحر میں کس طرح اغواء کرتا ہے اور بنی آدم کی تکریم اور تفضیل کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ منعم حقیقی کا شکر گزار بندہ بنے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے نفع کے لیے سمندر میں کشتیاں ہنکا تا ہے تا کہ تم ان پر سوار ہو کر دوسرے شہر میں پہنچ کر روزی تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ جو حاجت تم کو اپنے شہر میں میسر نہ ہو سکے اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر میں جانے کا سامان مہیا کر دیا اور اس خدائے پروردگار کی معرفت تمہاری فطرت اور جبلت میں مرکوز ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے مثلاً طوفان اور بادوباراں کی وجہ سے کشتی کے ڈوب جانے کا خوف ہوتا ہے تو اس وقت سوائے خدا کے جن جن کو تم پکارتے اور پوجتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں اس وقت سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں پکارتے اور سمجھتے ہو کہ سوائے خدا کے کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ پس انسان بحالت مجبوری جس ذات کو اپنا سہارا سمجھ کر پکارے اصل خدا وہی ہے پھر وہ خدا جب تمہاری دعا قبول کر کے تمہیں خشکی کی طرف صحیح سالم بچا لاتا ہے اور سمندر کی موجوں اور اس کے تلاطم سے نجات دیتا ہے تو پھر تم خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور بتوں کو پوجنے لگتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو خدا کو پکارتا ہے اور جب وہ نجات دے دیتا ہے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور بہت جلد اس کے احسان کو بھول جاتا ہے تو کیا تم نجات پانے کے بعد اس بات سے مطمئن اور بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو جنگل کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو مطمئن نہ ہونا چاہیے جس طرح ہم سمندر میں غرق کرنے پر قادر ہیں اسی طرح خشکی میں زمین میں دھنسانے پر قادر ہیں تمام جہات، کیا خشکی اور کیا تری سب ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہمارے نزدیک براور بحر سب یکساں ہیں سمندر میں غرق کا خوف ہے تو خشکی میں خسف کا خوف چاہیے خسف بھی غرق ہی ہے سمندر میں آدمی پانی میں ڈوبتا ہے اور خشکی میں مٹی میں یا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجے جس میں سے پتھر برسنے لگیں اور قوم عاد کی طرح تم کو سنگسار کر دے پھر تم کوئی اپنا کام بنانے والا نہ پاؤ جو تم کو خسف سے اور پتھروں سے بچا سکے یا تم اس بات کی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو پھر اسی سمندر میں لوٹا کر لے جائے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں پھر اسی دریا کا سفر ڈال دے اور حسب سابق اسی کشتی اور جہاز میں سوار ہو کر دوبارہ سفر کرو اور پھر وہ تم پر ایسی سخت اور تند ہوا بھیجے جو کشتی کو توڑ ڈالے پھر تم کو اسی دریا میں ڈال دے اور ڈبو دے بسبب اس کے کہ تم نے خدا کی ناشکری کی پہلی مرتبہ تو نجات مل گئی تھی دوسری دفعہ کفر اور بدعہدی کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے پھر اس غرق پر ہم سے کوئی مواخذہ کرنے والا نہ پاؤ گے کہ جو ہم سے باز پرس کر سکے یا کوئی ہمارا پیچھا کر سکے۔ اب آئندہ آیت میں انسان پر بعض انعامات کا ذکر فرماتے ہیں تا کہ انسان جانے کہ میرا پروردگار وہی ہے جس نے مجھ کو یہ عزتیں اور کرامتیں بخشی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت اور کرامت بخشی اور تمام مخلوقات پر اس کو بزرگی دی انسان کی دوسری مخلوقات پر کرامت اور عزت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم اور فراست اور نطق اور گویائی عطا کی اور لکھنا پڑھنا سکھایا زبان اور قلم سے اظہار مافی الضمیر کی قدرت عطا کی اور اس کا قد معتدل اور سیدھا بنایا اور بہتر سے بہتر صورت اس کو عطا کی۔ جس میں کمال حُسن پایا جاتا ہے ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾ (التین: ۴)۔ ((وفی الحدیث خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ)) آدمی ہاتھوں سے کھانا کھاتا ہے اور دوسرے حیوانات منہ سے زمین پر سے غذاء اٹھا کر کھاتے ہیں مردوں کو داڑھی دی اور عورتوں کو گیسو دیئے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

اور انسان کو معاش اور معاد کے بارے میں حسن تدبیر عطا کی اور منافع اور مضار کے ادراک کے لیے حواس ظاہرہ اور باطنہ عطا کیے وغیرہ وغیرہ اور منجملہ کرامت اور عزت یہ ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو خشکی میں چوپایوں پر سوار کیا اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کیا مطلب یہ ہے کہ بر اور بحر میں سفر کا سامان اس کے لیے مہیا کیا انسان سوار ہو کر چلتا ہے اور سواری کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلتی اور پاکیزہ چیزوں میں سے ہم نے اس کو روزی دی دنیا کی مزیدار چیزیں اس کے کھانے میں آتی ہیں بخلاف دیگر مخلوقات کے کہ وہ ان لذیذ چیزوں سے محروم ہیں اور ہم نے اولاد آدم کے اِکرام و انعام میں فقط مذکورہ بالا کرامتوں اور نعمتوں پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور فوقیت دی اور اس کو وہ فضائل اور شمائل عطا کیئے جس سے بیشتر مخلوق خالی ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی اس تکریم اور تفضیل کا اور انعام و اکرام کا حق یہ ہے کہ اپنے منعم حقیقی کا دل وجان سے شکر کریں اور شرک اور ناشکری سے دور رہیں اور عبودیت اور عبادت سے اور اطاعت سے اس خداداد کرامت و فضیلت کی حفاظت کریں اور ابلیس لعین جو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی کرامت اور فضیلت کا منکر ہے اور جس نے ﴿اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ﴾ کہہ کہ تمہارے باپ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اور کرامت کے انکار کرنے کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے ہر وقت تمہاری تاک میں ہے کہ باپ کی وجہ سے تم کو جو عزت و کرامت اور فضیلت و فوقیت ملی ہے اس کو خاک میں ملا دے اس سے چوکنا رہنا اور اس کے بہکائے میں آ کر اپنے منعم حقیقی کو نہ بھول جانا۔

لطائف و معارف

① حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ﴾ میں اولادِ آدم کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا سو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت اور کرامت عطاء فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی جو تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مؤمن کافر سب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے۔

① کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا خمیر تیار کیا اور خود دست قدرت سے اس کو بنایا ② اور احسنِ تقویم میں اس کو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اس کو بنایا ③ اور معتدل القامت اس کو بنایا ④ پکڑنے اور کھانے کے لیے انگلیاں بنائیں ⑤ اور چلنے کو پیر بنائے ⑥ اور مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت بخشی ⑦ اور عقل اور تمیز دی ⑧ اور بولنے کے لیے زبان عطا کی ⑨ اور قلم سے اس کو لکھنا سکھایا ⑩ اور اسباب معیشت میں اس کی رہنمائی کی ⑪ اور طرح طرح کے صنائع اور بدائع کا اس کو الہام کیا۔

۱۔ کرامت روحانی:

دوسری قسم کی کرامت روحانی ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہے: ① ایک کرامت عامہ اور ② دوسری کرامتِ خاصہ۔ کرامت عامہ میں مؤمن اور کافر سب شریک ہوتے ہیں۔ روحانی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتلہ خاکی میں ایک روح پھونکی جو ایک روحانی چیز ہے اور جنس ملائکہ سے ہے۔

② اور پھر اولاد آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے خطاب سے ان کو عزت و کرامت بخشی جس کے

جواب میں سب (مؤمن اور کافر) نے بلیٰ کہا اور سب سے عہد ربوبیت لیا۔

③ اور پھر تمام اولاد آدم کو اسی فطرت یعنی عہد الست پر پیدا کیا۔

④ اور پھر اس عہد الست کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے اور صحائف نازل کیے اور سب کو آگاہ کر دیا کہ اگر اپنی اصلی فطرت اور عہد الست پر چلو گے تو قیامت کے بعد جنت میں اپنے باپ سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جا کر ملو گے اور اگر عہد الست سے انحراف کیا اور اپنے باپ کے دشمن ابلیس کے کہنے پر چلے تو ابلیس کے ساتھ جہنم میں جاؤ گے۔

کرامت روحانیہ کا خاصہ:

اور روحانی کرامت کی دوسری قسم کرامت خاصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یعنی انبیاء اور اولیاء اور عباد مؤمنین کو مکرم وسرفراز فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت ورسالت کی کرامت سے عزت بخشی اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو نورِ ولایت اور نورِ معرفت سے شرف بخشا اور اہل ایمان کو ایمان اور اسلام اور صراط مستقیم کی ہدایت سے کرامت بخشی کہ صراط مستقیم پر چل کر اپنے رب اکرم تک پہنچ جائیں اور ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کے جواب میں ﴿ بَلٰى ﴾ کہہ کر جو عہد ربوبیت کر کے آئے تھے اس کو پورا کر کے اپنے رب کے سامنے سرخروئی کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔

۲۔ کرامت اور فضیلت میں فرق:

کرامت اس صفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی ذات میں بدون لحاظ غیر پائی جائے اور فضیلت اور فضل اس زیادتی کو کہتے ہیں کہ جو دوسرے کے لحاظ سے اس میں زیادہ ہو۔ پس انسان باعتبار اپنی ماہیت اور حقیقت کے تمام مخلوقات سے اکرم اور افضل اور اشرف ہے جیسے عقل اور فہم وفراست اور حسن صورت یہ کرامت اور عزت سوائے انسان کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں اور باعتبار اخلاق کاملہ اور اعمال فاضلہ کے بہت سی مخلوق سے زیادہ مکرم اور محترم ہے اور باعتبار اُمور اکتسابیہ کے جن کو انسان خداداد عقل اور حواس سے حاصل کرتا ہے جیسے علوم حقہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ اس اعتبار سے انسان اکثر مخلوقات سے افضل اور برتر ہے کرامت کا دارومدار چونکہ اُمور خلقیہ اور طبعیہ پر ہے جن میں انسان کے عمل اور کسب واکتساب کو دخل نہیں اس لیے تکریم وکرامت میں مؤمن اور کافر سب شریک ہیں اور تفضیل کا دارومدار فضائل کسبیہ پر ہے اس لیے تفضیل اہل ہدایت کے لیے مخصوص ہے ادراکات علوم حقہ اور اعمال صالحہ اور طاعات وقربات سے فرق مراتب قائم ہوتا ہے۔

یہ تمام کلام امام رازی قدس اللہ سرہٗ کے کلام کی تفصیل ہے حضرات اہل علم اصل تفسیر کبیر ص ۴۳۳ جلد ۵ کی مراجعت کریں۔

۳۔ شروع آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوقات پر کرامت اور عزت بخشی اور اخیر آیت میں یہ فرمایا: ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا ﴾ یعنی ہم نے بہت سی مخلوقات سے انسان کو فضیلت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ کل مخلوقات پر اس کو فضیلت دی اور لفظ کثیر کو مجمل رکھا اس کی کوئی تعیین نہیں فرمائی اس لیے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ انسان کو سوائے ملائکہ (فرشتوں) کے سب پر فضیلت ہے اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا اور معتزلہ نے اس آیت کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ ملائکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ فرشتے انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بنی آدم اکثر مخلوقات سے تو افضل ہیں مگر ایک

قلیل مخلوق ایسی ہے کہ بنی آدم ان سے افضل نہیں وہ قلیل مخلوق فرشتوں کی ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ خواص بشر یعنی انبیاء ومرسلین علیہم السلام خواص ملائکہ وعوام ملائکہ سب سے افضل ہیں یعنی انبیاء مرسلین، جبرائیل ومیکائیل اور ملائکہ مقربین وغیرھم سب سے افضل اور برتر ہیں اور عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں یعنی باقی تمام فرشتے تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور علماء اہل سنت سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اولیاء اور اتقیاء جیسے صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہ اور محدث من اللہ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اختلاف اور دلائل کی تفصیل کے لیے کتاب اصول الدین للشیخ الامام صدر اسلام بزدوی ص ۲۰۲ دیکھیں اور مسامرہ شرح مسایرہ ص ۲۱۲ للشیخ کمال الدین ابن ابی اور شرح مسایرہ للشیخ قطلو بغا ص ۲۱۲ مطبوعہ مصر دیکھیں۔

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کا اس آیت یعنی ﴿وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ سے تفضیل ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ایک جنس کا افضل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ پہلی جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے افضل اور بہتر ہے جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مرد ہر عورت سے بہتر ہے سب کو معلوم ہے کہ حضرت حواء اور مریم علیہما السلام، عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اور عائشہ صدیقہ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بہت سے مردوں سے بہتر ہیں مجموعی طور پر اگر جنس ملائکہ جنس بشر سے افضل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنس ملائکہ کا ہر فرد یعنی ہر فرشتہ، ہر فرد حتی کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے بھی افضل ہو خصوصاً جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاج خلافت رکھا اور ان کو مسجود ملائک بنایا اور فرشتوں سے بڑھ کر ان کو علم عطا کیا جیسا کہ ﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾ سے واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کی ایک وجہ ان کی علمی عظمت وفضیلت اور برتری تھی اور ابلیس کا یہ کہنا کہ ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ اور نیز اس کا کہنا ﴿اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ وغیرہ وغیرہ یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ ابلیس نے سجدہ کے حکم کو آدم علیہ السلام کی افضلیت کی دلیل سمجھا اور نہ اگر یہ حکم ان کی افضلیت کی دلیل نہ ہوتا تو ابلیس سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو یہ حکم دینا کہ آدم کو سجدہ کرو اس سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اظہار کرنا تھا کہ آدم علیہ السلام تم سب سے افضل ہیں اہل سنت کی طرف سے معتزلہ کا جواب دراصل قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور شارحین نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔ اس ناچیز نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی اور شرح سے ماخوذ ہے۔

حضرات اہل علم حاشیہ شہاب * خفاجی علی تفسیر بیضاوی ص ۹۴ جلد ۶ دیکھیں نیز حاشیہ تنوی علی البیضاوی ص ۲۷۲ جلد ۴ بھی ضروری دیکھیں اس میں بھی اس مضمون کی تشریح اور تفصیل کی ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر جلالین میں یہی جواب دیا اس کی تشریح کے لیے حاشیہ جمل اور حاشیہ صاوی دیکھیں۔

---

* اصل عبارت اس طرح ہے۔

ظاهر الآية يدل على تفضيل الملك على البشر وهو مخالف للمشهور من مذهب اهل السنة فدفعه المصنف بان تفضيل جنس على جنس آخر لايقتضى تفضيل كل فرد منه على كل فرد من الآخر فلاينافى ذالك تفضيل بعض افراد البشر على كل الملك اوعلى بعضه على مذهبين فى المسئلة... الخ (كذافى حاشية الشهاب على تفسير البيضاوى ص ۹۴ ج ۶)

خلاصۂ کلام یہ کہ معتزلہ کے نزدیک ملائکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے افضل ہیں اور جمہور اہل سنت اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک انبیاء اور مرسلین تمام ملائکہ سمٰوٰت وارضین سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثناء رسل بشر) باقی تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور تمام اولیاء اور اتقیاء بشر سے بھی افضل ہیں۔ بہر حال جمہور اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ عامہ ملائکہ عامہ اولیاء بشر سے افضل ہیں رہے بنی آدم کے فساق وفجار تو وہ حکم میں حیوانات اور بہائم کے ہیں۔

اور بعض اشاعرہ و ماتریدیہ اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ اولیاء اور اتقیاء اور ائمہ دین اور علماء ربانیین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو رسل ملائکہ کے علاوہ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ ابتدا میں تفضیل ملائکہ علی البشر کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کیا اور تفضیل انبیاء علی الملائکہ کے قائل ہوئے اور اس بارہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے باہمی تفاضل اور مفاضلہ میں توقف کیا جائے اس لیے کہ اس بارہ میں دلائل متعارض ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سکوت کیا جائے۔ (دیکھو شرح عقیدۂ طحاویہ ص ۲۳۸ ص ۲۴۰ اور نبراس شرح شرح عقائد نسفی ص ۶۰۲)

امام [1] ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس بارہ میں سکوت کیا جائے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے اس لیے بہتر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کیا جائے۔ (دیکھو حاشیہ خیالی بر شرح عقائد ص ۲۸۰ جلد ۲)

معذرت: بقدر ضرورت اس مسئلہ کو لکھ دیا گیا مزید تفصیل کی نہ ہمت ہے اور نہ عام ناظرین کو اس کی ضرورت ہے حضرات اہل علم اگر مزید تفصیل چاہیں تو شرح عقیدۂ محاویہ ص ۲۳۵ تا ص ۲۴۵ اور شرح عقیدۂ سفارینیہ از ص ۳۸۰ ج ۲ تا صفحہ نمبر ۳۹۹ ج ۲ دیکھیں۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ
جس دن ہم بلاویں گے ہر فرقے کو ساتھ ان کے سردار کے سو جس کو ملا اس کا لکھا اس کے داہنے میں
فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ
سو پڑھتے ہیں اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے کا اور جو کوئی رہا اس جہان
فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾
میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے اور زیادہ دور پڑا راہ سے۔

[1] قال الامام ابو منصور الماتریدی فی تفسیر قوله تعالی ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ امام الکلام فی تفضیل البشر علی الملائکة والملائکة علی البشر، فانا لا نتکلم فیه لانا لا نعلم ذالك ولیس لنا الی معرفته حاجة فنکل الامر فیه الی الله تعالی وذالك مثل الکلام بین الانبیاء والرسل واتقیاء الحق وبین الملائکة وتفضیل هٰؤلاء علی هٰؤلاء فنفوض ذٰلك الی الله تعالی. (انتھی کلامه)

(دیکھو حاشیہ خیالی بر شرح عقائد ص ۲۸۰ جلد ۲ مطبوعہ مصر)

بیان فرق مراتب درروز قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ . . . الٰی . . . وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝٧٢﴾

ربط: گزشتہ آیات میں انسان کے دنیوی حالات بیان فرمائے اب اس کے بعد کچھ اُخروی حالات بیان کرتے ہیں جہاں فرق مراتب کا ظہور ہوگا کہ نیک لوگوں کے نامہائے اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اور انسان کی حقیقی تکریم و تفضیل اس دن ظاہر ہوگی۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اس دن کو جب ہم ہر فرقہ کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے یعنی ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے اس کے بعد تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے پس جس کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اہل ایمان ہوں گے سو یہ لوگ خوشی سے اپنے اعمال نامے کو بار بار پڑھیں گے اور دوسروں سے یہی کہیں گے کہ میرے اعمالنامے کو دیکھو ﴿هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ﴾ (الحاقہ:۱۹) اور ان پر ایک تاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ملے گا اور جو شخص اس دُنیا میں راہ خدا سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی جنت کی طرف سے اندھا رہے گا یعنی نجات کی راہ نہ دیکھے گا اور بلکہ بہ نسبت دُنیا کے زیادہ گم گشتہ راہ ہوگا کیونکہ دنیا میں بینا ہونا ممکن تھا کہ راہ حق اس کو نظر آ جاتی اور صراطِ مستقیم پر چل پڑتا اور آخرت میں تو بینائی کی استعداد ہی زائل ہوگئی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا

اور وہ تو لگے تھے کہ تجھ کو بچلاویں (پھیر دیں) اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف تا باندھ لاوے تو

غَيْرَهٗ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝٧٣ وَلَوْلَآ أَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ

اس کے سوا اور تب پکڑتے تجھ کو دوست اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو

كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيلًا ۝٧٤ ۙ إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ

تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا تب مقرر چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں

وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝٧٥ وَإِنْ كَادُوا

اور دونا مرنے میں، پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔ اور وہ تو لگے تھے

لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ

گھبرانے تجھ کو اس زمین سے کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور تب نہ ٹھہریں گے

خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا

تیرے پیچھے مگر تھوڑا دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا، جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اور نہ

تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸ ع ۸

پاوے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت

ذکر عداوت کفار با سید الابرار در امور دینیہ و دنیویہ و وعدۂ عصمت و حفاظت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ ... الٰى ... وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا بیان تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیتوں میں ان کی عداوت کا بیان ہے کہ وہ دین میں بھی آپ ﷺ کے دشمن تھے آپ ﷺ کو اپنی خواہشوں پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا اس پر قدرے سکوت کریں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بھی آپ ﷺ کے دشمن تھے اور آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر خیریت ہوئی کہ وہ نکالنے پر قادر نہ ہوئے اللہ نے آپ ﷺ کو وہاں سے ہجرت کرنے اور نکل جانے کا حکم دیا اور خدا نے دشمنوں کی آنکھیں ایسی خیرہ کر دیں کہ آپ ﷺ ان کے سامنے سے گزر کر صحیح سالم نکل کر راہی مدینہ ہوئے غرضیکہ ان آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں دین اور دنیا میں ہم آپؐ کے محافظ اور نگہبان ہیں یہ دشمن آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ کافر قریب ہیں اس بات کے کہ آپ ﷺ کو فریب اور دھوکہ دے کر آپ ﷺ کو اس چیز سے بچلا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ آپ ﷺ کو فریب دے کر فتنہ کی طرف مائل کریں تاکہ آپ ﷺ اس وحی کے سوا دوسری بات ہم پر افتراء کریں کیونکہ ان کی خواہش پر چلنا اور ان کی درخواست پر عمل کرنا در پردہ اللہ پر افتراء ہے اور ایسی حالت میں وہ تجھ کو ضرور اپنا دوست، ولی بنا لیتے مگر اللہ کے فضل عظیم نے تجھ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا اور اگر ہم تجھ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا تو ان کی ہدایت کی حرص و طمع میں کچھ تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتا مگر خدا تعالیٰ کی تثبیت و تائید سے آپ ﷺ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب بھی نہیں ہوئے ''رکون'' کے معنی لغت میں میلان قلیل کے ہیں اور کلمہ لَوْلَا انتفاء کے بیان کے لیے آتا ہے یعنی اگر امر اوّل نہ ہوتا تو امر دوم ہوتا ولیکن امر اوّل کے وجود سے امر دوم وجود میں نہیں آیا۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ

ہوگا کہ اے نبی ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کی تثبیت آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی جانب جھکنے کے قریب ہو جاتے۔

لیکن اللہ کی تثبیت ازلی آپ ﷺ کے ساتھ تھی اس لیے آپ ﷺ کچھ بھی ان کی طرف جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے یہ آیت آنحضرت ﷺ کے کمال کی صریح دلیل ہے کہ تثبیت غیبی نے آپ ﷺ کی حفاظت کی کہ آپ اس فتنہ کے قریب بھی نہیں گئے اگر بالفرض والتقدیر ایسا ہوتا یعنی آپ ﷺ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ کو دوہرا عذاب زندگی میں اور دوہرا عذاب مرنے کے بعد چکھاتے ''جن کا مرتبہ سوا ان کی مشکل بھی سوا ہے'' کیونکہ تیرا مرتبہ سب سے عالی ہے اس لیے تیری تھوڑی خطا بھی بہت ہے جیسا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مرتبہ بہت بلند ہے ان کے بارے میں یہ آیا ہے: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ﴾ (الاحزاب: ۳۰) پھر آپ ﷺ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے یعنی اگر آپ ﷺ ان کی طرف کچھ بھی جھک جاتے تو ہمارے عذاب سے آپ ﷺ کو کوئی بچا نہ سکتا۔

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عینٍ)). اے اللہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے۔ آمین!

الٰہی بر رہ خود دار مارا دے بانفس مامگذار مارا

اس آیت میں کفار کی طرف سے پیش آنے والے فتنہ کا ذکر تھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اب آئندہ آیت میں کفار کی عداوت اور ان کی طرف سے پیش آنے والی جسمانی مضرت سے حفاظت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور اے نبی ﷺ وہ کفار قریب ہی آ لگے تھے کہ تجھ کو ستا ستا کر زمین مکہ سے دل برداشتہ کر دیں تا کہ تجھ کو اس زمین سے نکال دیں اور اگر ایسا ہوتا تو وہ خود بھی تیرے بعد چند روز سے زیادہ وہاں نہ رہنے پاتے۔ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ نہ نکال سکے بلکہ خود آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی اور جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ویسا ہی ہوا جن مشرکوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا وہ ہجرت کے ایک سال بعد مکہ میں نہ رہنے پائے بلکہ غزوۂ بدر میں فی النار والسقر ہوئے ہماری یہی روش ان رسولوں میں رہی جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھیجا جب کسی اُمت نے اپنے رسول کو نکالا تو اس کے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک ہوئی اور اے نبیؐ! آپ ﷺ ہماری روش میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے یعنی یہ اللہ کی قدیم سنت ہے کہ جب کسی قوم نے نبی ﷺ کو بستی میں نہیں رہنے دیا تو وہ بستی والے بھی وہاں نہ رہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ
کھڑی رکھ نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک' اور قرآن پڑھنا فجر کا بے شک
قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ
قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے رو برو اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں یہ بڑھتی (فائدہ) ہے تجھ کو

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ

شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں اور کہہ اے رب! پیٹھا (داخل کر) مجھ کو

مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ

سچا پیٹھانا (داخل کرنا) اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنا دے مجھ کو اپنے پاس سے

سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ

ایک حکومت کی مدد اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بے شک جھوٹ ہے

کَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ

نکل بھاگنے والا اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ چنگے ہوں اور مہر

لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی

ایمان والوں کو اور گنہگاروں کو یہی بڑھتا ہے نقصان اور جب ہم آرام بھیجیں

الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ کَانَ یَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ

انسان پر ٹلا جاوے اور ہٹاوے اپنا بازو اور جب لگے اس کو برائی رہ جاوے آس ٹوٹا۔ تو کہہ

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹ / ۷

ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون خوب سوجھا ہے راہ۔

حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین دعاء
ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت و سلطنت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ... الٰی... اَهْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اب ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عبادت میں مشغول رہیے ان دشمنوں کی طرف التفات نہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی و ناصر ہے۔

تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ اور اشرف عبادت نماز ہے اس لیے اولاً فرض نمازوں کی تاکید فرمائی اور آخر میں نماز تہجد کا تاکد عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہے بعد ازاں آپ ﷺ کو مقام محمود کی بشارت دی ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ جو بظاہر اس تہجد کی برکات میں سے ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ شافع حشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کر دے گا ''مقام محمود'' سے مراد مقام شفاعت ہے جو عزت وکرامت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو بنی آدم میں سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور کو نصیب نہیں شروع سورت میں اسراء اور معراج کی عزت وکرامت کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں مقام محمود کی عزت وکرامت کا ذکر فرمایا اور چونکہ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنے کے درپے تھے اس لیے من جانب اللہ آپ ﷺ کو ہجرت کی دعا تلقین ہوئی ﴿وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا﴾ کیونکہ قضاء وقدر نے ہجرت کو اسلام کی ترقی کا زینہ بنایا اور جس آسمانی بادشاہت وسلطنت کا خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا ہجرت کو اس کا پیش خیمہ بنایا اس لیے آپ ﷺ کو ہجرت کی دعا کا حکم ہوا اور ﴿وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا﴾ میں اسی بادشاہی وسلطنت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ﴾ میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ﴾ (الفتح:۲۸) اور یہ قرآن جو نسخۂ کیمیاء اور شفاء اور رحمت ہے اس کا پورا استعمال اس وقت شروع ہوگا کہ جب بدر میں کفر کے سر پر اسلام کی ضرب کاری لگے گی اور کفر کے غرور کا نشہ کافور ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بخیر وعافیت آپ ﷺ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا اور ہجرت کے بعد اسلام کی شان وشوکت یومًا فیومًا زائد ہونے لگی اور حق غالب ہوا اور باطل مضمحل ہوا مکہ فتح ہوگیا اور نجد اور یمن کا تمام علاقہ اور حجاز کا علاقہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا اور شاہانہ طریقہ سے اللہ کے احکام جاری ہونے لگے اور اہل اسلام اس نسخۂ کیمیاء (قرآنِ کریم) کے استعمال سے ایسے شفایاب اور تندرست ہوئے کہ قیصر وکسریٰ کا آپریشن کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور جن ظالموں نے مال و دولت کے نشہ میں اس نسخۂ کیمیاء کے استعمال سے گریز کیا وہ کفر اور شرک کے زہریلے مادہ سے ہلاک ہوگئے اور ﴿وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی انسان پر انعام فرمائیں تو انسان کو چاہیے کہ اپنے منعم سے مانوس ہو نعمتوں میں مست ہو کر منعم سے متوحش نہ ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں قائم کرائے نبی ﷺ! نماز کو زوال آفتاب کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی کے چھا جانے تک اس میں چار نمازیں آ گئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء جیسا کہ حدیث سے اس اجمال کی تفصیل ہوگئی اکثر صحابہ وتابعین کے نزدیک ''دلوک شمس'' سے زوال آفتاب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد رات کا کچھ حصہ گزر جانے تک کہ جب رات کی تاریکی اُفق پر چھا جائے نمازیں ادا کریں اور بعض صحابہ وتابعین یہ کہتے ہیں کہ دلوک شمس سے غروب آفتاب کے معنی مراد ہیں اس سے مغرب کی نماز مراد ہے اور ''غسق اللیل'' یعنی جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جائے اس وقت عشاء کی نماز پڑھو اور لازم کرلو قرآن کا پڑھنا فجر کی نماز میں اشارہ اس طرف ہے کہ فجر کی نماز میں قرآن زیادہ پڑھا جائے اور بہ نسبت اور نمازوں کے فجر کی نماز میں قراءت قرآن زیادہ طویل ہونی چاہیے بے شک فجر کی قراءت یعنی نماز فجر محل حضور ملائکہ ہے اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں پس جو فرشتے شب کو تم میں رہے وہ عروج

کرتے ہیں پس اللہ عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس گئے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے ان کو چھوڑا تب بھی نماز پڑھ رہے تھے اور چونکہ نماز صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے اس لیے نماز فجر کا حکم الگ بیان کیا پھر اسی کے متصل نماز تہجد کو بیان کیا جو شب کے اخیر میں پڑھی جاتی ہے اور خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کو اس کا خطاب فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ شب خیزی کرو یعنی رات کا کچھ حصہ تہجد کے لیے مخصوص کردو "تہجد" ہجود سے مشتق ہے معنی ترک خواب کے ہیں یعنی رات کے کچھ حصہ میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کرو یہ نماز تہجد کا حکم خاص تیرے لیے زیادہ ہے نماز پنجگانہ کے علاوہ خاص آپ ﷺ کے لیے یہ حکم زیادہ ہے کہ آپ ﷺ ضرور تہجد پڑھا کریں اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کریں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ اُمید رکھیے کہ تیرا پروردگار تجھ کو ایک پسندیدہ مقام میں کھڑا کرے گا مقام محمود کے معنی مقام عزت کے ہیں۔

احادیثِ صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ آیت میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے اور اس کو محمود اس لیے کہتے ہیں کہ اس مقام میں کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ اللہ کی عجیب وغریب حمد وثناء کریں گے کہ جو کسی بشر کے دل پر نہیں گزری ہوگی اور پھر اس مقام میں تمام امم اور اقوام عالم کے لیے شفاعت کریں گے تو تمام اوّلین اور آخرین آپ کی تعریف کریں گے جس کی مفصل کیفیت احادیث میں مذکور ہے۔

نکتہ: آیت میں لفظ ﴿عَسٰی﴾ امید دلانے کے لیے ہے اور درحقیقت وہ بشارت اور وعدہ ہے کیونکہ کریم کا اُمید دلانے کے بعد محروم کرنا یہ موجب عار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ اُمید دلانے کے بعد پھر نہ دے۔

فائدہ: تہجد ابتداء اسلام میں سب پر فرض تھا بعد میں اُمت سے اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن آنحضرت ﷺ کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ تہجد آپ ﷺ کے حق میں خاص طور پر فرض رہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ پر فرض نہ رہا تھا اس لیے ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ کے دو معنی بیان کیے گئے ایک یہ کہ تہجد خاص آپ ﷺ کے لیے فرض زائد ہے دوم یہ کہ تہجد خاص آپ ﷺ کے لیے فضیلت زائدہ اور زیادتی مرتبہ کا موجب ہے۔

تلقین دعاء ہجرت وبشارت قیام حکومت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ... اِلٰی ... اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾﴾

گزشتہ آیت میں مقامِ محمود یعنی مقامِ شفاعت کے وعدہ اور بشارت کا ذکر تھا جو آخرت سے متعلق ہے اب اس آیت میں دارِ کفر سے دارِ امان کی طرف ہجرت کی دعا تلقین فرماتے ہیں اور ایک دنیوی بشارت دیتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اسلام کی شان یومًا فیومًا بلند ہوگی اور عنقریب مکہ مکرمہ فتح ہوگا اور جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہو جائے گی حق ظاہر ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! آپ ﷺ کفار مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں۔ آپ ﷺ تو یہ دعا مانگیں کہ: اے

میرے پروردگار! داخل کر مجھ کو مقامِ صدق میں سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو دشمنوں کے نرغے سے سچا اور اچھا نکالنا یعنی مکہ سے اچھی طرح نکال اور اچھی طرح عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل کر اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جو دین کے بارے میں میرا معین و مددگار ہو مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں میری اعانت اور امداد کر کہ یہاں سے نکلتے وقت اور دوسری جگہ داخل ہونے کے وقت بھی یعنی اس شہر سے مجھ کو آبرو کے ساتھ نکال اور کسی جگہ مجھ کو آبرو سے ٹھہرادے اور ایسی حکومت اور ایسی سلطنت عطا فرما جو تیرے دین میں مدد دینے والی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی مکہ سے اس خیر وخوبی اور خوش اسلوبی اور عزت وآبرو کے ساتھ آپ ﷺ کو نکالا کہ دشمن دیکھتے ہی رہ گئے اور پھر نہایت عزت وآبرو کے ساتھ آپ ﷺ کو مدینہ پہنچایا جہاں سے حق کا بول بالا ہوا اور مدینہ کے لوگ آپ ﷺ کے انصار اور یار و مددگار بنے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی اور دعا ﴿وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا﴾ کا ظہور ہوا۔

اور اے نبیؐ! جب مکہ فتح ہو جائے اور اللہ کی فتح اور نصرت اور من جانب اللہ سلطانًا نصیرًا کو آپ ﷺ دیکھ لیں تو اس وقت یہ کہنا آ گیا حق اور صدق یعنی دین اسلام اور نابود ہوا دین باطل یعنی کفر اور شرک سرزمین عرب سے دُم دبا کر بھاگ نکلا اور بے شک وہ تو تھا ہی مٹنے والا باطل کو اگرچہ کسی وقت میں دولت وصولت حاصل ہو جائے تو وہ چند روزہ ہے جیسے کوڑا کرکٹ بظاہر اگرچہ پانی کے اوپر نظر آئے تو اس کا اعتبار نہیں وہ عارضی ہے جامع ترمذی میں ادخلنی اور اخرجنی کی تفسیر ہجرت کے ساتھ آئی ہے اور ﴿قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ﴾ سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو تین سو ساٹھ بت اس کے اندر رکھے ہوئے تھے ہر قوم کا الگ بت تھا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے بتوں کو کوچہ دیتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے:

﴿جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ○ ... وَمَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ ○﴾

”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے .... اور آئندہ نہ باطل ابتداء پیدا ہوگا اور نہ لوٹے گا۔“

آپ ﷺ یہ پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل اوندھا ہوتا جاتا تھا حق جل شانہٗ نے باطل کی مغلوبی اور سرنگونی لوگوں کو بچشمِ سر مشاہدہ کرادی اور غلبہ حق کی جو پیش گوئی کی تھی اس کا نظارہ کرادیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آیت کریمہ ﴿رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز و اکرام مدینہ طیبہ پہنچایا نیز قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

حکومت اور امارت اعزازِ الٰہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتی تو بعض لوگ بعض کو تباہ و برباد کر دیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا حسن بصری رحمہ اللہ ﴿سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کافروں سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت ﷺ کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ ﷺ کفار و فجار کی ستم رانیوں سے گھبرائیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلغلہ ہے بالآخر دین حق غالب و سربلند ہو کر رہے گا اور کفر ذلیل و خوار و سرنگوں ہوگا اور اے کافرو! تمہاری تدبیریں کارآمد نہ ہوں گی۔ لہٰذا اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو کفر و عناد کو چھوڑ دو اور

طبیب روحانی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جو نسخۂ شفاء یعنی (قرآن کریم) تمہاری لیے لے کر آئے ہیں اس کا استعمال کرو اور دیکھو کہ ہم نازل کرتے ہیں قرآن * سے وہ چیز کہ جو امراض باطنی کے لیے شفاء ہے جس سے دل کے شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لیے اور پھر اس کا استعمال کرنے والوں کے لیے رحمت ہے کہ اس نسخۂ شفاء کو پیتے ہی چنگے ہو گئے اور دلوں کی ساری بیماریاں دور ہو گئیں اور سارے شک وشبہے مٹ گئے اور نہیں زیادتی کرتا یہ قرآن ان ظالموں کے حق میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کسی اور چیز کو چونکہ تمرد اور عناد میں مبتلا ہیں اس لیے قرآن سن کر جوش عداوت میں آ جاتے ہیں اور استہزاء اور تمسخر پر اتر آتے ہیں لہٰذا بجائے رحمت کے لعنت اور بجائے شفاء کے مرض پیدا ہوتا ہے ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرہ:۱۰)۔

اب آئندہ آیت میں اس خسارہ کا سبب بیان کرتے ہیں کہ انسان مال ومنال اور جاہ وجلال کی محبت میں غرق ہے تکبر اور قساوت قلبی کی بیماری میں مبتلا ہے اور منعم حقیقی سے بے تعلق ہو گیا ہے اس لیے کوئی دوا اس کے حق میں کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ قرآن جو شفاء اور رحمت کا سبب تھا وہ مرض اور خسارہ کا سبب کیسے بنا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی صحت اور مال دیتے ہیں تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کو ہمارے قرب اور رضا کا ذریعہ بنائے تو وہ بجائے قریب ہونے کے ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو ہم سے دور کر لیتا ہے یعنی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی سے پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار کرتا ہے یہ کنایہ تکبر سے ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف اور سختی پہنچتی ہے یعنی زمانہ کے حوادث اور مصائب میں سے کوئی چیز اس کو لاحق ہوتی ہے تو وہ بالکل مایوس (ناامید) ہو جاتا ہے کہ اب اس کو کوئی خیر اور بھلائی نہیں ملے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر آدمی کو نعمت اور دولت ملتی ہے تو وہ اس پر مغرور ہو کر منعم حقیقی کو یعنی خدا تعالیٰ کو بالکل بھول جاتا ہے اور اگر دنیا سے محروم ہوا تو اس پر غم اور افسوس چھا جاتا ہے اور خدا کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے پس جو دنیا کا ایسا شیدائی اور فدائی ہو گیا وہ قرآن کی نعمت اور رحمت کو کیا جانے اور کیا سمجھے ان بندگان شکم کے حق میں قرآن جیسے نسخۂ شفاء کے اسرار وحکم عبث ہیں آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ یہ قرآن گو تمہارے نزدیک عبث ہو مگر ہمارے نزدیک عبث نہیں ازلی سعادت اور شقاوت کے ظہور کا ذریعہ ہے اس لیے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت اور روحانی مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل اس کی روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہم نے اپنی حکمت سے مخلوق کو مختلف الانواع بنایا کسی کی فطرت میں نیکی ودیعت رکھی اور کسی کی فطرت میں برائی رکھی ہر ایک اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ پس قرآن کے ماننے نہ ماننے سے انسان کی اس پوشیدہ استعداد اور صلاحیت کا ظہور ہو جاتا ہے اس سے اگر اعمال خیر کا صدور ہوا تو دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ نیک جبلت ہے اور اگر اس سے اعمال شر کا صدور ہوا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بدجبلت ہے باقی تمہارا پروردگار پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریق میں سے کون زیادہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہمیں تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے یہ قرآن ہم نے تم پر الزام حجت کے لیے نازل

---

* اشارہ اس طرف ہے کہ من القرآن کا ''من'' بیانیہ ہے ماھو شفاء کا بیان مقدم ہے اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مبین طویل تھا اس لیے بیان کو مبین پر مقدم کر دیا گیا اور مطلب یہ ہے کہ سارا ہی قرآن شفاء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ''من'' تبعیض کے لیے ہے اور تبعیض کا یہ مطلب نہیں کہ بعض قرآن شفاء ہے اور بعض شفاء نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نزول تدریجاً ہو رہا ہے۔ لہٰذا جس قدر حصہ نازل ہوا وہ بلاشبہ شفاء ہے اس اعتبار سے من بیانیہ اور من تبعیضیہ کا مآل ایک ہو جائے گا باعتبار معنی کے دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ (دیکھو حاشیہ تنوی علی التفسیر البیضاوی ص ۸۱)

کیا ہے جیسا عمل کرو گے اس کے مطابق تم کو جزاء دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾

پس جب معلوم ہو گیا کہ خیر و شر کا مبدأ اور منشاء انسان میں اس کی روح اور اس کی فطرت اور جبلت ہے جسم سے روح کے مطابق اعمال سرزد ہوتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر کرتے ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
خبر دی ہے تھوڑی سی اور اگر ہم چاہیں لے جاویں جو چیز تم کو وحی بھیجی
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۙ ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ
پھر تو نہ پاوے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ لینے والا مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش
كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾
تجھ پر بڑی ہے۔

ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ ... الٰی ... اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت ﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ میں جن ظالموں کی عداوت کا ذکر فرمایا یہ ظالم قرآنِ عظیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے تھے از اں جملہ یہ ہے کہ ایک بار قریش نے باہم فیصلہ اور مشورہ کیا کہ یہود اہل علم اور اہل کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے کوئی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسی پوچھنی ہے کہ جس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بن سکے۔ چنانچہ قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو مدینہ بھیجا انہوں نے مشرکین سے کہلا بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں پوچھیں۔

① روح کی بابت سوال کرو۔

② اصحاب کہف کا حال دریافت کرو کہ وہ کون تھے اور کیوں غائب ہو گئے؟

③ ذوالقرنین کا حال پوچھو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟

اور یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین باتیں پوچھیں پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا جواب دیں یا ان میں سے

کسی کا بھی جواب نہ دیں تو آپ ﷺ نبی نہیں اور اگر آپ ﷺ ان سب باتوں کا جواب دیں اور تیسری بات (روح) کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں کیونکہ روح کی کیفیت کسی آسمانی کتاب میں مذکور نہیں اور توریت میں ہے کہ روح کی حقیقت سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں پس اگر آپ ﷺ روح کی حقیقت نہ بیان کریں تو سمجھ لو کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے مکہ واپس آ کر آپ ﷺ سے یہ سوالات کیے ایک سوال روح کا کیا کہ وہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تو اس آیت میں مذکور ہے اور باقی دونوں سوالوں کے جواب دوسرے مقام پر مذکور ہیں۔ آیت کا یہ شان نزول مذکورہ سطور بالا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہی قرینِ قیاس ہے کیونکہ یہ تمام سورت مکی ہے اور مکہ ہی میں اتری اور بخاری کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود نے مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے آزمانے کے لیے کیا اس قول کی بناء پر یہ آیت مدنی ہوگی اسی وجہ سے اس آیت کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مکرر ہو پہلی بار قریش کے سوال پر آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور پھر جب یہود نے مدینہ میں آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت دوبارہ مدینہ میں یہود کے سوال پر نازل ہوئی۔

ربط دیگر گزشتہ آیت میں بطور تہدید مشرکین کے حق میں آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ﴾ اے نبی کریم! آپ ﷺ ان ظالموں سے بطور تہدید کہہ دیجیے کہ ہر ایک شخص خواہ وہ سعید ہو یا شقی اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اس کی جوہر روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہر شخص کا عمل اور ہر جسم کا ہر فعل اس کی روح اور اس کے روحانی مزاج اور طبیعت کے مشاکل اور مماثل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے قرآن کریم کو تم پر اتمام حجت کے لیے اور تمہاری روح میں جو صلاحیت اور استعداد پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے نازل کیا ہے کہ جس نے قرآن کی ہدایت کو قبول کیا اور اس نسخۂ شفاء کو استعمال کیا معلوم ہوا کہ اس کی روح سعید ہے اور جس نے اس نسخۂ شفاء سے منہ موڑا وہ شقی ہے اللہ نے جس فطرت اور جبلت پر تم کو پیدا کیا ہے وہ پہلے ہی تم سے خوب آگاہ ہے تم اگر اپنی سعادت وشقاوت کو جاننا چاہتے ہو تو اس کا معیار یہ نسخۂ شفاء اور نسخۂ ہدایت ہے اور خوب سمجھ لو کہ یہ قرآن کیمیاء سعادت ہے اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

اے نبی! یہ لوگ آپ ﷺ سے امتحاناً روح انسانی کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کی حقیقت اور کنہ کیا ہے جس سے انسان کی زیست متعلق ہے سو آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ روح ایک خاص چیز ہے کہ جو میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے جب اس کے حکم سے بدن میں جان ڈالی جاتی ہے تو بدن جی اٹھتا ہے اور جب اس کے حکم سے نکال لی جاتی ہے تو مر جاتا ہے اور باقی اس کی مفصل حقیقت اور اصل کنہ اور ماہیت کی معرفت کا تو خیال بھی نہ کرنا اس لیے کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے صرف چند چیزوں کی چند صفات اور چند کیفیات کا تھوڑا سا علم بقدر ضرورت اور بطور عاریت چند روز کے لیے تم کو دیا گیا ہے اور اکثر چیزوں کا علم تم سے مخفی رکھا گیا ہے جہاں نہ تمہارے حواس ظاہرہ کی رسائی ہے اور نہ حواسِ باطنہ کی پس روح کو بھی اسی کثیر یعنی ان ہی بے شمار چیزوں میں داخل کر لو جن کا تم کو بالکل علم نہیں تمہارا مبلغ علم صرف اتنا ہے کہ تم حق تعالیٰ کے عطا کردہ حواس سے کچھ شدھ بدھ حاصل کر لیتے ہو باقی اصل حقیقت اور کنہ تمہیں کسی چیز کی بھی معلوم نہیں صرف چند مادی چیزوں کی صفات اور چند کیفیات کا تم کو کچھ علم حاصل ہوا ہے جس پر فلاسفہ اور سائنس دان اترا رہے ہیں۔ ﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾

اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تھوڑا بہت علم جو ان کو ملا ہے وہ بطور عاریت ہے جس طرح انسان کا نفسِ وجود اس کا ذاتی نہیں بلکہ من جانب اللہ لباسِ عاریت ہے اسی طرح انسان کا علم اور ادراک بھی اس کا ذاتی نہیں بلکہ وجود کی طرح چند روزہ عاریت ہے اور تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھول چوک ساتھ لگا دی ہے تاکہ یہ نادان انسان اپنے آپ کو اس علم وادراک کا مالک نہ سمجھے۔

حضرت امام قرطبی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ روح کے علم کو انسان سے پوشیدہ رکھا کہ انسان کو اپنا عاجز اور قاصر ہونا معلوم ہو جائے کہ میں اس درجہ قاصر ہوں کہ اپنی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور اپنی روح کو بھی نہیں جان سکا جس سے میری زندگی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو خداوند دو جہاں کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۴ جلد ۱۰)

حق تعالیٰ نے انسان کو قلیل علم اور معرفت سے سرفراز فرمایا مگر اس کو خود اپنی حقیقت کی معرفت سے محروم کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ روح عالم امر کی ایک خاص چیز ہے جو تمہاری عقل اور ادراک سے بالا ہے تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اس علم قلیل کے ذریعہ سے تم دنیا کی چند چیزوں کو کچھ سمجھ لیتے ہو عالم آخرت اور عالم غیب کی چیزوں کو کیا جانو اور کیا سمجھو ﴿ يَعۡلَمُونَ ظَٰهِرٗا مِّنَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ ٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ غَٰفِلُونَ ﴾ (الروم: ۷) تمہارے علم کا حال تو یہ ہے کہ تم پانی اور خاک کی حقیقت سے بھی واقف نہیں تم روح اور جان کو کیا جانو روح کے متعلق خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جتنا بتلا دیا اتنا جان سکتے ہو اس سے زائد کچھ نہیں جان سکتے ۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　　　که جاہا سپر باید انداختن

انسان اپنی عقل اور فکر سے فقط اشیاء کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے خواہ وہ اشیاء محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر ان کی کنہ اور اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا کہ آگ اور پانی موجود ہے مگر ان کی اصل حقیقت نہیں بتلا سکتا کہ وہ کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کے کچھ اوصاف بتلا دے گا اور اگر وہ شے مرکب ہوئی تو اس کے کچھ اجزاء کی تشریح کر دے گا اور اپنا اندازہ اور تخمینہ بتلا دے گا مگر ان اجزاء کی پوری حقیقت اور اصل ماہیت اور ان کی پوری کمیت اور پوری کیفیت نہیں بیان کر سکے گا انسان صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہائیڈروجن ہے مگر جب اس سے یہ پوچھو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے تو نہیں بتلا سکے گا فلاسفۂ جدید وقدیم جو سماعت اور بصارت اور فہم وفراست اور جہالت وحماقت کے وجود کے بلا اختلاف قائل ہیں مگر سماعت اور بصارت کی حقیقت اور کیفیت کے بیان کرنے میں حیران وسرگرداں ہیں اور فہم وفراست اور جہالت اور حماقت کی حقیقت بتلانے سے عاجز اور درماندہ ہیں آج تک کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی اور کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان یہ نہیں بتلا سکتا کہ فہم وفراست اور جہالت وحماقت کی اصل حقیقت اور اس کی کنہ اور ماہیت کیا ہے۔ پس جب کہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں بتا سکتا کہ جو روزمرہ اس کے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی رہتی ہیں تو اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ انسان اپنی عقل سے روح کے وجود کو تو معلوم کر سکتا ہے مگر اس کی حقیقت کو معلم نہیں کر سکتا اور کسی شئے کے وجود کا محض اس لیے انکار کر دینا کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی یا ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ نہیں کیا کھلی ہوئی بے عقلی اور نادانی ہے ابتداء آفرینش عالم سے لے کر اب تک عالم کے کل عقلاء نے مجموعی طور پر جن چیزوں کو جانا ہے وہ محدود ہیں اور نہایت معدود ہیں اور جن چیزوں کو نہیں جانا اور نہیں پہچانا وہ غیر محدود اور لامتناہی ہیں اور محدود کو غیر محدود سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے اس لیے کہ سمندر خواہ کتنا ہی وسیع ہو مگر بہر حال محدود اور متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں اتنا جاننا کافی ہے اور بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی اور وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مرگیا۔ (انتہیٰ)

صرف اتنی بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ روح ایک چیز ہے کہ جو بدن میں آگئی تو بدن زندہ ہوگیا اور جب بدن سے نکل گئی تو مردہ ہوگیا اس کے سوا سب باتیں ظنی ہیں غرضیکہ روح ایک حقیقت نورانیہ اور واقعیہ ہے مگر محسوس نہیں اور اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا ایتھر وغیرہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حواس سے محسوس نہیں ہوتیں مگر ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح روح بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ ہے اگرچہ وہ ہم کو محسوس نہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی بندہ کو اللہ نے اس کا پورا علم نہیں دیا اور آیت کے ختم پر یہ فرمانا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے یہ خطاب تمام مخلوق کو ہے۔

فائدہ جلیلہ : اس آیت میں تمام عالم کے علم کو جو قلیل فرمایا وہ بہ نسبت علم الٰہی کے فرمایا کہ بمقابلۂ علم الٰہی بہت ہی قلیل ہے اور دوسری آیت میں جو کتاب اور حکمت کے علم کو خیر کثیر فرمایا وہ بندوں کے اعتبار سے فرمایا کہ بہ نسبت متاع دنیا علم حکمت خیر کثیر ہے کتاب وحکمت کا علم اگرچہ قلیل ہو مگر وہ بھی خیر کثیر ہے اس آیت میں کثیر خیر کی صفت ہے نہ کہ علم کی لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نکتہ : آیت کا آغاز سوال سے فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ ازراہ تعنت وعناد غیر ضروری مسائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں اور نسخۂ شفاء (قرآن کریم) جو روح ہدایت ہے اس سے حیات اور زندگی حاصل نہیں کرتے۔

اقوال حکماء وعلماء دربارۂ روح

روح انسانی کی ماہیت میں عقلاء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس میں سے سوائے خون کے کوئی چیز کم نہیں ہوتی اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ سانس کا نام ہے کیونکہ سانس کے رک جانے سے آدمی مرجاتا ہے اور اطباء یہ کہتے ہیں کہ خون کے بخاراتِ لطیفہ کا نام روح ہے اور یورپ کے فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف بھاپ اور اسٹیم کا نام ہے جس سے جسم کی تمام کلیں چلتی رہتی ہیں جب یہ بھاپ بننا بند ہوجاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے۔

اور حضرات متکلمین اور اولیاء وعارفین یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جسم نورانی اور لطیف کا نام ہے جو تمام بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسمِ لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہوجائے تو اس کا نام موت ہے امام الحرمین اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسان ایک جسم لطیف اور دوامی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور مقدار سے بَری ہے اور روح حیوانی ایک بخارِ لطیف کا نام ہے جو اس روح انسانی کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف، صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری میں جسم ظاہری کثیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہری اور

حسّی سے تعلق منقطع ہوجاتا ہے تو یہ جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہوجاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی، روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے جو اخلاطِ اربعہ خون اور بلغم اور صفراء اور سوداء سے پیدا ہوتا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبیعت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرمی اور سردی اور خشکی اور تری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخارِ لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیف شے ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور یہ عالم اس کے لیے ایک مسافر خانہ ہے اور روح حیوانی اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لیے آتی ہے تاکہ یہاں آ کر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کے لیے توشہ لے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۳۸)

خلاصۂ کلام یہ کہ جس قدر علم تم کو دیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے روح کی حقیقت اور ماہیت کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں اور پھر وہ قلیل علم جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے اس کے متعلق ہم کو اختیار ہے کہ جب چاہیں تو وہ قلیل علم بھی تم سے واپس لے لیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے ہمارے رسول! ہم نے جس قدر علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ ہمارا فضل اور احسان ہے اگر ہم چاہیں تو وہ علم بھی واپس لے لیں جو ہم نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے یعنی جو قرآن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا ہے سو ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ایسا محو کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے اور لوگوں کے سینوں سے بھی قرآن نکال دیں اور کاغذوں سے مٹا دیں جو خدا سینہ میں علم پہنچا سکتا ہے وہی خدا سینہ سے اس علم کو نکال بھی سکتا ہے جس طرح دینا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے تو آپ ہمارے لے جانے کے بعد اس کے واپس لانے کے لیے کوئی کارساز نہ پائیں گے کہ کوئی دوبارہ اس قرآن کو سینوں میں اور مصاحف میں واپس لے آئے مگر تیرے پروردگار نے اپنی مہربانی سے اس علم کو تیرے پاس باقی رکھا اور اپنے عطا کیے ہوئے علم کو تجھ سے واپس نہیں لیا یعنی اگر ہم چاہتے تو اس قرآن کو واپس لے جاتے مگر بمقتضائے فضل و کرم ایسا نہیں کرتے یا یہ معنی ہیں مگر یہ کہ اللہ تجھ پر رحم کرے اور سلب اور محو کرنے کے بعد وہ علم دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دے اور بذریعہ وحی جدید کے وہ علم پھر آپ کو دوبارہ عطا کر دے معلوم ہوا کہ علم کی عطاء اور پھر اس کی بقاء یہ سب اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے بے شک اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہ اس کے فضل سے یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اسی نے اپنے فضل سے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں باقی رکھا منجانب اللہ اس قرآن عظیم کا آنا یہ بھی اس کا فضل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں بلاکم و کاست محفوظ رہنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔

ان آیات میں خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مقصود لوگوں کو سنانا ہے کہ اے لوگو! اس قرآن کو اللہ کی نعمت جانو اور اس پر عمل کرو اور اس نعمت کی ناقدری نہ کرو ورنہ خوب سمجھ لو کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس نعمت کو تم سے واپس لے لیں چنانچہ جب دنیا میں گمراہی عام ہوجائے گی تو ہم اس قرآن کو اٹھا لیں گے اور قیامت قائم کر دیں گے۔

لطائف ومعارف

پہلی معرفت:

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اوراس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام روح ہے جو اللہ کے حکم سے فائض ہوتی ہے جس سے ہم زندہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام ہے جس کے زور سے ذی روح بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہوجاتی ہے تو تمام کلیں بند ہوجاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے اسی کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شئے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دھری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب وکتاب کے قائل نہیں اس لیے کہ مرنے کے بعد کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب وعذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہوگیا ہے جو اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔

① تمام ادیان اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر جسم کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کو روح اور جان اور اوان کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک جسم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں تغیرات پیش آتے ہیں مگر وہ چیز جس کی وجہ سے یہ شخص بعینہٖ وہی شخص کہلاتا ہے جو پہلے تھا اس میں کوئی تغیر نہیں آتا طبی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہے کہ سات برس کے بعد جسم کے اجزاء اور ذرات ختم ہوجاتے ہیں اور نئے اجزاء اور ذرات پیدا ہوجاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ جسم اور یہ بھاپ اور یہ لطیف بخار ان میں سے کوئی چیز روح نہیں بلکہ روح حقیقی وہ چیز ہے کہ جو ابتداء پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک یکساں رہتی ہے جس کو انسان ''اَنا'' اور ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے اوراس پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے اور ظاہر ہے کہ عقلاء عالم کا اتفاق اور اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے۔ لہٰذا جو شخص روح کے وجود کا منکر ہے وہ عقلاء عالم واجماع کا منکر ہے عقلاء عالم اگرچہ اب تک روح کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر رہے لیکن کسی شئے کی حقیقت اور کیفیت کا جاننا اور چیز ہے دنیا کی ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزیں ایسی نکلیں گی کہ دُنیا ان کی حقیقت اور کیفیت کے جاننے سے عاجز اور قاصر ہے مگر اصل شئے کی قائل ہے۔ لہٰذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح وجود باری تعالیٰ کا اقرار ایک امر فطری ہے اسی طرح روح کے وجود کا اقرار بھی ایک امر فطری ہے۔

② نیز چالیس سال کے بعد آدمی کے تمام اعضاء میں نقصان اور انحطاط شروع ہوجاتا ہے مگر عقلی قوت بڑھ جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شے کے ساتھ قوت عقلی قائم ہے وہ کوئی جسمانی شئے نہیں۔

③ نیز خواب کی حالت میں تمام جسمانی قوتیں معطل ہوجاتی ہیں قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ اور قوتِ شامہ وغیرہ وغیرہ یہ تمام قوتیں نیند کی حالت میں بے کار ہوجاتی ہیں لیکن نیند کی حالت میں روحانی قوتوں میں اور اضافہ ہوجاتا ہے خواب میں انسان کو عجیب وغریب انکشافات ہوتے ہیں اور دوسرے عالم کی چیزوں پر مطلع ہوتا ہے پس جو چیز ان جسمانی قوتوں کے معطل ہوجانے کے بعد قوی اور تیز ہوجاتی ہے اور دوسرے عالم کی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے وہی روح ہے۔

④ نیز انسان بسا اوقات اپنے اعضاء کو اپنی طرف مضاف کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا سر اور میرا دماغ اور میرا بدن اور میرا پیر وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ انسان کی حقیقت ان اعضاء کے سوا ہے اس لیے کہ مضاف الیہ مضاف کے سوا ہوتا ہے بسا اوقات انسان یہ کہتا ہے کہ

میں نے یہ کیا پس اگر اس لفظ ''میں'' کا مصداق بھی اعضاء اور جوارح ہوتے تو لازم آتا کہ ہاتھ اور پیر کٹ جانے کے بعد انسان انسان نہ رہے معلوم ہوا کہ اس لفظ ''میں'' کا مصداق اس جسم ظاہری کے علاوہ کوئی اور شئے ہے اور وہی روح ہے۔

⑤ نیز انسان بسا اوقات کسی کام میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء سے بالکل غافل ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں وہ اپنی حقیقت سے غافل نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ اس حالت میں یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا اور یہ دیکھا اور یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدمی کی حقیقت ان اعضاء اور جوارح کے سوا کوئی اور چیز ہے اور وہی روح ہے۔

⑥ انسان کے شعور و ادراک اور کمال کی کوئی حد نہیں اور جسم اور عالم جسمانی سب محدود ہے معلوم ہوا کہ اس غیر محدود شعور کا تعلق کسی جسمانی چیز سے نہیں اس لیے کہ اگر ادراک اور شعور کا تعلق اس جسم سے محسوس ہوتا تو بقدر اس کے طول اور عرض اور عمق کے ہوتا یہ غیر محدود علوم اور ادراکات اس محدود جسم میں کیسے سما گئے۔

⑦ جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو چیز بھی ہے وہ کسی دوسری چیز کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے خود مقصود نہیں پس جو چیز ان آلات کو استعمال کرنے والی ہو وہ جسم کے علاوہ کوئی اور شئے ہے انسان کے تمام اعضاء ظاہرہ بمنزلہ آئینہ کے ہیں اور دیکھنے والا کوئی اور ہے۔

⑧ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بسا اوقات خالص امور معنویہ اور عقلیہ کا ادراک کرتا ہے جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور اس ادراک میں وہ حواس ظاہرہ کا مطلق محتاج نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ جسم انسانی میں کوئی شئے ایسی ضرور ہے جو اس ظاہری جسم کے علاوہ ہے۔

⑨ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے بعد شہید زندہ ہے اس کو مردہ کہنا جائز نہیں حالانکہ جسم مردہ ہے معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری انسان کی حقیقت نہیں۔

⑩ آیتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاتا ہے اور جنت اور جہنم پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان تمام حالات میں جسم انسانی مردہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انسان اس جسم کے علاوہ کوئی دوسری حقیقت ہے۔

بعض جاہل مدعیانِ فلسفہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مردہ کے منہ سے کوئی شئے نکلتی ہوئی نہیں دیکھتے روح اگر کوئی چیز ہوتی تو نکلتے ہوئے ہم کو دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ روح کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو جیسے ہوا اور ایتھر جس کے علماء طبعیات بھی قائل ہیں اور فرشتہ بھی اللہ کی ایک لطیف اور نورانی مخلوق ہے اللہ نے اس کو قوت اور طاقت دی ہے کہ وہ جسم انسانی میں سے اس لطیف چیز (یعنی روح) کو خداداد قوت سے نکال لے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ روح اس جسم کا نام نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور حقیقت ہے جو اس جسم میں مستور اور مخفی ہے اور اس جسم ظاہری کے لیے مدبر اور حاکم ہے اور یہ جسم اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے پس اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میری حقیقت محض یہ ظاہری جسم ہی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یہ سمجھے کہ میری حقیقت صرف یہی گدھا ہے جس پر میں سوار ہوں سو اس

کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف اور صاف و شفاف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح کوئلہ میں آگ اور سبز شاخ میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے۔

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے جو مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ ملائکۃ الموت اچھے لوگوں کی روح کو جنت کے کپڑوں میں لپیٹ کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور برے لوگوں کی روح کو ٹاٹ کے کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اس قسم کی بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور نورانی ہے کیونکہ کپڑوں میں لپیٹنا یہ شانِ جسم سے ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ نے تفسیر کبیر ص ۴۵۱ جلد ۵ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہی قول قوی ہے اور کتب الٰہیہ کے بہت زیادہ قریب اور مطابق ہے اور یہی حضرات متکلمین کا قول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی اور علوی ہے اور زندہ ہے اور متحرک بالارادہ ہے اور اس کی حقیقت اس جسم محسوس سے بالکل مختلف ہے یہ جسم کثیف آب و گل سے مرکب ہے اور تغیر و تبدل کی آماجگاہ ہے اور وہ جسم لطیف نورانی جو اس جسم کثیف کے اندر مستور ہے وہ کون و فساد اور تغیر و تبدل سے پاک ہے اور یہ جسم نورانی اس جسم محسوس میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے سبز شاخ میں پانی اور کوئلہ میں آگ سرائیت کیے ہوئے ہے اور تیل زیتون میں سرایت کیے ہوئے ہے اس جسم نورانی کا اس جسم کثیف کے ساتھ تعلق موجب حیات ہے اور اس سے علیحدگی اور بے تعلقی موجب موت ہے اور اسی قول کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا اور فرمایا کہ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر کتاب اور سنت اور اجماعِ صحابہ اور ادلۂ عقلیہ اور فطریہ دلالت کرتے ہیں۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۴۴ جلد ۱۵)

اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں اس قول کو صحیح اور صواب بتلایا ہے کتاب الروح حقیقت میں عجیب کتاب ہے جس سے روح تازہ ہو جاتی ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی کا نام ہے حضرات متکلمین اور محدثین کا یہی مذہب ہے اور اکثر حکماء قدیم کے نزدیک روح جوہر مجرد ہے اور حکماء کے نزدیک روح ایک عرض ہے۔

دوسری معرفت:

روح اللہ کی مخلوق اور حادث ہے اس لیے کہ روح مربوب ہے اور جو مربوب ہے وہ مخلوق اور حادث ہے اور اسی پر تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع ہے کہ روح مخلوق اور حادث ہے فلاسفہ میں سے افلاطون اس طرف گیا ہے کہ روح قدیم ہے۔

تیسری معرفت:

ارواح اپنی صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف المراتب ہیں اس لیے کہ رب اعلیٰ کی تربیت کے درجات مختلف ہیں اور ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾ میں رب کی یائے متکلم کی طرف اضافت اس طرف مشیر ہے کہ روح نبوی رب اکرم کی تربیت کا مظہر اتم اور مورد اعظم ہے اور عجب نہیں کہ عرش اور سدرۃ المنتہیٰ تک سیر کرانے میں اشارہ اس طرف ہو کہ روحِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کمالاتِ نبوت و رسالت کا سدرۃ المنتہیٰ ہے اس عروجِ حسی سے عروج معنوی کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

چوتھی معرفت:

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کے کمالات ذاتی نہیں بلکہ رب کریم کا عطیہ ہیں اور وہ کمالات محدود اور معدود ہیں

چنانچہ ﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ اس پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ علم اللہ کا عطیہ ہے اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل اور محدود ہے اس لیے کہ لفظ قلیلاً کا مادہ بھی قلت پر دلالت کرتا ہے اور ﴿ قَلِيْلًا ﴾ کی تنوین بھی تقلیل کے لیے ہے بندہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے مگر اس کا علم اس کے جہل سے کبھی نہیں بڑھ سکتا اس لیے کہ انسان کا علم محدود اور متناہی ہے اور جہل غیر محدود اور غیر متناہی بالفعل ہے جن چیزوں کو انسان نہیں جانتا ان کی کوئی حد اور شمار نہیں معلوم ہوا کہ انسان کا جہل اور اس کی لاعلمی غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور پھر انسان کو جن چند چیزوں کا علم ہوتا ہے وہ بھی فقط ان چیزوں کے چند ظاہری احوال اور چند صفات اور چند کیفیات کا علم ہوتا ہے مفصل حقیقت اور ماہیت کا اور پوری صفات اور تمام کیفیات کا وہاں بھی علم نہیں ہوتا بلکہ انسان جس چیز کے علم کا مدعی ہوتا ہے اس ایک چیز کے علم میں بھی اس کا جہل اس کے علم پر غالب رہتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ علم اور ادراک کا معدن اور مخزن دل اور دماغ ہے جو حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہے جس کو چاہے عقل دے اور جتنی چاہے اتنی ہی دے اور جس کو چاہے عقل سے بالکل محروم کر دے جس طرح عقل اور ادراک اور شعور کا دینا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے فرزانہ بنا دے اور جس کو چاہے دیوانہ بنا دے بہر حال انسان کا ادراک اور شعور محدود ہے وہ کسی ایک شے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔

پانچویں معرفت: لفظ ''خلق'' ❶ اور لفظ ''امر'' کی تشریح اور ان کا باہمی فرق:

قرآن کریم میں لفظ خلق اور لفظ امر بکثرت مستعمل ہوا ہے اور سورۂ اعراف کی اس آیت ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ میں دونوں لفظوں کو یکجا لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ ہیں کیونکہ امر کو خلق کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور عطف بھی مغایرت کو چاہتا ہے رہا یہ امر کہ خلق اور امر میں کیا فرق ہے؟ سو آیت کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں اور امر کے معنی حکم اور فرمانروائی کے ہیں یعنی جو چیز اس کی قدرت اور مشیت سے جس کام اور جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کے حکم سے اس کام اور اس غرض کے لیے اس کا جاری ہو جانا یہ ''امر'' ہے مثلاً کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اور اس کی کل اور پرزوں کو ایک خاص انداز پر بنانا یہ ایک مرحلہ ہے اور اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مشین فٹ ہو جانے کے بعد اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا جائے تا کہ مشین چالو ہو جائے اور اپنی اپنی ساخت کے مطابق تمام کل پرزے حرکت میں آ جائیں۔

اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں طرح طرح کی مشینیں بنائیں جس کو ''خلق'' کہتے ہیں اور پھر ہر مشین کا چھوٹا اور بڑا پرزہ ایک خاص انداز کے مطابق بنایا جس کو ''تقدیر'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴾۔ اور پھر اس مشین کے تمام کل اور پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جس کو حق تعالیٰ نے ''تصویر'' اور ''تسویہ'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ﴿ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ (الاعراف:۱۱) ... ﴿ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾ (حجر:۲۹) اور پھر اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر یعنی روح پھونک کر اس کو جاری اور چالو کیا جس کو حق تعالیٰ نے ''نفخ روح'' سے تعبیر کیا ﴿ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾ (الحجر:۲۹) پس جب کرنٹ چھوڑا جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق چلنے لگتی ہے اور کام کرنے لگتی ہے غرضیکہ کسی مشین کو بنانا یہ

❶ لفظ خلق اور لفظ امر کا باہمی اصلی فرق ''حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور اس پر جو اضافہ ہے وہ اس ناچیز کی طرف سے ہے۔ (واللہ اعلم)

''خلق'' ہے اور جس کام کے لیے وہ مشین بنائی گئی اس کے لیے اس کو چالو کرنے کا نام ''امر'' ہے۔

جب تک امر الٰہی کی بجلی نہ چھوڑی جائے اس وقت تک دُنیا کی کوئی مشین چالو نہیں ہو سکتی خدا کی طرف سے امر اور حکم ہوا کہ ''چل'' فوراً چلنے لگی ﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴾ (یٰسین: ۸۲) جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق حرکت کرنے لگتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جسم انسانی بمنزلہ قمقمہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو قمقموں کے اندرونی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور قمقمہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق قمقموں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام قمقمے روشن رہیں گے اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو معاً روشنی معدوم ہو جائے گی۔

اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے رہے گا تو تمام قویٰ اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے اور جب روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا تو بدن کی حس و حرکت یکلخت ختم ہو جائے گی اوّل الذکر حالت کا نام ''حیات'' ہے اور دوسری حالت کا نام ''موت'' ہے۔

اور اگر روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ من وجہ باقی ہے تو یہ خواب اور نیند کی حالت ہے نیند کی حالت میں انسان کے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں مگر بعض طبعی افعال بدستور باقی رہتے ہیں مثلاً تنفس اور دوران خون اور ہضم طعام اور کروٹیں بدلنا وغیرہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن سے روح کا تعلق بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم ہے بخلاف موت کے کہ اس میں تمام حواس اور تمام قوتیں یکلخت بے کار اور ختم ہو جاتی ہیں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ (الزمر: ۴۲) اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ جسم اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز یہ کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اپنے جسم کو بھولتی نہیں دوبارہ اپنے ہی جسم میں واپس آتی ہے نیز یہ کہ روح بعض مرتبہ خواب میں سالہا کسی شہر میں مقیم رہتی ہے اور یہاں جسم سے صرف چند گھنٹے جدا رہتی ہے بلکہ بعض مرتبہ چند منٹ ہی گزرتے ہیں کہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے لیل و نہار اس عالم کے لیل و نہار سے مختلف ہیں۔

چھٹی معرفت:

جس طرح انسانی اجسام باہم متمیز ہیں اور ہر ایک کی ایک خاص صورت اور ایک خاص شکل ہے اسی طرح ارواح انسانی باہم متمیز ہیں اور ہر روح کی خاص صورت اور خاص شکل ہے جو اس جسم کثیف کے ہم شکل اور ہم صورت ہیں روح کی شکل بعینہٖ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک اور کان اور ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ اور ناک اور ہاتھ اور پیر ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے جسمانی ہاتھ روحانی ہاتھوں کے لیے بمنزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں بمنزلہ پاجامہ کے ہیں اور سر بمنزلہ ٹوپی کے ہے اور چہرہ بمنزلہ نقاب کے ہے وقس علی ھٰذا۔

ساتویں معرفت:

مرنے کے بعد اگرچہ روح بدن سے علیحدہ ہو گئی مگر روح کا اس مادی جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے جس کی حقیقت

اور کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں جس طرح نیند کی حالت میں روح کو اس جسم کے ساتھ ایک تعلق ضرور رہتا ہے مگر اس کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ مرنے کے بعد بھی روح کو جسم میت کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے مگر اس کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے اور اسی تعلق کا نام حیات ہے جس کی بناء پر مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتا ہے جس قسم کا اور جس درجہ کا تعلق ہے اسی قسم کا اور اسی درجہ کی حیات ہے اسی تعلق کی بناء پر مردہ قبر پر گزرنے والے اور سلام کرنے والے کے سلام کو سنتا ہے اور جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ اس وقت بھی اس کو پہچانتا ہے۔

اور قرآن اور حدیث نے عالم برزخ کے متعلق جو خبر دی ہے وہ سب حق اور صدق ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کبھی بھی ایسے امر کی خبر نہیں دی جو عقلاً محال اور ناممکن ہو عالم آخرت کے متعلق جو خبر دی ہے یا تو وہ خود ان کی چشم دید ہے یا جن فرشتوں نے ان کو خبر دی ہے ان کی چشم دید ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو شئے عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخبر صادق اس کے وجود اور وقوع کی خبر دے تو عقلاً اس خبر کو قبول کرنا اور تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے خود مشاہدہ اور معاینہ تو دلیل ہے ہی اور کسی مخبر صادق کا اپنے مشاہدہ کی خبر دینا یہ بھی تمام عقلاء کے نزدیک دلیل اور حجت ہے اور کسی کا کسی چیز کو نہ دیکھنا یہ کسی عاقل کے نزدیک بھی اس شئے کے عدم کی دلیل نہیں۔ بینا کا مشاہدہ نابینا پر حجت ہے اور نابینا کا نہ دیکھنا بینا پر حجت نہیں۔

فلاسفہ عالم آخرت کے بارہ میں نابینا ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بینا ہیں عالم آخرت کے متعلق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ مشاہدہ بیان کریں وہ عقلاً قابل قبول ہوگا کیونکہ انبیاء کرام سرتا پا صدق ہیں اور ان کے قول اور فعل میں ذرہ برابر بھی کذب کا امکان نہیں اور عالم آخرت کے نابیناؤں یعنی فلاسفہ پر ﴿أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ کا مشاہدہ حجت ہوگا۔

آٹھویں معرفت۔ روح نظر کیوں نہیں آتی:

روح ایک حقیقت واقعیہ ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شئے مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے اور ہم اس کو محسوس نہیں کر سکتے مگر اس کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی شئے کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا دیکھو ایتھر کہ جس کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا مگر اس کے وجود کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ روشنی کا دارومدار ایتھر پر ہے۔ ایتھر ایک قسم کی گیس ہے جو تمام خلاء میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ بذاتہٖ ساکن ہے جب تک کوئی دوسرا جسم اس کو حرکت نہ دے وہ حرکت میں نہیں آتا جس طرح ہوا کسی آواز کو بذریعہ تموج کے کان تک پہنچاتی ہے اسی طرح ایتھر روشنی کو تموج کے ذریعے قوتِ باصرہ تک پہنچاتا ہے غرضیکہ دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے احساس سے ہمارے حواس قاصر ہیں مگر لامحالہ ان کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

نویں معرفت۔ روح اور نفس میں فرق:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک ہی شے ہیں یعنی روح اور نفس ایک ہی شئے کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں ہر ایک کی حقیقت اور ماہیت جدا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک نفس اور روح ایک ہی شئے ہیں مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے اور نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے نفس کو سوائے کھانے اور پہننے کے اور کچھ معلوم نہیں۔ نفس لذات اور شہوات کے اعتبار سے کتا ہے اور غیظ و غضب کے اعتبار سے درندہ ہے اور مکر و فریب کے اعتبار سے شیطان کا حقیقی بھائی معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

استاد ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام ''روح'' ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام ''نفس'' ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں نار سے پیدا ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید شرح موطاء میں اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے:

((ان اللہ خلق آدم جعل فیہ نفسا وروحا فمن الروح عفافہ وفھمہ وحلمہ وسخاءہٗ ووفاءہٗ ومن النفس شھوتہ وطیشہ وسفھہ وغضبہ ونحو ھذا)). کذافی الروض الانف شرح سیرۃ ابن ھشام ص ۱۹۷ جلد ۱

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا اس قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے نکلتے ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غیظ وغضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاق رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔'' (روض الانف)

یہ حدیث اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ آدم کی فطرت میں یہ دو متضاد چیزیں پیوست کر دی گئی ہیں ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین سے ہے بلکہ بقول بعض اولیاء ''نفس'' شیطان کا جڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح حدیث میں نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں ہے:

((اعدٰی عدوک نفسک التی بین جنبیک)).

اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان واقع ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے شیطان تو ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ﴾ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ﴾ پڑھنے سے بھی نہیں بھاگتا نیز شیطان جب انسان کو گمراہ کرتا ہے تو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے شیطان اپنے کام میں نفس کا محتاج ہے اور نفس گمراہ کرنے میں شیطان کا محتاج نہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کو بڑا دشمن قرار دیا۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس و شیطاں زد کریما راہ من رحمتت باشد شفاعت خواہ من

شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کو شیطان سے پہلے ذکر کیا کہ اغواء میں نفس شیطان کا محتاج نہیں شیطان کو گمراہ کرنے والا اس کا نفس ہے کسی شیطان نے شیطان کو گمراہ نہیں کیا بہر حال نفس انسان کا دشمن ہے اور روح انسان کی دشمن نہیں اس لیے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز احادیث میں جہاد کی بکثرت ترغیب مذکور ہے اور ایک حدیث میں جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا کیونکہ نفس قریبی دشمن ہے اور دار الحرب کے کافر دور کے دشمن ہیں اور حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ﴾ (التوبہ: ۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! قریبی کافروں سے جہاد وقتال کرو اس لیے اس قریبی دشمن (نفس) سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہوا۔ بہر حال قرآن اور حدیث میں نفس سے جہاد کا حکم آیا ہے روح سے جہاد کا حکم نہیں آیا اور قرآن اور حدیث نے تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہوائے نفس کو قرار دیا ہے کہ نفس انسان کو لذات اور شہوات کی طرف دعوت دیتا ہے حق تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی پرواہ نہیں کرتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نفس اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں روح جنس ملائکہ سے ہے اور نفس جنس شیطان سے

ہے روح نورانی اور روحانی ہے اور نفس ناری ہے جس میں کچھ آمیزش (طین) گارے اور مٹی کی بھی ہے اور یہ انسان جو ایک پتلہ، خاکی ہے عجیب معجون مرکب ہے کہ مادۂ روحانی اور مادۂ شیطانی کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ کبھی خیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی شر کی طرف عقل جس کا محل قلب ہے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا﴾ (الحج:۴۶) یا بقول بعض کہ عقل کا محل دماغ ہے وہ روح کی معین اور مددگار ہے اور نفس شیطان کا مددگار بلکہ اس کا نمائندہ اور اس کا قائم مقام ہے عقل ایک جوہر نورانی ہے اور نفس ایک جوہر ظلمانی ہے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

دوسری بات جو حدیث ((أعدٰى عدوك نفسك التي بين جنبيك)) سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ نفس کا مقام دو پہلوؤں کے درمیان ہوتا ہے اس سے بھی روح کا نفس سے مغایر ہونا ثابت ہوا اس لیے کہ روح سر سے پیر تک تمام اعضاء بدن میں جاری و ساری ہے پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بہر حال نفس اور روح الگ الگ حقیقتیں ہیں البتہ کتاب و سنت میں نفس کا اطلاق روح پر بھی آیا ہے اس لیے دونوں کے ایک ہونے کا اشتباہ ہو گیا۔

دسویں معرفت:

عارفین کا قول ہے کہ روح انسانی نر اور مرد ہے اور بمنزلہ شوہر کے ہے اور نفس حیوانی مادہ اور مؤنث ہے اور بمنزلہ زوجہ کے ہے اور دونوں میں اللہ تعالیٰ نے باہمی محبت ڈال دی۔ دونوں کا باہم نکاح ہو گیا پھر دونوں کے باہمی تعلق سے اولاد پیدا ہونے لگی اور وہ اولاد اعمال ہیں جو روح اور نفس کے امتزاج سے متولد ہیں ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ﴾ (الدھر:۲) حدیث میں ہے کہ اگر مرد کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو اولاد نر پیدا ہوتی ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر نفس اور روح کے مخالطت اور معاشرت میں غلبہ روح کا ہوا تو اعمالِ صالحہ کا تولد ہو گا اور اگر غلبہ نفس کا ہوا تو اعمالِ سیئہ کا تولد ہو گا اور تمام ائمہ لغت اور ائمہ نحو کے نزدیک لفظ "نفس" مؤنث سماعی ہے نفس کے لیے جو فعل یا ضمیر لائی جائے گی وہ فعل مؤنث کا ہو گا اور ضمیر بھی مؤنث کی ہو گی اور حدیث میں ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں اس کی مخالفت میں خیر و برکت ہے۔ لہٰذا مرد مؤمن کو چاہیے کہ نفس کے مشوروں پر نہ چلے روح کے مشوروں پر چلے ﴿فتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

دریں مشہد زگویائی مزن دم

سخن را ختم کن واللہ اعلم

(اطلاع) روح اور نفس کے فرق پر میں نے سیرۃ المصطفیٰ حصہ اوّل میں بھی کچھ لکھدیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے (واللہ اعلم بالصواب)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

کہہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن،

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَ لَقَدْ

نہ لاویں گے ایسا، اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک۔ اور

صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ

ہم نے پھیر پھیر سمجھائی لوگوں کو، اس قرآن میں ہر کہاوت سو نہیں رہتے بہت

النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

لوگ بن ناشکری کیے۔

اعجاز قرآن واثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ ... الی ... اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ قرآن نسخۂ شفاء ہے مگر یہ معاندین بجائے اس کے کہ اس نسخۂ شفاء سے متمتع ہوں تعنت اور عناد پر اترے ہوئے ہیں اور خدا کی رحمت کی قدر نہیں کرتے۔ اب آگے قرآن کا اعجاز بیان فرماتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جیسی معجز کتاب کا آپ ﷺ پر نازل ہونا یہ اللہ کا آپ ﷺ پر فضل کبیر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ یہ قرآن میری نبوت کی حجت کبریٰ اور مجھ پر اس کے فضل و رحمت کی آیت عظمیٰ ہے اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لاویں تب بھی اس جیسا نہ بنا سکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بھی ہو جائے۔ انسان انسان کے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر خدا کے کلام کا کوئی مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتا بعض مشرکوں نے یہ کہا تھا ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ (الانفال: ۳۱) یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قرآن کے مثل کہہ سکتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ چاہا کیوں نہیں تم سب مل کر اس کے مثل بنانا چاہو تو نہ بنا سکو گے تم بے چارے کیا چیز ہو اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں قسم قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر آدمیوں نے سوائے ناشکری اور ناسپاسی کے اور کسی بات کو قبول نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی فطرت اور جبلت اور روحانی مزاج فاسد تھا کفر اور عناد میں ایسے طریقہ کو اختیار کیا جو ان کی روح کے ہم شکل تھا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ ہر شخص اپنی جبلت کے موافق عمل کرتا ہے۔

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ﴿۹۰﴾

اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا، جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا

یا ہو جاوے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا، پھر بہالے تو اس کے بیچ نہریں

تَفْجِيْرًا ۙ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ

چلا کر یا گراوے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے، یا لے آ

بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ

اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جاوے تجھ کو ایک گھر سنہری، یا

تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا

چڑھ جاوے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لاوے ہم پر ایک لکھا

نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ؑ وَ مَا ۱۰ ع ۹/۱۰

جو ہم پڑھ لیں، تو کہہ سبحان اللہ! میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا اور

مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ

لوگوں کو اٹکاؤ نہیں ہوا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی ان کو راہ کی سوجھ مگر یہی کہ کہنے لگے کیا

اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

اللہ نے بھیجا آدمی پیغام لے کر؟ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے، پھرتے بستے

مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى

تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لے کر کہہ اللہ بس ہے

بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَ

حق ثابت کرنے والا میرے تمہارے بیچ وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا۔ اور

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ

جس کو سوجھاوے اللہ وہی ہے سوجھا اور جس کو بھٹکاوے پھر تو نہ پاوے ان کے کوئی رفیق اس کے

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا

سوا اور اٹھاویں گے ہم ان کو دن قیامت کے اوندھے منہ پر اندھے اور گونگے

وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ

اور بہرے ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور دیں گے ان پر بھڑکا یہ ان کی سزا ہے! اس واسطے

جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہوگئے ہڈیاں اور چورا؟

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ

کیا ہم کو اٹھانا ہے نئے بنا کر؟ کیا نہیں دیکھ چکے جس اللہ نے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا

آسمان و زمین، سکتا ہے ایسوں کو بنانا اور ٹھہرایا ہے ان کا ایک وعدہ

لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ

بے شبہ سو نہیں رہتے بے انصاف بن ناشکری کیئے کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے

خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ

میرے رب کی مہر کے خزانے، تو مقرر موند رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جاویں اور ہے

الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱

انسان دل کا تنگ۔

معاندین کے سوالات اوران کے جوابات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ . . . الی . . . وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن کے اعجاز کا ذکر تھا جب مشرکین جواب سے عاجز اور لاچار ہو گئے تو انہوں نے ازراہِ عناد آپ ﷺ سے بے شمار بے سروپا فرمائشیں شروع کیں اور کہا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو یہ نشانات دکھلایئے جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان آیات میں کفار کے ان شبہات کا جواب دیا گیا جو آنحضرت ﷺ کی رسالت سے متعلق تھے چنانچہ فرماتے ہیں: "اور یہ لوگ باوجودیکہ قرآن کا اعجاز ان پر ظاہر ہو گیا اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت اس سے ثابت ہو گئی پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔"

① یہاں تک کہ تو ہمارے لیے مکہ کی زمین سے چشمہ جاری کر دے جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہوں۔

② یا خاص تیرے لیے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تو ان کے درمیان میں نہریں جاری کر دے اور اس قسم کا باغ تیری سرداری اور برتری کا نشان ہو۔

③ یا ہم پر کوئی بلا نازل کر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے اور ہم کو ڈراتا رہتا ہے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جس سے تیرے نہ ماننے والے مر جائیں۔

④ یا لے آ تو اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کہ ہم اپنی آنکھوں سے سب کو دیکھ لیں اور ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ یہ خدا کا رسول ہے۔

⑤ یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو جس سے دنیا میں تیری کوئی شان ظاہر ہو۔

⑥ اور یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تجھے چڑھتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

⑦ اور پھر ہم تیرے چڑھنے پر بھی تیری نبوت پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار کر لائے جس کو ہم آپ پڑھ لیں اور اس میں یہ لکھا ہوا کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کا اتباع کرو اگر تم ہماری ان باتوں کو پورا کر دو گے تو ہم تم کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے یہاں تیرا بڑا مرتبہ ہے اور تم اس کے ایلچی ہو اس نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ ان سب خرافات کے جواب میں کہہ دیجیے کہ یہ فرمائشیں اس شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لیے کمال قدرت کا مدعی ہو میرا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اس کی قدرت کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو بشر میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اس قسم کے نشانات دکھلا سکے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر جس کو خدا نے تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے مجھ کو اسی قدر قدرت حاصل ہے جو ایک بشر کو دی گئی ہے مگر میں اللہ کا رسول اور اس کا فرستادہ ہوں اس کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں ایسی باتیں کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں جیسے پہلے رسول گزرے ہیں ایسا ہی میں بھی رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو مناسب حال معجزات عطا کیے اور ان معجزات کا ظہور اللہ کی قدرت اور مشیت سے تھا رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہ تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور میری تصدیق کے لیے بہت سے معجزات دیئے جو تمہارے ان فرمائشی معجزات سے ہرگز کم نہیں مثلاً شق القمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری

ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے معجزات آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے کہ جو آپ ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کافی اور شافی تھے اور مشرکین کے اس قول سے کہ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے إلی آخرہٖ ان کا عناد اور ہٹ دھرمی صاف ظاہر ہے اور ضدی اور ہیچی آدمی کا منہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔

جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر

اب آگے کافروں کے اس استعجاب کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں۔ کافروں کا استعجاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا ملائکہ کو رسول کیوں نہیں بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت یعنی قرآن آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے سوائے اس بات کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی لوگوں کے پاس قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے متعلق سوائے اس کے اور کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ بشر کے رسول ہونے کو مستبعد جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہو سکتا اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتا تو اس کے یہاں فرشتوں کی کیا کمی تھی یہ لوگ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے حالانکہ پہلے جتنے بھی نبی گزرے وہ سب کے سب بشر ہی تھے ان میں سے کوئی فرشتہ نہ تھا۔ اے نبی! آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے کہ اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو پھر ہم ان کے مناسب ضرور آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیتے جو انہی کی جنس سے ہوتا کیونکہ تعلیم و تلقین کے لیے مناسبت اور باہمی جنسیت شرط ہے مگر چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں تو آدمی ہی رسول ہونا چاہیے۔

جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر

اور اگر باوجود دلائل ظاہرہ اور آیات باہرہ کے یہ ظالم آپ ﷺ سے کہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کا گواہ کون ہے تو آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجیے کہ میرے نبی اور رسول ہونے پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے میری زبان سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور قسم قسم کے معجزات اور نشانات میرے ہاتھ سے تم کو دکھلا دیئے یہی اللہ کی گواہی ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے ان کو دیکھنے والا ہے وہ صادق کو بھی جانتا ہے اور کاذب کو بھی اور سعادت اور شقاوت اور ہدایت اور ضلالت سب اس کے ہاتھ میں ہے جس کو اللہ ہدایت یعنی توفیق دے وہی ہدایت پانے والا ہے یعنی جس کے دل میں اللہ ہدایت ڈال دے وہی ہدایت پانے والا ہے پھر کسی کو قدرت نہیں کہ اسے گمراہ کر سکے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو تو اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائے گا جو اسے راہ ہدایت پر لے جا سکے اس سے مقصود آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں اللہ نے ہدایت لکھ دی ہے وہ ضرور ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ ازل میں گمراہ ٹھہرا چکا ہے ان کا حق اور ہدایت کی طرف آنا محال ہے۔ پس ایسی صورت میں آپ ﷺ کافروں کے اعراض سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں قیامت کے دن سب کے اعمال کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا اور قیامت کے دن ہم ان گمراہوں کو ان کے منہ کے بل اندھا اور گونگا اور بہرا بنا کر اٹھائیں گے یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ وہ دنیا میں الٹے چلے تھے اور حق کے دیکھنے سے اندھے اور کہنے سے گونگے اور سننے سے بہرے بنے ہوئے تھے ابتداء حشر کے

وقت ان کی یہی حالت ہوگی تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی سب پر ظاہر ہو بعد میں یہ حالت نہ رہے گی اس لیے کہ دوسری آیات اور احادیث سے ان کا دیکھنا اور بولنا اور سننا ثابت ہے ان گمراہوں کا ٹھکانا جہنم ہے جب وہ آگ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو اور بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا اور کہا کہ جب ہم مرے پیچھے ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ یقیناً ان کے مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ولیکن اللہ نے اس دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں جس طرح اس دنیاوی حیات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح دوبارہ زندگی کے لیے بھی وقت مقرر ہے اس پر بھی ظالموں نے سوائے ناشکری کے اور بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عذاب ضرور آ کر رہے گا لیکن اس کی ایک مدت مقرر ہے اور آدمی جب مر گیا تو اس کی قیامت آ گئی۔

اوپر کی آیتوں میں اللہ کے فضل اور رحمت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے اور اس نے اپنے فضل سے آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ﴿اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ اس کے بعد مخالفین کے تعنت آمیز سوالات کا ذکر فرمایا جن میں ایک سوال یہ تھا کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ ایمان جب لائیں گے جب زمین میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں تاکہ زراعت سے اموال کثیرہ جمع ہو جائیں اور کھجور اور انگور کے باغات پیدا ہو جائیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض تم اللہ کی رحمت پر قابض اور متصرف ہو جاؤ تو تم اپنی طبعی تنگ دلی اور جبلی بخل کی وجہ سے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لو گے۔ لہٰذا تمہاری یہ فرمائش پوری نہ ہوگی اور خزائن رحمت اور وسائل رزق و معیشت تمہارے اختیار میں نہیں دیئے جائیں گے اللہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس پر چاہے رزق کو وسیع کرے اور جس پر چاہے تنگ کرے اور جس کو چاہے اپنے فضل سے اور رحمت سے نبوت اور قرآن عظیم عطا کرے اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

(اے نبی!) آپ ﷺ ان ظالموں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم میرے پروردگار کے خزانہائے رحمت کے مالک اور متصرف بن جاؤ تو البتہ اس وقت بھی تم اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روک لو گے اس ڈر سے کہ یہ خزانے خرچ ہو کر ختم نہ ہو جائیں اور تم محتاج ہو جاؤ اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بے شمار خزانوں کے بھی مالک ہو جاؤ تو تب بھی تم اس بخل اور دناءت پر رہو گے۔ لہٰذا تم ایسی باتوں کا کیوں سوال کرتے ہو تم اس قابل نہیں تم جیسوں کو دینے سے کیا فائدہ؟۔ (تفسیر کبیر ص ۴۱۳ ج ۵)

اس آیت کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت خاص مشرکوں کے حق میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے اور مقصود انسان کا من حیث انسان ہونے کے اعتبار سے حال بتلانا ہے کہ وہ طبعی طور پر بخیل ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق اور ہدایت دے کما قال الله تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (التغابن:۱۶) اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۳۵ جلد ۱۰)

یہ تمام کلام منکرین کی تہدید میں تھا۔ اب آگے پھر منکرین نبوت کی تہدید کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو (۹) نشانیاں صاف پھر پوچھ بنی اسرائیل سے جب

جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ

آیا وہ ان کے پاس، تو کہا اس کو فرعون نے، میری اٹکل میں موسیٰ تجھ پر جادو ہوا بولا

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ

تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں، مگر آسمان و زمین کے صاحب نے سوجھانے کو

وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ

اور میری اٹکل میں فرعون! تو کھپا چاہتا ہے پھر چاہا کہ ان کو چین نہ دے اس

الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ لا وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ

زمین میں، پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سارے اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی

اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ ط

اسرائیل کو بسو تم زمین میں پھر جب آوے گا وعدہ آخرت کا، لے آویں گے ہم تم کو سمیٹ کر

وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ م

اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سناتا

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اس کو بانٹ کر کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارا

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا

کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے آگے سے جب ان کے پاس اس کو

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ لا وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

پڑھئے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدے میں اور کہتے ہیں پاک ہے

رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ

ہمارا رب بے شک ہمارے رب کا وعدہ البتہ ہونا ہے اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة

اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی

ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ... الٰى... وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں معجزات موسویہ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود اس کے وہ ایمان نہیں لائے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوئے اسی طرح تم محمد رسول اللہ ﷺ سے معجزات طلب کرتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرو گے۔

جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہو ہے اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سروسامان بشر تھے مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت بشری اور ظاہری فقیری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونیوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہو گا اور اس نبی آخر الزمان ﷺ کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرضیکہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (۹) روشن نشانیاں دیں جو ان کی نبوت و رسالت کی روشن دلیلیں تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے چھٹے رکوع میں گزر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک بطریق تواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لیے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے وہ آپ ﷺ کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ نو معجزے تمہارے ان فرمائشی معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سود مند نہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۶۳۴ ج ۵)

آیت مذکورہ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں:

قول اوّل یہ ہے کہ ﴿ تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو بینات یہ ہیں:

① عصا اور ② ید بیضاء اور ③ قبطیوں پر قحط شدید اور ④ طوفان باراں اور ⑤ جراد یعنی ٹڈیاں اور ⑥ قمل یعنی چچڑیاں اور ⑦ ضفادع یعنی مینڈک اور ⑧ دم یعنی خون اور ⑨ نقص ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو [1] آیات بینات اور مفصلات ہیں اور آیات واضحات ہیں جن کا فرعونیوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر ان آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا۔ اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے سوالات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کر دیں تو یہ ظالم بھی فرعونیوں کی طرح ایمان لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدۂ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ ﴿ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴾ اے موسیٰ! میں تم کو جادوگر گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت ﷺ کو جادوگر بتلائیں گے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ ﷺ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس لیے ان کے یہ سوالات پورے نہیں کیے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نو نشانیوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں۔ مثلاً:

① دریا کا شق ہونا۔ ② عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔

③ پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ ④ بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل ہونا۔

⑤ بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کرنا وغیر ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلاد مصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نو نشانیوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں جن کی از راہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۂ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہوا اب دوسرا قول سنیے۔

قول دوم دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿ تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ سے آیات احکام مراد ہیں یعنی نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت ﷺ سے تسع آیات کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں: ① خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ② چوری مت کرو ③ زنا مت کرو ④ ناحق خون مت کرو ⑤ سود مت کھاؤ ⑥ جادو مت کرو ⑦ کسی بے گناہ کو مت پکڑو ⑧ کسی عفیف عورت پر تہمت نہ لگاؤ ⑨ جہاد سے مت بھاگو۔

یہ نو (۹) احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شنبہ کے دن حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپؐ نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ

---

[1] ان نو نشانیوں میں سے سات کی تعیین پر تو سب کا اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے جن سات کی تعیین پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں: ① عصا ② ید بیضاء ③ طوفان ④ جراد ⑤ قمل ⑥ ضفادع ⑦ دم اور جن کی تعیین میں اختلاف ہے وہ بعض کے نزدیک ① فلق بحر اور ② حجر ہیں اور بعض کے نزدیک ① قحط اور ② کمی پیداوار۔ (واللہ اعلم)

داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ نبوت ہمیشہ انہی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر افتراء تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ تسع آیات سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور ہوئے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایائے توریت ہیں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ ''بصائر'' بھی اسی معنی پر ہی چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ میرے معجزات ایسی چیز ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کے علاوہ توریت کے ان نو احکام کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا۔ واللہ اعلم

اور آیاتِ قرآنیہ میں تسع آیاتِ بینات سے وہ نشانات مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونیوں کو دکھلائے گئے تاکہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ تسع آیات کو ذکر کر دیا۔ بہر حال سیاق و سباق کا مقتضی یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے وہ معجزات مراد لیے جائیں جو فرعونیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونیوں کو ان آیات بینات سے ڈرایا تو فرعون نے از راہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں بلاشبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تو مخبوط الحواس ہو گیا ہے اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ جب فرعون نے ان آیات بینات کو باوجود واضح ہونے کے نہ مانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا البتہ تحقیق تو ضرور جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو ضد اور عناد سے ان کا انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے در آں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کرشمہ ہے کوئی جادو نہیں مگر ضد اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر ڈالتی ہے۔ چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور عبر کے دیکھنے کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا پس فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس کے غرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جاؤ اسی سرزمین میں بسو جہاں سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ مشرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ان کی سرزمین کا وارث بنائے اور اسی میں ان کو بسائے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق لایا گیا ہے ﴿فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ بعینہ اسی قسم کا لفظ اسی سورت میں تین رکوع قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزر چکا ہے ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ یعنی اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہر حال فرعون اور فرعونیوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر و ماجرا تو اس دنیا میں ہوا پھر جب آخرت کا وعدہ آپہنچے گا تو ہم سب کو گڈمڈ یعنی خلط ملط میدان حشر میں لاموجود کریں گے۔ مؤمن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈمڈ اور مخلوط ہوں گے

اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے گا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا از اول تا آخر شیاطین سے محفوظ ہے، از اول تا آخر حق ہی حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے چلا تھا اسی طرح محفوظ و محروس بلا کم و کاست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ غیر کا کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیں مگر ہدایت ان کے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دے دینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ ازیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے بمقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کر کے اتارا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اس کے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسب حالات و واقعات تدریجاً اتارا ہے تاکہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آ جائے اور ہر آیت اور ہر حکم کا محل اور موقع خوب اچھی طرح دل نشین ہو جائے تاکہ آیت کو بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے نیز اگر تمام احکام دفعۃً نازل ہو جاتے تو گھبرا جاتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ خدا کے یہاں سب برابر ہے۔ تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور ﴿ اَذْقَان ﴾ پر گرنا یہ کنایہ ہے غلبۂ خوف اور جذبۂ شوق سے اور مطلب یہ ہے کہ غلبۂ شوق کی بناء پر اس کی تعظیم کے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی توریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ''اے بنی اسرائیل میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشائر النبیین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کو توریت اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ یہ لوگ انبیائے سابقین علیہم السلام اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدۂ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سماویہ و مقدسہ میں جو اس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرما دیا قرآن کو سنتے ہی سمجھ

گئے کہ یہ اس وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی موعظت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں ان کی فروتنی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ بڑے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے اور جاہل اور نادان اس قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ

کہہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور تو نہ پکار اپنی نماز میں نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی

اور کہہ سراہیے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد نہ کوئی اس کا ساجھی

۱۲ ع ۱۱ ۱۲ الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

سلطنت میں نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔

خاتمہ سورت بر توحید و تحمید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ ... الٰی ... وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع﴾

ربط: سورت کا آغاز اللہ کی تسبیح و تنزیہ سے ہوا اب سورت کا اختتام اللہ کی توحید اور اس کی تحمید اور اس کی تکبیر و تمجید پر ہو رہا ہے جو غایت درجہ لطیف ہے ابتداء کی طرح اخیر میں بھی اللہ تعالیٰ کا تمام نقائص عجز اور ذلت سے مبرا اور منزہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ گزشتہ آیت میں سجود اور خشوع کا ذکر تھا اس لیے اس کی مناسبت سے ان آیات میں یہ دعا یعنی خدا تعالیٰ کو پکارنے کا ذکر فرماتے ہیں واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ سجدہ میں یہ کہتے تھے یا اللہ یا رحمٰن تو اس پر مشرکین نے طعن کیا کہ ہم کو تو دو خدا کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود دو خداؤں کو پکارتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے کہ خواہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو تو سب اچھے نام اسی کے ہیں جس نام سے چاہو اس کو پکارو ناموں کے متعدد ہونے سے مسمیٰ متعدد نہیں ہو جاتا اسماء اور صفت کی تعداد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا جو توحید کے منافی ہو عنوان کے بدلنے سے معنون نہیں بدلتا۔ اچھے نام وہ ہیں جو اللہ کی تنزیہ و تقدیس اور اس کی تحمید و تمجید اور اس کی تعظیم و تکریم پر مشتمل ہوں اور

اس کے جلال اور کمال پر دلالت کریں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں ترمذی کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے جن اسمائے حسنیٰ کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

اللہ الذی لا إلٰہ الا ھو الرحمٰن، الرحیم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القھار، الوھاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر، الحفیظ، المقیت، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشھید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدئ، المعید، المحیی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخرُ، الاول، الآخر، الظاھر، الباطن، الوالی، المتعالی، البر، التواب، المنعم، العفو، الرؤف، مالكُ الملك، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنیُ، الضار، النافع، النور، الھادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور، الستار۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں جن کی تعداد لفظ اللہ کے سوا ننانوے ہے اس کے علاوہ اللہ کے اور نام بھی منقول ہیں جو درحقیقت انہی ننانوے ناموں میں مندرج ہیں۔

اب دُعا کے بعد صلاۃ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کیونکہ دعا کی طرح نماز کی روح بھی خشوع ہے اور رکوع وسجود نماز کا رکن ہے۔ دعا کے لیے رکوع اور سجود لازم نہیں اور اے نبی ﷺ اپنی نماز کی قراءت میں آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت آہستہ کرو اور ان دونوں حالتوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کرو یعنی نماز میں نہ تو قراءت کو اتنی بلند آواز سے کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ آپ ﷺ کے اصحاب بھی نہ سن سکیں درمیانی راہ اختیار کرو۔ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام کا کام سنانے کا ہے اور مقتدی کا کام سننے کا ہے نہ کہ پڑھنے کا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دُعا کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی دعا نہ بہت بلند آواز سے مانگ اور نہ بالکل چپکے ہی چپکے بہرحال مقصود یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے تو درمیانی حالت میں رہے نہ آواز بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔

شریعت نے نماز کے جہر اور اخفاء کے متعلق بھی احکام بتلادیئے اور دُعا کے متعلق بھی بتلادیئے اور یہ بھی بتلادیا کہ نماز میں احوال مختلف ہیں کہیں جہر ہے اور کہیں اسرار ہے اور دعا میں یہ بتلادیا کہ دعا میں اخفاء اور اسرار افضل ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾۔

اب نماز اور دُعا کے بعد اللہ کی تحمید وتمجید اور اس کی تنزیہ وتقدیس کو ذکر کرکے سورت کو ختم فرماتے ہیں تاکہ اللہ کی کمال قدرت و عظمت ظاہر اور اہل شرک کی جہالت کا رد ہو اور کہہ دیجیے کہ کمال تعریف ہے اللہ کو جو اولاد نہیں رکھتا کیونکہ صاحب اولاد کسی نہ کسی درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج کمالِ حمد کا مستحق نہیں اس لفظ میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کا ردّ ہوگیا۔ یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے۔

* اور نہ کوئی سلطنت میں شریک ہے کیونکہ شرکت نقص اور عیب ہے اور جس میں نقص اور عیب ہو وہ مستحق حمد نہیں۔

* اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اگر وہ کمزور ہوتا تو کمال حمد کا مستحق نہ ہوتا کیونکہ جو دوسرے کی امداد کا محتاج ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں نیز جو کمزور ہوگا وہ کمال انعام پر قادر نہ ہوگا اور جو کمال انعام پر قادر نہ ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں۔

* اور اس کی کبریائی اور حمد اور بڑائی کو بیان کر خوب بیان کرنا' دل و جان سے یہ عقیدہ رکھ کہ اس سے بڑا کوئی نہیں اور وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ وہم و خیال سے بڑھ کر موصوف ہے لہٰذا وہی تمام محامد کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اپنی تحمید و تمجید پر ختم فرمایا اور تنزیہ کے لیے مدد کی تمام صورتوں کی نفی فرمادی اس لیے کہ کسی سے مدد لینے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اسے چھوٹے سے مدد لے جیسے باپ اولاد سے مدد لے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ میں اس صورت کی نفی فرمادی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے مساوی سے مدد لے جیسے ایک شریک دوسرے سے مدد لے ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ میں اس صورت کی نفی فرمادی تیسری صورت یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اپنے بڑے سے مدد لے ﴿وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ میں اس کی نفی کر دی ان تین جملوں میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد ہو گیا پھر اپنی کبریائی پر سورت کو ختم فرمایا کہ وہ سب سے بلند اور برتر ہے۔

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۹ ہجری کو غروب شمس سے پہلے اس سورت کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

آیاتها ۱۱۰ | (۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّیَّةٌ (۶۹) | رکوعاتها ۱۲

سورۂ کہف مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

تفسیر سورۂ کہف

یہ سورت مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں اس سورت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے سورۂ کہف کی اوّل دس آیتیں یاد کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو گیا۔

(اخرجہ احمد و مسلم و ابوداؤد والترمذی والنسائی وغیرہم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا اس لیے یہ سورت ''سورت الکہف'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

ربط اور مناسبت

گزشتہ سورت (سورۃ الاسراء) کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تحمید پر ہوا ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا...الخ﴾ اور قرآن اور حدیث میں تسبیح اور تحمید ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہیں۔ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ﴾ اس لیے اس سورت کا آغاز تحمید سے ہوا جو گزشتہ سورت کی ابتداء اور آغاز کے ساتھ تو مناسب ہے اور گزشتہ سورت کے خاتمہ کا عین ہے۔

نیز ﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ کفار نے آپ ﷺ کے آزمانے کے لیے تین سوال کیے تھے ایک روح کے متعلق دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق پہلے سوال کا جواب گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یعنی اصحاف کہف اور ذوالقرنین کا قصہ اس سورت میں ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اس سوال سے مقصود آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت میں قدح کرنا تھا اس لیے سورت کے شروع میں نزول قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ قرآن عظیم آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں اوّل آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان کو ذکر کیا اور اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ منکرین نبوت کے شبہ کے جواب میں ذکر فرمایا۔

اور علاوہ جوابِ کفار کے' اصحاب کہف کے قصہ سے اثباتِ بعث وحشر و نشر بھی مقصود تھا اس لیے اصحابِ کہف کے قصہ کے بعد دنیا کا فناء و زوال اور قیامت و آخرت کا حال بیان فرمایا جو دور تک چلا گیا اور اس کی مناسبت سے اور بھی مضامین کا بیان ہوا اور جس طرح پہلے سوال یعنی روح کے متعلق سوال کے جواب کے بعد یہ فرمایا ﴿وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) کہ تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں دوسرے سوال کے جواب کے بعد یعنی اصحاب کہف کے قصہ کے بعد موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا پیغمبر خواہ کتنا ہی اولوالعزم کیوں نہ ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ ﴿وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ کی ایک دلیل ہے۔ پھر آخر سورت میں تیسرے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرمایا اور جس طرح اصحابِ کہف کے قصہ کے بعد دنیا کے فناء و زوال اور قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا تھا۔ اسی طرح ذوالقرنین کے واقعہ کے بعد قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا اور مضمون توحید و رسالت پر سورت کو ختم فرمایا۔

(یا یوں کہو) کہ پہلی سورت میں مقام نبوت کے علو اور عروج کا اور اس کی عزت و رفعت کا اور معجزاتِ نبوت کا اور نبی کی آیات بینات کا بیان تھا اور اس سورت میں مقام ولایت کا اور اولیاء اللہ کی کرامتوں کا اور عزلت اور گوشہ نشینی اور فقیری اور درویشی کا بیان ہے۔

اس سلسلہ میں حق جل شانہ' نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ یہ چند باہمت جوان تھے کہ جو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچنے کے لیے اپنے دین کو لے کر بھاگے اور ایک غار میں جا کر چھپے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں ایک باب یہ

منعقد فرمایا ہے باب من الدین "الفرارُ من الفتن" جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچانے کے لیے بھاگ کر کسی پہاڑ اور غار میں جا چھپنا یہ بھی ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے کما قال اللّٰہُ تعالیٰ: ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ﴾ اور دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت بھی اسی فرار من الفتن کا ایک فرد ہے اور جس طرح گزشتہ سورت میں آنحضرت ﷺ کو مشرکین مکہ کی ایذاء رسانی کے وقت یہ دعا بتلائی گئی ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ (بنی اسرائیل:۸۰) اور پھر آنحضرت ﷺ کا مکہ مکرمہ سے نکلنا خروج صدق ہوا اور مدینہ میں داخل ہونا دخول صدق ہوا اسی طرح اصحاب کہف کا اپنے شہر سے نکلنا جہاں کفر اور شرک کا فتنہ بپا تھا یہ خروج صدق ہوا پھر شہر سے نکل کر کہف (غار) میں عزلت گزیں اور گوشہ نشین ہو جانا یہ دخولِ صدق ہوا اور اس خلوت و عزلت کی برکت سے خداوند ذوالجلال کی رحمت و کرامت کے مورد بنے کما قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عنہم ﴿وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۝﴾

خدا تعالیٰ کی محبت میں اس جگہ کو چھوڑ دینا کہ جہاں خدا کی معصیت جاری ہو اور کسی غار اور پہاڑ میں جا کر چھپ جانا کہ خدا کا دُشمن (کافر) نظر ہی نہ آئے یہ خود ایک عظیم عبادت ہے۔

با محبان باش دائم ہم نشیں
تا توانی روئے اعدارا مبیں

صحیح بخاری میں ہے ((وَکَانَ یخلوا بغار حِراء)) آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت و عزلت فرماتے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ خلوت اور عزلت ایسی عظیم چیز ہے کہ مبادی نبوت میں سے ہے جیسا کہ اخلاص نیت اور رؤیائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ سورۂ اسراء میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اور آپ ﷺ کے عروج اور سیر سماوات اور علو اور رفعت کا بیان تھا۔ اب سورۃ الکہف میں غار اور پہاڑ کی خلوت اور عزلت کا بیان ہے جو شان ولایت ہے اور پھر اس کرامت کا بیان ہے جو اس عزلت گزینی اور گوشہ نشینی پر اصحابِ کہف کو عطا ہوئی اور پھر اس سورت کو ذوالقرنین کے قصہ پر ختم فرمایا جو سلطنت اور ولایت اور فقیری اور امیری دونوں کا جامع تھا اور اس شعر کا مصداق تھا۔

بودشا ہے در زمان پیش زیں
ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

فائدہ: جب نبوت اور بادشاہت ایک کمبل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافتِ الٰہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفۂ الٰہی ہے جیسے حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام یہ دونوں خلیفۂ الٰہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری کسی ایک کمبل اور گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے بادشاہت اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء کے جانشین تھے امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؔ سکتة ①

سراہیے اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب، اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی۔

قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ

ٹھیک اتاری تا ڈر سناوے ایک سخت آفت کا اس کی طرف سے اور خوشخبری دے یقین لانے والوں کو جو

یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ② مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ۙ③

کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کو اچھا نیگ ہے جس میں رہا کریں ہمیشہ

وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭④ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ

اور ڈر سناویں ان کو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی

لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ

نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے

اِلَّا کَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا

سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے

بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا

اس بات کو پچتا پچتا کر ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق

لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ⑦ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡہَا

تا جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے

صَعِیۡدًا جُرُزًا ؕ⑧

میدان چھانٹ کر

آغاز سورت بتحمید برانزال کتاب ہدایت برائے اثباتِ توحید و رسالت و ذکر فناء و زوال دُنیا برائے تذکیر آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ . . . الٰی . . . صَعِیْدًا جُرُزًا ۝۸ ﴾

ربط: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور دُنیا کے فناء و زوال اور اس کی حقارت اور آخرت کی جزاء و سزا کو بیان فرمایا اور تین قصے بیان فرمائے جن سے بھی مقصود اثباتِ توحید و رسالت اور اثبات قیامت ہے اور گزشتہ سورت کو حمد پر ختم فرمایا اور اس سورت کو توحید و حمد سے شروع فرمایا اور مسئلہ نبوت سے اس کی ابتداء فرمائی اور اپنی سب سے بڑی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ کتاب ہدایت نازل فرمائی جو تمہارے لیے سامانِ ہدایت ہے اور نبی کے لیے دلیلِ نبوت اور برہان رسالت پھر اس قرآن کو نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی اور چونکہ آنحضرت ﷺ رحمتِ مجسم تھے اس لیے آپ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج ہوتا تھا اس لیے ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ﴾ سے آپ ﷺ کی تسلی فرمائی اور اہل دنیا اور اہل غفلت کو تنبیہ فرمائی کہ یہ دُنیا اور اس کی نعمتیں چندروزہ ہیں ان میں پڑ کر خدا سے غفلت نہ برتو ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ ﴾ سے یہی بتلایا کہ دُنیا ہذا اور اس کا عیش و آرام چندروزہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں سب حمد و ثناء اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر یہ کتاب قرآن کریم اتاری اور ذرہ برابر اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی نہ لفظوں کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل ہے اور نہ معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی ہے یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی کجی دور کرنے کے لیے نازل کی اس کتاب میں کوئی بھی عیب اور کجی نہیں اور جو اس میں عیب نکالے سو وہ اس کی عقل کا فتور اور قصور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک اتارا راستی اور استقامت کے ساتھ موصوف ہے خود راست اور درست ہے اور دوسروں کو راہ راست پر لے جانے والی ہے ایسی کتاب میں تو کجی کا امکان ہی نہیں اور اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے نازل کرنے پر اپنی حمد فرمائی کیونکہ نزول قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور فوز عظیم اور سعادت دارین کا ذریعہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اور اس کتاب کو اس لیے نازل کیا تا کہ وہ کتاب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرائے جو من جانب اللہ کج طبیعت والوں پر نازل ہوگا اور تا کہ خوشخبری دے اہل ایمان کو جو اعمالِ صالحہ کرتے۔ یعنی جن لوگوں نے اعمالِ صالحہ سے اپنی باطنی کجی کو دور کرلیا اور صراطِ مستقیم اور راہ راست پر چل پڑے ایسے لوگوں کو یہ کتاب بشارت دے کہ ان کے لیے آخرت میں نیک بدلہ ہے یعنی جنت ہے جو دارِ کرامت اور دارِ نعمت ہے جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے منتقل نہ ہوں گے اور تا کہ کافروں میں سے بالخصوص ان لوگوں کو ڈرائے کہ جنہوں نے قصور عقل اور کج راہی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ ہیں اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ کج طبعی اور قصور عقل کی دلیل ہے اس بات کا ان کو کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا کو اس کی خبر ہے اس قسم کی نامعقول باتیں ان کی کج طبعی کی دلیل ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت اور سبوحیت سے بالکل بے خبر ہیں بڑی بھاری بات ہے جو

ان کے منہ سے نکلتی ہے یعنی نہایت نامعقول اور نازیبا بات ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ نرا جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا کے لیے اولاد بتلانا ایسا جھوٹ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ جائیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ (مریم:۹۰) اولاد تو اس کے ہوسکتی ہے کہ جو جسم ہو اور اجزاء لاتجزیٰ سے مرکب ہو اور اپنے ترکیب اور ترتیب دینے والے کا محتاج ہو اور خدا تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کج فہموں اور کج راہوں کی اس قسم کی باتیں سن کر رنج ہوتا تھا تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں پس شاید آپ ﷺ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک کردیں اگر وہ اس بات پر یعنی قرآن پر ایمان نہ لائیں تو اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ غم یا حسرت کی وجہ سے اپنی جان نہ دے دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اتنا غم نہ کیجیے کیونکہ یہ دنیا' دار ابتلاء اور دار امتحان ہے ایک عجائب گھر ہے طرح طرح کی زینتوں سے مزین ہے کوئی کدھر جارہا ہے اور کوئی کدھر اس لیے کہ تحقیق جو چیز بھی اس زمین پر ہے خواہ وہ نباتات ہوں یا جمادات یا انسان اور حیوانات ہوں اس کو ہم نے اہل زمین کے لیے آرائش اور زینت بنایا ہے تاکہ اہل زمین کو آزمائیں کہ ان میں سے از راہ عمل کون شخص بہتر ہے یعنی اس عالم آرائش و زیبائش کے پیدا کرنے سے ہمارا مقصود آزمائش ہے اور ظاہر ہے کہ امتحان میں سب کامیاب نہ ہوں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ سب ہی کامیاب ہوجائیں عاقل وہ ہے کہ جو خدا سے غافل نہ ہو اور اس کی اطاعت میں کاہل نہ ہو اور بے شک یہ دنیا زینت کا گھر ہے لیکن اس زینت اور امتحانی آرائش کے بعد تحقیق ہم ان تمام چیزوں کو جو اس زمین پر ہیں ایک روز چٹیل میدان بنانے والے ہیں کہ اس روز زمین کی تمام ہی زینت جاتی رہے گی تو اس ناپائیدار زینت پر فریفتہ ہونا کج طبعی اور فتور عقل کی دلیل ہے۔ ؎

جہاں از رنگ و بو ساز دا سیرت — ولے نزدیک اربابِ بصیرت
نہ رنگ دلکش را اعتباریست — نہ بوئے دلفریبش را مداریست

اَللّٰهُمَّ اجعلنا من الزاهدين فى الدنيا الراغبين فى الاٰخِرة المنقطعين اليك . اٰمين يارَبَّ العالمين

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨

کیا تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں اچنبھا تھے۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

جب جا بیٹھے وہ جوان اس کھوہ میں پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر

وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ

اور بنا ہمارے کام کا بناؤ پھر تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں

سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى

کئی برس گنتی کے۔ پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے

ع ۱۳/۱۲ لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫

جتنی مدت وہ رہے۔

ذکر اجمالی قصۂ اصحاب کہف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ... الى ... لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫﴾

ربط: اُوپر آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا ذکر تھا اب اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی بھی دلیل ہے اور قیامت کی بھی دلیل ہے چونکہ قریش نے یہود کے سکھلانے سے آپ ﷺ کی آزمائش کے لیے آپ ﷺ سے تین سوال کیے تھے ایک روح کے متعلق جس کا جواب پہلی سورت میں گزر چکا ہے۔ اب دوسرے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ صدہا سال کے قبل کے واقعات کا صحیح صحیح علم بدون اللہ کی وحی کے ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ نہ کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ پڑھا یہ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اور اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کی دلیل اس اعتبار سے ہے کہ جو خدا صدہا سال سلانے کے بعد بیدار کرسکتا ہے وہ صدہا اور ہزارہا سال کی موت کے بعد زندہ بھی کرسکتا ہے کیونکہ النوم اخو الموت نیند اور خواب موت کا بھائی ہے دونوں بھائیوں کا حکم یکساں ہے حق جل شانہٗ نے اصحاب کہف کے قصہ کو اوّلاً اجمالاً اور پھر تفصیلاً ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے گمان کرنے والے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے کیونکہ یہود نے جب قریش مکہ کو اصحاب کہف کا قصہ پوچھنے کی تلقین کی تو ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا فانہٗ کان لھم امرٌ عجیب (یعنی ان کا قصہ عجیب ہے) تو ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ اس قصہ کو بہت ہی عجیب خیال کرتے تھے اور اسی خیال سے اس کو سوال کے لیے منتخب کیا اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کسی کا گمان ہے کہ یہ قصہ عجیب ہے بے شک عجیب ہے مگر ہماری آیات قدرت کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج کی پیدائش کے عجائبات اصحابِ کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں اور غار ثور میں آنحضرت ﷺ اور آپ ؐ کے یارِ غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ غار ثور کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آنحضرت ﷺ کو نہ دیکھ سکیں یہ اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب نہیں اور اگر نزول سکینت ومعیت خداوندی کی نعمت اور ملائکہ کی حراست اور حفاظت پر نظر کیجیے تو غارِ ثور کا واقعہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے بہت زیادہ عجیب ہے۔

اصحاب کہف ورقیم:

کہف اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو اور رقیم کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ لوگوں نے اصحاب کہف کے نام اور

ان کا قصہ ایک پتھر یا رانگ کی تختی پر کندہ کر کے اس غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا اس وجہ سے ان کو اصحاب کہف ورقیم کہتے ہیں۔

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں ہونے کی وجہ سے اصحاب کہف کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام اور قصہ کی تختی لکھ کر وہاں لگا دی تھی اس لیے اصحاب رقیم کہلاتے ہیں بہر صورت اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں اور فی الحقیقت دونوں ایک ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اصحاب رقیم اور اصحاب کہف دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہیں اور رقیم کے معنی پہاڑ کی کھوہ کے ہیں اور قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ تو ذکر کیا گیا مگر اصحاب رقیم کا قصہ قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا۔ محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) سے وہ تین اشخاص مراد ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور اوپر سے ایک پتھر آ پڑا تھا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس وقت ہر شخص نے اپنی عمر کے نیک اور مقبول ترین عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جس سے بتدریج غارِ کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کے عنوان سے ایک مستقل باب منعقد فرمایا اور اس کے ذیل میں بنی اسرائیل کے ان تین شخصوں کا قصہ ذکر فرمایا جو غار میں بند ہو گئے تھے۔ اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اصحاب رقیم دوسری جماعت ہے اور راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ رقیم کے معنی کھوہ کے نہیں بلکہ رقیم کے معنی کتاب مرقوم کے ہیں جیسا کہ فَراء [1] سے منقول ہے کہ رقیم سے وہ لوح مراد ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے نسب اور ان کا دین اور مذہب مرقوم تھا اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے اختیار کیا کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دونوں ایک ہی ہیں اور دوسرے قول کی بناء پر دو علیحدہ علیحدہ قصے ہیں۔ (دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۱۰۸ جلد ۵)

اب ان آیات میں حق جل شانہٗ اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے مجمل اور مختصر ذکر فرمایا پھر ضروری تفصیل فرمائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں: یاد کرو اس وقت کو کہ جب ان نوجوانوں نے دنیا کی زینت اور آرائش سے منہ موڑ لیا اور کفر اور شرک کے فتنہ سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور اپنے عالی شان مکانوں کو چھوڑ کر غار کو اپنا ماویٰ اور ملجا بنایا کیونکہ یہ جوان سب شاہی خاندان کے تھے۔ بڑے دولت مند تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے چونکہ عزیز و اقارب کافر تھے اور بادشاہ وقت بت پرست ظالم تھا۔ لوگوں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اس لیے یہ چند جوانان ہمت اور مردانِ آخرت اپنے دین اور ایمان کو لے کر شہر سے بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کا نام بنجلوس تھا اور اس غار کا نام جیرون تھا۔ واللہ اعلم

پس جب غار پر پہنچے تو دُعا کی اور یہ کہا اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے کامیابی اور راہ یابی مہیا فرما یا کہ ہمارا انجام نیک ہو رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن اور حفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کا سامان یہ کیا کہ اس غار میں گنتی کے چند سالوں تک ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا یعنی غار میں ان کو ایسی گہری نیند سلا یا کہ گویا کہ ان کے کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے مطلب

[1] دیکھو زاد المسیر ص ۱۰ جلد ۵۔

یہ ہے کہ ہم نے ان کو تمام زحمتوں اور پریشانیوں سے بے خوف وخطر آرام سے سلا دیا اور ہم نے ان پر ایسی نیند غالب کردی کہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے گنتی کے سال ان تین سو برسوں کو اس لیے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے یہاں تو ایک دن ہزار سال کا ہے ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اس اعتبار سے تو وہ گویا چند گھنٹے سوئے اور چند گھنٹے سونا کوئی عجیب بات نہیں یہ نادان کیوں تعجب کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ظاہر کرنے کے لیے ﴿سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ کا لفظ استعمال فرمایا پھر ان گنتی کے سالوں کے بعد ہم نے ان کو نیند سے اٹھایا جیسے موت کے سالہا سال بعد لوگوں کو قیامت میں اٹھاویں گے تا کہ ہم دیکھ لیں اور دکھلا دیں کہ اس قصہ میں دو فریقوں میں سے کون سے فریق نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب [1] یاد رکھا ہے اور کس کا شمار بہت صحیح ہے جب وہ جاگے تو آپس میں گفتگو ہوئی کہ کس قدر سوئے کسی نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ اور کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ انہیں کا قول ٹھیک تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم طویل مدت سوئے یہ کلام اجمالی طور پر صحیح ہے اگرچہ اس میں مدت کا تعین نہیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو اجمالی طور پر بیان فرمایا اور آئندہ آیات میں اس کی ضروری تفصیل فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آیات کی تفسیر سے پہلے اصحابِ کہف کے قصہ کی کچھ تفصیل کردی جائے تا کہ ناظرین کو آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

اصحابِ کہف کا قصہ

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا۔ اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور زبردستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا۔ جس شخص کی نسبت سنتا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اس کو پکڑوا بلاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہو جانے کے درمیان اس کو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اس کو سنگسار کرتا اور عبرتناک سزا دیتا۔ جہاں جہاں اس کی حکومت تھی سب جگہ یہی آفت برپا تھی۔ روم کے شہروں میں ایک شہر ''افسوس'' تھا جس کو عرب ''طرطوس'' کہتے ہیں۔ وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوئے ہیں۔ (دیکھو روح البیان ص ۲۲۱ جلد ۵)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گزرے ہیں اور ان کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

اس ظالم بادشاہ کو جب ان نوجوانوں کا حال معلوم ہوا تو اپنے پیادے بھیج کر ان کو پکڑوا بلوالیا اور کہا کہ تم میرے معبودوں کو کیوں نہیں پوجتے اور ان کے لیے قربانی کیوں نہیں کرتے۔ تم کو چاہیے کہ عقیدۂ توحید سے باز آجاؤ ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا اس کے

---

[1] اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ احصٰی فعل ماضی کا صیغہ ہے اور بعض نے احصٰی کو افعل التفضیل قرار دیا ہے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کون سا فریق اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

جواب میں مکسلمینا نے جو ان میں سب سے بڑا تھا کہا کہ ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت اور جلال سے آسمان وزمین پُر ہیں۔ہم اس کے سوا کسی کو نہیں پوجیں گے تجھ سے جو ہوسکتا ہے کر گزر۔اس کے بعد دوسرے ساتھیوں نے بھی یہی کہا۔اس ظالم نے جب ان کا یہ قول سنا تو ان کے کپڑے اور سونے چاندی کا جو زیور وہ پہنے ہوئے تھے سب اتروا لیے اور کہا کہ جس سزا کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ میں تم کو ضرور دوں گا مگر میں تمہاری نوعمری کا خیال کرکے تم کو مہلت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملے میں غور وفکر کرلو اچھا اب تم جاؤ اگر تم نے عقل سے کام لیا تو بہتر ورنہ تمہاری سزا قتل ہے یہ کہہ کر وہ ظالم کام سے دوسرے شہر میں چلا گیا۔جب یہ نوجوان اس سے جدا ہوئے تو آپس میں مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ سب اپنے اپنے باپ کے گھر سے کافی مقدار میں خرچ لے لیں پھر اس میں سے کچھ خیرات کریں اور باقی کو بطور توشہ اپنے ساتھ رکھیں اور شہر کے قریب جو پہاڑ ہے اس کے غار میں جاکر چھپ جائیں اور وہیں رہ کر اپنے خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرتے رہیں چنانچہ وہ سب اس رائے پر متفق ہوگئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے باپ کے گھر سے خرچ لیا کچھ اس میں سے خیرات کیا اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر غار کی طرف روانہ ہوئے۔راستہ میں سے ایک چرواہا اور چرواہے کا کتا بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا ہرچند اس کو دفع کیا لیکن وہ دفع نہ ہوا اور اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا خدائے تعالیٰ نے اس کتے کو بولنے کی قوت دی تو بولا کہ تم مجھ سے نہ ڈرو میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں میں تمہاری حفاظت اور پاسبانی کروں گا۔جب پہاڑ کے پاس پہنچے تو وہ چرواہا بولا کہ میں اس پہاڑ کے ایک غار کو جانتا ہوں کہ ہم اس میں پناہ لے سکتے ہیں متفق ہوکر سب اس غار کی طرف روانہ ہوئے اور غار میں پہنچ کر نماز اور تسبیح اور تحمید میں مشغول ہوگئے۔ان میں سے ایک کا نام تملیخا تھا اسکے پاس سب نے اپنا خرچ جمع کروا دیا وہ رات کو چھپ کر اور بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور ان کے لیے کھانا لاتا اور شہر کی خبریں ان تک پہنچاتا جب دقیانوس اپنے کام سے فارغ ہوکر پھر شہر افسوس (طرطوس) واپس آیا تو اس نے ان سات جوانوں کی تفتیش کا حکم دیا تملیخا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر ہماری تلاش ہورہی ہے اور ہمارے اعزاء واقارب کو مجبور کیا جارہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں تو تملیخا یہ معلوم کرکے تھوڑا کھانا اپنے ساتھ لے کر روتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا اور بتلایا کہ وہ ظالم پھر شہر میں آگیا ہے اور اس نے ہماری تلاش کا حکم دیا ہے۔یہ سنتے ہی سب گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ اے اللہ! اس ظالم کے فتنے سے ہم کو پناہ دے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے دُعا سے فارغ ہوکر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کو تسلی دینے لگے اللہ تعالیٰ نے دفعۃً ان سب پر نیند طاری کردی اور سب پڑ کر سو گئے اور کتا غار کے منہ پر اپنی باہیں پسار کر پڑ گیا۔

اگلے روز دقیانوس نے ان کو تلاش کیا مگر کہیں ان کا پتہ نہ چلا شہر کے سرداروں سے پوچھا اور کہا کہ مجھ کو ان نوجوانوں کے لاپتہ ہونے کا بڑا رنج ہے اگر وہ توبہ کرلیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان کو معاف کردیتا سرداروں نے کہا کہ حضور نے حد درجہ مہربانی کی کہ ان سرکشوں پر رحم فرمایا اور ان کو مہلت دی وہ چاہتے تو اس مدت میں توبہ کرلیتے مگر انہوں نے توبہ نہ کی بڑے ہی سرکش اور نافرمان ہیں بادشاہ یہ سن کر اور غضبناک ہوا اور ان کے باپوں کو پکڑوا بلایا اور پوچھا کہ بتلاؤ کہ تمہارے وہ سرکش بیٹے جنہوں نے میرے حکم کو نہیں مانا کہاں گئے انہوں نے کہا حضور واقعی سرکش ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں روپوش ہوگئے ہیں باقی ہم نے حضور کی کوئی نافرمانی نہیں کی ان کے جرم میں ہم کو قتل نہ کیجیے بادشاہ نے یہ سن کر ان کو تو چھوڑ دیا اور جوانوں کی تلاش میں پڑ گیا۔بادشاہ کو بڑی تحقیق وتفتیش کے بعد کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ نوجوان شہر کے قریبی پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے ہیں بادشاہ کو یہ علم ان جوانوں کے باپوں کے ذریعے

سے ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کے ڈر سے بتلا دیا کہ وہ غار میں جا چھپے ہیں یا کسی اور ذریعے سے علم ہوا۔ واللہ اعلم

غرضیکہ بادشاہ نے ان کے باپوں کو تو چھوڑ دیا اور اگلے روز خود دقیانوس ارکان دولت کو ساتھ لے کر ان کی تلاش میں نکلا اور اس غار کے منہ تک پہنچ گیا مگر اس پر کچھ ایسا رعب اور دہشت طاری ہوئی کہ بادشاہ اور اس کے ہمراہیوں میں سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو اس ظالم سے مخفی رکھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے یارِ غار کو جب وہ غار میں چھپے تھے کافروں سے پوشیدہ رکھا اور محفوظ رکھا اور ان کی نظروں کو ایسا خیرہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ غارِ ثور کے کنارے پر تھے ذرا بھی اگر اپنے قدموں پر نظر کرتے تو آنحضرت ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیتے۔

دقیانوس کو جب ان کا کچھ پتہ نہ چلا تو خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس غار کے منہ کو بند کرا دیا جائے تا کہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر اسی کے اندر مر جائیں اور یہی غار جس میں انہوں نے پناہ لی ہے وہی ان کی قبر بن جائے۔ (تفسیر در منثور ص ۲۱۵ جلد ۴) [1]

دقیانوس کا یہ خیال تھا کہ وہ اندر جاگ رہے ہیں اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کا ان کو علم ہے مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اندر میٹھی نیند سو رہے ہیں اور وہ کروٹیں بدل رہے ہیں اور ان کا کتا غار کے دروازے پر اپنی باہیں پسارے پڑا ہے دقیانوس کے حاشیہ نشینوں میں دو شخص تھے جو در پردہ مسلمان تھے اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام بیدروس اور دوسرے کا نام روناس تھا' انہوں نے رانگ کی دو تختیوں پر ان نوجوانوں کے نام اور نسب اور مفصل واقعہ لکھ کر یا کندہ کرا کر ایک تانبے کے تابوت میں رکھا اور پھر اس تابوت کو غار میں رکھ دیا شاید اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کسی مومن قوم کو ان جوانوں کے حال پر مطلع کرے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ (دیکھو تفسیر فتح الباری ص ۳۶۶ جلد ۶ باب قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ)۔

غرضیکہ وہ ساتوں جوان غار میں جا کر چھپ گئے اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کو ایسا سلایا کہ مسلسل تین سو سال تک سوتے رہے اس زمانہ میں دقیانوس بھی مر گیا اور اس کا قرن بھی گزر گیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے بادشاہ ہوئے اور دُنیا سے رخصت ہوئے مگر اصحاب کہف تین سو نو برس تک راحت و آرام سے اسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ جب ان کی بیداری کا وقت قریب آیا تو من جانب اللہ ایک ایسا بادشاہ آیا کہ جو عابد و موحد بھی تھا اور عادل بھی تھا اور بتوں کو توڑتا تھا' اس کے دورِ حکومت میں اصحاب کہف تین سو سال کی طویل نیند سے بیدار ہوئے یہ فرمانروا نہایت نیک بخت اور خدا پرست تھا اور اس کا نام بیدروس تھا اڑسٹھ سال اس نے سلطنت کی اس کے زمانے میں قیامت کے بارے میں بڑا اختلاف ہو رہا تھا بعض تو بالکل ہی قیامت اور حشر و نشر کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا نہیں اور بعض کہتے تھے کہ قیامت حق ہے مگر روحانی ہے جسمانی نہیں یعنی حشر صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد زمین جسم کو کھا جاتی ہے فقط روح باقی رہ جاتی ہے اس لیے فقط روح کا بعث ہوگا اور بعض کہتے تھے کہ

---

[1] فَخَرَجَ الملك باصحابه يبتغونهم حتى وجدوهم قد دخلوا الكهف فلما اراد الرجل منهم ان يدخل ارعب فلم يطق احد منهم ان يدخله فقال لهٗ قائل الست قلت لو قدرت عليهم قتلتهم قال بلى قال فابن عليهم باب الكهف ودعهم يموتوا جوعا وعطشا ففعل ... الخ۔
(تفسیر در منثور ص ۲۱۵ ج ۴)

روحانی اور جسمانی دونوں ہوگا کہ حسب سابق روحوں اور جسموں دونوں ہی کا حشر ہوگا۔

بادشاہ حق پرست اور نیک دل تھا لوگوں کا یہ اختلاف اس پر بڑا گراں تھا جب اس نے اہل باطل کو یہ کہتے سنا کہ زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں اور اگر حشر ہوگا تو صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا تو اس کو رنج ہوا کہ اہل باطل اہل حق پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے لوگوں کو نصیحت بھی کی مگر لوگوں نے اس کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔

جب بیدروس نے یہ دیکھا تو اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا اور دن رات اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے لگا اور یہ دُعا کرنے لگا کہ اے پروردگار! تو ان لوگوں کے اختلاف کو دیکھ رہا ہے تو غیب سے ایسی نشانی بھیج کہ جس سے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس شہر کے ایک شخص اولیاس نامی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کوہ بنجلوس کے غار پر جو عمارت ہے اس کو گرا کر اپنی بکریوں کے لیے ایک باڑہ بنائے آخر مزدوروں کو لے کر اس عمارت کے پتھر اکھاڑنے شروع کیے جب غار کے منہ پر کے تمام پتھر اکھڑ چکے اور اس کا منہ کھل گیا تو حق تعالیٰ نے ان جوانوں کو بیدار کر کے اس میں بٹھا دیا غار والے جب بیدار ہوئے تو ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہم معمولی نیند سے بیدار ہوئے ہیں اور سمجھے کہ شاید ایک دن یا آدھے دن مصروف خواب رہے حالانکہ اس عرصہ دراز میں ملک کی کایا پلٹ چکی تھی نہ وہ حکومت رہی تھی نہ وہ بادشاہ رہا خواب سے بیدار ہوتے ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو بھوک محسوس ہوئی۔ تملیخا سے کہا کہ شہر میں جاؤ وہاں سے کھانا مول لے کر آؤ اور دقیانوس اور اہل شہر کا حال معلوم کر کے آؤ۔ تملیخا نے کہا کہ کل شہر میں تمہاری تلاش ہوئی ہے اور بادشاہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم کو پکڑوا کر تم سے بتوں کو سجدہ کرائے یا تم کو قتل کر دے۔ مکسلمینا نے ان سے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ ایک روز تم ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو یہ دشمن خدا جب تم کو بلائے تو ہرگز ہرگز کفر نہ کرنا پھر تملیخا سے کہا کہ تو شہر جا اور معلوم کر کہ ہمارے بارے میں دقیانوس کی کیا رائے ہے اور چپکے چپکے جا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور کھانا لے کر جلد ہمارے پاس واپس آ جا ہم بھوکے ہیں۔ تملیخا نے اپنے کپڑے اتارے اور مزدوروں جیسے میلے کچیلے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر دقیانوس کے سکہ کے روپے اپنے ساتھ لے کر شہر کو چلا جب غار کے منہ پر پہنچا تو وہاں اکھڑے ہوئے پتھر دیکھے ان کو دیکھ کر سخت متعجب ہوا مگر اس کی پرواہ نہ کی اور سیدھا شہر کو چلا گیا چونکہ دل پر دقیانوس کا خوف سوار تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کتنی سلطنتیں بدل چکی ہیں چھپتا چھپتا اور ڈرتا ڈرتا شہر میں داخل ہوا دیکھا کہ شہر کا رنگ بدلا ہوا ہے جا بجا اہل ایمان نظر پڑے یہ منظر دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید یہ وہ شہر نہیں ہے اسی طرح حیران و ششدر گھومتا رہا۔ بال آخر ایک جوان سے پوچھا کہ اے جوان اس شہر کا کیا نام ہے اس نے کہا افسوس (طرطوس) یہ سن کر تملیخا کو اور بھی حیرانی ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے بال آخر پھرتا پھراتا نانبائیوں کی دکان کی طرف گیا اور کھانا خریدنے کے لیے روپیہ نکالا اور دکاندار سے کہا کہ مجھ کو اس روپیہ کا کھانا دے دو۔ دکاندار نے جب اس روپیہ کو اور اس کی ضرب کو دیکھا تو سخت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ یہ سکہ تو اس وقت کا نہیں اور اپنے پاس والوں کو دکھایا اور بولا کہ یہ سکہ تو دقیانوسی سکہ ہے (جیسے آج کل کا محاورہ ہے کہ جو چیز پرانی ہوتی ہے) اس کو دقیانوسی کہتے ہیں وہ غالباً اسی واقعہ سے ماخوذ ہے اس دقیانوسی سکہ کو دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ شاید اس شخص کو پرانے وقتوں کا زمین میں گڑا ہوا خزانہ مل گیا ہے اور یہ شخص اپنا راز کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا ہے شاید تم کو اگلے زمانہ کا کوئی خزینہ یا دفینہ مل گیا ہے تملیخا نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو خوف کے مارے کانپنے لگا اور خیال کیا کہ شاید ان

لوگوں نے پہچان لیا ہے اور اب یہ لوگ مجھ کو اپنے بادشاہ دقیانوس کے پاس لے جائیں گے۔ تمام شہر میں اس کا چرچا ہو گیا ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اس شخص کو پرانے زمانے کا خزانہ مل گیا ہے اہل شہر اس کے اردگرد جمع ہو گئے اس کو دیکھتے اور یہ کہتے کہ بخدا یہ جوان اس شہر کا باشندہ نہیں مگر اس کو دل میں یقین تھا کہ اس کا باپ اور اس کے بھائی اسی شہر کے ہیں وہ خبر سن کر ضرور چھڑانے آئیں گے لیکن کوئی نہ آیا۔ اہل شہر تملیخا کو شہر کے دو بڑا افسروں کے پاس لے گئے جو بڑے نیک بخت تھے ایک کا نام آریوس اور دوسرے کا نام طنطیوس تھا۔ بڑے سوال و جواب کے بعد وہ دونوں افسر بولے کہ اس شخص کو بادشاہ کے پاس لے چلو۔ تملیخا کو یہ گمان ہوا کہ اب مجھ کو اس ظالم دقیانوس کے پاس لے جائیں گے دائیں بائیں دیکھتا تھا اور روتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ظالم بادشاہ مر چکا ہے جسے مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں تب تملیخا کو ہوش آیا اور اس کا رونا موقوف ہوا۔ اس وقت اس نے بتایا کہ ہم چند جوان دقیانوس کے ڈر سے غار میں جا چھپے تھے وہاں جا کر ہم سو گئے آج ہم کھانا لینے آئے ہیں اور میں نے کوئی خزانہ نہیں پایا یہ روپیہ میرے باپ کا دیا ہوا ہے اس پر اسی شہر کا نقش ہے اور یہ سکہ اسی شہر میں ڈھلا ہے اور اپنے ساتھیوں کے نام بتلائے اور کہا کہ اگر آپ کو میری بات میں شک ہے تو وہ غار قریب ہے آپ دونوں حاکم میرے ساتھ چلیں اور جا کر خود تصدیق کر لیں اس گفتگو کے بعد آریوس اور طنطیوس اور اہل شہر غار کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اصحاب کہف کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

اِدھر تو یہ معاملہ گزرا اور اُدھر اصحاب کہف پریشان تھے کہ تملیخا کو کھانا لانے میں دیر ہو گئی ہے خدانخواستہ کہیں پکڑا تو نہیں گیا یہ خیال کر کے نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آریوس اور اس کے ساتھی غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے تملیخا ان سے آگے غار میں داخل ہوا اور سارا حال ان سے بیان کیا اس وقت ان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین سو نو برس سوتے رہے اور صرف اس لیے جگائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لیے قیامت کی نشانی اور حشر جسمانی کا نمونہ بنیں اور ان کے اس قدر طویل مدت تک پڑے سوتے رہنے اور پھر جاگ اٹھنے سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت اور حشر جسمانی بلاشبہ حق ہے غرضیکہ غار میں اول تملیخا داخل ہوا اس کے پیچھے آریوس داخل ہوا جب وہ پہنچا تو اس نے وہاں تانبے کا ایک تابوت دیکھا جس پر چاندی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ دروازے پر کھڑے ہو کر رؤساء شہر کی ایک جماعت کو بلایا اور سب کے سامنے اس تابوت کو کھولنے کا حکم دیا اس میں رانگ کی دو تختیاں نکلیں جن پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

''مکسلمینا، مشلمینا، تملیخا، مرطونس، کشطونس، بیرونس، وتیمونس لطبیوس، قابوس، والکلب امہ ''قطمیر'' یہ چند نوجوان تھے جو اپنے بادشاہ دقیانوس سے اس خوف کی بناء پر کہ کہیں وہ ان کو دین سے نہ بچلا دے' بھاگ کر اس غار میں جا چھپے جب بادشاہ کو ان کے غار میں چھپنے کی خبر ملی تو اس نے پتھروں سے اس غار کا منہ بند کرا دیا ہم نے ان کا کل حال اور قصہ لکھ دیا ہے تاکہ بعد کے لوگوں میں جو کوئی اس غار پر اطلاع پائے ان کا حال معلوم کرے۔

جب یہ لوح پڑھی گئی تو اس میں تملیخا کا نام نکلا اس وقت تملیخا نے کہا کہ میں تملیخا ہوں اور باقی میرے ساتھی ہیں۔ جب آریوس اور اس کے ساتھیوں نے اس تحریر کو پڑھا تو حقیقت حال ان پر منکشف ہوئی اور بڑا تعجب ہوا کہ عجیب ماجرا ہے تین سو سال کے بعد بیدار ہوئے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کی حمد وثناء کی کہ اس نے قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلایا۔ پھر آریوس نے اپنے نیک بخت' نیک سیرت اور خوش بخت بادشاہ کے پاس قاصد بھیجا جس کا نام بیدروس تھا کہ جلد آئے تاکہ آپ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے

ایک نشانی دیکھ لیں۔ آپ کے دورِ حکومت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حشر کا ایک نمونہ ظاہر کیا تا کہ لوگوں کو نور اور ضیاء حاصل ہو اور وہ حشر جسمانی کی تصدیق کریں وہ نشانی یہ ہے کہ اللہ نے چند جوانوں کو تین سو برس تک سلایا اور پھر ان کو صحیح سالم جگایا اور اٹھایا اسی طرح قیامت کے دن روح اور بدن اٹھائے جائیں گے۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک نشانی دکھلا دی تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ معاد جسمانی حق ہے۔

شاہ بیدروس یہ خبر سنتے ہی شاداں و فرحاں وہاں پہنچا اور غار میں داخل ہو کر جوانوں کو دیکھا تو بکمال مسرت سجدہ میں گر پڑا پھر اس نے معانقہ کیا اصحاب کہف زمین پر بیٹھے اللہ کی تسبیح وتحمید کر رہے تھے ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے شاہ بیدروس سے کہا کہ ہم تم کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت کرے اور جن وانس کے شر سے تجھ کو پناہ میں رکھے تم پر اللہ کا سلام ہو یہ کہہ کر بادشاہ کو رخصت کیا اور جا کر اپنی خواب گاہوں پر لیٹ گئے اور وہیں اللہ نے ان کو وفات دی۔ بادشاہ نے ان کو کپڑے اڑھائے اور حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو سونے کے تابوت میں رکھ دیا جائے۔ رات کو جب سویا تو خواب میں آئے اور کہا ہم سونے کے نہیں ہم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور مٹی ہی میں مل جائیں گے جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہم کو غار کے اندر مٹی پر رہنے دیا جائے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اٹھائے تب بادشاہ نے ان کو ساج (سال) کے تابوت میں رکھوا دیا اور جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو دہشت کے مارے دوبارہ پھر اس مقام میں داخل نہ ہو سکے اور غار کے منہ پر بادشاہ نے ایک مسجد بنوا دی یہ اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کا نمونہ ہے اور اس سے یقین ہوتا ہے کہ بے شک قیامت حق ہے جس خدا نے اصحاب کہف کو تین سو سال تک خواب کی حالت میں صحیح سالم پڑے رہنے کے بعد جگایا اسے مردوں کا زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

اصحاب کہف کے قصہ کی یہ تفصیل جو ہم نے ہدیۂ ناظرین کی ہے تفسیر سراج منیر ص ۳۹۳ جلد ۲ میں مذکور ہے اور ابتدائی قصہ کے اجزاء تفسیر قرطبی ص ۳۵۷ جلد ۱۰ سے لیے گئے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کتب سیرت سے بھی کچھ اجزاء اس میں شامل کر دیئے ہیں تا کہ پورا قصہ بیک نظر قارئین کے سامنے آجائے۔

آخر میں شاہ بیدروس کا واقعہ نقل کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نیک بخت بادشاہ غار میں داخل ہوا اور اصحاب کہف سے ملا اور وہ زندہ تھے اور اصحاب کہف نے اس کے لیے دُعا کی لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف بادشاہ کے غار میں داخل ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اور بادشاہ نے ان کو غار میں مردہ پایا یا زندگی کی حالت میں ان کو نہیں دیکھ سکا اور نہ ان سے مل سکا۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۵ جلد ۴)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور ارکان دولت جب غار کے دروازے پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ آپ حضرات ذرا یہیں ٹھہریں پہلے میں اندر جاتا ہوں کہ اندر جا کر اپنے اصحاب کو خبر دوں تا کہ وہ اس ناگہانی آمد کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں چنانچہ اول تملیخا غار میں داخل ہوا اس کے بعد علماء کے دو قول ہیں ایک قول [1] تو یہ ہے کہ تملیخا کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بادشاہ اور ارکان دولت سب

---

[1] تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے بھی اس قول کی تائید ہوئی اس روایت میں ہے کہ جب بادشاہ اور ارکان دولت غار پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ اوّل میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تملیخا اوّل غار کے اندر چلا گیا اس کے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ کی اور پھر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرا دی جائے۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۴ جلد ۴)

ششدر اور حیران رہ گئے اور ان کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا (کیونکہ وہ غار بہت وسیع تھا) اور سب پر ایسا رعب اور ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کوئی بھی اندر داخل نہ ہوسکا اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا (اور دوسرا قول) یہ ہے کہ بادشاہ اور ارکان دولت غار میں داخل ہوئے اصحاب کہف سے ملے ان کو سلام کیا اور ان سے معانقہ کیا پھر اصحاب کہف نے اس مسلمان بادشاہ کو دعا دے کر رخصت کیا اور اپنی خواب گاہوں کی طرف لوٹ گئے اور اللہ نے ان کو وفات دی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۷۷ جلد ۳)

بادشاہ مع ارکانِ دولت ان سے مل کر غار سے باہر آیا اور غار کا منہ بند کرا دیا۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۳۶۷ جلد ۶ میں جو روایت نقل کی ہے وہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

((فاجتمع الناس فرفعوه إلى الملك فسأله فقال عليّ باللوح وكان قد سمع به فسمى اصحابه فعرفهم من اللوح فكبر الناس وانطلقوا الى الكهف وسبق الفتى لئلا يخافوا من الجيش فلما دخل عليهم عمى الله على الملك ومن معه المكان فلم يدراين ذهب الفتى فاتفق رايهم على ان يبنوا عليهم مسجدا فجعلوا يستغفرون لهم منهم)). (كذا فی فتح الباری ص ۳۶۷ ج ۶ باب قول اللہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ من كتاب الانبياء)

ترجمہ: جب تملیخا بازار میں کھانا لینے گیا تو اس کو اور اس کے سکہ کو دیکھ کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پکڑ کر اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے حقیقت حال دریافت کیا۔ اس نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام بتایا۔ بادشاہ نے یہ خبر پہلے بھی سنی تھی بادشاہ نے خزانہ سے وہ لوح رصاصی منگائی جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ تھے وہ تختی خزانہ شاہی میں محفوظ تھی، تملیخا نے جو نام بتائے وہ اس تختی کے مطابق تھے یہ سن کر اور یہ دیکھ کر بادشاہ نے پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ جوان جو کہہ رہا ہے وہ سب حق اور صدق ہے۔ سب نے اللہ اکبر کہا بعد ازاں بادشاہ اور لوگ غار کی طرف چلے جب غار پر پہنچے تو اس جوان نے کہا کہ ذرا ٹھہرو! میں پہلے اندر جا کر اپنے ساتھیوں کو خبر کردوں کہ وہ ایکبارگی اس لشکر کو دیکھ کر ڈر نہ جائیں چنانچہ تملیخا اوّل غار میں داخل ہوا اور اندر چلا گیا بعد میں بادشاہ کو اور اس کے رفقاء کو پتہ نہ چلا کہ وہ جوان کہاں چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مکان کو ان پر مخفی اور پوشیدہ کر دیا مجبور ہو کر واپس آئے اس کے بعد سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار ایک مسجد بنوادی جائے اور پھر سب اصحاب کہف کے لیے دعا اور استغفار کر کے واپس ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اصحاب کہف سے مل کر واپس ہوا اور اصحاب کہف اسی غار میں اپنی جگہوں پر لیٹ گئے اور بدستور ان پر نیند طاری ہوگئی اب وہ قیامت کے دن جاگیں گے جیسا کہ عنقریب امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ																
ہم	سنا	دیں	تجھ	کو	ان	کا	احوال	تحقیق	وہ	کئی	جوان	ہیں	کہ	یقین	لائے	اپنے رب پر

وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ۖ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا

اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ اور گرہ دی ان کے دل پر جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا

رب آسمان و زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے سوا کسی کو ٹھاکر تو کہی ہم نے بات عقل سے

شَطَطًا ﴿١٤﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ

دُور یہ ہماری قوم ہے پکڑے ہیں انہوں نے اس کے سوا اور پوجنے کیوں نہیں لاتے؟

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ؕ

ان کے واسطے کوئی سند کھلی پھر اس سے گنہگار کون؟ جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ

اور جب تم نے کنارہ پکڑا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا، اب جا بیٹھو اس کھوہ میں

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾

پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی مہر اور بنا دے تم کو تمہارے کام کا آرام

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ

اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ جاتی ان کی کھوہ سے داہنے کو اور

اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ

جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ

یہ قدرتوں سے اللہ کی جس کو راہ دے اللہ وہی آوے راہ پر اور جس کو بچلا دے (بھٹکادے)

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ ع ۲ ۵ ۱۴

پھر تو نہ پاوے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا۔

تفصیل قصۂ اصحاب کہف

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ... الی ... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اصحاب کہف کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا اب اس قصہ کی کچھ تفصیل فرماتے ہیں تا کہ اہل صبر واستقامت اور رہروانِ منزل آخرت کے لیے مشعلِ ہدایت بنے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اے نبی! ہم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے ان کی صحیح صحیح خبر بیان کرتے ہیں جو عین واقعہ کے مطابق ہے یہ اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ لوگوں میں مختلف طور پر مشہور تھا جن میں بعض جھوٹی اور غلط روایتیں بھی شامل تھیں اس لیے فرمایا کہ جتنا قصہ ہم نے قرآن میں بیان کر دیا وہ بالکل حق اور صدق ہے تحقیق وہ اصحاب چند نو جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی سب بزدل تھے اور یہ جوان مرد اور جواں ہمت تھے کہ اپنے محلوں کو چھوڑ کر کنج عزلت اور گوشۂ خلوت میں اعتکاف کرنے کے لیے جا رہے تھے اور ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کی ہدایت میں اور زیادتی کر دی کہ ان کو صبر اور استقامت کی صفت عنایت کی کہ دین اور ایمان کے مقابلے میں جان کی پرواہ نہ کی اور ہم نے ان کے دلوں پر صبر اور استقلال کی گرہ لگا دی یعنی ہم نے ان کے دلوں کو صبر اور استقامت کی رسی کے ساتھ ایسا باندھ دیا کہ ثابت قدم ہو گئے اور ان کو کوئی تزلزل پیش نہیں آیا اور خدا کی راہ میں انہوں نے کسی مصیبت کی پرواہ نہ کی جب وہ دقیانوس ظالم و جابر کے سامنے کھڑے ہوئے جو ان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ پس اس ظالم و جابر بادشاہ کے روبرو یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی معبود کو نہیں پکاریں گے کیونکہ اگر خدانخواستہ ہم ایسی بات کہیں تو وہ بلاشبہ بے جا اور خلاف عقل ہوگی یہ بے عقل لوگ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے خدائے برحق کے سوا چند معبود بنا لیے ہیں جو سراسر باطل ہیں ان کے معبود ہونے پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے جیسے موحدین توحید پر روشن دلائل پیش کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے ڈرا دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کر رہے ہیں بت پرستی کی طرف بلا رہے ہیں دلیل کوئی نہیں پس جب ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے کیونکہ بے دلیل اللہ کا شریک ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اس حالت کو دیکھ کر باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ یہ ظالم لوگ ہیں اللہ پر بہتان باندھنے والے ہیں ایسے ظالموں سے عقلاً و نقلاً کنارہ کشی چاہیے کیونکہ کافروں سے اپنے دین کو صحیح سالم لے کر بھاگ جانے ہی میں سلامتی ہے لہٰذا کسی غار میں جا کر چھپ جانا چاہیے تا کہ کافر کی صورت بھی نظر نہ پڑے اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور پھر بعض نے بعض کو مخاطب کر کے کہا جب تم بجز خدا ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جاؤ تو غار کی طرف اپنا ٹھکانا ڈھونڈو اور دشمنان خدا سے بھاگ کر ایک غار میں جا بیٹھو جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے اور غار کی خلوت و عزلت کی مشقت اور زحمت سے نہ ڈرو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے گا جو تمہیں اپنے اندر چھپا لے گی اور تمہارے کام میں آسانی میسر کر دے گا اور تمہارے فائدہ کی صورت نکال دے گا اور خدا کے لیے خلوت و عزلت کی راحت اور لذت ساری مشقتوں پر پانی پھیر دے گی۔ چنانچہ یہ نو جوان اسی عزم اور ہمت کے ساتھ غار میں داخل ہوئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے وہاں جا کر بیٹھ گئے

جہاں جا کر ان کو ایسی نیند آئی کہ تین سو سال تک آنکھ نہ کھلی بادشاہ اور ارکان دولت ان کی تلاش میں آئے جب تلاش میں ناکام ہوئے تو ان کے غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا تا کہ وہ لوگ باہر نہ نکل سکیں اور اندر ہی اندر مر جائیں اور جس امید پر وہ غار میں داخل ہوئے اللہ نے ان کے ساتھ ان کی امید اور گمان کے موافق معاملہ فرمایا اور خدا کی رحمتیں اور کرامتیں ان پر مبذول ہونے لگیں اور من جملہ ان مہربانیوں اور آسانیوں کے جو ان پر مبذول ہوئیں ایک رحمت ان پر یہ مبذول ہوئی کہ اے دیکھنے والے جب تو اس غار کو دیکھے تو اس حال میں دیکھے گا کہ سورج جس وقت طلوع کرتا ہے تو ان کے غار کے داہنی جانب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کو کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی ایک وسیع جگہ میں ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں ان کو خوشگوار ہوا تو پہنچتی تھی مگر دھوپ ان کو کسی وقت نہیں پہنچتی تھی خدا کی رحمت سے تمام دن ان پر سایہ رہتا حالانکہ وہ وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں تمام دن دھوپ رہ سکتی ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت اور عنایت سے ان کو دھوپ سے محفوظ رکھا بقدر ضرورت ہوا اور روشنی تو پہنچتی رہی مگر دھوپ نہیں پہنچتی یہ ان پر اللہ کی رحمت اور عنایت اور کرامت تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

یہ بات اللہ کی قدرت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی خلاف اسباب ظاہری اس طرح حفاظت فرماتا ہے اس لیے کہ وسیع اور کشادہ مکان میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور استواء کے وقت دھوپ کا نہ آنا ایک عجیب بات ہے کیونکہ مکان جب وسیع اور کشادہ ہے تو از راہِ عادت وہاں ضرور آفتاب پہنچنا چاہیے مگر باوجود اس کے نہیں پہنچتا تو یہ آیات الٰہیہ میں سے ہے اور اس کی قدرت اور اختیار کے دلائل میں سے ہے معجزات اور کرامات کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صاحب معجزہ و کرامت کا اعزاز و اکرام اور بندوں کی سعادت و شقاوت کا اظہار ہے جو سعید ہیں وہ ان واقعات کی تصدیق کر کے ہدایت پاتے ہیں اور جو شقی ہیں وہ اس قسم کے خوارق عادات کو خارج از عقل اور بعید از قیاس سمجھ کر انکار کر کے گمراہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ ﷺ اس کے لیے ہرگز کوئی رفیق راہ دکھلانے والا نہ پائیں گے وہ برابر اپنی ضد پر قائم رہے گا کہ خرق عادت کوئی چیز نہیں۔

علماء اہل سنت والجماعت نے قصہ اصحاب کہف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیونکہ اس قصہ کے صریح لفظوں میں اصحاب کہف کی کئی کرامتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پیئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کترا جانا اور بھوک اور پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پیئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیداری کے ان کا بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور خداداد کرامتیں اور کرامات اولیاء کے صحیح اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں از اں جملہ قصہ مریم رضی اللہ عنہا ہے جو محض خدا کی عنایت سے بے موسم میوہ پاتی تھیں جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزرا ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران: ۳۷) اور سورۂ مریم میں آئے گا ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۲۴ وَ هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝۲۵﴾ (مریم) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے قدموں کے نیچے ایک نہر جاری کر دی اور کھجور کا خشک درخت تر و تازہ کر دیا جس سے تازہ کھجوریں گرنے لگیں حالانکہ حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

اور از اں جملہ قصہ آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ ہے جس نے پلک جھپکنے میں ایک دور دراز مسافت سے بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

از اں جملہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بچوں نے بحالِ شیر خوارگی اپنے گہوارہ میں کلام کیا۔ ① عیسیٰ علیہ السلام اور ② ایک وہ طفل جو زمانۂ جریج میں تھا۔ جریج بنی اسرائیل میں ایک عابد و زاہد تھا ایک بدکار عورت کا جب ناجائز بچہ پیدا ہوا تو اس نے جریج پر تہمت لگائی کہ یہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جریج نے نماز پڑھی اور دعا کی اور لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے لڑکے بتا تیرا باپ کون ہے لڑکے نے کہا فلاں چرواہا بنی اسرائیل نے جب لڑکے سے یہ کلام سنا تو سخت نادم ہوئے اور تہمت سے تائب ہوئے۔ ③ اور ایک وہ بچہ جس کو اس کی ماں گود میں لیے ہوئے دودھ پلا رہی تھی اتفاق سے ایک خوبصورت جوان سوار اس کے پیچھے سے گزرا عورت نے اس کو دیکھ کر دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو اس جیسا کر بچہ بولا اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کرنا پھر اس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کی نسبت لوگ کہتے تھے کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی اس کو دیکھ کر بچے کی ماں نے کہا خدایا میرے بچے کو ایسا نہ کرنا بچے نے کہا کہ خدایا مجھے ایسا ہی کرنا یہ سن کر ماں کو غصہ آیا اور بچے کو کچھ سخت الفاظ کہے بچہ بولا وہ خوبصورت مرد بڑا ظالم تھا میں نے نہیں چاہا کہ میں اس کے مثل بنوں اور عورت جس کو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا وہ سب غلط ہے اس عورت نے نہ زنا کیا اور نہ چوری کی یہ لوگوں کا اس پر اتہام ہے وہ تو یہ کہتی رہتی ہے ﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ﴾ "مجھے اللہ کافی ہے"۔ پس میں نے چاہا کہ اس کے مثل بنوں یعنی اس کی طرح صابر و شاکر رہوں کہ مصیبت اور بلا پر صبر کروں اور خدا تعالیٰ کی کفایت اور حمایت پر نظر رکھوں معاذ اللہ اس بچے کا یہ مقصود نہ تھا کہ میں اس عورت کی طرح تہمت اور مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوں بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اگر من جانب اللہ کوئی ابتلاء پیش آئے تو صابر و شاکر رہوں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے کرامات اولیاء کا حق ہونا ثابت ہے اس لیے تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کرامات الاولیاء یعنی اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ

اور تو جانے وہ جاگتے ہیں اور وہ سوتے ہیں اور کروٹ دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک دیکھے ان کو

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ

تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جاوے تجھ میں ان کی دہشت اور اسی طرح ان کو جگا دیا

لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا

ہم نے کہ آپس میں لگے پوچھنے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا

ایک دن یا دن سے کم بولے تمہارا رب بہتر جانے جتنی دیر رہے ہو اب بھیجو

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا

اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ لے کر اپنا اس شہر کو پھر دیکھے کون سا ستھرا کھانا

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝١٩

سو لا دے تم کو اس میں سے کھانا اور نرمی سے جاوے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ

وہ لوگ اگر خبر پاویں تمہاری، پتھراؤ سے ماریں تم کو یا الٹا پھیریں تم کو اپنے دین میں اور

لَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝٢٠ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ

تب بھلا نہ ہو تمہارا کبھی اور اسی طرح خبر کھول دی ہم نے ان کی تا لوگ جانیں کہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ

وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور وہ گھڑی آنی، اس میں دھوکا نہیں جب جھگڑ رہے تھے اپنی

اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ

بات پر پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب بہتر جانے ان کو بولے

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝٢١

جن کا کام زبر تھا، ہم بنادیں گے ان کے مکان پر عبادت خانہ۔

بقیہ قصۂ مذکورہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ... الی... لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴾

اوراس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کی حفاظت کا ایک سامان یہ کیا کہ اے دیکھنے والے اگر تو ان کو دیکھے تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرے حالانکہ وہ سو رہے ہیں خواب میں غرق ہیں اور اس نیند کی حالت میں ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف تا کہ زمین ان کے جسموں کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کی دہلیز پر اپنی دونوں بانہیں پسارے پڑا ہے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ کتا ان میں سے کسی کے شکار کا تھا اور اس کتے کا نام قطمیر تھا کہتے ہیں کہ وہ کتا بہشت میں جائے گا۔

سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد!

یہ تو غار کے اندر ان کی زندگی کی حفاظت کی کیفیت کا بیان ہوا۔ اور باہر کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کا یہ سامان کیا کہ اس غار میں رعب اور جلال اور ہیبت کی یہ کیفیت پیدا کر دی کہ اے دیکھنے والے اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو تو الٹے پاؤں ان سے پشت پھیر کر بھاگے اور ان کے رعب اور ہیبت سے تو بھر دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ہیبت اور دہشت ڈال دی کہ کوئی ان کے قریب نہیں جا سکتا اور نہ کوئی ان کو چھو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ میں یہ دہشت اور ہیبت اس لیے رکھ دی کہ لوگ اس جگہ کو تماشا نہ بنالیں اور ان کے آرام میں مخل نہ ہوں اپنی قدرت سے ان کی دربانی کے لیے دروازہ پر ایک کتا بٹھلا دیا جو ان کی طرح وہ بھی صدیوں تک سوتا رہا اور کروٹوں کا بدلنا زمین سے حفاظت کے لیے تھا اور یہ خداداد رعب وجلال دشمنوں سے حفاظت کے لیے تھا کہ کوئی دشمن اندر نہ جا سکے بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر پہرہ اور پہریدار ہوتا ہے جو اجنبی آدمی کو اندر جانے سے روکتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر ہیبت اور جلال کا پہرہ قائم کر دیا کہ کسی شخص کو اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہو اور ظاہری طور پر غار کے منہ پر ایک کتا بھی بٹھلا دیا تا کہ اجنبی آدمی کو آنے جانے سے روک دے اور جس طرح ہم نے اپنی قدرت سے ان کو طویل مدت تک صحیح سالم سلایا اور ہر موذی سے ان کی حفاظت کی اسی طرح ہم نے سینکڑوں برس کے بعد ان کو صحیح سالم نیند سے اٹھایا اور خواب سے ان کو جگایا کہ باوجود اتنا طویل عرصہ گزرنے کے نہ ان کے جسم میں کوئی تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوئے جس طرح کمال قدرت کے ساتھ ان کو سلایا تھا اسی طرح کمال قدرت سے ان کو جگایا تا کہ اس طویل خواب سے بیدار ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں جس سے اخیر میں ان پر خدا کی قدرت اور اس کی رحمت و عنایت اور اس کی عطا کردہ کرامت منکشف ہو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور عنایت ایسی ہوتی ہے کہ مشاہدہ سے ان کے ایقان اور عرفان میں زیادتی ہو اور خدا کی اس نعمت کا شکر کریں۔

چنانچہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت سوئے رہے قرائن سے ان کو یہ معلوم ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ ہم عادت سے زیادہ سوئے ہیں اس لیے یہ سوال کیا انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سوتے رہے پھر کچھ قرائن اور آثار سے ظاہر ہوا کہ ہم طویل مدت تک سوئے رہے تو بولے کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت تم سوئے رہے خیر اب اس بات کو چھوڑ و اس بیکار گفتگو سے کیا فائدہ اپنے کام کی بات کرو پس تم تو اپنے میں سے ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پس وہ شخص وہاں جا کر دیکھے کہ کس دکاندار کے پاس پاکیزہ اور حلال کھانا ہے پھر اس سے وہ پاکیزہ اور حلال کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے۔ پاکیزہ اور

ستھرے کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانا حلال اور طیب ہو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا نہ ہو کیونکہ بازار میں اکثر بتوں کے نام کا ذبیحہ بکتا تھا اس لیے خریدنے سے پہلے تحقیق کر لینا کہ یہ کھانا بتوں کے نام پر تو ذبح کیا ہوا نہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی مسلمان سے غصب کیا ہوا نہ ہو اور آنے اور جانے اور کام کرنے میں لطافت اور ہوشیاری اور نرمی اور آہستگی کو ملحوظ رکھے اور شہر والوں میں سے کسی کو اپنی بابت شعور اور احساس بھی نہ ہونے دے کہ یہ کون شخص ہے۔

یعنی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اہل شہر ہمارے حال سے آگاہ ہو جائیں کیونکہ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر وہ تم پر مطلع ہو جائیں تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور کفر کی وجہ سے دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جبر اور اکراہ کی حالت میں اگرچہ زبان سے کلمۂ کفر کہہ لینا جائز ہے لیکن بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابتداء میں جان بچانے کے لیے بادل نخواستہ زبان سے کفر کا کلمہ کہہ لیتا ہے مگر جب دن رات کافروں کے ڈر سے کفر کے اقوال و اعمال کرنے پڑتے ہیں تو رفتہ رفتہ دل سے کفر کی کراہت اور نفرت کم ہوتی جاتی ہے یہاں آخر دل کفر پر جم جاتا ہے۔

چنانچہ واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ابتداء میں کوئی مسلمان کافروں کے دباؤ سے ان میں شامل ہو گیا اور دنیاوی مصالح اور منافع کے پیش نظر ان کے ساتھ ہو گیا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ انہی جیسا ہو گیا ((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اسألُكَ ایمانًا لایرتدُّ)) اور اگر بالفرض یہ شخص محض ظاہراً کافروں کے ساتھ رہا اور دل سے ان سے متنفر رہا اور بیزار رہا تو اس طرح سے یہ شخص تو دُنیا سے ایمان سلامت لے گیا لیکن آنے والی نسل تو ان کے ظاہر کا اتباع کرے گی اور ظاہراً و باطناً ملتِ کفر میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ آج کل بھارت میں فتنہ برپا ہے اللہ پناہ میں رکھے۔ اور جس طرح ہم نے اپنی کمال قدرت سے ان کو سلایا اور ان کو جگایا۔ اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع فرمایا تاکہ لوگ اس واقعہ سے جان لیں اور یقین کر لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ بعث اور حشر و نشر کے بارہ میں بالکل صحیح اور درست ہے اس لیے کہ اتنے عرصۂ دراز تک ان کا سونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے اور یقین کے ساتھ جان لیں کہ قیامت کے قائم ہونے میں ذرا شک نہیں وہ ضرور ہونے والی ہے اور ہر شخص اپنے اس جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا اس زمانہ کے لوگوں کو قیامت کے بارہ میں شک پیدا ہو گیا تھا کوئی اس کا انکار کرتا اور کوئی اس کا اقرار کرتا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی واقعۂ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف کی توفی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں تین سو نو (۳۰۹) برس تک ان کے بدن کو زندہ بلا تغیر کے قائم اور محفوظ رکھنے اور دوبارہ ان کے نفوس اور ارواح کو ان کے ابدان میں واپس کرنے پر قادر ہے وہی خدا ہزاراں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پیش قدرت کار ہا دشوار نیست عجز را با قدرتِ حق کار نیست

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اصحاب کہف کے اس حال سے اطلاع دی جب وہ آپ میں اپنے دین کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ قیامت ہوگی یا نہیں بعض اس کو ثابت کرتے تھے اور بعض اس کے منکر تھے کہ اعادہ معدوم کا کیوں کر ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ظاہر کر کے منکرین قیامت پر حجت قائم کر دی اور یہ ظاہر کر دیا کہ قیامت قائم ہوگی اور حشر روح اور جسم دونوں ہی کا ہوگا خلاصۂ کلام یہ کہ تنازع سے حشر و نشر اور قیامت کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے

ہیں ﴿اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ میں نزاع سے غار کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار کوئی عمارت بنا دینی چاہیے اور جو اہل ایمان تھے اور غالب تھے وہ یہ کہتے تھے اس جگہ کوئی عبادت خانہ بنا دینا چاہیے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس جب اہل کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگ کہنے لگے کہ ان کے غار پر کوئی عمارت بنوا دو اس عمارت سے مقصود یا تو یہ تھا کہ غار کا منہ بند ہو جائے اور ان کی لاشیں محفوظ ہو جائیں یا بطور نشانی ان کی یادگار قائم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اصحاب کہف کے احوال کے بارہ میں گفتگو کرتے رہے پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو تھک کر یہ کہا کہ ان کا پروردگار ہی ان کے صحیح حال کو خوب جاننے والا ہے غرضیکہ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے۔ موحد تھے مشرک نہ تھے اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث و نشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مؤمنین غالب ہوئے جو حشر و نشر اور قیامت کے قائل تھے اس لیے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ میں تنازع در بارۂ حشر و نشر مراد نہیں بلکہ اصحاب کہف کی موت اور حیات کے بارہ میں نزاع مراد ہے امرھم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب لوگ اصحاب کہف کے حال پر مطلع ہو گئے اور اصحاب کہف اپنے غار میں اپنی جگہ پر چلے گئے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ اصحاب کہف وفات پا گئے یا حسب سابق دوبارہ سو گئے کسی نے کہا سو گئے اور کسی نے کہا وفات پا گئے اور اس بارہ میں گفتگو کرتے رہے جب حقیقت حال منکشف نہ ہوئی تو تھک کر کہہ دیا ﴿رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ﴾ کہ خدا ہی کو ان کا صحیح حال معلوم ہے لہٰذا آیت میں تنازع سے یہ اختلاف مراد ہے کہ وہ غار میں جا کر دوبارہ سو گئے یا وفات پا گئے پھر اس نزاع سے فارغ ہوئے تو اس فکر میں پڑے کہ ان کی کوئی یادگار قائم کی جائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بیداری کے بعد اصحاب کہف کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ وفات پا گئے اور مر کر فنا ہو گئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ سو گئے اور ہنوز خواب استراحت میں ہیں اور ان کے اجسام محفوظ ہیں قیامت کے نزدیک جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت وہ بیدار ہوں گے اور غار سے نکلیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے مددگار بنیں گے جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے اور پھر قیامت سے پہلے ان کی موت آئے

گی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۸۸ جلد ۱۰)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۶۵ جلد ۶)

بہرحال کسی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اصحاب کہف اس واقعہ کے بعد زندہ رہے یا انتقال کر گئے اور انتقال کب ہوا اور اگر زندہ رہے تو کب تک رہے اور کب تک رہیں گے واللہ اعلم۔ نیز یہ امر بھی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اصحاب کہف کس نبی کی شریعت کے متبع تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ واللہ اعلم

خلاصۂ کلام یہ کہ جب بادشاہ کو اصحاب کہف کا حال معلوم ہوا تو ارکان دولت کو ساتھ لے کر غار پر پہنچا پہلے وہ شخص غار کے اندر گھسا جو کھانا لے کر آیا تھا مگر پھر اندر سے باہر واپس نہ آیا بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضاء وقدر نے راستہ بھلا دیا اور کوئی اندر نہ جاسکا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع ساتھیوں کے اندر داخل ہوا اور غار والوں سے جا کر ملا اور ان کو گلے لگایا اور باہر آنے کے بعد اس غار کا منہ بند کرا دیا اور بطور یادگار وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

اب یہ بھی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں اور چھٹا

كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ

ان کا کتا بن دیکھے نشانہ پتھر چلانا اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ

رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ

میرا رب بہتر جانے ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو تو مت جھگڑ ان کی بات میں

اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ ع ۳ ۵ ۱۵

مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا احوال ان میں کسی سے اور نہ کہیو

لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

کسی کام کو کہ میں کروں گا کل مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو

اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

جب بھول جاوے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سجھاوے اس سے نزدیک راہ نیکی کی

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ

اور مدت گزری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور اوپر سے نو تو کہہ

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ

اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے اسی کے پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے عجب دیکھتا

اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

سنتا ہے کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوا مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

ذکر اختلاف اہل کتاب دربارۂ شمار اصحاب کہف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ... اِلٰى ... وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾﴾

گزشتہ آیات میں لوگوں کے نزاع اور اختلاف کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں لوگوں کے دوسرے نزاع کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب جو علم کے مدعی ہیں اور بطور امتحان آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں وہ خود اصحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں مختلف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عنقریب اہل کتاب یہ قصہ سن کر ان کی تعداد کے بیان کرنے میں اختلاف کریں گے بعض تو یہ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض یہ کہیں گے کہ وہ پانچ آدمی تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں گروہ بے تحقیق باتیں کر رہے ہیں جیسے غائبانہ چیز پر بے دیکھے پتھر پھینکنا بے کار ہے اسی طرح یہ دونوں قول اٹکل پچو اور نا قابل اعتبار ہیں اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ سات آدمی تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اے نبی! آپ ﷺ ان اختلاف کرنے والوں سے کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ان کی شمار کو خوب جانتا ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول صحیح ہے یا سب غلط ہیں ان کی شمار کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں کیونکہ ان کی تعیین سے کوئی امر شرعی متعلق نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس اختلاف کے متعلق کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا مگر آیت سے بطور اشارہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ من وجہ تیسرا قول قدرے صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیسرے قول کو نقل کر کے اس کا رد نہیں فرمایا بلکہ اس پر سکوت فرمایا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی ان بعض میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا۔

پس اگر یہ لوگ اپنے اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ ﷺ ان کے بارہ میں اہل کتاب سے بحث نہ کیجیے مگر سرسری طور اس لیے کہ اوّل تو تعیین عدد پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض معلوم بھی ہو جائے تو کوئی معتدبہ فائدہ بھی نہیں اور ان کے متعلق اہل کتاب میں سے کچھ پوچھیے بھی نہیں جس قدر ضروری تھا وہ آپ ﷺ کو ہم نے بتلا دیا اور غیر ضروری امر کی تحقیق میں پڑنا بے کار ہے۔ بے کار چیزوں

میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔

شانِ نزول:

مشرکین مکہ نے یہود کے سکھانے سے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے آپ ﷺ کا خیال تھا کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئیں گے نزول وحی کے بعد میں ان کو بتلا دوں گا۔ جبرئیل امین علیہ السلام پندرہ دن تک نہ آئے آپ ﷺ بہت غمگین ہوئے تب یہ مفصل قصہ نازل ہوا اور اخیر میں یہ آیت اتری آپ ﷺ جب کبھی کسی سے کوئی وعدہ کیا کریں تو انشاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔ ؏

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اتنی سی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آئی چنانچہ فرماتے ہیں اے نبیؐ! آپ ﷺ کسی کام کے متعلق ہرگز نہ کہا کیجیے کہ میں اس کام کو کل کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر خدا نے چاہا تو کروں گا بغیر اس کی مشیت کے کچھ نہیں کر سکتا اس لیے کہ بندہ اپنے ارادہ اور اختیار میں مستقل نہیں بندہ کا اختیار اور بندہ کی قدرت، اللہ کی قدرت اور مشیت اور اختیار کے تحت ہے نہ اس کے برابر ہے نہ اس کے اوپر ہے نیز بندہ کو خبر نہیں کہ کل آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں کہ کل تک زندہ بھی رہے گا اور اگر زندہ بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اس کام کو بھی کر سکے یا نہیں اس لیے ضروری ہے کہ ''ان شاء اللہ'' کہے اور جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے خواہ ایک سال کے بعد تو انشاء اللہ کہہ کر اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کرو تاکہ گزشتہ غفلت اور بھول چوک کی تلافی ہو جائے اور یہ مطلب نہیں کہ اگر طلاق دینے کے ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہو گے تو طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ اس حکم سے عقود اور معاملات کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اللہ کے نام کی برکت اور اس کی مشیت پر نظر رکھنے کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

مقام اصحاب کہف

اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے بارے میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ غار بلادِ روم کے کسی پہاڑ کے اندر واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بلاد موصل میں نینویٰ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایلہ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقاء کے شہروں میں کسی جگہ ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس غار کا پتہ نہیں بتلایا کہ وہ کس ملک اور کس زمین اور کس شہر میں ہے کیونکہ اس سے ہمارا کوئی دینی اور دنیوی فائدہ متعلق نہیں شاید اس کے اخفاء میں اللہ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہو اگر اس کے بتلانے میں ہماری کوئی دینی یا دنیوی مصلحت اور منفعت ہوتی تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہم کو ضرور خبر دیتے کہ وہ غار کہاں واقع ہے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس غار کی صفت اور حالت کی تو خبر دے دی مگر اس کے مقام اور مکان کی خبر نہیں دی۔ لہٰذا ہمیں اس کے درپے نہ ہونا چاہیے اور بعض مفسرین نے تکلف کیا اور اس بارہ میں کچھ اقوال ذکر کیے جیسا کہ ابھی گزرے وہ سب تکلف ہیں۔ واللہ اعلم (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۷۵ جلد ۳)

امام رازی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف کا مقام اور ان کی جگہ معلوم نہیں کہ کہاں واقع ہے اس لیے کہ یہ بات عقل سے تو معلوم نہیں ہو سکتی کہ فلاں شخص کا مقام فلاں جگہ پر ہے اور اس کا مشاہدہ اور معائنہ بھی ممکن نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا

ہے کہ اس غار پر منجانب اللہ ایک رعب اور جلال ایسا ہے کہ ہیبت کے مارے کوئی اس غار کے اندر داخل نہیں ہوسکتا حق تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہے ﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ اگر آپ ﷺ ان کو جھانک کر دیکھیں تو ہیبت کے مارے پشت پھیر کر بھاگیں اور ان کی طرف سے خوف اور دہشت سے بھر جائیں۔ پس جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیبت اور جلال کی وجہ سے اس غار میں داخل نہیں ہوسکے تو اور کس کی مجال ہے کہ وہ اس غار میں داخل ہوسکے لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ میں یا فلاں شخص اصحاب کہف کو غار میں دیکھ کر آیا ہوں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غار وہ غار نہیں جس کی حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کیونکہ جب اس غار میں جھانکنا ممکن نہیں تو داخل ہونا کیسے ممکن ہوگا غرضیکہ عقل اور مشاہدہ سے اس غار کا معلوم کرنا ناممکن ہے اور حق تعالیٰ نے اس غار کے مقام اور مکان کا کوئی پتہ نہیں دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اصحاب کہف کے مقام اور مکان کے علم کی کوئی راہ نہیں نہ عقل سے اور نہ مشاہدہ سے اس بارہ میں کوئی نص قرآنی اور ارشاد نبوی ﷺ موجود نہیں جس سے اس غار کا مقام معلوم ہوسکے تو اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم (دیکھو تفسیر کبیر ❶ ص ۴۹۴ جلد ۵)

اور آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اے قریش! تم اصحاب کہف کے قصہ سے تعجب نہ کرو مجھے خدا تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ میری اس امر کی طرف راہنمائی کرے جو رشد اور صواب کے اعتبار سے اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہو اور میری نبوت کی قریب ترین دلیل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ اُمید سے بڑھ کر اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ واضح دلائل نبوت اور براہین رسالت آپ ﷺ کو عطا کیے کیونکہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ جس کا انہوں نے سوال کیا تھا وہ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل تھا کہ وہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر تھی اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ سے بڑھ کر اور بہت سی غیبی خبریں جن کا زمانہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم ہے وہ اور آئندہ ہونے والی باتیں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتلائیں اور آپ ﷺ نے ان غیبی خبروں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جو اصحاب کہف کے قصہ سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾ (ھود:۴۹)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لیے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو اس قصہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شئے کا آپ ﷺ سے سوال کریں گے جو آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کو بتلا دے گا۔ آیت کی یہ تفسیر زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

یا یہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا

---

❶ امام رازی رحمہ اللہ مقام غار کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

ثم قال القفال والذی عندنا لایعرف ان ذلك الموضع موضع اصحاب الکھف او موضع آخر والذی اخبرنا اللہ عنه وجب القطع به ولا عبرة بقول اهل الروم ان ذٰلك الموضع هو موضع اصحاب الکھف واقول العلم بذٰلك الزمان وبذلك المكان ليس للعقل فيه مجال وانما يستفاد ذٰلك من نص وذٰلك مفقود فثبت انه لاسبيل اليه اھ (تفسیر کبیر ص ۴۹۴ ج ۵)

کریں اور اگر کسی وقت بھول جائیں تو جب یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپ ﷺ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا درجہ اس سے بھی زیادہ کرے یعنی آپ ﷺ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے۔ (ماخوذ از موضح القرآن)

یا یہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو تو اللہ کو یاد کرلیا کرو اور یہ کہہ لیا کرو ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا﴾ یعنی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطا فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ﴾ (البقرہ:۱۰۶)۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

پھر اس تنبیہ کے بعد اصحاب کہف کے متعلق ایک بات بیان کر کے قصہ کو ختم فرماتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ﷺ سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ اصحاب کہف اپنی غار میں تین سو برس رہے اور ان تین سو برس کے علاوہ نو برس اور زیادہ ہیں اس کے بعد وہ خواب سے جگائے اور اٹھائے گئے اور آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ پوری طرح اللہ ہی کو خوب معلوم ہے جتنی مدت وہ غار میں ٹھہرے اسی کو تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے اس پر اصحاب کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے عجیب دیکھنے والا اور عجیب سننے والا ہے۔ ظاہر و باطن قریب اور بعید سب اس کے سامنے یکساں ہے آسمان اور زمین والوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا اس لیے لازم ہے کہ کوئی اس کے غیب میں دخل نہ دے اور جتنی بات اس نے بتلا دی ہے اس پر اکتفاء کرے اور اپنی طرف سے کوئی بات رجماً بالغیب نہ کہے۔

وَ اتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ كِتَابِ رَبِّكَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ۟ وَ
اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب سے اس کی کتاب کو کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور
لَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ
کہیں نہ پاوے گا تو اس کے سوا چھپنے کو جگہ اور تھام رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں
رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ
اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو
تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ
چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے
ذِكۡرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۟ قف
اپنی یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ہم نے رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے

نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

آگ، جو گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ،

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بھون ڈالے منہ کو کیا بُرا پینا ہے اور کیا برا آرام جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ج

یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے نیگ اس کا جس نے بھلا کیا کام

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ

ایسوں کو باغ ہیں بسنے کے بہتی ان کے نیچے نہریں پہناتے ہیں

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ

ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ

ریشم کے لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب

۴ ع ۹ ۱۶ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

آرام

حکم تلاوت قرآن و مدارات درویشان وخرقہ پوشان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ... الی... وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع﴾

ربط: شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فناء وزوال کو بیان کیا پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا جنہوں نے دنیا پر لات ماری اور مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے بالآخر کامیاب ہوئے اور ظالم اور متکبر دنیا سے رخصت

ہوئے اب اصحاب کہف کے قصہ کے بعد پھر اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیتے ہیں جس میں دشمنانِ اسلام کے سوالات کے جوابات نازل ہوئے جس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوئی اور پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمار اور سلمان اور صہیب اور بلال اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے درویشوں کو جو زہد و قناعت اور صبر اور استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھئے اور اہل دُنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجیے اور جو لوگ اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجیے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دُنیا کی طرف التفات نہ کیجیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوتِ قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الٰہی کے طالب ہوئے ہیں اور صبح و شام عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے احتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اوّلین تھے جو کثرت عبادت و اطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے تھے یہ ان کا عظیم وصف تھا۔ وھٰذا ھُوَ المقصود

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی بات کو سنیں اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں تو جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپؐ ان فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں ہمارا اور ان کا مل کر بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے ان کے جبوں اور کپڑوں سے بُو آتی ہے یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو ان کی درخواست قبول کرنے سے منع کر دیا اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپؐ ان متکبرین اور مغرورین کی بات کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں اور ان درویشان اسلام کی صحبت اور مجالست کو برقرار رکھیں اور ان سے اپنی نظر التفات نہ ہٹائیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان اہل غفلت کے کہنے سے آپ ﷺ ان فقراء مؤمنین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں اور نہ اٹھائیں ان متکبرین کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کے برابر بیٹھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ان کی یہ درخواست قابلِ منظوری نہیں اصل عزت والے یہ فقراء صادقین ہیں اور یہ مغرورین اور متکبرین اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور اسی مضمون کی ایک آیت سورت انعام میں گزر چکی ہے ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (الانعام: ۵۲) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ تک یہی مضمون چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! آپ ﷺ اپنے پروردگار کی اس کتاب کو جو بذریعہ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کو پڑھتے رہیے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور لوگوں تک اس کو پہنچائیے یہی آپ ﷺ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجیے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے اسلام کو ترقی ہو گی ان پر دین کی ترقی کا دار و مدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں ہم آپ ﷺ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موافقت یا مخالفت وعدۂ الٰہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی ہیں کہ کافروں کے اس قول کی پرواہ نہ کیجیے جو یہ کہتے ہیں ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی

مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں اور بجز ذات خداوندی کے آپ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ زمین کی چیزیں اور تمام اسباب تجمل فقط دُنیا کی زینت ہیں نہ کہ آخرت کی اور دُنیا کی زینت فانی اور سریع الزوال ہے اس سے دل بستگی نہ چاہیے عاقل کا کام دار آخرت کی فکر ہے اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ جو شاہی خاندان کے افراد تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے دنیا کی زینت کو چھوڑ کر اپنے دین کو لے کر بھاگ نکلے اور غار میں جا چھپے اب اس کے بعد اشرافِ مکہ کے متعلق ایک ہدایت فرماتے ہیں رؤساء مکہ دنیا کی زینت پر فریفتہ تھے اور اسبابِ دُنیا کے غرور میں ان کو فقراء مسلمین کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے ان رؤساء نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ جس وقت ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں اس وقت یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس نہ آیا کریں آپ ﷺ ہمارے لیے علیحدہ مجلس رکھئے اور ان درویشوں کو اس مجلس میں ہمارے ساتھ شریک نہ کیجیے یہ لوگ صوف کے جُبّے پہنے رہتے ہیں اور ان میں ان کو پسینہ آتا ہے اور اس سے بدبُو آتی ہے اور ہم شرفاء اور سادات حضَر ہیں اگر ہم اسلام لے آئے تو ہماری تقلید میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے غرضیکہ سردارانِ قریش نے ان جبہ پوشوں اور کمبل والوں کے پاس اور ان کے ساتھ بیٹھنا کسر شان سمجھا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت یہ خیال آیا ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غرباء کو علیحدہ کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ تو سچے اور پکے مسلمان ہیں ہی اگر سردارانِ قریش اس طرح اسلام میں داخل ہو جائیں تو یہ اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے نبیؐ! آپ ﷺ ان اہلِ دُنیا کی ذرا برابر پرواہ نہ کیجیے بلکہ اپنی نشست و برخاست میں ہمہ تن اپنے آپ کو ان لوگوں میں مقید اور پابند رکھیے جو صبح و شام یعنی شروع دن سے لے کر اخیر دن تک اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر اور عبادت سے فقط رضائے خداوندی کے طالب ہیں اس سے ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں اور چاہیے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں ان فقراء مسلمین سے نہ پھر جائیں یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی وقت آپ ﷺ کی نظر التفات ان اہل دنیا کی طرف پھر جائے گویا کہ آپ ﷺ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی آرائش کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ امیروں کی دلجوئی کے لیے فقیروں کو پاس نہ آنے دینا بھی ایک قسم کی دنیا کی زینت کی رعایت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہے حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اپنے نبی کو کافروں کی اس قسم کی دلجوئی سے منع فرما دیا کیونکہ مجلس اور مجالست میں امیروں اور فقیروں میں فرق اور امتیاز قائم کرنا بظاہر حیات دنیا کی زینت کی رعایت ہے ورنہ عقبی اور آخرت کی راہ سے فقراء اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ شاہان دنیا کو بھی حاصل نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے بتا دیا کہ یہ متکبرین ایمان لانے والے نہیں ان کا ایمان محض موہوم اور محتمل ہے اور محض موہوم اور محتمل فائدہ کی خاطر محبین مخلصین کے احترام اور دلجوئی کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے نیز غریبوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اس طرز عمل کو دیکھ کر نبی سے بدگمان نہ ہو جائیں اور اسلام کے قبول کرنے میں تردّد کرنے لگیں اور چند متکبرین کے اسلام لے آنے میں اسلام کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ اس بدگمانی سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ ان فقراء اور درویشانِ اسلام کی پہلے سے زیادہ خاطر داری اور مدارت کرنے لگے اور خاص طور پر ان کے پاس آکر بیٹھتے اور یہ فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں ایسے (چیدہ اور پاکیزہ) لوگ بنائے کہ جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھ کو حکم دیا میری زندگانی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

مسئلہ عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے یہ آیت بلال اور عمار اور صہیب اور خباب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جو صوف [1] کے جبّے پہنے ہوئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جُبّہ درویشانِ اسلام کا لباس ہے اسی لیے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جو ازراہ تواضع و درویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

اور مت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیائے دوں کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہمہ تن اپنی نفسانی خواہش کا تابع اور پیرو ہو گیا ہے نفس کا بندہ (غلام) بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اس کو لے جاتا ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے ذلت اور عزت سے اس کو کوئی بحث نہیں اور اس کا کام حدِ اعتدال سے گزر رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کا کہنا نہ مانیے اور ان کے کہنے سے فقراء صادقین اور اہل ذکر مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹائیے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجیے اور ان اہل غفلت اور اہل ثروت سے صاف کہہ دیجیے کہ یہ دین حق تمہارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے جو مشعلِ ہدایت ہے پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے خدا تعالیٰ کو نہ تمہارے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ تمہارے کفر سے ڈر ہے تمہارے کہنے سے میں ان فقراء صادقین ذاکرین مخلصین کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا اور جو حق کا کافر اور منکر ہو وہ قابلِ التفات نہیں اور یہ کلام بطور تہدید اور تخویف ہے نہ کہ بطور تخییر و اباحت' اس کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے اخروی درکات اور درجات کو بیان فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے وہ ان کی منتظر ہے اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں گے اس کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اگر وہ پیاس سے چلائیں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا [2] یا تیل کے تلچھٹ کی مانند ہوگا جو برتن کی تہہ میں رہ جاتا ہے اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ کو بھون ڈالے گا اور وہ دوزخ بہت ہی بری آرام گاہ ہوگی اور وہ پانی بہت ہی بُرا ہوگا۔

اب ان اشقیاء کے بعد سعداء کا حال اور مآل ذکر کرتے ہیں تحقیق جو لوگ اس حق پر ایمان لائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر بھیجے گئے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق اچھے عمل کیے تو بلا شبہ ایسے نیکوکاروں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جو بادشاہوں کی زینت ہے۔

زاد المسیر میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لیے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا ایک موتی کا اور ایک یاقوت کا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا اور ایک احتمال

---

[1] تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں: قالوا یا رسول اللہ انک لو جلست فی صدر المجلس ونحیّت عنا ھٰؤلاءِ لا رواح کانت بھم وکانت علیھم اقبیة صوف لم یکن علیھم غیرھا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۹۰ جلد ۱۰)

[2] مہل کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مہل کے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مہل کے معنی تیل کی تلچھٹ کے ہیں اس لیے ہم نے لفظ ''یا'' بڑھا کر دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

یہ بھی ہے کہ گاہے چنیں اور گاہے چناں ہو مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے محلوں اور باغوں اور عیش و عشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت و خواری میں ہوں گے اور سبز کپڑے پہنیں گے باریک ریشم کے اور دبیز ریشم کے، اور کافروں کو گندھک کے کرتے پہنائے جائیں گے تکیہ لگانے والے ہوں گے تختوں پر جیسا کہ امیروں کی عادت ہے مطلب یہ ہے کہ غایت درجہ عیش و آرام میں ہوں گے کیا خوب جزاء ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی اور جنت خوب آرام گاہ ہے یا وہ تخت خوب تکیہ گاہ ہیں جن پر یہ درویشان اسلام شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے، اب آئندہ آیات میں دُنیا کے چاہنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

اور بتا ان کو کہاوت دو مردوں کی بنا دیئے ہم نے ایک کو دو باغ انگور کے

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ

اور گرد اُن کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی دونوں باغ لاتے

اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۳۳ وَّكَانَ

اپنا میوہ اور نہ گھٹاتے اس میں سے کچھ اور بہائی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر اور اس کو

لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ

پھل ملا پھر بولا اپنے دوسرے سے جب باتیں کرنے لگا اس سے مجھ پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور

اَعَزُّ نَفَرًا ۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ

آبرو کے لوگ اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر بولا مجھ کو نہیں آتا خیال

اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۳۵ ۙ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ

میں کہ خراب ہو یہ باغ کبھی اور مجھ کو خیال میں نہیں آتا کہ قیامت ہونی ہے اور اگر کبھی

رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۳۶ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

پہنچایا مجھ کو میرے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے اس طرف پہنچ کر۔ کہا اس کو دوسرے نے

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہوگیا اس شخص سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے پھر بوند سے

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ ۭ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد پر میں تو کہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہ مانوں ساجھی اپنے رب کا کسی کو

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

اور کیوں نہ جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کہا ہوتا؟ جو چاہا اللہ کا کچھ زور نہیں مگر دیا اللہ کا

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ ۚ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ

میرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک بھبوکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جاوے

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

میدان پٹپڑ۔ یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ سکے تو کہ اس کو ڈھونڈ لاوے

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰي مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ

اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ ڈھیا پڑا تھا

عَلٰي عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ

اپنی چھتریوں پر اور کہنے لگا کیا خوب تھا اگر میں ساجھی نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو اور نہ

تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ ۭ

ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کو اللہ کے سوا اور نہ ہوا وہ کہ بدلہ لے سکے

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع ۱۳/۱۷

وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلہ۔

بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ... الی... هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ﷺ ان درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان متکبرین کے سنانے کے لیے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لیے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مال و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مؤمن اور درویش تھا مالدار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلۂ عالم کو قدیم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی اس کو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کارخانۂ عالم کی باگ ڈور اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری نہ کر مبادا کہ کوئی بلا نازل ہو جائے چنانچہ اس پر ایک بلا آسمانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ اجڑ گیا اور مالکِ باغ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا تب اس کی آنکھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ایک طالب دُنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرماتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اموال کی کثرت اور اعوان و انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ دم کے دم میں تونگر فقیر ہو جائے اور فقیر تونگر ہو جائے۔ قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی ﷺ! دُنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لیے دو شخصوں کا قصہ بیان کر۔ وہ دو آدمی تھے آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا یعنی ان کے ہر چار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی یعنی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے قسم قسم کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں باغوں کو ہمیشہ پانی پہنچاتی اور اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے لیے اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ثمر سے مال مراد ہے یعنی سوائے ان دو باغوں کے اس کے پاس اور بھی قسم قسم کا مال تھا یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھا پس یہ مالدار کافر اپنے ساتھی یعنی مؤمن بھائی سے جو غریب تھا بولا درآں حالیکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی یہ کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا دونوں میں باہم گفتگو ہو رہی تھی اثناء گفتگو میں اس کافر بھائی نے فخراً کہا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مالدار کافر اپنے غریب مؤمن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور ان کی پیداوار اور مال و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا درآں حالیکہ وہ اپنے کفر اور فخر کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔ فخر اور

خود بینی کی وجہ سے اور پھر دُنیا کی محبت کے سبب سے مؤمن بھائی نے اس کو فخر اور کفرانِ نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑے۔ کفار کا ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہے کہ ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہیں گے اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بفرض محال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا اور اس سے بہتر دے گا اکثر کفار اور اغنیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیاوی عزت و راحت کو اپنے مقبول خداوندی اور مکرم عند اللہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے بزبانِ قال تو نہیں بزبان حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور عملاً فقراء اور غرباء کی مجالست سے عار کرتے ہیں اس کی یہ باتیں سن کر اس سے اس کے دیندار نادار ساتھی نے اثناء گفتگو میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے نکالا جبکہ تو مردہ بدست زندہ تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا ماں اور دایہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا پھر خدا نے تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھے اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مر جاؤں گا اور مر کر مٹی ہو جاؤں گا تو وہ مجھے کیسے دوبارہ پیدا کرے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے یہی میرے دل میں ہے اور یہی میری زبان پر ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا نہ اعتقاد میں نہ قول میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی اثبات ہے کیونکہ جو ذات پاک عالم کی خالق اور مربی ہے وہ اس عالم کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو یہ کہا ہوتا کہ جو خدا نے چاہا وہی قابل شدنی ہے بغیر اللہ کی مشیت کے کسی میں قوت اور زور نہیں یعنی باغ کو دیکھ کر تجھے چاہیے تھا کہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتا اور دل و جان سے یہ کہا ہوتا کہ یہ سب کچھ باغ و بہار اللہ کی مشیت اور اس کے فضل سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد رکھے اور چاہے تو اس کو اجاڑ دے وہ ہر طرح سے قادر ہے بندہ میں قدرت نہیں کہ باغ کو اور اس کی بہار کو قائم رکھ سکے اسی طرح زندگی کی باغ و بہار، امیری اور فقیری سب اس کی مشیت سے ہے دم کے دم میں امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا سکتا ہے زجاج کہتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ جو نعمت اور مال و دولت اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو تھام سکے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

فائدہ: جو شخص اپنے باغ میں یا مکان میں داخل ہوتے وقت ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کہے تو وہ باغ اور مکان بلا اور آفت اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

حکایت: امام دار الہجرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ لَوْ لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾۔

اس نصیحت کے بعد اس غریب مسلمان بھائی نے اس کے تکبر اور فخر کا جواب دیا اور کہا اگر آج تو مجھے مال اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتا ہے تو تجھ کو زیبا نہ تھا کہ تو مجھ پر بڑائی اور تکبر ظاہر کرنے لگے پس کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار دنیا یا آخرت میں یا دونوں جگہ مجھ کو تیرے سے بہتر باغ دے دے اور اس تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا اور آفت بھیج دے جس کا تجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہو پھر وہ تباہ ہو

کردفعۃً چٹیل میدان ہوجائے جس پر گھاس کا بھی نام ونشان نہ ہو یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے تو اس کو ڈھونڈ کر بھی واپس نہ لاسکے یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو بات اس مردِ مؤمن کی زبان سے نکلی تھی وہ سچ کردی۔ اور بلا سبب ظاہری کے دفعۃً اور ناگہانی طور پر آسمان سے ایک آفت آئی جس سے وہ باغ تباہ ہوگیا اللہ نے آسمان سے اس باغ پر ایک آگ بھیجی جس نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کردیا اور اس کا پانی زمین کے نیچے اتر گیا اور اس باغ کا سارا پھل عذاب آسمانی کے گھیرے میں لے لیا گیا اور غیب سے ایسی تباہی آئی کہ وہ باغ اور درخت اور عمارت سب خراب اور مسمار ہوگئے پس صبح کی اس کافر نے اس حالت میں کہ کفِ افسوس ملتا تھا اس مال پر جو اس نے اس باغ میں صرف کیا تھا۔ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا کہ اب ہاتھ میں سوائے افسوس اور حسرت کے کچھ نہیں رہا اور اس باغ کی عمارتیں اپنی چھتوں پر گر پڑی تھیں اور وہ اس حال کو دیکھ کر کفِ افسوس ملتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا یعنی جب اس کا باغ جل گیا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کے کفر وشرک کی سزا تھی اپنے کیے کفر پر نادم ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مؤمن ہوگیا اس لیے کہ یہ ندامت خوف خداوندی اور کفر کی قباحت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک دنیاوی مصیبت اور آفت کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا ایسی تمنا بیکار ہے اور نہ ہوئے اس کے لیے اعوان وانصار اور حشم وخدم کی کوئی جماعت بجز خدا کے جو اس کو مدد دے اور نہ وہ خود اپنا بدلہ لینے پر قادر تھا۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ کارسازی اور اختیار صرف خدائے برحق کے لیے ہے کیونکہ مصیبت کے وقت جزع وفزع صرف اللہ کی طرف کرنا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ خدائے برحق وہی ہے کہ جس کو سارا اختیار ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے اور عارضی چیز پر فخر کرنا نادانی ہے وہ اہل طاعت کو انعام اور جزا دینے میں سب سے بہتر ہے اور اسی کی اطاعت کا انجام سب سے بہتر ہے۔ یعنی انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل طاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ان کی تعیین میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی بنی اسرائیل میں سے تھے اور انہی دو بھائیوں کا قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والصافات میں ذکر کیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ كَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ... الخ﴾ اور بعض کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے قبیلۂ مخزوم کے دو بھائیوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی جن میں سے ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور مقصود یہ ہے کہ مال ودولت پر فخر کرنا اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھنا بہت ہی بُرا ہے اصل عزت حق تعالیٰ کے تعلق اور اس کی اطاعت میں ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۰۰ جلد ۵ و تفسیر قرطبی ص ۳۹۹ جلد ۱۰)

فائدہ: حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اکثر اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے دُور رکھتا ہے اور کافروں کو دنیا کی عیش وآرام سے خوب نوازتا ہے اور اہل ایمان پر بلائیں نازل کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کے فتنہ میں مبتلا ہوجائیں گے تو ہم کافروں کو اتنا مال ودولت دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کردیتے' قاعدۂ اکثریہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر توڑ دینے کے لیے کوئی بلاء آسمانی اس کے مال ودولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہوجائے کہ یہ دنیا ہیچ ہے اور امیری اور فقیری سب اس کے ہاتھ میں ہے وہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے متکبر اور سرکش کو محتاج اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور بتا ان کو کہاوت دنیا کی زندگی کی، جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ

پھر بھڑ کر نکلا اس سے زمین کا سبزہ، پھر کل کو ہو رہا چورا باؤ میں اڑتا اور

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت مال اور بیٹے رونق ہیں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

دنیا کے جیتے اور رہنے والی نیکیوں پر بہتر ہے تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر ہے

اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ

توقع اور جس دن ہم چلا دیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کھل گئی اور گھیر بلاویں ان کو

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

پھر نہ چھوڑیں ان میں ایک کو اور سامنے لائے تیرے رب کے قطار کر کر اور آپہنچے تم ہمارے پاس،

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں تم بتاتے تھے کہ نہ ٹھہراویں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ

اور رکھا جاوے گا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگار ڈرتے ہیں اس کے بیچ لکھے سے اور کہتے ہیں

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ

اے خرابی! کیسا ہے یہ لکھا؟ نہ چھوڑے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات مگر

اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۶ ۵ ۱۸

جو اس میں نہیں گھیری اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔

دُنیا کے فناء وزوال کی ایک مثال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ... الٰی... وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾

ربط: گزشتہ آیات میں دوشخصوں کی مثال بیان کی تھی جس سے دُنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتلانا مقصود تھا۔ اب پھر دُنیا کی بے ثباتی کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دُنیا کی اندرونی حقیقت ظاہر ہوجائے اور لوگ اس کی ظاہری زیب وزینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی ظاہری آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا ہیچ ہے قابل فخر نہیں۔ قابل فخر اور قابل شکر باقیات صالحات یعنی اعمالِ صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش ہیچ ہے دنیا تو خسیس ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزینہ تیار کریں اور وہ خزانہ اعمال صالح کا ہے دیکھ لو کہ ابلیس تکبر اور اپنی اصل پر غرور کی وجہ سے کیسا ذلیل وخوار ہوکر نکلا اور آخر میں فرمایا کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کو دیکھ لیں کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کیسے ہلاک ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ متکبرین ایک حقیر اور فانی چیز پر فخر کررہے ہیں حالانکہ ایک خسیس اور سریع الزوال چیز پر فخر کرنا نادانی ہے پھر قیامت کے ہولناک منظر کو بیان کیا کہ اس دنیا کے فناء وزوال کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آئے گا دنیا کی مال ودولت کچھ کام نہ آئے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! آپ ﷺ ان کافروں کے لیے جو اموال واولاد پر فخر کرتے ہیں دُنیاوی زندگی کی مثال بیان کردیجیے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہوجاتی ہے وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوئی جس سے وہ زمین تروتازہ اور سرسبز وشاداب ہوگئی اور خوشنما معلوم ہونے لگی پھر آخرکار وہ خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہوگئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے وہی اپنی قدرت سے سبزہ اگاتا ہے اور پھر اس کو خشک کرکے ہوا میں اڑاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اول اول سبزہ اور کھیتی کی مانند تروتازہ اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اور خوب بہار دکھلاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد سبزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور دائیں اور بائیں ہوائیں اس کو اڑا لے جاتی ہیں اسی طرح چند روز بعد یہ دنیا بھی فنا ہوجائے گی۔ لہٰذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقل کا کام نہیں خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل واولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے فناء کرنے پر بھی قادر ہے مال اور بیٹے جن پر یہ کافر اتراتے ہیں اور فخر کرتے ہیں محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں زادِ آخرت نہیں اور ایسی چیز پر دل لگانا اور فخر کرنا جو چند روز کے بعد زائل ہوجائے اور آخرت میں کچھ کام نہ آئے عاقل کا کام نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی کھیتی ہے اور اعمالِ صالحہ آخرت کی کھیتی ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی وہ اعمالِ صالحہ جو خالص اللہ کے لیے کیے گئے ہوں اور طمع اور غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو وہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے خوب تر ہیں اور باعتبار امید اور توقع کے بہتر ہیں یعنی اعمالِ صالحہ پر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک عمل کرے گا وہ بہشت میں من مانی مراد پائے گا اس کے سوا تمام امیدیں موہوم ہیں اعمال صالحہ کا ثمرہ دائمی اور باقی ہے اور غیر اعمال صالحہ کا نتیجہ وقتی اور عارضی ہے۔

باقیات صالحات کی تفسیر میں سلف اور خلف سے مختلف اقوال منقول ہیں: **(قول اوّل)** ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ

باقی رہنے والی نیکیاں ﴿سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ یہ کلمات ماثورہ ہیں۔اور اس کی تائید مرفوع حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

(قول دوم) باقیات صالحات سے نماز ہائے پنجگانہ مراد ہیں۔

(قول سوم) باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جن کے ثمرات ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کنواں یا سرائے یا باغ یا کھیت خدا کے لیے وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح یا عالم باعمل چھوڑ جائے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں راجح اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ ﴿سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ وغیرہ وغیرہ اور تمام پاکیزہ اقوال اور افعال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبری اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تلقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اس کے لیے تیاری کریں اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کے لیے چند انواع کا ذکر فرمایا۔

(نوع اول) ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾ اور اس دن کو یاد کرنا چاہیے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو ان کی جگہوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقاء لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے ان کو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

(نوع دوم) ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چٹیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان پوری طرح زمین قاع صفصف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نچائی کسی چیز کا اس پر نام ونشان نہ ہوگا زمین کے مردے اور اس کے خزینے اندر سے نکل کر سب باہر آجائیں گے غرضیکہ اس دن زمین صاف ہموار میدان بن جائے گی اور کوئی چیز زمین کے جوف (پیٹ) میں نہ رہے گی اس کا اندرونی جوف سب ظاہر ہو جائے گا۔

(نوع سوم) اور اس دن ہم سب لوگوں کو میدان حشر میں حساب وکتاب کے لیے جمع کریں گے پھر ہم اولین وآخرین میں سے بغیر جمع کیے کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہاں نہ لایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ بھول چوک ممکن ہے نہ عجز ممکن ہے ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (الواقعہ:۴۹)

(نوع چہارم) ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ اور اس دن تمام اولین وآخرین حساب کے لیے تیرے پروردگار کے روبرو کھڑے کیے جائیں گے یعنی اس دن تمام لوگ حساب کے لیے احکم الحاکمین کے روبرو کھڑے کیے جائیں گے۔

کما قال الله تعالیٰ: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

(نوع پنجم) ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پھر پیش ہونے کے بعد منکرین قیامت کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا البتہ تحقیق تم آج ہمارے حضور میں حاضر ہوئے ہو بے حشمت و وقار اور بے خدمت گار اور بے مال ومنال اور بے کرتے پاجامے ننگے بے پروبال جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب تو تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم کو یقین آ گیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اموال واولاد اور وہ باغات ومکانات جن پر تم فخر کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز اس وقت

تمہارے پاس نہیں جس طرح پہلی مرتبہ تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اسی طرح پھر تم کو پیدا کیا گیا ہے تم کو چاہیے تھا کہ پہلی ہی مرتبہ کی پیدائش دیکھ کر تم دوسری مرتبہ کی پیدائش کے قائل ہو جاتے مگر تم قائل نہ ہوئے بلکہ تم نے دنیا میں یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے حساب کے لیے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے یعنی تم قیامت کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیاوی حیات پر مغرور اور مفتون تھے اس لیے تم نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور آخرت کے ماننے والوں پر طعن کیا اور ان کو ذلیل وخوار جانا اور بے یار و مددگار سمجھ کر ان کو ستایا تمہارا سارا گھمنڈ ختم ہوا اب خالی ہاتھ آئے ہو اس وقت اللہ کے آگے ننگے پاؤں اور ننگے بدن اور غیر مختون محشور ہوئے ہو یعنی ختنہ کے وقت تمہارے بدن کی جو ذرا کھال کٹ گئی تھی وہ بھی واپس کر دی گئی۔ دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(نوع ششم) ﴿وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ﴾ اور اس دن ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پس تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ خوف سے ڈرنے والے اور کانپنے والے ہوں گے ان جرائم کی سزا کے ڈر سے جو ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو مگر سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کراماً کاتبین نے ایک ایک ذرہ لکھ دیا ہے کوئی چیز چھوڑی نہیں یہ بات وہ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ کر کہیں گے۔

(نوع ہفتم) ﴿وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور جو انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب اس نامۂ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائیں گے تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اس وقت جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ سب تمہارے عمل کا پھل ہے۔ ؎

گندم از گندم بروید جوز جو … از مکافات عمل غافل مشو

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس تھا

الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ

جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے سو اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق

دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ

میرے سوا اور وہ تمہارے دشمن ہیں برا ہاتھ لگا بے انصافوں کو بدلہ دکھا نہیں لیا میں نے ان کو

خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

بنانا آسمان و زمین کا اور نہ بنانا ان کا اور میں وہ نہیں کہ پکڑوں

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

بہکانے والوں کو بازو اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتاتے تھے

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَ رَاَ

پھر پکاریں گے پھر وہ جواب نہ دیں گے اور کردیں گے ہم ان کے بیچ مرنے کا اسباب اور دیکھیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا

گنہگار آگ کو پھر اٹکلیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں اور نہ پاویں گے اس سے

مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط ع ۱۹

راہ بدلنی اور پھیر پھیر سمجھائی ہم نے اس قرآن سے لوگوں کو ہر ایک کہاوت

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا

اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑنے کو اور لوگوں کو اٹکاؤ جو رہا اس سے کہ یقین لاویں

اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ

جب پہنچی ان کو راہ کی سوجھ اور گناہ بخشواویں اپنے رب سے سو یہی کہ پہنچے ان پر رسم

الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

پہلوں کی یا آ کھڑا ہو ان پر عذاب سامنے اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو

مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ج وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

خوشی اور ڈر سنانے کو اور جھگڑے لاتے ہیں منکر جھوٹے جھگڑے

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ مَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَ مَنْ

کہ ڈگاویں اس سے سچی بات اور ٹھہرایا ہے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے ٹھٹھا اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهِ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ

ظالم اس سے جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے، پھر منہ پھیرا اس کی طرف سے اور بھول گیا جو آگے بھیج چکے ہیں اس کے

يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ

ہاتھ ہم نے رکھی ہے ان کے دلوں پر اوٹ کہ اس کو نہ سمجھیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ

وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ

اور جو تو ان کو بلاوے راہ پر، تو ہرگز نہ آویں راہ پر اس وقت کبھی اور تیرا رب

الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ ؕ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ

بڑا بخشنے والا ہے مہر رکھتا اگر ان کو پکڑے ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر

الۡعَذَابَ ؕ بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ

عذاب پر ان کا ایک وعدہ ہے کہیں نہ پاویں گے اس سے ورے سرکنے کو جگہ اور

ع ۸ ۲۰ تِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

یہ سب بستیاں جن کو ہم نے کھپا دیا، جب ظالم ہوگئے اور رکھا تھا ان کے کھپنے کا ایک وعدہ۔

غرور اور تکبر کا حال اور مآل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ... الى ... وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا﴾ ﴿۵۹﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل دولت کے غرور اور تکبر کا حال بیان کیا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی تکبر ہے جس کا آغاز ابلیس لعین سے ہوا اور تواضع اور نیاز مندی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا بھی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا یہ تمہارے باپ کا طریقہ ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلو پس خوب سمجھ لو کہ جو دولت مند کفر کرتے ہیں اور اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور فقراء مسلمین اور درویشان اسلام کو حقیر سمجھتے ہیں وہ سب ابلیس لعین کے مقتدی اور متبع ہیں جس طرح شیطان نے غرور کیا اور آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا اسی طرح یہ مال دار مشرک غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں ابلیس کے انجام کو دیکھ لیں اور اپنے انجام کو سوچ لیں۔

ربط دیگر کہ انسان کی غفلت اور سرکشی کے دو سبب ہیں ایک تو دُنیا کی مال و دولت (اس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے) اور دوسرا سبب اغواء شیطانی ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بنی آدم کو ابلیس کی عداوت پر آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا قدیمی دشمن ہے اس سے ڈرتے رہنا اور بچتے رہنا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو بطور تحیت و تکریم سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے

سب نے سجدہ کیا اس نے آدم علیہ السلام کے شرف اور کرامت کو تسلیم نہ کیا اور اس نے اس لیے سجدہ نہ کیا کہ وہ قوم جن سے تھا عنصر ناری کے غلبہ سے وہ علو اور تکبر کی طرف مائل ہوا پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر نکل گیا اور آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن ہو گیا تو بنی آدم! جس کا یہ حال ہے کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے جانی دشمن ہیں اور میں نے تو اس لعین کو تمہارے باپ کی وجہ سے اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا پھر مجھے چھوڑ کر ایسے دشمن کو اور اس کی ذات کو کیوں اپنا دوست بناتے ہو ظالموں کے لیے یہ بہت ہی برا بدل ہے یعنی کیا یہ ظلم نہیں کہ جس ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین نے تم کو مکرم اور مشرف کیا اسے چھوڑ کر اس جدی دشمن کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابلیس کے بیوی بچے بھی ہیں اس لیے کہ ذریت بغیر جورو نہیں ہوتی اس قسم کے اقوال زیادہ تر مجاہد اور شعبی اور اعمش رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں اور بعض مرفوع حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کو چھوڑ کر اپنے آبائی دشمن کو دوست بنانا بہت ہی بُرا بدل ہے۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اور ظاہر ہے کہ دوست کو چھوڑ کر آبائی دشمن کو اپنا دوست بنانا بڑا ہی ظلم ہے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم نے اپنا ولی اور متولی بنایا ہے وہ سب کے سب تمہاری طرح میرے بندے اور غلام ہیں کسی چیز کے مالک نہیں اس لیے کہ میں نے ان شیطانوں کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اپنی مدد اور مشورہ کے لیے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت ان کو بلایا تھا کہ بلا کر ان سے پوچھا ہوتا کہ تم کو کیسا بنایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے آسمان اور زمین اور تمام مخلوقات کو خود اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے ان کی پیدائش میں میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور اگر بفرض محال مدد بھی لیتا تو میں ان بدبخت اشقیاء گمراہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے والا نہیں جنہیں جانتا ہوں کہ میری راہ سے بہکانے والے ہیں مطلب یہ ہے کہ کجا یہ شیاطین و کفار اور کجا آفرینش پروردگار قادر مطلق کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت اور جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اس کی حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی اس دن خدا تعالیٰ بالواسطہ فرشتوں کے مشرکوں سے کہے گا کہ جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے بلند آواز سے ان کو اپنی امداد کے لیے پکارو تا کہ تمہارے زعم کے مطابق وہ تمہاری مدد اور سفارش کریں پس وہ ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے سو وہ شرکاء ان کی بات کا کوئی جواب بھی نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے اور اس وقت ان گمراہوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ بالکل عاجز ہیں اور ان کو سفارش وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام جیسی مقبولان خداوندی بجائے سفارش کرنے کے ان کافروں سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار فرمائیں گے کہ ہم ان گمراہوں کے فعل سے بالکل بے خبر ہیں اور نہ ہم ان کے اس شرک پر راضی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اہل محشر کے سامنے ان گمراہوں کو بطور ملامت و توبیخ یہ حکم دے گا کہ جن کو تم شرکاء گمان کرتے تھے ان کو پکارو تا کہ تم کو اس عذاب سے چھڑوائیں اور تمہاری کچھ مدد کریں یہ لوگ پکاریں گے اور جواب نہ پائیں گے تو خوار اور نا اُمید ہو کر رہ جائیں گے اور پھر ہم ان عابدوں اور معبودوں کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے جس سے ان کے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا اور ایک فریق دوسرے فریق سے مل نہ سکے گا اور نہ اس کے پاس جا سکے گا کام آنا تو درکنار درمیان میں ایک عظیم خندق حائل ہو گی اور مَوْبِق کے معنی جائے ہلاکت کے ہیں اس سے مراد آگ کی خندق ہے یا جہنم کی کسی وادی کا نام ہے جب درمیان میں یہ آڑ حائل ہو جائے گی تو ان کی امداد سے بالکل مایوسی ہو جائے گی اور بجائے مدد اور شفاعت کے کافروں کو یہ موبق نظر

آئے گی جو جہنم کی راہ ہے اور اس وقت مجرم لوگ دُور سے آگ کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی یقین کرلیں گے کہ وہ ضرور اس آگ میں گرنے والے ہیں اور اس سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ آگ ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوگا یہ اس واسطے فرمایا کہ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے وہ ایسے عاجز ہیں کہ اس مصیبت کے وقت میں ان کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے اور مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر جہنم کو چالیس سال کی مسافت میں دیکھے گا مطلب یہ ہے کہ شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی کچھ اُمید ہو لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائے گا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں اب اس کے بعد قرآن کریم کی جامعیت کو بیان فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت اور نصیحت کے لیے ہر قسم کی مثال تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کردی ہے تا کہ لوگ راہ حق سے نہ بھٹکیں مگر باوجود اس تفصیل اور واضح بیان کے لوگ حق سے جھگڑا لگاتے ہیں اور ہے انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر انسان کی فطرت اور جبلت میں مجادلہ اور مخاصمہ ایسا مرکوز ہے کہ حق کے مقابلہ میں مجادلہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور یہ جدال کبھی تو ایمانیات اور اعتقادیات میں ہوتا ہے مثلاً توحید اور رسالت کے بارہ میں یا قیامت کے بارہ میں مجادلہ کرے تو یہ کفر ہے اور کبھی عبادات اور اعمالِ صالحہ میں ہوتا ہے تو یہ جدال معصیت یعنی گناہ ہے مثلاً کوئی شخص ایمانیات یعنی توحید و رسالت میں تو نہیں جھگڑا کرتا مگر کسی حق بات میں اور عمل کے بارہ میں جھگڑا کرتا ہے تو یہ جدال کفر نہ ہوگا بلکہ معصیت اور گناہ ہوگا اور کبھی یہ جدال قربات اور مستحبات میں ہوتا ہے تو یہ جدال بے ادبی ہے مثلاً صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کے اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو فرمایا کہ تم دونوں نماز کیوں نہیں پڑھتے (یعنی صلاۃ اللیل اور رات کے نوافل کیوں نہیں پڑھتے) علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نفوس یعنی ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہم کو رات کو نماز کے لیے اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیر کر واپس ہوئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جواب طاعات اور قربات یعنی مستحبات میں مجادلہ تھا کہ اپنی غفلت کی پردہ پوشی کے لیے خدا کی قدرت اور اس کی قضاء و قدر کو بہانہ بنایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب درحقیقت ایک نوع کا مجادلہ ہے جو خلاف ادب ہے اور عملاً بے رخی اور بے التفاتی برتی تا کہ ناپسندیدگی کا اظہار ہو جائے اور جب لوگوں کے پاس ہدایت قرآنی آ پہنچی تو ان کو اس ہدایت ایمانی پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ ضلالت سے توبہ اور استغفار کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر یہ بات مانع ہوئی کہ ان کو اس بات کا انتظار اور طلب ہے کہ ان پر بھی وہی سنت الٰہی جاری ہو کہ جو گزشتہ جدال اور مقابلہ کرنے والوں پر جاری ہوئی تھی یا اس بات کے منتظر ہیں کہ عذاب الٰہی ان کے سامنے آ کھڑا ہو حاصل یہ کہ ان مجادلین اور معاندین پر یہ امر بخوبی منکشف ہو گیا ہے کہ قرآن حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔ جدال اور عناد کے عادی ہیں یہ لوگ ایمان لانے والے اور حق کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے منتظر ہیں کہ اگلے مجادلین کی طرح ہلاک کیے جائیں یا عذابِ الٰہی ان کی آنکھوں کے سامنے آ جائے تب مانیں حالانکہ اس وقت کا ماننا قابل قبول نہیں اور نہ مفید ہے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر صرف اہلِ ایمان کو بشارت دینے کے لیے اور اہل ضلالت کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لیے ان پر یہ لازم نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کو حق منوالیں

اور جولوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو پھسلا دیں اور لڑکھڑا دیں یعنی اس قسم کی مہمل اور بیہودہ باتوں سے مجادلین کی یہ غرض ہوتی ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنادیں اور ان لوگوں نے بنالیا ہے میری آیات کو اور اس عذاب کو جن سے ان کو ڈرایا گیا مضحکہ یعنی اس کو مذاق اور ٹھٹھا بنالیا ہے یعنی ان لوگوں نے آیات الٰہیہ کو اور مواعید خداوندی کو مضحکہ بنالیا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے پروردگار کے کلام سے نصیحت کی گئی اور اس کو ہوشیار کر دیا گیا پھر اس نے ان کی طرف سے منہ موڑا اور فراموش کر دیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے یعنی اپنے گناہوں اور بدکاریوں کے انجام کو بھول گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو کفر اور گناہ اپنے ہاتھوں سے کرکر کے آگے بھیج رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے نفس پر ظلم کر کے اس کو تباہ اور برباد کر ڈالا اور ہر چند کہ اس کو آیات خداوندی سے نصیحت کی گئی مگر ایک نہ سنی اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ تحقیق ہم نے ایسے مجادلین اور معاندین کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے تاکہ حق کو نہ سن سکیں اور اے نبی! اگر آپ ﷺ ان کو راہِ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ کبھی بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں بندہ کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر چلے رہا یہ امر کہ اللہ کے علم میں کیا ہے سو اس کا علم کسی کو نہیں بندہ کو حکم یہ ہے کہ کسب معاش کے لیے تجارت کرے یا زراعت کرے باقی اس تحقیق میں پڑنا کہ بندہ کے مقدر میں کتنا رزق لکھا ہے یہ جہالت اور حماقت ہے اور اے نبی ﷺ! تیرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے خداوند رحمت ہے اس لیے وہ ان مجادلین اور معاندین اور مجرمین پر بالفعل اور فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا اگر وہ ان کو ان کے اعمال پر پکڑنے لگے تو ان کی بداعمالیوں کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دنیا ہی میں ان پر جلد عذاب نازل کرے مگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ بڑا حلیم اور کریم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کی سزا کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ یعنی روز قیامت جس سے چارہ اور مفر نہیں ہرگز نہ پاویں گے اس وعدہ سے پناہ اور بھاگنے کی جگہ کہ اس کے آنے سے پہلے ہی کہیں جا چھپیں اور اس سے محفوظ ہو جائیں اور یہ اُجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں یعنی قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے کفر اور شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ ایک لحہ اور ایک لحظ کا بھی فرق نہ ہوا اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ کے سرکشوں اور جدال کرنے والوں کے لیے بھی علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے یہ لوگ بھی اپنے وقت پر ہلاک ہوں گے آپ ﷺ تسلی رکھیے اور ان کی تکذیب اور جدال کی پرواہ نہ کیجیے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں ابلیس کا غرور اور تکبر کی وجہ سے خراب اور برباد ہونا بیان کیا اب آگے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں جانتے تواضع کا انجام بہتر ہے اور تکبر کا انجام بُرا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ
اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک

اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا

یا چلتا جاؤں قرنوں پھر جب پہنچے دونوں دو دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی،

فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىہُ

پھر اس نے اپنی راہ لی دریا میں سرنگ بناکر پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو

اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا ہٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَ

لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی ہے اپنے اس سفر میں تکلیف بولا وہ دیکھا تو نے

اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَۃِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡہُ اِلَّا

جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر پاس، سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلایا

الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَہٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ

شیطان ہی نے کہ اس کا مذکور کروں اور وہ کر گئی اپنی راہ دریا میں عجب طرح کہا

ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِہِمَا قَصَصًا ﴿ۙ۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبۡدًا

یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے پھر پایا ایک بندہ

مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا

ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے اپنی مہر اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے

عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰی ہَلۡ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ

ایک علم کہا اس کو موسیٰ علیہ السلام نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس پر کہ مجھ کو سکھاوے کچھ جو تجھ کو سکھائی ہے

رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَ کَیۡفَ تَصۡبِرُ

بھلی راہ۔ بولا تو نہ رہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا اور کیونکر ٹھہرے دیکھ کر ایک

عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا

چیز کو جو تیرے قابو میں نہیں اس کی سمجھ کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا

وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ

اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم بولا پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی

شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانْطَلَقَا ٞ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا ع ۹/۱۱ ۲۱

چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا مذکور پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے

فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ

ناؤ میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ علیہ السلام بولا تونے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو تونے کی

شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

ایک چیز انوکھی بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور نہ ڈال مجھ پر میرا کام مشکل

فَانْطَلَقَا ٞ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّةًۢ م

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ملے ایک لڑکے سے اس کو مار ڈالا موسیٰ علیہ السلام بولا تونے مار ڈالی ایک جان ستھری

بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّکْرًا ﴿۷۴﴾

بن بدلے کسی جان کے تونے کی ایک چیز نامعقول۔

قصہ حضرت موسیٰ با خضر علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ ... اِلٰی ... لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّکْرًا ﴿۷۴﴾﴾

ربط: چونکہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لیے روح اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو سوالات کیے تھے وہ یہود کے بتلانے اور سمجھانے سے کیے تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کا جواب دے دیں تو جانو کہ وہ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ اس لیے یہود کے سنانے کے لیے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم کریں کہ نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہوں اور وہ تمام اخبار اور قصص کا عالم ہو بلکہ نبوت کے لیے وحی اور علوم ہدایت کی معرفت ضروری ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم ہونے

کے ان علوم سے واقف نہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کیے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے سفر کیا تا کہ وہ ان سے علوم حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ نے خاص ان کو عطا کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی اور رسول کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا اور تمام واقعات اور قصص سے باخبر ہونا اور ہر قسم کے علم سے واقف ہونا ضروری نہیں البتہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان علوم ہدایت سے پوری طرح باخبر ہو جن کو رضائے خداوندی اور قربِ خداوندی اور اُمت کی اصلاح اور تربیت میں دخل ہو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم دیا وہ اس قسم کا نہ تھا بلکہ دوسری قسم کا تھا اس قسم کے علوم میں خضر وموسیٰ علیہما السلام سے بڑھ کر تھے مگر عند اللہ افضلیت اور تقرب کا دارومدار علوم ہدایت اور علوم شریعت پر ہے ان علوم میں موسیٰ علیہ السلام سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے بالا اور برتر تھے ان علوم میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔

موسیٰ علیہ السلام ایک بار بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "میں" مطلب یہ تھا کہ جن علوم کو ہدایت اور قربِ الٰہی کے حصول میں دخل ہے ان علوم میں کوئی میرے برابر نہیں اور یہ کلام باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا کیونکہ آپ علیہ السلام اللہ کے اولوالعزم رسول تھے اور کلیم اللہ تھے اور صاحب تورات تھے اور صاحب معجزات عظیمہ تھے اس وقت روئے زمین پر آپ علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو علوم ہدایت کی معرفت حاصل نہ تھی مگر لفظ ظاہراً مطلق تھا مقام رسالت کے مناسب یہ تھا کہ علی الاطلاق اپنے کو سب سے بڑا عالم نہ کہتے سب سے زیادہ علم کی نسبت خداوند ذوالجلال کی طرف مناسب تھی مقربین کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی بات پر بھی باز پرس ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے برگزیدہ بندے کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دی جائے موسیٰ علیہ السلام کا جواب اگرچہ باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا لیکن حق تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے اس لیے کہ جواب کے ظاہری عموم اور اطلاق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ موسیٰ علیہ السلام اعلم الناس ہیں اس لیے بغرض تادیب وتنبیہ یہ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ تم سے زیادہ ہے گو ان علوم کو قربِ الٰہی اور رضائے خداوندی کے حصول میں دخل نہ ہو لہٰذا سائل کے جواب میں اپنے کو مطلقاً اعلم الناس کہنا مناسب نہ تھا بلکہ مناسب یہ تھا کہ جواب کو خدا تعالیٰ کے علم محیط پر محول کرتے اور کہتے کہ "اللہ اعلم" کہ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اللہ کے بہت سے مقبول اور مقرب بندے ہیں سب کی خبر اس کو ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب میں سے کس کو کون سا علم عطا کیا ہے ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾۔

حق جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سہو اور نسیان پر متنبہ فرمایا اور خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا موسیٰ علیہ السلام اس ارشادِ خداوندی کو سن کر ان سے ملنے کے مشتاق ہوئے اور پوچھا کہ ان سے ملنے کی کیا صورت ہے۔ ارشاد ہوا کہ مجمع البحرین یعنی روم اور فارس کے دو سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں پتھر کے پاس میرا ایک نیک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے ہم نے اس کو ایک خاص علم دیا ہے جا کر اس سے ملو اور ناشتہ کے لیے ایک مچھلی تل کر اپنے زنبیل میں رکھ لو اور روانہ ہو جاؤ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں تم کو ہمارا وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی بھنوا کر زنبیل میں رکھ لی اور یوشع بن نون کو اپنی ساتھ لے کر مجمع البحرین روانہ ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی! وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم سے جس کا نام یوشع بن نون تھا یہ کہا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا طلب مطلوب میں

مدتوں چلتا رہوں یعنی جب تک خدا کے اس نیک بندہ سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر سے منہ نہ موڑوں گا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

یاتن رسد بجاناں یاجاں زتن برآید

چنانچہ بھنی ہوئی مچھلی ساتھ لے کر دونوں سفر کے لیے روانہ ہوئے پس جب یہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی مچھلی وہیں بھول گئے پس وہاں پہنچ کر وہ مچھلی باذن الٰہی زندہ ہوگئی اور دریا میں جا داخل ہوئی اور اس نے دریا میں ایک سرنگ کی طرح راہ بنالی جہاں مچھلی جاتی وہاں دریا کا پانی دونوں طرف سے کھڑا ہو جاتا اور بیچ میں ایک طاق سا بن جاتا جب یہ دونوں حضرات مجمع البحرین پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون علیہ السلام جاگتے رہے وہاں ایک چشمہ تھا یوشع بن نون اس چشمہ سے وضو کرنے لگے ان کے ہاتھ سے ایک دو قطرہ پانی کا اس بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا اس سے وہ مچھلی فوراً زندہ ہوگئی یا کسی طرح سے وہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہوگئی۔ واللہ اعلم (تفصیل کے لیے فتح الباری کتاب الانبیاء دیکھئے)

اور دریا میں چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی اور وہاں اس کے لیے مثل روشندان کے ایک طاق بن گیا۔

یوشع بن نون علیہ السلام کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور قصد کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام جاگیں گے تب ان سے اس کا ذکر کروں گا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے تو یوشع علیہ السلام اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں حضرات وہاں سے آگے چل کھڑے ہوئے۔

پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو اگلے روز دن چڑھے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ تحقیق ہم سفر کی اس منزل میں تعب اور مشقت کو پہنچے ہیں یعنی تھک گئے ہیں مجمع البحرین تک موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہیں ہوئی جب منزل مقصود سے آگے بڑھے تب تھکن محسوس ہوئی اور بھوک بھی لگی اور کھانا طلب کیا دیکھا تو مچھلی ندارد ہے اس وقت یوشع بن نون علیہ السلام کو مچھلی کا حال یاد آیا اور بولے کہ بھلا آپ کو معلوم بھی ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے اور آپ تو وہاں سو گئے تھے اور مچھلی یکا یک زندہ ہو کر دریا میں داخل ہوگئی اور اس کے لیے ایک طاق سا بن گیا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو آپ سے اس واقعہ کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو تحقیق میں آپ سے اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ پتھر جس کے پاس جا کر ٹھہرے تھے مجمع البحرین پر تھا اور یہی مقام ان کی منزل مطلوب و مقصود تھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلا دیا تھا کہ خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ کی نشانی یہ ہے کہ جہاں وہ مچھلی زندہ ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا لیکن بایں ہمہ یوشع بن نون اس کا ذکر کرنا بھول گئے اور کہا کہ مجھے شیطان نے بھلا دیا کہ میں اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرتا نہ معلوم کمبخت شیطان نے مجھ کو کس دھیان میں لگا دیا کہ میں آپ سے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کرنا بھول گیا عین منزل مقصود پر پہنچ کر اصل مقصود سے ذہول اور غفلت شیطان ہی کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے جس نے قدرتِ الٰہی کے ایسے کرشمہ کو بھلا دیا ورنہ یہ عجیب و غریب کرشمۂ قدرت بھولنے کے لائق نہ تھا بظاہر سفر کی جلدی کے بارے اس کا ذکر کرنا بھول گئے یوشع بن نون نے اپنی اس سہو نسیان کو تواضعاً شیطان کی طرف منسوب کیا شیطان کا اصل زور تو اس کے دوستوں ہی پر چلتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ﴾ (النحل:۱۰۰) لیکن بھول چوک اور وسوسۂ شیطانی کبھی کبھی خدا کے نیک بندوں کو بھی پیش آجاتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ (الاعراف:۲۰۱) مگر یہ بھول چوک عبادِ صالحین کے حق میں مضر نہیں ہوتی بلکہ ان کے حق میں مزید ترقی مدارج کا سبب بن

جاتی ہے۔ جیسا کہ یہاں سفر کی مزید مشقت سے ان کو زیادہ عروج ہوا اور مظہر کرامت بنے کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہوگئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون سے کھانا طلب کیا تو دیکھا کہ مچھلی ندارد ہے تو یوشع بن نون نے معذرت کی اور عرض کیا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی وہیں مفقود ہوگئی تھی اور میں آپ سے اس قصہ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور وہ قصہ یہ ہوا کہ اس مچھلی نے زندہ ہونے کے بعد دریا میں عجیب طرح سے راستہ بنالیا ایک عجیب بات تو یہ ہوئی کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہوگئی اور دوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ زندہ ہو کر دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی وہاں طاق سا کھلا رہ گیا موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصہ سن کر فرمایا یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہم تلاش اور جستجو میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندہ کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہوگی اس لیے ہم کو پھر اسی جگہ واپس لوٹنا چاہیے پس لوٹ پڑے دونوں اپنے نشان قدم پر کھوج لگاتے ہوئے اور پھر اسی پتھر کے پاس واپس آ گئے جہاں مچھلی بھولے تھے سو وہاں پہنچ کر ان دونوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق یوشع بن نون علیہ السلام نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ کو پایا یہ بندۂ خدا وہی خضر علیہ السلام ہیں۔ جن کی ملاقات کے لیے یہ سفر کیا اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص بندہ کے دو وصف بیان کیے۔

(اوّل) ﴿اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا﴾ یعنی ہم نے اس کو اپنی خاص رحمت اور خاص عنایت سے سرفراز کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رحمت سے نبوت اور ہدایت مراد ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک رحمت سے ولایت اور مقبولیت مراد ہے اور لفظ رحمت مجمل ہے جس میں دونوں معنی کا احتمال اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ولی تھے نبی نہ تھے۔

(دوسرا وصف) اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ بیان فرمایا ﴿وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا﴾ اور ان کو ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا جو نظر و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا ہم نے اپنے پاس سے ان کو باطنی علم سکھایا وہ علم ہمارے ساتھ خاص ہے بغیر ہمارے سکھائے کوئی اس علم کو نہیں جان سکتا صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایسے ہی علم کو علم لدنی کہتے ہیں جس میں اسباب ظاہری کا دخل اور واسطہ نہ ہو اور عالم غیب سے براہ راست علم اس کے قلب میں داخل ہو ملائکہ پر جو منجانب اللہ علوم فائض ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے ہوتے ہیں قلب میں عام طور پر جو علم داخل ہوتا ہے وہ حواسِ ظاہری کے دروازوں سے داخل ہوتا ہے ایسے علم کو علم حصولی اور علم اکتسابی کہتے ہیں اور جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جائے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جائے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازہ سے داخل اور حاصل ہو وہ علم حصولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ ''علم لدنی'' اور ''علم وہبی'' اور ''علم حضوری'' کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرارِ غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلم وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلم. یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے۔ جس کا تعلق اسرار کونیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اس کو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاحِ اُمت سے ہے یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے میں اس علم کو نہیں جانتا

مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں دونوں یکجا جمع نہیں ہوسکتیں اس لیے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور وہاں ایک چڑیا دکھائی دی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ آ لگا ہے اور یہ بھی محض تفہیم کے لیے تھا ورنہ درحقیقت یہ نسبت بھی نہیں اس لیے کہ ساری دنیا کا علم بھی متناہی ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کیا نسبت خدا تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا وہ اس کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور ایک قطرۂ آب پر ناز کرنا مناسب نہیں اس دریا پر نظر کرو جہاں سے یہ قطرہ ملا ہے خضر علیہ السلام کی اس بے مثال تمثیل ﴿ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ کی خوب تفسیر ہوگئی اور مشرکین مکہ نے جو اہل کتاب کے مشورہ سے آپ کے امتحان کے لیے تین سوال کیے تھے ان کے ساتھ اس قصہ کا ربط خوب ظاہر ہوگیا کہ نبی کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر ان کو سلام کیا بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کا اتباع کروں اس شرط پر یا اس اُمید پر کہ جو خبر اور بھلائی کی باتیں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہیں ان میں سے آپ کچھ مجھ کو بھی تعلیم کریں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت سے پورے واقف اور باخبر تھے لیکن جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور اُمور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی سے نہ ہو نبی کا غیر نبی سے سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم باموردُنیاکم اس کی مؤید ہے معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے اُمور کو سیکھنا کہ جن کا اُصولِ دین اور فروع دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

خضر علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر صبر نہیں کرسکو گے کیونکہ تم شریعت کے پابند ہو اور احکام شریعت کا دارومدار ظاہر پر ہے اور مجھ سے ایسے امور صادر اور سرزد ہوں گے کہ جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کے اصل راز اور اندرونی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے آپ کی نظر صرف ظاہر پر ہوگی اور اس شے کی باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا آپ کو علم نہ ہوگا اس لیے آپ ایسے اُمور کو دیکھ کر صبر نہ کرسکیں گے میں جانتا ہوں کہ آپ میری باتوں کا انکار کریں گے اور آپ اس انکار میں بلاشبہ معذور ہوں گے اس لیے کہ ازروئے شریعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور آپ نبی ہیں اور نبی سے اُمور منکرہ پر صبر نہیں ہوسکتا لیکن میں بھی ان امور کے کرنے میں معذور ہوں گا اس لیے کہ میں منجانب اللہ اس کا مامور ہوں گا اور من جانب اللہ میں اس کی باطنی حکمت و مصلحت پر مطلع ہوں گا اور آپ ان مصالح سے آگاہ نہ ہوں گے اس لیے آپ میری باتوں پر صبر نہ کرسکیں گے۔ بہرحال آپ کے لیے میری باتوں پر صبر کرنا اور سکوت اور خاموشی اختیار کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر سوالات اور مواخذہ اور روک ٹوک کا سلسلہ جاری رہا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ کیسے جاری رہ سکے گا اور بے شک آپ اس چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جو آپ کے احاطۂ علم سے باہر ہو آپ کی نظر اس امر کی ظاہری قباحت پر تو ہوگی مگر اس کے باطنی محاسن آپ کے علم سے پوشیدہ ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اگرچہ میں ظاہر شریعت کا مکلف ہوں باطن سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مخالفت نہ کروں گا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور حتی الوسع میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جو امر آپ سے صادر ہوگا اگرچہ وہ بظاہر میری نظر میں قبیح ہوگا مگر درحقیقت قبیح نہ ہوگا اس لیے کہ جب اللہ رب العالمین نے آپ کی معیت اور

مصاحبت کا حکم دیا ہے تو یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کا جو کام ہوگا وہ عین منشاءِ خداوندی ہوگا اس لیے میں ان شاء اللہ حتی الوسع اس پر صبر کروں گا صبر کا وعدہ فرمایا اور تبرک کے لیے انشاء اللہ کی قید لگا دی جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے بطور تبرک اور بطریق توکل ان شاء اللہ کہا کہ بندہ کا فعل خواہ صبر ہو اور خواہ شکر ہو سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے بندہ اپنے کسی قول اور فعل اور عمل میں مستقل نہیں ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا کلام درحقیقت حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ کا جواب تھا۔ اہلِ فہم حضرات موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب باصواب پر غور فرمائیں کہ جس کے ہر لفظ اور ہر حرف سے ادب اور تواضع ٹپک رہی ہے۔

(اوّل) ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ﴾ سے اتباع کی اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے آپ کو آپ کے تابع کر دوں۔

(دوم) ﴿عَلٰٓي اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ سے اقرار کیا کہ آپ عالم اور معلم ہیں اور میں آپ کا متعلم بننا چاہتا ہوں۔

(سوم) ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام سے بعض علم کی درخواست کی کہ آپ اپنے علم میں سے کچھ حصہ اور اس کا کوئی جز مجھ کو مرحمت فرمائیں مطلب یہ تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ علم میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ جو علم آپ کو حاصل ہے اس میں سے کوئی جزء مجھے عطا فرمائیں۔

(چہارم) یہ کہ ﴿عُلِّمْتَ﴾ سے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ علم آپ کو من جانب اللہ ملا ہے۔

(پنجم) لفظ ﴿رُشْدًا﴾ سے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ علم رشد و ہدایت ہے اس رشد میں سے کچھ عطا کیے جانے کی درخواست کی۔

(ششم) ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ یعنی ان شاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

(ہفتم) ﴿وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ یعنی آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم کی درخواست کی تو خضر علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تمہیں توریت کا علم کافی نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کے حکم سے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود تم کو اس کے حال سے آگاہ کر دوں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو شرط یہ ہے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا اور نہ مجھ پر اعتراض کرنا کہ یہ کیوں کیا یا ایسا کیوں کیا یہاں تک کہ میں خود تم سے اس کا ذکر کر دوں۔ (تفسیر سراج منیر ص ۳۱۲ ج ۲)

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ ان وقائع کو بیان کرتے ہیں جو اس کے بعد موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان پیش آئے پس ان شرائط کے تسلیم کر لینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے ساتھ ہو لیے اور آگے روانہ ہوئے ظاہر یہ ہے کہ یوشع بن نون علیہ السلام بھی ساتھ تھے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اس لیے اصل متبوع یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا اور تابع (یوشع بن نون علیہ السلام) کا ذکر چھوڑ دیا اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی ملاقات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو واپس کر دیا۔ (واللہ اعلم)

بہر حال حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دونوں روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پیش آئی ناخدا نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بصد تعظیم و تکریم کشتی میں مفت سوار کر لیا یہاں تک کہ جب دونوں اس کشتی میں

سوار ہو گئے تو کچھ دُور چل کر حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرائے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی غرق ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھبرا کر کہا اے خضر کیا تو نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دے اور بے وجہ سب کی جانیں ضائع ہوں اور احسان کا بدلہ نقصان سے دیں مال بھی برباد اور جانیں بھی برباد البتہ تحقیق تم نے عجیب ہی کام کیا ہے ایک تختہ نکال کر کشتی والوں پر آفت برپا کر دی۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا تھا۔ لہٰذا مجھے میری بھول چوک پر نہ پکڑو اور میرے معاملہ پر سختی نہ کرو تا کہ میرے لیے آپ کی معیت اور مرافقت میں دشواری نہ ہو بھول چوک میں نرمی اور چشم پوشی چاہیے نہ کہ مؤاخذہ اور سخت گیری فعل نسیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدم کے حکم میں ہے پھر کشتی سے اتر کر دونوں آگے روانہ ہوئے اور ایک بستی میں پہنچے اور چند لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کمسن لڑکے سے ملے جوان کھیلنے والوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا قتل کر دیا یا زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا یا اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دیا یا اس کا سر دیوار سے مار دیا اور مار کر چل کھڑے ہوئے۔ ایک کمسن بچے کے اس حیرت انگیز قتل کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جوش آ گیا اور بولے اے خضر کیا تو نے ایک پاک اور بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے عوض اور بدلہ کے یونہی مار ڈالا یہ تو معصوم بچہ تھا اس نے تو کسی کا خون بھی نہیں کیا تھا ایسا معصوم بچہ اگر کسی کا خون بھی کر ڈالے تو اس پر قصاص نہیں آپ نے اس کو کیسے مار ڈالا بے شک آپ نے بہت ہی ناپسندیدہ اور بُرا کام کیا جس کا عقل اور فطرت اور شریعت سب ہی انکار کرتی ہیں آپ کا یہ فعل پہلے فعل سے زیادہ سخت ہے آپ نے ایسا بُرا کام کیا جس کا تدارک بھی ممکن نہیں کشتی کے شگاف کا من وجہ تدارک ممکن ہے مگر قتل کا تدارک ممکن نہیں مار ڈالنے کے بعد جان ڈالنا کسی کے اختیار میں نہیں نیز قتل سے جان کا نقصان یقینی ہے اور شگاف سے کشتی کا غرق ہونا یقینی نہیں ممکن ہے کہ کشتی باوجود شگاف کے غرق نہ ہو یا لوگ کسی اور طرح سے بچ جائیں۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۴ ذی الحجۃ الحرام یوم شنبہ ۱۳۸۹ھ عصر اور مغرب کے درمیان پندرھویں پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللہ الحمد اوّلاً و آخراً